فیوض الرحمٰن

پارہ ۲۳ اردو ترجمہ

روح البیان

مفسّر و مؤلف

سراج العلماء زبدۃ الفضلاء حضرت علامہ مولانا شیخ اسماعیل حقّی البروسوی

قدس سرہٗ

مترجم

شیخ التفسیر والحدیث حضرت علامہ مولانا مفتی محمد فیض احمد

اویسی رضوی

ناشر

مکتبہ اویسیہ رضویہ ○ ملتان روڈ ○ بہاولپور

نام کتاب . . . . فیوض الرحمٰن اردو ترجمہ تفسیر رُوح البیان

پارہ نمبر ۲۳

مصنف . . . . سراج العلماء والفضلاء علامہ اسمٰعیل حقّی قدس سرہٗ

مترجم . . . . شیخ التفسیر والحدیث مولانا محمد فیض احمد اویسی رضوی .

تصحیح . . . . . . الحاج چوہدری مشتاق محمد خان لاہور .

سن طباعت . . . . . . مئی ۱۹۸۹ء

مطبع . . . . . الجدہ پرنٹرز

ناشر . . . . مکتبہ اویسیہ رضویہ بہاولپور

باہتمام : : : : : : : صاحبزادہ عطاءالرسول الاویسی

فہرست تفسیر فیوض الرحمٰن | پارہ ۲۳

تمت

وَمَالِيَ لَآ أَعْبُدُ الَّذِي

وَمَالِيَ لَآ أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ○
ءَأَتَّخِذُ مِن دُونِهِۦٓ ءَالِهَةً إِن يُرِدْنِ الرَّحْمَٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ
عَنِّي شَفَٰعَتُهُمْ شَيْـًٔا وَلَا يُنقِذُونِ ○ إِنِّيٓ إِذًا لَّفِي
ضَلَٰلٍ مُّبِينٍ ○ إِنِّيٓ ءَامَنتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُونِ ○ قِيلَ
ادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ يَٰلَيْتَ قَوْمِي يَعْلَمُونَ ○ بِمَا غَفَرَ لِي
رَبِّي وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُكْرَمِينَ ○ وَمَآ أَنزَلْنَا عَلَىٰ قَوْمِهِۦ
مِنۢ بَعْدِهِۦ مِن جُندٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا مُنزِلِينَ ○ إِن
كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَٰحِدَةً فَإِذَا هُمْ خَٰمِدُونَ ○ يَٰحَسْرَةً عَلَى
الْعِبَادِ مَا يَأْتِيهِم مِّن رَّسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِۦ يَسْتَهْزِءُونَ ○
أَلَمْ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّنَ الْقُرُونِ أَنَّهُمْ إِلَيْهِمْ

لَدَیۡنَا تُرۡجَعُوۡنَ ۝ وَاِنۡ کُلٌّ لَّمَّا جَمِیۡعٌ لَّدَیۡنَا مُحۡضَرُوۡنَ ۝

ترجمہ :۔ اور مجھے کیا ہے کہ اس کی بندگی نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا اور اُسی کی طرف تمھیں پلٹنا ہے ۔ کیا اللہ کے سوا اور خدا ٹھہراؤں کہ اگر رحمٰن میرا کچھ بُرا چاہے تو ان کی سفارش میرے کچھ کام نہ آئے اور نہ وہ مجھے بچا سکیں ۔ بیشک جب تو میں کھُلی گمراہی میں ہوں ۔ مقرر میں تمھارے رب پر ایمان لایا تو میری سنو ۔ اس سے فرمایا گیا کہ جنت میں داخل ہو ۔ کہا کسی طرح میری قوم جانتی جیسی میرے رب نے میری مغفرت کی اور مجھے عزت والوں میں کیا اور ہم نے اس کے بعد اس کی قوم پر آسمان سے کوئی لشکر نہ اُتارا اور نہ ہمیں وہاں کوئی لشکر اُتارنا تھا ۔ وہ تو بس ایک ہی چیخ تھی جبھی تو وہ بجھ کر رہ گئے اور کہا گیا کہ ہائے افسوس ان بندوں پر ۔ جب ان کے پاس کوئی رسول آتا ہے تو اُس سے ٹھٹھا ہی کرتے ہیں ۔ کیا اُنھوں نے نہ دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی سنگتیں ہلاک فرمائیں کہ وہ اب ان کی طرف پلٹنے والے نہیں اور جتنے بھی ہیں سب کے سب ہمارے حضور حاضر لائے جائیں گے ۔

تفسیر عالمانہ :۔ ومالی ۔ اور مجھے کونسی شے سامنے ہے کہ لا اعبد الذی فطرنی اس کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا اور عدم کے جنگل سے ظاہر فرمایا اور کئی طرح کے الطاف وکرم سے پالا ۔ (فاطر سورۃ کے اول میں لفظ فطر کی تحقیق گزر چکی ہے) یہ بھی اس کا لطف وکرم ہے کہ اس نے ناصحانہ طور رہبری فرمائی ہے اور خالص نصیحت یہ ہے کہ جو اپنے لیے پسند کرے وہی دوسرے کے لیے اختیار کرے ۔ اس میں کافروں کو متنبہ کیا کہ خالق کو چھوڑ کر غیر کی پرستش اچھی نہیں جیسا کہ و الیہ ترجعون دلالت کرتا ہے ۔ تہدید میں مبالغہ ہے وہ یہ کہ تم نے صرف اسی کے ہاں حاضر ہونا ہے جیسا کہ مرنے کے بعد جزا و سزا کے لیے سب کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے کا عقیدہ ہے ۔

نکتہ :۔ فطر کی نسبت (ابن النجار) نے اپنی طرف اور ترجعون کی قوم کی طرف اس لیے کہ فطر میں نعمت ہے اور وہ ابن النجار کو لائق ہے اور ترجعون ہیں زجر و توبیخ ہے اور

۱؎ جس کا واقعہ بیان ہو رہا ہے اس کی تفصیل ابھی سورۂ یٰس کے دوسرے رکوع سے شروع ہے ۔ اویسی غفرلہٗ

وہ قوم کے لیے موزوں ہے (فتح الرحمٰن)

نکتہ:۔ بعض عارفین نے فرمایا کہ عبودیت فطرت میں گویا کا لجزء ہے اور معرفت خلقتہ و فطرۃ کے اُوپر ہے۔ حدیث شریف میں ہے کل مولود یولد علی فطرۃ الاسلام (ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے) اگر معرفت فطرت کا کالجزء ہوتی تو آگے وابواہ یہودانہ ویمجسانہ وینصرانہ (اس کے باپ یہودی مجوسی نصرانی بنا دیتے ہیں) کا ارشاد گرامی نہ ہوتا بلکہ معرفت کشف جلال و جمال سے متعلق ہے اور یہ ایسا بدیہی اَمر ہے کہ اس میں کسی کو شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے اور اسے نہ کسی علت کی محتاجی ہے اور نہ کسب سے حاصل ہوتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراھیم علیہ السلام کے لیے فرمایا ولقد اٰتینا ابراھیم رشدہ من قبل (اور بیشک ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اس سے پہلے رشد عنایت فرمائی۔

فائدہ:۔ بعض نے فرمایا کہ عبد خالص وہ ہے جو فطرت کو دیکھ کر عمل کرے اور اس سے بزرگ تر وہ ہے جو خود پیدا کرنے والے کے مشاہدہ پر عمل کرے۔

ربط:۔ ابن انجار نے دوبارہ پھر اپنے لیے نصیحت کے طور کلام شروع فرمایا کہ ءاتخذ من دونہ کیا میں اپنے پیدا کرنے والے کے غیر یعنی غیر اللہ کو بناؤں اٰلھتہ باطل معبود یعنی بت۔ یہ انکار و نفی علی الاطلاق ہے یعنی میں بتوں کو ہرگز معبود نہ بناؤں گا۔ اس کے بعد جملہ مستانفہ ءاتخذ کی تعلیل کے لیے ہے۔

ان یردن الرحمٰن بضر۔ اگر رحمٰن ضر کا ارادہ فرمائے یعنی اگر رحمٰن کسی کو ضرر پہنچانا چاہے الضر برائی اور مکروہ شے کا نام ہے جس سے ضرر پہنچے۔ لا تغن عنی شفاعتھم تو مجھے بتوں کی سفارش نہ بچا سکے گی۔ شیئًا کچھ بھی یعنی اُن کی شفاعت مجھے ذرہ برابر بھی نفع نہ دے سکے گی کیونکہ اُن کو جب شفاعت کا اذن نہیں ہے تو پھر خاک نفع پہنچائیں گے۔ شیئًا کی نصب علی المصدریۃ ہے اور لا تغن جواب شرط اور جملہ شرطیہ مستانفہ ہے اس کا اعراب لفظی کوئی نہیں۔ ولا ینقذون اور نہ وہ مجھے عذاب سے چھڑا سکیں گے الانقاذ بمعنی التخلیص یعنی اپنی مدد سے یہ مجھے ضرر اور پریشانیوں سے چھڑا نہیں سکیں گے۔ اس کا عطف لا تغن پر ہے اور نون عامل جازم کی وجہ سے محذوف ہوگیا۔ دراصل لا ینقذوننی تھا۔ نون گر گیا اس میں تعمیم بعد تخصیص ہے۔ دونوں سے واضح کرنا ہے کہ ان کے بت نہایت درجہ کے عاجز اور بیکار ہیں کسی قسم بھی قدرت نہیں رکھتے۔

فائدہ:۔ امام سہیلی نے نقل کیا کہ حبیب نجار جذام کے مرض میں مبتلا تھا حواری کی دعا سے اسے شفا نصیب ہوئی تو یہی کہا۔

فائدہ:۔ بعض نے کہا کہ اس کا لڑکا بیمار تھا۔ ان دونوں اقوال میں تطبیق یونہی ہو کہ دونوں بیمار ہوئے ہوں

یا لڑکے کی بیماری اپنی طرف منسوب کر دی اسی لیے ضرر کو بھی اپنی طرف منسوب فرمایا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کی قوم کا ضرر مراد ہو کیونکہ مروی ہے کہ ان کے بہت سے بیماروں نے رسل کرام کی دعا سے شفا پائی پھر ان کے ضرر کو بھی اپنی طرف منسوب کیا تاکہ ان کے دل نرم ہوں اور حق کو قبول کریں۔

انی اذا ۔ بیشک اُس وقت جب کہ میں غیر اللہ کو معبود بناؤں گا لفی ضلل مبین ہوں گا میں کھلی گمراہی میں کیونکہ شرک کی شان نہیں کہ وہ کچھ نفع دے اور ضرر کا دفع بھی خالق و قادر کرتا ہے اور اس کے سوا کوئی قادر ہے ہی نہیں اور سوائے اس کی خیر کے کوئی خیر نہیں ۔ ضلل مبین کا معنیٰ ظاہر ہے کسی پر اس کا معنیٰ و مفہوم مخفی نہیں۔

انی اٰمنت بربکم ۔ بیشک میں ایمان لایا تمھارے رب پر جس نے تمھیں پیدا کر کے ہر طرح کی نعمتوں سے نوازا۔

سوال :۔ بربکم کیوں کہا انہیں بربی کہنا چاہیئے تھا۔

جواب :۔ تاکہ انھیں معلوم ہو کہ عبادت کا مستحق وہ ہے جو نعمتوں سے نوازے اور یہ انھیں یقین تھا کہ ان کے بت کسی کو کچھ نہیں دیتے اگر وہ بربی کہتے تو قوم کہہ سکتی تھی تو اپنے رب کی عبادت کرتا رہ ہم اپنے ارباب کی جو ہمارے معبود ہیں۔

فاسمعون ۔ مجھ سے وعظ و نصیحت سُن کر قبول کرو اور میری بات مانو۔ یہ اس محاورہ سے ہے جو ہم نماز میں کہتے ہیں۔ سمع اللہ لمن حمدہ ۔ یعنی جو اس کی حمد کرتا ہے تو وہ اسے قبول کرتا ہے۔

فائدہ :۔ کافروں کے ساتھ بالمشافہ گفتگو سے اپنے دین پر تصلّب کا اظہار ہے اور واضح کر دیا کہ اسے جان کی کوئی پرواہ نہیں۔

فائدہ :۔ رب کی اضافت ان کی طرف میں تحقیق حق اور متنبہ کرنا ہے کہ جنہیں اپنے معبود بناتے ہو وہ سراسر باطل ہیں۔ (الارشاد)

فائدہ :۔ بار بار کی تاکید کمال رغبت و نشاط کا اظہار مقصود ہے۔

ابن نجار کفار کے نرغے میں

حضرت ابن نجار نے جب کفار کی نصیحت سے فراغت پائی تو کفار ان پر ٹوٹ پڑے اور لاتوں اور گھونسوں سے مار مار کر آنتیں باہر نکال دیں۔ پھر کنوئیں میں پھینک دیا۔ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور سدی نے کہا کہ اسے پتھر اؤ کیا یہاں تک کہ وہ مر گیا۔

ابن نجار کی شفقت و رحمت:۔ جب ابن نجار کو کفار پتھراؤ کر رہے تھے تو آپ کہہ رہے تھے اللھم اھد قومی۔ اے اللہ میری قوم کو ہدایت نصیب کر۔

فائدہ:۔ یہ ان کی کمال شفقت کی دلیل ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شفقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت کا عکس ہے۔

جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنے رشتہ داروں نے سخت مارا اور کہتے کہ حق کو چھوڑ کر پھر دین باطل کی طرف واپس آ تو آپ دُعا فرماتے:۔

اللّٰھم اھد بنی تیم فانھم لا یعلمون یامرونی بالرجوع من الحق الی الباطل۔

"اے اللہ بنی تیم کو ہدایت دے کیونکہ وہ نہیں جانتے وہ مجھے دین حق سے ہٹ کر باطل کی طرف رجوع کا حکم دیتے ہیں۔"

فائدہ:۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی یہ شفقت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت کا عکس ہے یا آپ کے بحر شفقت کا ایک چلّو ہے جیسے اس حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ماصب اللہ تعالیٰ شیئاً فی صدری الا وصببتہ فی صدر ابی بکر

وہ جو اللہ تعالیٰ نے میرے سینہ میں ڈالا وہی میں نے ابو بکر کے سینہ میں ڈال دیا۔

شفقت مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ بھی مشرکین نے ایسے ہی کیا اور آپ کا دانت مبارک شہید کیا اور مہر نبوت پر گوبر اور گندگی پھینکی۔ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان پر شفقت و رحمت فرماتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

اللّٰھم اھد قومی فانھم لا یعلمون

ترجمہ:۔ اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے اس لیے کہ وہ نہیں جانتے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

طبع را کشتند در حمل بدی
تا نمولی گز بود ہست ایزدی

ترجمہ:۔ طبیعت کو دکھ اُٹھانے سے ذبح کیا تاکہ بار امانت ایزدی کے اُٹھانے کی مشق ہو۔

اے مسلمان خود اَدب اندر طلب
نیست الاحمل از ہر بے اَدب

ترجمہ:۔ اے مسلمان خود کو اَدب میں طلب کر۔ ہر بے اَدب سے دکھ اُٹھانے کے بغیر مطلب حاصل نہ ہوگا۔

ابن نجار پر کفار کی سختیاں

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کفار نے ابن نجار کے گلے میں رسّی باندھ کر شہر کے باہر ایک درخت پر لٹکا دیا۔ بعض نے کہا کہ آرہ سر پر رکھ کر پاؤں تک دو ٹکڑے کر دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ اسے رسّ (مشہور کنواں) میں پھینک دیا اور اس کی قبر بازار انطاکیہ میں ہے۔

فائدہ:۔ بعض نے کہا کہ حبیب نجار نے کفار کو باتوں میں لگائے رکھا اور طویل گفتگو میں مشغول رہے تاکہ رسل کرام کو شہید نہ کر سکیں۔ جب انھیں کہا انی اٰمنت بربکم الخ تو کفار اس پر ٹوٹ پڑے اور قتل کر دیا۔ جو کفار ابن نجار کے قتل میں مشغول ہوئے تو رسل کرام فرصت پاکر صحیح سالم بچ نکلے۔ حاشی ابن الشیخ۔

فائدہ:۔ کاشفی مرحوم نے فرمایا کہ ایک قول یہ ہے کہ وہ رسل کرام بسلامت واپس لوٹے لیکن حبیب ابن النجار شہید ہو گیا۔ ایک قول یوں ہے کہ نبی علیہ السلام اور بادشاہ اور دیگر اہل ایمان شہید کر دیئے گئے۔

فائدہ:۔ ابو اللیث رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں فرمایا و قتلوا الرسل الثلاثۃ۔ کافروں نے تینوں رسل کرام کو شہید کر ڈالا ؎

چوں سفیہان راست ایں کار دکیا
لازم آمد یقتلون الانبیاء

ترجمہ:۔ جب نالائقوں کو یہ بیوقوفی لازم ہے تو ناچار وہ انبیاء کو شہید کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ قیل ادخل الجنۃ۔ حبیب نجار کو بہشت میں داخل کرتے وقت کہا جائے گا بہشت میں داخل ہو یعنی شہید ہو جانے کے بعد یہ اس کی تعظیم و تکریم میں کہا جائے گا۔

فائدہ: بعض نے کہا کہ اسے خوشخبری سنائی جائے گی کہ تو بہشتی ہے کہ بعث و نشور کے بعد تو بہشت میں داخل ہوگا۔ اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ مرتے ہی اسے کہا گیا کہ بہشت میں جا کیونکہ بعث و نشور کے بعد ہی جزا مرتب ہوگی۔

سوال: صرف قیل پر کیوں اکتفا کیا گیا قیل لہ کیوں نہیں کہا گیا۔

جواب: مقول کا بیان مطلوب ہے نہ کہ مقول لہ کا کیونکہ اس کا حال تو ظاہر ہے یا اس کے ذکر میں عجلت (مبالغہ) مقصود ہے کہ گویا مراد صرف یہی ہے اور یہ جملہ مستانفہ اور سوال کا جواب ہے جو اس کی حکایت حال و مقال سے پیدا ہوئی گویا کسی نے کہا کہ حبیب نجار کا مرنے کے بعد کیا ہوا اس نے اپنے پروردگار کے ہاں کیا مرتبہ پایا کہ اس نے دین میں تصلّب بھی دکھایا اور سختیاں بھی جھیلیں تو اسے کیا ملا۔ اس کے جواب میں فرمایا۔ قیل الخ ایسے ہی اس کا قول۔

قال یہ سوال کا جواب ہے گویا سوال یہ ہے کہ حبیب نجار کو اللہ تعالیٰ نے جب بہشت میں داخل فرمایا تو اس نے کیا کہا تو فرمایا **قال** یعنی حبیب نجار نے بہت بڑی نعمت پاکر آرزو کرتے ہوئے کہا کہ کاش میری قوم کو میری جیسی دولت مل جاتی۔ اگر وہ کفر سے تائب اور ایمان میں داخل اور طاعت میں شامل ہوں جیسے اولیاء کرام کا طریقہ ہے کہ غصہ پی کر دشمنوں پر رحم فرماتے ہیں۔ ابن نجار نے یہ اس لیے کہا تاکہ قوم کو معلوم ہو کہ وہ اس عظیم امر سے بے خبر رہے اور میں حق پر تھا اور ان کی عداوت مجھے سعادت کی طرف لے گئی۔ **یالیت قومی۔**

قاعدہ: ایسے مقام پر یا محض تنبیہ کے لیے آتا ہے۔ یہ بتانا مطلوب نہیں کہ مُنَبّہ کون ہے۔ اب معنیٰ یہ ہے کہ کاش میری قوم **یعلمون بما غفر لی** جانتی کہ میرے پروردگار نے مجھے کس سبب سے بخشا ہے۔

فائدہ: ما موصولہ یا مصدریہ ہے بمعنی **بمغفرتی** الخ اور با یعلمون کا صلہ یا استفہامیہ ہے اسی لیے اپنے اصل پر ہے ورنہ حرف جارہ کے وقت لکھنے میں نہ آتا اور با غفر کے متعلق ہے لیکن استفہام سے تفخیم مطلوب ہے کہ اس نے تمہارے دین کو چھوڑا اور تمہاری اذیتوں پر اعزاز دین کے لیے صبر کیا جنہیں جنت میں انعام نصیب ہوتا ہے اور یہ آدھا انعام ہے کیونکہ

مکمل انعام بہشت میں بعث و نشور کے بعد داخل ہونے کے حاصل ہوگا۔ جب رُوح جسم میں داخل کیا جائیگا۔

حدیث شریف:۔ حدیث مرفوع میں ہے **نصح قوماً حیاو میتا**۔ حبیب نجار نے اپنی قوم کو زندگی اور بعد موت ہر دونوں حالتوں میں نصیحت کی۔

فائدہ:۔ اگر ان کو اس کی کرامت معلوم ہو جائے یعنی مرنے کے بعد کی باتیں سن لیتے تو ضرور ایمان لاتے۔

مسئلہ:۔ مومن پر لازم ہے کہ عوام کی خیر خواہی میں کمی نہ کرے وہ اسے نفع پہنچائیں یا نقصان وہ اس کے ساتھ نرمی کریں یا سختی اس کی خدمت کریں یا مذمت۔

فائدہ صوفیانہ:۔ حضرت حمدون قصار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نفس سے رؤیت خلق کا تصور کسی وقت بھی زائل نہیں ہوتا یہاں تک کہ اگر اسے گرا دیا جائے تو انسان کو حضرت الٰہیہ کا مشہد اعلیٰ نصیب ہو دیکھئے کہ حبیب نجار کو بہشت کے داخلہ کے بعد بھی اس تصور نے نہ چھوڑا۔

نکتہ از صاحب رُوح البیان

فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے حجاب امکان جانب نفس خلق و کثرت کے متعلق ہے اور وہ انسان کو کبھی چھوڑنے والا نہیں۔ یہ انسلاخ اگرچہ کاملین کے لیے ممکن ہے کہ وہ کمال شہود کے وقت خالی ہو جائیں لیکن یہ انسلاخ انہیں حدوث و امکان کی حد سے بالکل خارج نہ کردے گا ورنہ ممکن حادث قدیم ہو جائے گا اور یہ محال ہے۔

فائدہ:۔ کشف الاسرار میں ہے کہ انسان کی کرامت کی ایک نشانی یہ ہے کہ وہ راہِ حق اور دین و اسلام میں مردانہ وار جان قربان کرے جیسے حبیب نجار نے کیا تاکہ اسے اس کی طرح کرامت و خلعت نصیب ہو اور بوقت مرگ اسے کہا جائے **ادخل الجنۃ**۔ بہشت میں داخل ہو۔

فائدہ:۔ جو اس کے ساتھی ایسی پریشانیوں میں مبتلا ہوتے ہیں تو انھیں حکم ہوتا ہے **لا تخافوا**۔ خوف نہ کھاؤ۔ **ولا تحزنوا**۔ غم نہ کھاؤ۔ **وابشروا بالجنۃ** اور بہشت کی خوشخبری سنو۔

حکایت:۔ امام احمد حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بوقت نزع فرما رہے تھے **لا بعد لا بعد**۔ آپ کے صاحبزادے حضرت عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا ابا جان کیا فرما رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا بیٹے بہت مشکل وقت ہے دعا کیجئے تاکہ ایمان بسلامت لے جاؤں۔ یہ دیکھ ابلیس میرے سرہانے کھڑا اپنے سر پر خاک اڑا کر کہہ رہا ہے اے احمد میرے ہتھکنڈوں سے بچ کر ایمان کے ساتھ دنیا سے رخصت ہو رہا ہے۔ میں اسے کہہ رہا ہوں ابھی دیر ہے ابھی سانس آ جا رہا ہے ممکن ہے پھسل جاؤں

فضل خدا کا متمنی ہوں کہ وہی اپنے فضل وکرم سے میرا بیڑا پار فرمائے۔

حکایت: سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو بوقت مرگ قبلہ رُخ کیا لیکن وہ ہر بار چہرہ قبلہ سے ہٹا لیتا۔ ندا آئی اے علی (رضی اللہ عنہ) اسے ایسے ہی رہنے دے کیونکہ جسے ہم ذلیل کرتے ہیں اسے کوئی عزیز نہیں بنا سکتا۔ ایسے ہی جسے ہم عزیز بنائیں اسے کوئی ذلیل نہیں کر سکتا۔

بوقت مرگ تبسم: حدیث شریف میں ہے کہ جب بندۂ خدا دنیا سے رخصت ہو کر ملک بقا کو روانہ ہوتا ہے اور غسال اسے تختہ پر لٹا کر نہلانے لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے ندا آتی ہے کہ اے غسال تم اس کے ظاہر کو دھولو میں اسکے باطن کو رحمت کے پانی سے دھوتا ہوں۔ ساکنان حضرت جبروت پوچھتے ہیں کہ یا اللہ ہمیں اس نور کے متعلق آگاہ فرمایئے جو اس کے منہ سے موجزن ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ میرے جلال کا نور ہے جو اس کے باطن سے جلوہ گری فرما رہا ہے۔

حبیب نجار کی آخری منزل

جب حبیب نجار اس منزل پر پہنچے تو انھیں خطاب ملا ادخل الجنۃ۔ بہشت میں داخل ہو جا یعنی اس منزل میں آ جا جہاں دوستانِ خدا مشتاقانِ ذات کبریا کو آرام ملتا ہے یہاں طوبیٰ وحسنیٰ وزلفیٰ ہے۔

فائدہ: طوبیٰ عیش بے عتاب زلفیٰ ثواب بے حساب حسنیٰ دیدار بے حجاب کو کہا جاتا ہے۔ جب حبیب کو یہ مرتبہ ملا تو قوم کو یاد کر کے کہا **یالیت قومی یعلمون** یعنی آرزو کر رہا تھا کہ کاش میری قوم کو معلوم ہوتا کہ میں کہاں اور کس مقام پہ پہنچا ہوں کہ دیدار الٰہی بھی نصیب ہے اور اس کی مغفرت بھی[1]

---

[1] صاحب روح البیان کے دور یا ان کے ملک کے رواج کے مطابق بائیسواں پارہ کا اختتام یہاں پر ہے اور ہمارے ملک اور زمانہ میں بائیسواں پارہ کا اختتام پہلے ہو چکا۔ فقیر نے اس تحریر کو جمادی الآخرہ ۱۴۰۲ھ بروز سہ شنبہ بعد از نماز اشراق ختم کیا۔ لیکن چونکہ ہمارے ملک اور زمانہ کے رواج کے مطابق رکوع تاحال ختم نہیں ہوا اسی لیے تفسیر وترجمہ آگے مسلسل جا رہا ہے۔ ممکن ہے صاحب روح البیان قدس سرہٗ کے دور وملک کے رواج پر رکوع ختم ہو لیکن فقیر کا ترجمہ اپنے دور اور ملک کے رواج پر ہے۔
(اویسی غفرلہٗ)

آنجا کہ ابرار نشستند نستیم
صد گونہ شراب از کف اقبال چشیدیم

ترجمہ:۔ جہاں ابرار کی نشست گاہ ہے ہمیں وہاں کی نشست نصیب ہوئی اور محبوب کے ہاتھ کئی قسم کے شراب نصیب ہوئے۔

ما از ہمہ مقصود بخشائش حق بود
المنۃ للہ کہ بمقصود در رسیدیم

ترجمہ:۔ ہمارا مقصد تو بخشائش حق تھی۔ اس کا احسانِ عظیم ہے کہ ہم نے مقصود پا لیا۔

تفسیر عالمانہ:۔ وما انزلنا علی قومہ۔ اور ہم نے حبیب نجار کی قوم یعنی اہل انطاکیہ پر من بعدہ۔ اس کے شہید ہو جانے کے بعد من جند کسی لشکرے من السماء۔ آسمان سے بھیجا۔ ان کے ہلاک کرنے اور ان سے بدلہ لینے میں جیسے ہم نے بدر اور خندق میں ملائکہ بھیجے۔ بلکہ ہم نے ایک فرشتے کی چیخ سے ان کا کام تمام کر ڈالا۔

وماکنا منزلین۔ اور ہم نازل کرنے والے ہیں۔ اور یہ ہماری حکمت کے خلاف ہے کہ ہم کسی قوم کو آسمانی لشکرے ہلاک کر ڈالیں کیونکہ ہماری تقدیر میں لکھا ہے کہ ہر شے کا کوئی سبب ہوتا ہے اسی لیے ہم نے کسی کو جھنگاڑ سے کسی کو خسف سے کسی کو غرق کر کے تباہ و برباد کیا۔ یہ صرف اے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی خصوصیت سے ہے کہ آپ کی مدد کے لیے آسمان سے ملائکہ بھیجے۔

فائدہ:۔ آیت میں اہل انطاکیہ کی تحقیر اور اُن کے ہلاک کرنے کا استخفاف کہ انھیں معمولی سی زجر و توبیخ سے برباد کیا کہ ایک عبد مامور کے چنگھاڑ کے بجائے پرندوں اور دحوش سے ہلاک فرمایا اور رسول اکرم نبی محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شان مبارک کی تعظیم و تفخیم کی طرف اشارہ ہے کہ وہ ذات جب ایک بہت بڑی قوم کو صرف ایک فرشتے کی چیخ سے تباہ و برباد کر سکتا ہے تو وہ آپ کی باغی اُمت کے چند معمولی افراد کو ایک فرشتے کی چیخ کے ذریعے تباہ کرنے کے بجائے صرف مدد پہنچانے کی غرض سے ہزاروں فرشتے بدر و خندق میں بھیج دیئے یہ صرف اپنے محبوب کریم رؤف رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم و اعزاز کا اظہار تھا اور بس ورنہ انھیں ملائکہ کے مظاہرہ و معاونت کی محتاجی نہ تھی۔

سوال:۔ جب اہل انطاکیہ کو نہ آسمان کے لشکرے تباہ کیا اور نہ ہی زمین سے تو پھر من السماء کی تخصیص کیوں۔

جواب :۔ من السماء کا اضافہ احتراز کے لیے نہیں بلکہ ظاہر کرنا ہے کہ ان کی تباہی تو صرف ایک آسمانی کڑک سے ہوئی ۔

ان کانت الا صیحۃ ۔ اہل انطاکیہ کی وہ تباہی و بربادی نہ تھی مگر ایک ہی چنگھاڑ سے جو جبریل علیہ السلام نے صرف دو پروں کو ان کے شہروں پر ہلا کر چیخ ماری جس سے وہ تباہ و برباد ہو گئے ۔

فاذاھم خامدون ۔ تو وہاں ہوئے وہ بجھنے والے یعنی مردہ کہ نہ ان سے سانس کی آواز سنی جاتی نہ حرکت محسوس ہوتی ۔

نکتہ :۔ انھیں بجھی ہوئی آگ سے اس لیے تشبیہہ دی گئی ہے کہ انسان جب زندہ ہوتا ہے تو اس میں آگ جیسے شعلے ہوتے ہیں اور جب مر جاتا ہے تو راکھ جیسا ہوتا ہے ۔ اہلِ عرب کہتے ہیں خمدات النار ۔ یعنی آگ کے شعلے ختم گئے لیکن انگارے نہیں بجھے لیکن جب کہیں ھمدت تو معنیٰ ہوتا ہے اس کے انگارے بھی بجھ گئے ۔

نکتہ :۔ الکواشی میں ہے حامدون کے بجائے خامدون فرمایا حالانکہ بلیغ تر ہامدون تھا ۔ اس لیے کہ ان کے ہلاک ہونے کے بعد ان کے اجسام موجود تھے جیسے خمود کا تقاضا ہے ۔

بے ادبی کی سزا جلد ملی

حبیب نجار اور رسل علیہم السلام کی شہادت کے بعد تیسرے دن یہ لوگ بھی تباہ و برباد ہو گئے بعض نے فرمایا کہ ان کی شہادت کے بعد اسی دن ان کو تباہ و برباد کر دیا گیا ۔ بعض نے کہا ادھر وہ ان کو شہید کرنے سے فارغ ہوئے تھے کہ تباہی و بربادی کا نشانہ بن گئے ۔

نکتہ :۔ اس سے پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوبوں کی گستاخی پر غیظ و غضب فرماتا ہے اور انھیں ایسے پیس ڈالا ہے جیسے شیر بکری کے چھوٹے بچے کو ۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ایسے اعمال و افعال سے محفوظ فرمائے جو اس کے غیظ و غضب اور عذاب کا سبب بنیں ۔

یاحسرۃ علی العباد ۔ وائے ناکامی ان بندوں کی جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ عناد پہ اصرار کرتے ہیں یہ ان احوال سے ہے جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اے حسرت حاضر ہو جا یہی تیری حاضری کا وقت ہے جیسا کہ اس پر آیت ما یاتیھم من رسول الا کانوا بہ یستھزءون ان کے ہاں کوئی رسول بھی نہیں جن کے ساتھ وہ استہزاء نہ کرتے ہوں ۔ اسی لیے ناصحین کے ساتھ

استہزا کرنے والوں پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے کیونکہ آن ناصحین کی نصیحت پر عمل کرنے سے تو دارین کی سعادت کا دارو مدار ہے لیکن استہزا کرنے والوں نے یہ سعادت گنوا دی تو پھر افسوس کرنے والے خود ہی افسوس کریں گے اور ملائکہ اور ثقلین کے جن وانس بھی ان پر افسوس کریں گے چنانچہ فرمایا یا حسرۃ - یہ ان پر حسرت کی ندا ہے -

فائدہ :- کسی شے کے ضائع ہونے پر سخت غم اور افسوس لاحق ہونے کو حسرۃ کہا جاتا ہے کیونکہ اس کے ضائع ہونے پر اس کا واپس لوٹنا ممکن بھی نہیں رہتا - پھر اسے نہ بلایا جا سکتا نہ اپنی طرف متوجہ کیا جا سکتا ہے -

سوال :- پھر آیۃ میں اسے کیوں پکارا گیا -

جواب :- صرف مخاطبین کو متنبہ اور بیدار کرنا مطلوب ہے تاکہ انھیں یقین ہو کہ تمھاری یہ حالت حسرت اور افسوس کھانے کی مقتضی ہے کیونکہ اہل عرب کی عادت تھی کہ یا حسرت اور یا عجبا کہتے تاکہ اس میں مبالغہ ہو کہ یہ زمانہ حسرت اور تعجب کا ہے اور یہ ندا محض تنبیہہ کے لیے ہوئی -

فائدہ :- ممکن ہے کہ ان پر یہ اظہار حسرت بطور استعارہ منجانب اللہ ہوتا کہ وہ اپنے کرتوت کو سمجھیں کہ وہ کتنا بڑا اور برا ہے جیسے دستور ہے کہ کسی سے بہت بڑی دولت ضائع ہو جانے دوسرا اس پر اظہار افسوس کرتا ہے تاکہ اسے افسوس ہو کہ اس سے بڑی خطا ہو گئی ہے پھر وہ اس پر افسوس کھائے اس سے معلوم ہوا کہ ایسے وقت اظہار افسوس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ فعل کا مرتکب اپنے کیے پر نادم ہو کر آئندہ اس پر عمل نہ کرے گا اور نہ ہی دوسرے ایسے فعل کا ارتکاب کرے گا - اس تقریر کی تائید یا حسرتا بھی ہوتی ہے کہ الف یاء متکلم کے بجائے آیا ہے اور اس کا منصوب ہونا اس کے طویل ہونے کے متعلق بہا کے جار سے یعنی اسے چونکہ منادی مضاف سے مشابہت ہے اسی لیے منصوب ہے وجہ تشبیہہ اس کا طویل ہونا ساتھ جار متعلق کے -

فائدہ :- بحر العلوم میں ہے کہ ما یأتیھم حکایت حال ماضی استراری ہے یعنی وہ دنیا میں تکبر کرتے ہوئے ہمیشہ ان رسولوں سے استہزاء کرتے رہے جو ان کے ہاں حق لے کر آتے تو اسے قبول کرنے سے انکار کرتے -

فائدہ :- اس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے کہ جیسے پچھلے انبیاء علیہم السلام سے استہزاء ہوا آپ سے آپ کی استہزاء کر رہی ہے تو اس کا مطلب ظاہر ہے کہ آپ نبی برحق ہیں اور ان کو سزا جیسے پچھلے قوموں کو کہا گیا یا حسرۃ الخ -

فائدہ :- تفسیر العیون میں ہے کہ یاحسرۃً علی العباد الخ کافروں کا رسل کرام علیہم السلام کے ساتھ استہزاء کے حال کا بیان ہے کہ قیامت میں انہیں کہا جائے گا یاحسرۃً یاندامۃً علی الکفار یعنی کافروں پر حسرت و ندامت ہو کہ وہ رسل کرام پر ایمان نہ لائے۔ ما یأتیہم الخ جو ان پر حسرت آئی کی تفسیر ہے۔
حدیث شریف میں ہے کہ دنیا میں لوگوں کے ساتھ استہزاء کرنے والوں کے لیے قیامت میں بہشت کا ایک دروازہ کھول کر کہا جائے گا آؤ اس میں داخل ہو جاؤ جب ان کا ایک بہت بڑے دکھ اور تکلیف سے دروازہ کے قریب آئے گا تو دروازہ بند ہو جائے گا۔ ایسے ہی اس کے ساتھ بار بار ہو گا یہاں تک کہ دروازہ کھلا رہے گا لیکن وہ آنے کا ارادہ نہ کرے گا کیونکہ اسے بالکل مایوسی ہو جائے گی کہ وہ اس میں داخل نہیں ہو گا۔

زبور کا مضمون

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ میں نے داؤد علیہ السلام کی زبور میں لکھا ہوا دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اسے مبارک ہو جو گنہگاروں کے راستہ پر نہیں چلا اور خطا کاروں کی مجلس میں نہیں بیٹھا اور نہ ہی استہزاء کرنے والوں میں داخل ہوا۔
مثنوی شریف میں ہے ؎

پارہ دوزی می کنی اندر دکان
زیر ایں دکان تو مدفون دکان

ترجمہ :- دکان میں ٹکڑے سی رہا ہے اس دکان کے نیچے دکانیں مدفون ہیں۔

ہست ایں دکان گر آئی زود باش
تیشہ بستان وتکش را می تراش

ترجمہ :- یہ دکان ہے اگر آنا ہے تو جلدی کر تیشہ لے کر اس کی آٹر توڑ ڈال۔

تا کہ تیشہ ناگہاں بر کان نہی
از دکان و پارہ دوزی وارہی

ترجمہ :- تاکہ جب تو اچانک دکان پر تیشہ رکھے گا تو دکان اور دکان داری سے نجات پائے گا۔

پارہ دوزی چیست خورد آب و نان
می زنی ایں پارہ بر دلق گران

ترجمہ :- دکانداری تو صرف کھانے پینے کا سامان ہے۔ پارہ دوزی سے الٹا گودڑی کا بوجھ بڑھا رہا ہے۔

ہر زماں می درد ایں دلق تنت
پارہ بروی می زنی زیں خوردنت

ترجمہ:۔ ہر آن تیرے تن کی گودڑی پھٹ جاتی ہے پھر اس پر اور کپڑا سیتا ہے کھانے پینے کی وجہ سے۔

پارہ بر کن ازیں قعر دکان
تا بر آرد سر بہ پیش تو دکان

ترجمہ:۔ اس دکان کے گڑھے سے تھوڑا سا ٹکڑا ہٹا دے تاکہ خزانہ سر اٹھائے تیری دکان سے۔

پیش ازاں کین مہلت خانہ گری
آخر آید تو نبردی زد بری

ترجمہ:۔ اس خانہ داری میں چند روز مہلت میں وقت آجائے گا تو کچھ بھی نہیں لے جا سکے گا۔

پس ترا بیروں کند صاحب دکان
ویں دکان را بر کند از روی کان

ترجمہ:۔ پھر تجھے دکان کا مالک دکان سے باہر نکال دے گا اسی کان کی وجہ سے وہ دکان کو اکھیڑ دے گا۔

تو ز حسرت گاہ بر سر می زنی
گاہ ریش خام خود بر می کنی

ترجمہ:۔ تو حسرت سے کبھی سر پیٹتا ہے کبھی اپنے کچے زخم اکھیڑتا ہے۔

کای دریغا آن من بود ایں دکان
کور بودم بر نخوردم زین مکان

ترجمہ:۔ افسوس ہے کہ میں تھا اور دکان لیکن قبر میں پہنچ گیا لیکن دکان سے پھل نہ کھا سکا۔

ای دریغا بود ما را برد باد
تا ابد یا حسرۃ شد للعباد

ترجمہ:۔ اپنی بربادی پر افسوس ہے ہمیشہ تک یا حسرتا للعباد کے لیے وارد ہے۔

تفسیر عالمانہ: الم یروا۔ ان مشرکین کو توعید ہے جو مکہ معظمہ میں تھے امم سابقہ کے عذاب کی خبر سے تاکہ وہ عبرت کرکے شرک سے باز آجائیں یعنی کیا اہل مکہ کو معلوم ہیں:۔

کم اھلکنا قبلھم من القرون۔ کم خبریہ ہے القرن وہ لوگ جو ایک دوسرے کے

ساتھ ایک زمانہ میں مقترن ہوں یعنی ہم نے بہت سے لوگوں کو تباہ کیا۔ ان میں سے یہ بھی تھے جن کا ابھی ذکر ہوا۔ یہ اور پہلے صرف تکذیب کی نحوست سے ہلاک ہوئے۔

الم یروا۔ اپنے مابعد پر کوئی عمل نہیں اس لیے کہ کم میں اس کا ماقبل عمل نہیں کرتا اگرچہ خبریہ ہو کیونکہ اس کا اصل استفہام ہے اگرچہ اس کا معنیٰ جملہ میں نافذ ہے جیسے الم تر ان زیداً لمنطلق میں نافذ ہے۔ اگرچہ اس میں بھی لفظاً کوئی عمل نہیں کیا۔ اس سے نتیجہ نکلا کہ الم یروا کا مابعد منصوب المحل ہے۔

انھم الیھم لا یرجعون۔ بیشک وہ ان کے طرف واپس لوٹنے والے نہیں۔ یہ اھلکنا الخ سے بدل ہے۔ اب معنیٰ یہ ہے کہ کیا انہیں گزشتہ لوگوں کے ہلاک شدگان کا علم نہیں کہ کتنی اُمتیں ہم نے تباہ و برباد کر ڈالیں۔ پھر وہ ہلاک شدگان واپس لوٹنے والے بھی نہیں یعنی ایسے تباہ و برباد ہوئے کہ دنیا میں واپس لوٹنے کا امکان ہی نہیں رہا۔ اس کے باوجود پھر بھی وہ عبرت نہیں پکڑتے اور نہ ہی کفر و شرک سے باز آتے ہیں تو پھر جیسے وہ آئے اور گئے اور ایسے مٹ گئے کہ واپسی کا امکان بھی ختم ہے۔ ایسے ہی ان کا حال ہے کہ ایک دن یہ بھی ایسے ختم ہوں گے کہ ان کا نام و نشان تک نہ رہے گا۔

فائدہ:۔ بعض نے کہا کہ آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ کیا نہیں جانتے کہ ان کا یہاں سے چلا جانا ایسے نہیں جیسے ایک مکان سے دوسرے مکان میں یا ایک شہر سے دوسرے شہر میں پہنچ کر کاروبار سے فراغت کے بعد گھر واپس لوٹنا ہوتا ہے بلکہ یہ جانا تو ایسا ہے کہ جب دنیا سے جدا ہو کر جائیں گے تو پھر واپس نہیں آئیں گے یعنی بالکل مٹ کر فنا ہو جائیں گے۔

فائدہ:۔ تفسیر کبیر میں ہے کہ ان میں موجودین ہلاک ہونے والوں سے نہیں مل سکتے کہ ہم نے ان کی نسل ہی ختم کر دی اور بالکل تباہ و برباد کر دیا۔

حضرت سلمان فارسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب کسی ویرانے سے گزرتے تو تھوڑی دیر کے لیے ٹھہر جاتے وہاں کے رہنے والوں کے ایک ایک فرد کا حال سُن سنا کر پھر فرماتے وہ کہاں گئے جنہوں نے محلات بنائے اس کے بعد خوب آنسو بہاتے اور فرماتے کہ ان غریبوں نے جان کی بازی لگا کر یہ مکانات تیار کیے۔ ناز و نزاکت سے اس میں رہتے۔ پھولوں کی طرح مہکتے لیکن اب وہ مٹ کر مٹی میں مٹی ہو گئے۔

سل الطارم العالی الذی عن قطینہ
نجا ما نجا من بؤس علیش و لینہ

فلما استوی فی الملک واستبعد العدی
رسول المنایا تلہ لجبینہ

ترجمہ:۔ ان اُونچے اور بلند محلات سے ان کے مقیمین کے متعلق پوچھئے کہ کوئی ہے تیرے رہنے والا وہ عیش آرام سے بسر کرتا رہا یا دکھ سے۔ جب وہ اپنے ملک میں آرام سے بیٹھا اور دشمنوں سے دور تھا لیکن موت کے قاصد نے اسے ماتھے کے بل لٹا دیا۔

ردّ عقیدۂ رجعت

آیت میں اہلِ رجعت کا ردّ ہے وہ کہتے ہیں کہ قیامت سے پہلے مخلوق پھر واپس دنیا میں لوٹ کر آئے گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قیامت سے پہلے واپس دنیا میں تشریف لائیں گے۔ آپ نے فرمایا غلط کہتے ہیں ہم نے تو ان کی ازدواج کا نکاح کر دیا اور ان کی جائداد تقسیم کر ڈالی۔

مسئلہ:۔ فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ کسی عورت کو خبر (یقینی) پہنچے کہ اس کا شوہر فوت ہو گیا وہ عدت گزرنے کے بعد نکاح کرے اور دوسرے شوہر سے بچے بھی پیدا ہوئے تو شوہر واپس آجائے تو یہ عورت اسی پہلے شوہر کی ہے صرف لیکن وہ عورت سے جماع نہ کرے تاکہ وہ عورت عدت گزارے۔

تکفیر شیعہ وروافض:۔ اسی عقیدہ پر روافض پر کفر کا فتویٰ ہے۔ جب وہ بتائیں کہ حضرت علی اور اُن کے رفیق خاص دنیا میں واپس لوٹ کر اپنے دشمنوں سے بدلہ لیں گے اور دنیا کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے جب کہ وہ اس سے پہلے جور وستم سے بھر جائے گی اس لیے کہ ان کا یہ عقیدہ صریح نص کے خلاف ہے۔

مسئلہ:۔ اگر یہ کہا جائے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روحانیت حضرت مہدی رضی اللہ عنہ کی مدد فرمائے گی۔ جب وہ آخری زمانہ (قرب قیامت) میں تشریف لائیں گے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ اہل حقائق کا مذہب ہے کہ

ان الارواح تعین الارواح والاجسام فی کل وقت وحال فاعرف ھذا۔

(روح البیان ص۳۹۱ ج ۷)

ترجمہ:۔ ارواح (مقدسہ) عام ارواح واجسام کی ہر وقت اور ہر حال میں مدد کرتی ہیں۔ اسے اچھی طرح سمجھ لے (ورنہ وہابی ہو جاؤ گے)۔

و ان کل لما جمیع الدینا محضرون (بیشک سب کے سب ہمارے حاضر ہوں گے) ان نافیہ اور کل کی تنوین مضاف الیہ کے عوض کی ہے۔ لما بمعنی الا ہے، جمیع فعیل بمعنی مفعول ہے۔

کل و جمیع کا فرق

لفظ کل احاطہ کا فائدہ دیتا ہے اس میں اجتماع نہیں ہوتا اور جمیع دونوں کا فائدہ دیتا ہے۔
المحضر۔ تمام لوگ جمع ہوں گے لدینا بمعنی عندنا جمیع کی یا اس کے مابعد کی ظرف ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ تمام مخلوق ہمارے ہاں جمع ہو کر حساب اور جزا و سزا کے لیے حاضر ہوگی۔

ربط:۔ آیت سے پہلے ذکر کیا گیا کہ مرنے کے بعد دنیا میں کسی نے نہیں لوٹنا۔ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ محشر میں سب نے ایک جگہ جمع ہونا ہے۔ اگر مرنے کے بعد اسی حالت میں چھوڑا جاتا پھر نہ اُٹھنا ہوتا اور نہ ہی حساب اور جزا و سزا کی فکر ہوتی تو انسان سے خوفزدہ نہ ہوتا لیکن یہ سب کچھ ہوگا تو پھر مومن مخلص کی عزت افزائی اور کافر و منافق اور ظالم و فاسق کی رسوائی ہوگی۔ اُس وقت خوشی والے خوشیاں منائیں گے اور حسرت والے حسرت کریں گے۔ اگر آج کسی کو کوئی احساس اور افسوس نہیں تو کل قیامت میں ضرور افسوس اور حسرت کریگا۔

اعدائے اولیاء کی علامات

افسوس ہے کہ ہمارے دور میں اہل حق کی مخالفت اور اولیاء اللہ کی دشمنی زوروں پر ہے ان کی ہر بات اور ان کے ہر عمل سے استہزاء اور بھبتیاں اڑائی جاتی ہیں۔ ان کے ملفوظات کو سن کر بجائے عمل کے ان کے خلاف کرتے ہیں بلکہ ان کا گلہ و غیبت کرتے رہتے ہیں اور ان کے ملفوظات و اقوال زریں سے ٹھٹھا مخول کرتے ہیں سوائے ان خوش بختوں کے جو ان سے عقیدت رکھتے ہیں کہ یہی وہ خوش قسمت ہیں جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا ارادہ فرمایا ہے کہ وہ اولیاء اللہ[1] سے نیک عقیدت واقع ہوئے ہیں۔ اور ایسے لوگ بہت کم ہیں۔

فائدہ:۔ آیت میں جیسے اللہ تعالیٰ نے شریعت کے منکرین کی تہدید و صریح فرمائی ہے ایسے ہی طریقت کے منکرین کو بھی ضمناً تہدید ہے کیونکہ شریعت کے منکرین کی طرح طریقت کے منکرین بھی ہر دور میں ذلیل و خوار ہوئے اور انشاء اللہ قیامت تک ہوتے رہیں گے۔

---

[1] دور حاضر کا بھی یہی حال ہے کہ بعض لوگ اولیاء اللہ کے دشمن ہیں اور ہم الحمد للہ ان سے محبت رکھنے والوں میں سے ہیں۔ (اویسی غفرلہ)

فضیلت اُمتِ مصطفےٰ علیٰ صاحبہا التحیۃ والثناء:۔ اللہ تعالیٰ نے اس اُمت محمدیہ علیٰ صاحبہا التحیۃ والثناء پر احسان فرمایا ہے کہ اسے تمام اُمتوں کے بعد بھیجا تاکہ یہ سابقہ اُمم سے عبرت حاصل کریں۔

شکایت خدا جل جلالہٗ بمصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:۔ اللہ تعالیٰ نے سابقہ اُمتوں کی شکایت خود ان کو سنائی اور دوسروں کو بھی لیکن اس اُمت کی شکایت صرف ان کے نبی مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو سنائی اور بس چنانچہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شب معراج میرے پروردگار نے میری اُمت کی چند شکایات مجھے سنائیں:۔

(۱)۔ میں نے انہیں آنے والی کل کی عبادت کا مکلف نہیں بنایا لیکن وہ مجھ سے کل کے رزق کا مطالبہ کرتے ہیں۔

(۲)۔ میں نے تو انھیں رزق کے بارے میں غیر کا محتاج نہیں بنایا لیکن یہ عمل غیروں کو دیتے ہیں۔

(۳)۔ رزق میرا کھاتے ہیں لیکن شکریہ میرے غیر کا کرتے ہیں۔ بلکہ میری خیانت اور میری مخلوق سے صلح رکھتے ہیں۔

(۴)۔ عزت میری ہے اور میں ہی جسے چاہتا ہوں عزت بخشتا ہوں لیکن یہ میرے غیر سے طلب کرتے ہیں۔

(۵)۔ میں نے جہنم تو کافروں کے لیے تیار کی ہے لیکن یہ اس میں چھلانگ لگانے کی کوشش کرتے ہیں۔

۱۔ فغاں از بدیہا کہ در نفس ماست
نہ فعل نکوہست نہ گفتار راست

۲۔ دو خواہندہ بودن بمحشر فریق
ندانم کدامین دھندم طریق

۳۔ خدایا دو چشم ز باطل بدوز
بنورم کہ فردا بنارت مسوز

ترجمہ:۱۔ اس بدی سے فریاد جو ہمارے نفس میں ہے نہ اس کا کردار اچھا نہ گفتار۔
۲۔ محشر میں دو فریق سائل ہوں گے میں نہیں جانتا کہ کسے جواب دوں گا۔
۳۔ اے اللہ میری آنکھ برائی سے سی۔ میرے نور کو کل نار سے نہ جلانا۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۚ اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا
فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ ○ وَجَعَلْنَا فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ
وَّفَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ ○ لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ؕ
اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ○ سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا
تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ○ وَاٰيَةٌ
لَّهُمُ الَّيْلُ ۖۚ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ○ وَالشَّمْسُ
تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ○ وَالْقَمَرَ
قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ○ لَا الشَّمْسُ
يَنْۢبَغِيْ لَهَاۤ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَكُلٌّ
فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ○ وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ
فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ○ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ
وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ اِلَّا رَحْمَةً
مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ○ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ
اَيْدِيْكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ○ وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ
اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ○ وَاِذَا قِيْلَ
لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ
اٰمَنُوْۤا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗۤ ۖۗ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ

ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِيْنَ ○ مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ
وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ ○ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً وَّلَآ اِلٰٓى اَهْلِهِمْ
يَرْجِعُوْنَ ○

ترجمہ:۔ اور ان کے لیے ایک نشانی مردہ زمین ہے۔ ہم نے اسے زندہ کیا ہے اور پھر اس سے اناج نکالا تو اس میں سے کھاتے ہیں۔ اور ہم نے اس میں باغ بنائے کھجوروں اور انگوروں کے اور ہم نے اس میں کچھ چشمے بہائے کہ اس کے پھلوں میں سے کھائیں اور یہ ان کے ہاتھ کے بنائے نہیں۔ تو کیا حق نہ مانیں گے۔ پاکی ہے اسے جس نے سب جوڑے بنائے ان چیزوں سے جنہیں زمین اُگاتی ہے اور خود ان سے اور ان چیزوں سے جن کی انہیں خبر نہیں اور ان کے لیے ایک نشانی رات ہے ہم اس پر دن کھینچ لیتے ہیں جبھی وہ اندھیروں میں ہیں اور سورج چلتا ہے اپنے ایک ٹھہراؤ کے لیے۔ یہ حکم ہے زبردست علم والے کا۔ اور چاند کے لیے ہم نے منزلیں مقرر کیں یہاں تک کہ ہو گیا جیسے کھجور کی پرانی ڈال۔ سورج کو نہیں پہنچتا کہ چاند کو پکڑ لے اور نہ رات دن پر سبقت لے جائے اور ہر ایک ایک گھیرے میں پیر رہا ہے۔ اور ان کے لیے ایک نشانی یہ ہے کہ انہیں ان کے بزرگوں کی پیٹھ میں ہم نے بھری کشتی میں سوار کیا اور ان کے لیے ویسی ہی کشتیاں بنائیں جن پر سوار ہوتے ہیں اور ہم چاہیں تو انہیں ڈبو دیں تو نہ کوئی ان کی فریاد کو پہنچنے والا ہو نہ وہ بچائے جائیں مگر ہماری طرف کی رحمت اور ایک وقت تک برتنے دینا اور جب ان سے فرمایا جاتا ہے ڈرو تم اس سے جو تمہارے سامنے ہے اور جو تمہارے پیچھے آنے والا ہے۔ اس امید پر کہ تم پر مہر ہو تو منہ پھیر لیتے ہیں اور جب کبھی ان کے رب کی نشانیوں سے کوئی نشانی ان کے پاس آتی ہے تو اس سے منہ ہی پھیر لیتے ہیں اور جب کبھی ان سے فرمایا جائے اللہ کے دیئے میں سے کچھ اس کی راہ میں خرچ کرو تو کافر مسلمانوں کے لیے کہتے ہیں کہ کیا ہم اسے کھلائیں جسے اللہ چاہتا تو کھلا دیتا تم تو نہیں مگر کھلی گمراہی میں اور کہتے ہیں کب آئے گا یہ وعدہ۔ اگر تم سچے ہو۔ راہ نہیں دیکھتے مگر ایک چیخ کی کہ انہیں آلے گی جب وہ دنیا کے جھگڑے میں پھنسے ہوں گے تو نہ وصیت کر سکیں گے اور نہ اپنے گھر پلٹ کر جائیں۔

تفسیر عالمانہ: وآیة اور مر اٹھنے اور جمع اور حاضر کرنے پر بہت بڑی علامت اور دلالت واضحہ ہے اور خبر مقدم ہے بوجہ مہتم بالشان ہونے کے۔

لہم۔ اہل مکہ کے لیے۔ یا آیت کے متعلق ہے کیونکہ یہ بمعنی علامت ہے یا مقدر متعلق اور لہا کی صفت ہے اور الارض المیتة۔ مبتدا ہے بمعنی خشک و بے گیاہ زمین۔

احیینٰہا۔ جملہ مستانفہ ہے ارض میتة کے آیت ہونے کی کیفیت بیان کرتا ہے۔ سوال کا جواب ہے۔ گویا کسی نے پوچھا کہ خشک و بے گیاہ زمین کیسے عظیم علامت بن سکتی ہے تو فرمایا کہ ہم نے اسے زندہ کیا۔

الاحیاء۔ در حقیقت بمعنی اعطاء الحیوٰة ہے اور یہ حس و حرکت کی متقاضی ہے۔ اب معنیٰ یہ ہے کہ ہم نے اس میں قوئ نامیہ پیدا کیے اور بکر حیات سے پانی نازل کر کے موسم ربیع میں رنگارنگ کی نباتات سے اس کی رونق بڑھائی۔ قیامت میں بھی اٹھنا ایسے ہی ہوگا کہ ہم قبور میں پڑے ہوئے لاشی ابدان و اجسام کو بحر جود کے پانی سے ایسے ہی زندہ کر کے محشر میں لائیں گے جیسے ہم نے انھیں عدم سے وجود بخشا۔

واخرجنا منہا اور ہم نے زمین سے نکالا حبًّا دانے۔ الحب وہ جسے پیسا جائے اور البزر وہ جس سے تیل نکالا جائے۔ الحب حبّة کی جمع ہے اس سے وہ دانے مراد ہیں جن پر انسانوں کی زندگی کا دار و مدار ہے جیسے چاول۔ جوار۔ گندم وغیرہ وغیرہ۔ یہاں اسم جنس ہے۔ فمنہ۔ تو دانوں سے یا کلون کھاتے ہیں۔ صلہ کی تقدیم اس لیے نہیں کہ انسان کی خوراک صرف دانوں پر منحصر ہے تاکہ لازم آئے کہ اس کے سوا اور کوئی شے کھانے کے لائق نہیں۔ البتہ یہ کہا جائے گا کہ انسان کی سب سے معظم خوراک دانے ہیں اور انہی پر اس کی زندگی کا دار و مدار ہے اور انسانیت کی درستگی انہی میں ہے یہی وجہ ہے کہ جب ان میں قلت اختیار کی جائے تو انسانی ڈھانچہ کمزور پڑ جاتا ہے اور ضرر بڑھ جاتا ہے۔ جب غذا نہ ہو تو اجسام و ارواح ضعف پذیر ہو کر کامیابی کھو بیٹھتے ہیں اسی لیے حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

اکرموا الخبز فان اللہ اکرمہ فمن اکرم الخبز اکرمہ اللہ۔

ترجمہ: "طعام کی عزت کرو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے عزت بخشی ہے جو طعام کی عزت کرتا ہے اسے اللہ تعالیٰ عزت بخشے گا۔"

اور فرمایا (علیہ الصلوٰۃ والسلام):

اکرموا الخبز فان اللہ سخر لہ برکات السماوات والارض والحدید والبقر وابن آدم ولا تسند وبقصعة بالخبز فانہ ما اھانہ قوم الا ابتلاھم اللہ بالجوع۔

ترجمہ:۔ "طعام کی عزت کرو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کی برکتیں اس کے تابع کر رکھی ہیں اور لوہا اور حیوانات و انبیائے اسی کے قابو میں ہیں اور روٹی سے برتن کو سہارا نہ دو اس لیے کہ جو طعام کی بے عزتی کرتا ہے اسے اللہ تعالیٰ بھوک (فاقہ) میں مبتلا کرتا ہے۔"

اور فرمایا (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے

اللّٰھم متعنا بالاسلام و بالخبز فلولا الخبز ما صمنا و لا صلینا و لا حججنا و لا غزونا و ارزقنا الخبز والحنطة۔ (بحرالعلوم)

ترجمہ:۔ اے اللہ ہمیں اسلام اور روٹی سے بہرہ ور فرما اس لیے کہ اگر روٹی نہ ہوتی تو ہم نہ نمازی ہوتے نہ روزے دار نہ حاجی نہ غازی۔ اے اللہ ہمیں روٹی اور دانے عطا فرما۔

ایک لقمہ کے تین سو خدام ملائکہ

جہاں تک امکان ہو روٹی کی تعظیم بجالائے اس لیے کہ صرف ایک لقمہ کی تیاری پر تین سو ملائکہ خدمت کے لیے مقرر فرمائے ان سب کے سردار میکائیل علیہ السلام ہیں جو اس کے لیے رحمت کے کنوئیں سے پانی کی اجازت بخشتے ہیں اور دیگر فرشتے جو بادلوں اور سورج اور چاند اور افلاک کو کھیتوں کے پکانے کے لیے مقرر کر رکھا ہے اور ہوا کے فرشتے بھی اسی خدمت پر مقرر ہیں اور زمین کے اکثر جانور یہی خدمت بجالاتے ہیں اور اس خدمت کا آخر خادم روٹی پکانے والا (باورچی) ہے۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ؎

ابر و باد و مہ خورشید و فلک در کارند
تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرمانبردار
شرط انصاف نباشد کہ تو فرمانبری

ترجمہ:۔ بادل ہو چاند سورج اور فلک تیری خدمت میں ہیں تاکہ تم روٹی ہاتھ میں لاکر غفلت سے نہ کھاؤ۔ یہ سب تیرے لیے سرگردان اور فرمانبردار ہیں یہ انصاف کے خلاف ہے کہ تم اپنے آقا کے حکم کی خلاف ورزی کرو۔

مسئلہ:۔ گرا ہوا روٹی کا ٹکڑا (اگرچہ تھوڑا ہو) نعمتِ الٰہی کی تعظیم و تکریم میں سے ہے۔

حماقت سے حفاظت:۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو دسترخوان سے گرا ہوا طعام کا ٹکڑا اٹھا لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے خوشگوار زندگی بخشے گا اور اس کی اولاد اور اولاد کی

اولاد کو حفاظت سے محفوظ رکھے گا۔

حورِ عین کی مہر: فرماتے ہیں روٹی کے ٹکڑے چننا حورِ عین کی مہر ہے۔

مسئلہ: برتن وغیرہ روٹی پر رکھنا مکروہ ہے۔ ہاں وہ سالن کا حصّہ جو کھایا جائے وہ روٹی پر رکھ سکتے ہیں۔

مسئلہ: انگلیاں اور ہاتھ اور چھری چاقو وغیرہ سے صاف کرنا مکروہ ہے ہاں اگر جس ٹکڑے سے ہاتھ صاف کیا ہے وہ کھالیا جائے تو پھر کوئی کراہت نہیں لیکن ایسا کرنا نہیں چاہیئے۔

مسئلہ: روٹی کو پیالے (برتن وغیرہ) کے کنارے لگانا تاکہ دونوں برابر ہو جائیں (تاکہ اس طرح سے روٹی کا ٹکڑا سالن میں آسانی سے ڈال سکے) مکروہ ہے۔

مسئلہ: روٹی کا اگلا حصہ کھالے اور نچلا حصّہ چھوڑ دینا مکروہ ہے۔ (ایسے ہی روٹی کا اندر کا حصّہ کھانا باقی پھینک دینا مکروہ ہے) ہاں مجبوری کی وجہ سے حرج نہیں لیکن باقی ٹکڑے زمین پر یا ویسے ہی پھینکنا مکروہ ہے بلکہ ان ٹکڑوں کو دسترخوان میں رہنے دے۔ یہ تمام صورتیں روٹی کی اہانت و تحقیر کی ہیں ایسا کرنے سے قحط اور غلہ کی مہنگائی کا موجب ہے[1] (شرح النقایہ والفوارف)

چاول کے عجوبے

(۱)۔ بعض کہتے ہیں کہ چاول نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پسینہ مبارک سے پیدا کیا گیا ہے۔

(۲)۔ بعض کا خیال ہے کہ جب اہل ہند نے اُسے روم کے ملک میں لے جانے سے روکا تو وہ چاول بطخ کو کھلا کر اسے اپنے ملک میں لے گئے جب وہاں پہنچے تو بطخ کو ذبح کر کے چاول نکال لیے۔

(۳)۔ بعض اکابر نے فرمایا کہ جو کوئی چاول اس گمان پر نہیں کھاتا کہ یہ مردہ بطخ کے پیٹ سے نکلے تھے تو اسے زہر کھانی چاہیئے۔

وجعلنا فیھا۔ اور ہم نے پیدا کیے زمین میں جنّٰت باغات بھرے ہوئے من نخیل کھجوروں سے۔ نخیل۔ نخلہ کی جمع ہے۔ واعناب۔ انگوروں سے۔ عنب کی جمع ہے۔ یہاں

---

[1] ہمارے دَور میں غلہ وغیرہ کی مہنگائی اور اس میں بے برکتی کی واحد وجہ یہی ہے کہ آج کل عوام بلکہ اپنے آپ کو مہذب کہلوانے والے بھی روٹی وغیرہ کی اہانت کرتے ہیں بیباک ہوگئے ہیں۔ (اویسی غفرلہٗ)

کھجوروں اور انگوروں کی تمام قسمیں مراد ہیں اسی لیے انہیں جمع اور حبۃ کو واحد لائے ہیں اور اسم جنس مختلف قسموں پر دلالت کرتا ہے۔ ہاں وہ انواع پر دلالت نہیں کر سکتا۔

کھجور اولاد آدم کی پھوپھی ہے

سوال :۔ آیت میں نخیل کے بجائے تمور کیوں نہیں فرمایا جبکہ اعناب و حَب سے مناسبت بھی تمور کو ہے اس لیے کہ نخیل تنہ کو کہتے ہیں اور تمر اس کا پھل۔

جواب :۔ اس کا تنا اور پھل ہر دونوں مفید و نافع تر ہیں بخلاف انگور و دیگر اناج کے تنوں کے۔ دوسرا یہ کہ اس میں صنعت باری تعالیٰ کے آثار زیادہ نمودار ہیں اس لیے کہ یہ وہ درخت ہے جو زمین میں سب سے پہلے گاڑھا گیا اور پھر یہ اولاد آدم کی پھوپھی بھی ہے۔ وہ یوں کہ یہ آدم علیہ السلام کے جسم اطہر کی بقایا مٹی سے پیدا کی گئی ہے اسی لیے اُسے انسان سے خصوصی مشابہت ہے۔

۱۔ اس کا قد انسان کے قد کی طرح ہے۔

۲۔ طول میں انسان کی طرح لمبی ہے اور عرض میں پتلی۔

۳۔ اس کا نر مادہ سے انسان کی طرح نمایاں ہوتا ہے۔

۴۔ صرف یہی نر کے شگوفوں سے پھل دیتی ہے یعنی انسان کی طرح نر سے پھل دار ہوتی ہے۔

۵۔ اس کے شگوفے میں انسانی منی کی طرح بدبو ہوتی ہے۔

۶۔ اس کے شگوفے کے اُوپر ایک جھلی ہوتی ہے جیسا انسان کا بچہ کے لیے ہوتی ہے جب وہ ماں کے پیٹ میں لپٹا ہوتا ہے اور وہ جھلی ولادت کے وقت بچہ کے ساتھ ہوتی ہے۔

۷۔ اگر اس کا سر کاٹا جائے تو انسان کی طرح ختم ہو جاتی ہے اسی لیے کہا جاتا ہے کہ نباتات کے زیادہ قریب مرجان ہے کہ وہ بھی انگوریوں کی طرح پانی میں یعنی دریا میں اُگتا ہے اور اس کی شاخیں ہوتی ہیں اور نباتات میں حیوان کو قریب تر کھجور ہے کیونکہ اس کا سر کاٹا جائے تو حیوان کی طرح ختم ہو کر ثمر دینے کے قابل نہیں رہتی جب تک اس میں نر کا شگوفہ نہ ڈالا جائے اور حیوانات سے گھوڑا انسان کو قریب ہے یعنی شعور اور زیرکی کے لحاظ سے اسی لیے گھوڑا اولاد آدم کی طرح خواب دیکھتا ہے۔

۸۔ اگر کھجور کی گوند کو آفت پہنچے تو سوکھ جاتی ہے۔ یہ گوند کھجور کے لیے بمنزلہ انسانی دماغ کے ہے کہ جب انسان کے دماغ کو زد پہنچتی ہے تو انسان بیکار ہو جاتا ہے ایسے ہی یہ۔

۹۔ جب ان کے نر مادہ ایک دوسرے کے زیادہ قریب ہوں تو بہت پھل دیتی ہے کیونکہ کھجور مادہ کو انسان کی طرح نر سے خصوصی عشق ہے کہ جیسے عورت مرد کے ایک جگہ ساتھ رہنے سے خوش رہتی ہے ایسے ہی یہ۔ جب نر کو کاٹ دیا جائے تو پھل کم دیتی ہے کیونکہ یہ نر کا فراق برداشت نہیں کر سکتی۔

۱۰۔ انسان کی طرح اس میں بھی عشق کا مادہ ہے اس کی علامت یہ ہے کہ اس کے قریب نر ہو تو اُسی طرف جھک جاتی ہے لیکن اُس وقت اس سے پھل کم آتا ہے اور کمزور پڑ جاتی ہے اس کا علاج یہ ہے کہ ایک رسّی سے دونوں کو باندھ دیا جائے یا جس کی طرف جھکی ہے اس کی ایک شاخ جھکنے والی کھجور پر ڈال دی جائے ایسے ہی اس کا گوندا س میں ڈال دیا جائے تو پھل بہت زیادہ دے گی۔

مُنہ کی بدبو کا علاج:۔ کھجور کا پتہ چبانے سے بھوم وغیرہ کھانے کے بعد اور شراب پینے کے بعد منہ کی بدبو ختم ہو جاتی ہے۔

انگور کی فضیلت:۔ انگور کے متعلق بعض کتب سماویہ میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے ساتھ کفر کرتے ہو جبکہ میں انگور کا خالق ہوں۔ انگور کے بہت بڑے خواص ہیں جو کتب طب میں مرقوم ہیں۔

حدیث شریف:۔ سوکھے انگور (منقیٰ) کے بہت بڑے فوائد منقول ہیں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں منقیٰ کا ہدیہ بھیجا گیا تو آپ نے فرمایا۔ اللہ کا نام لے کر کھاؤ بہترین طعام منقیٰ ہے۔ یہ پٹھوں کو مضبوط اور تھکن کو دُور اور غصّے کو ٹھنڈا اور رب تعالیٰ کو راضی اور منہ کی بدبو کو بہتر اور بلغم کو دور کرتا اور بدن کا رنگ صاف و شفاف بناتا ہے۔

خارش کا علاج:۔ انگور کی لکڑی کا وہ پانی جو اس کے کاٹنے کے بعد قطرہ قطرہ ہو کر گرتا ہے خارش والے کو پلایا جائے تو اسے شفا ملے گی۔

شراب چھوٹ جائے:۔ یہی پانی شرابی کو بے خبری میں پلا دیا جائے تو وہ شراب سے نفرت کرے گا۔

پہلا شراب کشید کرنے والا

سب سے پہلے جس نے شراب تیار کیا وہ جمشید بادشاہ تھا۔ اس کا واقعہ یوں ہے کہ وہ ایک دفعہ ایک شکار کے پیچھے دوڑا تو ایک پہاڑ میں انگور کا درخت دیکھا جس پر انگور کے خوشے لٹک رہے ہیں سمجھا کہ یہ زہر ہے غلام کو فرمایا یہ خوشے ساتھ لے لو اس کا تجربہ کریں گے اور پہلے اسے کھلائیں گے

جو قتل کا مستحق ہوگا اسے اُٹھا کر لے گئے اور گھر پہنچ کر حکم فرمایا کہ اس کے دانے ٹکڑے ٹکڑے کر کے برتن میں ڈال دو جو قتل کا مستحق ہوگا اسے کھلائیں گے۔ ایک عرصہ تک اس کی خبر نہ لی۔ یہاں تک کہ وہ شراب بن گیا ایک قاتل کو حاضر کیا گیا حکم فرمایا اس انگور کے نچوڑے اسے کچھ پلا دو چنانچہ اس نے مجبور ہو کر پیا بلکہ اسے باندھ کر بہت بڑی مشقت سے پلایا گیا وہ پیتے ہی نیند میں چلا گیا۔ بہت بڑی گہری نیند کے بعد جاگتے ہی کہا کہ وہی مجھے دوبارہ پلاؤ۔ ایسے ہی اسے بارہا پلایا گیا۔ اس کی ہر بار پینے کے بعد یہی کیفیت ہوتی رہی بلکہ اس کے پینے پر فرحت و سرور میں اس کا اضافہ ہوتا گیا ایسے ہی دوسروں کو پلایا گیا تو ان کی بھی یہی کیفیت ہوئی۔ یہ تمام ماجرا بادشاہ کو سنایا گیا تو بادشاہ نے اس سے ایک پیالہ پیا تو اس کی بھی وہی کیفیت ہوئی۔ اس سے بادشاہ بہت خوش ہوا اور حکم فرمایا کہ انگور کے باغات لگائے جائیں اور تمام شہروں میں اس کے باغات لگائے گئے۔ اس سے شراب نوشی کا نہ صرف رواج ہوا بلکہ اس کا بازار خوب گرم رہا اور سابقہ اُمتوں پر حلال بھی تھا لیکن حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنی اُمت کے لیے حرام فرمایا کیونکہ یہ تمام شرور کی چابی اور ہر بُرائی کے ارتکاب کا سرتاج اور ہر ضرر کی جڑ ہے اور اس کا پینا دل کو مردہ بناتا ہے اور خدا تعالیٰ کے غضب کو دعوت دیتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ بہترین سرکہ انگوری ہے۔

فائدہ:۔ اس لیے کہ شراب کا سرکہ بنانا رضائے الٰہی کا موجب ہے اس کے بہت سے خواص ہیں۔

حکایت:۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بہت سے لوگ کھانسی وغیرہ کے مرض میں مبتلا ہو گئے تو آپ نے لوگوں کو سرکۂ انگوری کا حکم فرمایا تو صحت یاب ہو گئے۔

حدیث شریف میں ہے کہ سرکہ کو بہترین سالن فرمایا ہے۔

فائدہ:۔ ہمارے اسلاف رحمہم اللہ تعالیٰ اکثر وہ تھے جنہوں نے قناعت کے طور صرف اسی پر زندگی بسر فرمائی۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دائمی قناعت کا سوال کرتے ہیں۔

و فجرنا۔

حل لغات:۔ الفجر کسی شے کو خوب چیرنا (المفردات) بعض نے کہا کہ تفجیر لفظاً و معناً تنقیح کی طرح ہے اور تفصیل کی بنا تکثیر کے لیے ہوتی ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نے کھولے اور روانہ کیے۔ فیہا زمین میں۔

من العیون۔ عین کی جمع ہے حقیقۃً یہ آنکھ کے لیے ہے مجازاً پانی کے چشمے کو بھی کہا جاتا ہے کہ اسے آنکھ کی شکل و ہیئت سے اور پانی بہنے کی مشابہت کی وجہ سے عین کہا جاتا ہے پھر عین الماء

سے ماء معاین مشتق کیا گیا بمعنی وہ پانی جو چشموں سے ظاہر اور ہر وقت چالو ہو۔ من العیون بمعنی من ماء العیون یعنی چشموں کے پانی سے یہاں موصوف کو حذف کر کے صفت کو اس کے قائم مقام کھڑا کیا گیا ہے یا العیون اصل اور مِنْ زائدہ ہے۔ یہ اخفش کی رائے ہے۔

نہریں اور چشمے: نہروں اور چشموں کا اجراء بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کیونکہ ہر شے کی زندگی پانی ہے اور باغات کی رونق اور ثمرات کی وفرت پانی سے ہے۔

چشمے دو قسم کے ہیں:۔

۱۔ جاری ۲۔ غیر جاری

جاری نہروں کے ماسوی ہوتے ہیں کیونکہ نہریں تو بکثرت اور وسیع تر ہوتی ہیں ان کا سر چشمہ معلوم ہوتا ہے لیکن چشموں کا منبع اکثر معلوم نہیں ہوتا جیسے نیل مبارک یہ ایسا چشمہ ہے کہ جس کا منبع تا حال کسی کو معلوم نہیں ہو سکا۔

غیر جاری سے کنوئیں مراد ہیں۔

خاص خاص چشمے: عالم دنیا میں چشمیں اور کنوئیں شمار سے باہر ہیں ان کے بعض میں ایسی خصوصیات ہوتی ہیں جو دوسروں میں نہیں پائی جائیں جیسے عین شبرم یہ اصفہان اور شیراز کے درمیان واقع ہے۔ یہ چشمہ دنیا کے عجائبات سے ہے۔

ٹڈی مار چشمہ: کسی علاقہ میں ٹڈی نقصان پہنچا رہی ہو تو مذکورہ بالا چشمہ کا پانی کسی برتن وغیرہ میں لیا جائے تو سیاہ رنگ کے پرندے اس پانی کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ ان پرندوں کو سمر کہا جاتا ہے اور اسے سواد یہ بھی کہتے ہیں پانی لینے والے کو چاہیئے کہ وہ پانی نہ زمین پر رکھے اور نہ پیچھے دیکھے تو وہ پرندے اٹھا نے والے کے اوپر سیاہ بادل کی طرح چھا جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ شخص اس علاقہ میں پہنچے جہاں ٹڈی نقصان پہنچا رہی ہے۔ ٹڈی کو دیکھتے ہی وہ پرندے چیختے ہیں جن کی چیخ ٹڈی کو مار ڈالتی ہے اور وہ ایسی بے حس و حرکت پڑی ہوتی ہیں کہ گویا ان میں جان تھی ہی نہیں۔ ان کی موت ان پرندوں کی چیخ سے ہوتی ہے۔

صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ کا چشمہ: فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ روم میں بھی ایک چشمہ ہے جو ماء الجراد

لہ ایک عجیب چشمہ ہمارے دار العلوم غوثیہ رضویہ کوئٹہ بلوچستان میں بھی ہے جس کی عجیب و غریب کیفیت ہے ۱۲ اویسی غفرلہٗ

کے نام سے مشہور ہے تمام روم کے علاقہ کے لوگ اسے جانتے ہیں یہ ٹڈی کو مارنے کے لیے مختلف علاقوں میں لے جایا جاتا ہے جس کے چھڑکنے سے ٹڈی مر جاتی ہے۔

ولی اللہ کے مخالفین کو انتباہ:۔ چشمہ کی تاثیر کو سمجھنے کے بعد اولیاء کرام کی جھاڑ پھونک کا انکار کرنا ہٹ دھرمی اور ضد کے سوا اور کوئی سبب نہیں ورنہ ظاہر ہے کہ چشمہ کے پانی کی تاثیر درحقیقت اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہی ہے بلکہ ہر شے میں اسی نے ہی تاثیر پیدا فرمائی ہے تو پھر اولیاء اللہ کے تصرفات کو بھی اسی طرح مان لینے سے کونسا حرج ہے (لیکن جسے اولیاء اللہ کی دشمنی کا مرض ہو وہ کب مانتا ہے کیونکہ یہ لاعلاج بیماری ہے)۔

حضرت ابراہیم بن ادھم کے مزار کی کرامت

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کی قبر شریف میں ایک سوراخ ہے جب کوئی ظالم اس شہر[1] کے متعلق برا ارادہ کرکے آتا ہے تو اس سوراخ سے بھڑ اور شہد کی مکھیاں اسے اور اس کے ساتھی کو ڈنس لگاتے ہیں جس کی وجہ سے وہ بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

اولیاء را ہست قدرت از الٰہ
تیر جستہ باز گرداند ز راہ

ترجمہ:۔ اولیاء اللہ کو قدرت ایزدی حاصل ہے جس سے وہ چھوٹتا ہوا تیر واپس لوٹا لیتے ہیں۔

ہم اللہ تعالیٰ سے عصمت اور توفیق اور عین تحقیق کے چشمے سے شراب حقیقی کے پینے کا سوال کرتے ہیں۔

لیاکلوا من ثمرہ۔ یہ جَعَلْنَا کے متعلق ہے۔

سوال:۔ اسے تفجیر العیون کے بعد کیوں لایا گیا۔

جواب:۔ اس لیے یہ اثمار (پھلوں) کے مبادی سے ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نے زمین میں کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا فرمائے اور ان میں پھل وغیرہ لگائے تاکہ تم باغات کے پھل اور کھجور کھا کر شکر خداوندی پر مداومت کرو تاکہ ہمارے حقوق ادا کرسکو۔ یہاں پر ضمیر اسم اشارہ کی جگہ پر لائی گئی ہے۔

---

[1] جس شہر میں یہ مزار مبارک واقع ہے ۱۲

وما عملته ایدیھم ،۔ اس کا عطف ثمرہ پر ہے۔ ایدیھم سے قوت مراد ہے کیونکہ انسانی اعضاء میں سے قوی تر عضو ہاتھ ہے اسی لیے قوت سے کنایہ کے وقت عموماً ہاتھ مستعمل ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا بماقدمت ایدیھم اور کلام عجم میں بھی ایسے ہی ہے مثلاً فارسی میں ہے:

"بدست خویش کردم بخویشتن"

یعنی میں نے اپنی قوت کے ساتھ اپنے ساتھ کیا ہے جو کچھ کیا ہے۔"

یہاں دست سے عضو مراد نہیں بلکہ قوت مراد ہے (کشف الاسرار) اَب معنیٰ یہ ہوگا کہ وہ اس کے ثمر سے کھائیں جو اُنھوں نے اپنی طاقت سے تیار کیا جیسے انگور و کھجور وغیرہ۔

فائدہ: بعض نے کہا کہ ما نافیہ ہے۔ اَب معنیٰ یہ ہوگا کہ ثمرات اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے ہیں نہ کہ ان کی کسی کارروائی سے۔ اور جملہ محلا منصوب علی الحالیۃ ہے جس قرأت میں ہٗ ضمیر نہیں اور صرف عملت پڑھا گیا ہے پھر پہلی تقریر کی تاکید کرتی ہے اس لیے کہ صلہ سے عائد کا حذف اس کے حذف سے بہتر ہے۔

افلا یشکرون۔ نعمتوں کے شکر نہ کرنے پر۔

فائدہ: استفہام میں انکار ان کی قباحت کا اظہار ہے اور فاء کا عطف فعل مقدر پر ہے جیسے کہ مقام کا تقاضا ہے۔ اب معنیٰ یوں ہوگا کہ ایسی بہترین نعمتیں انھیں ملی ہیں اور وہ ان سے خوب فائدے اُٹھا رہے ہیں لیکن ان کا شکر نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ کو واحد و لاشریک لہٗ مانیں اور اس کی تقدیس و تحمید کریں۔

تفسیر صوفیانہ: بحر الحقائق میں ہے کہ اہل اشارات (صوفیہ کرام) کے نزدیک آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ ہم نے ان کے دل کی زمین کو باران عنایت سے زندہ کیا اور اس سے طاعت کا بیج ظاہر کیا تاکہ اس سے ارواح غذا حاصل کریں اور ہم نے اذکار کی کھجوروں اور اشواق (شوق) کے انگوروں کے باغات بنائے اور حکمت کے چشمے بہائے تاکہ یہ لوگ مکاشفات و مشاہدات کے اثمار سے نفع پائیں۔ صدقات و خیرات کے نیک اعمال کے نتائج سے۔ تو کیا یہ لوگ شکر نہیں کرتے یعنی ایسی بہترین نعمتوں پر انھیں شکر کرنا چاہیئے تاکہ یہ ان کی نعمتوں کے اضافہ کا موجب بنیں جسے فرمایا لئن شکرتم لازیدنکم (اگر تم شکر کرو گے تو ہم بڑھائیں گے) کسی قسم کی کمی نہ آنے دیں گے۔

ع گر شکر کنی زیادہ گردد نعمت
ور زدل ببرد وغدغہ بیش وکمت
پس زود بسر منزل مقصود رسی
از منہج شکر آکہ نلغزد قدمت

ترجمہ :۔ اگر شکر کرو تو نعمت زیادہ ہوگی تیرے دل سے اس کی کمی و بیشی خطرہ اُٹھ جائے گا۔ بلا۔ تو اپنی منزل مقصود تک جلد پہنچے گا شکر کے راہ سے آتا کہ تیرا قدم ڈگمگا نہ جائے۔

تفسیر عالمانہ:۔ سبحان الذی خلق الازواج کلھا۔ سبحان: تسبیح کا علم ہے بمعنی اعتقاداً و قولاً بُرائی سے دور رکھنا یعنی اعتقاد ہو کہ وہ ہر برائی سے منزہ ہے اور قولاً یہ کہ جس طرح وہ حکم دے۔

فائدہ :۔ علم جیسے اشخاص جیسے زید و عمر وغیرہما اور اجناس (جیسے اسامہ) کے لیے ہوتا ہے ایسے ہی معانی کے لیے بھی آتا ہے لیکن اعلام الاعیان مضاف نہیں ہوتے اور معانی کے علوم اضافت کے بغیر نہیں آتے جیسے آیت میں ہے اور یہ علم مصدر کے قائم مقام اور مفعول کی طرف مضاف ہے۔

ازواج سے اصناف و انواع مراد ہیں۔ زوج کی جمع ہے بمعنی جفت یعنی جوڑا اور فرد (طاق) کی ضد ہے اور انواع کو ازواج اس لیے کہا جاتا ہے کہ ہر نوع اپنے قسم کا زوج (جوڑا) ہے۔

سبحان میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی عظمت کا اظہار ہے ان صنائع و بدائع کے ساتھ جو موصول کے صلہ واقع ہوئے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ اس کی قدرت کے آثار اور اس کی نعمتوں کے اقدار ہیں اس طرح سے بندے کو شکر کا موقع میسر آئے گا اور سمجھے گا کہ عبادت کا مستحق صرف وہی ہے اور تعجب کے طور بھی اسی لیے ہے کہ باوجود اس کے آثار قدرت کے وضوح کے کفار اس کی عبادت و شکر سے محروم ہیں۔ یاد رہے کہ تنزیہ تعجب کے طور نہیں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ میں اس ذات کی تسبیح کرتا ہوں جس نے اصناف و انواع کو پیدا فرمایا اور اس کی ان اُمور سے تنزیہ کرتا ہوں جو اس کے لائق نہیں۔ عقیدہ کے لحاظ سے بھی اور زبان سے بھی اور عملاً بھی اور تنزیہ صرف اسی سے خاص ہے وہی اس کے لائق ہے اور اس کا بھی یہی حکم ہے کہ ہم اس کی ان اُمور سے تنزیہ کریں جو اس کے لائق نہیں بخلاف مشرکین کے کہ وہ اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں اور شکر بھی نہیں کرتے اس میں اہل ایمان کو تلقین ہے کہ وہ حق تعالیٰ کے متعلق ایسے کہیں اور ایسا عقیدہ رکھیں اس میں کسی قسم کے کمی واقع نہ ہو اور نہ ہی اس میں غفلت کریں۔

فائدہ :۔ بعض کے نزدیک سبحان غفران کی طرح مصدر ہے اس سے تنزہ تام اور ہر بُرائی سے تباعد

کلی مراد ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دی گئی ہے کہ وہ تنزہ کا مستحق ہے۔ اَب معنیٰ یہ ہوا کہ تنزہ کے لیے ان اُمور سے جو اس کی ذات کے لائق نہیں وہ تمام انواع و اصناف کا خالق ہے تو پھر اس کے ساتھ شریک کیوں اور شریک بھی ایسی چیزوں سے ٹھہرایا جائے گا جو کسی شے کو پیدا نہیں کر سکتیں بلکہ وہ تو ایک عاجز مخلوق ہیں یعنی بت وغیرہ۔

فائدہ :۔ ابن الشیخ نے فرمایا کہ تنزیہ کا لفظ قلبی تنزیہ کو بھی شامل ہے یعنی اعتقاد جازم اور تنزیہ لسانی کو بھی یعنی ذکرِ حسن اور تنزیہ بالارکان کو بھی یعنی اعمالِ صالحہ دوسرا پہلے کا اور تیسرا دوسرے کا ثمر ہے وہ اس لیے کہ انسان کا عقیدہ جو دل میں ہوگا وہ زبان سے ظاہر ہوگا اور زبانی بات کی صداقت عمل صالح سے واضح ہوگی معلوم ہوا کہ زبان قلب کی اور اعضاء زبان کے ترجمان ہیں۔

مما تنبت الارض۔ ازواج کا بیان ہے اس سے وہ جملہ اشیاء مراد ہیں جو زمین اُگاتی ہے ان میں کچھ مذکور ہوئیں اور کچھ غیر مذکور ہیں۔

ومن انفسهم اور پیدا کیا ازواج کو ان کے نفوس سے یعنی نر مادہ اولاد **ومما لا یعلمون** اور بعض وہ ہیں جو ان کو معلوم نہیں کیونکہ ان کو جملہ اشیاء کے علم کا احاطہ نہیں اور نہ ہی انہیں ان کے ساتھ کوئی واسطہ اور تعلق ہے کہ ان سے ان کا کوئی دینی یا دنیوی فائدہ متعلق ہو۔

فائدہ :۔ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس سے بحر و بر اور آسمان و زمین کی مخلوق مراد ہے اس لیے کہ اس کی بعض ایسی مخلوق بھی ہے جسے کوئی فرد بشر نہیں جانتا یا اسے صرف ملائکہ کرام جانتے ہیں اور بعض ایسی مخلوق ہے جسے سوائے اس کے اور کوئی بھی نہیں جانتا۔

فائدہ :۔ بعض نے کہا کہ دریائی اور جنگلی مخلوق ہزاروں قسم ہے ان کی اکثر مخلوق سے انسان بے خبر ہے۔

فائدہ :۔ بحر العلوم میں ہے کہ انسان مخلوق کی کنہ کو نہیں جانتا کہ اس نے کتنا اشیاء پیدا فرمائیں اور کن میں کتنا ثواب و عذاب مقرر فرمایا۔

چار اشیاء کی کنہ سے لاعلمی

:۔ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا چار چیزیں ایسی ہیں جن کی کنہ کا ادراک نہیں ہو سکتا :۔

۱۔ شرور النفس
۲۔ شیطان کا دھوکہ
۳۔ اہل جنت کا ثواب
۴۔ دوزخیوں کا عذاب

فائدہ :۔ روح بھی انہیں میں سے ہے کہ اس کی کنہ بھی معلوم نہیں۔ ہمیں کسی نے نہیں بتایا کہ کوئی اس

کی حقیقت کو جاننا ہو۔[۱]

تفسیر صوفیانہ:۔ آیت میں اشارہ ہے کہ ہر شے کا جوڑا ضرور پیدا کیا گیا ہے سوائے ذاتِ حق کے کہ وہ واحد لاشریک ہے اور لیس کمثلہ شئ ان کی شان ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہی ان جملہ اشیاء کا خالق اور شریک سے منزہ ہے اور ہر شے میں اس کے وجود کی دلیل ہے اور ہر شے بتاتی ہے کہ وہ واحد اور ان تمام قدرتوں کا مالک صرف وہی ہے (کذا قال عبدالعزیز المکی قدس سرہٗ)۔

فائدہ:۔ کشف الاسرار میں ہے کہ ہر شے ہستی باری تعالیٰ کی شاہد ہے اور ہر شے بتاتی ہے کہ وہ یگانہ ہے باوجودیکہ گواہی دینے والا کا کوئی نشان ہے نہ زبان ؎

فی کل شئی لہ اٰیۃ
تدل علی انہ واحد

ترجمہ:۔ ہر شے میں نشان ہے جو بتاتا ہے کہ وہ ایک ہے۔

دہریہ کی کہانی:۔ یقیت انیس الوحدت وجلیس الخلوت میں ہے کہ ایک بادشاہ کو کفر و زندقہ کا مرض لاحق ہوا تو وجود ذات باری تعالیٰ کا منکر ہو بیٹھا اس کا وزیر باتدبیر اس کا خیر خواہ تھا کوشش کی کہ کسی طرح بادشاہ اس غلط خیالی سے باز آجائے۔ وزیر بادشاہ کو سال میں ایک دفعہ دعوت پیش کرتا تھا اس دفعہ دعوت کی لیکن اس کی رہائش اور کھانے پینے کا انتظام ایک شور زمین میں کیا۔ بادشاہ جب موقع پر پہنچا تو شورستان میں بہترین مکانات کی تعمیر دیکھ کر حیران رہ گیا پوچھا یہاں تعمیر کیسی وزیر نے کہا کہ یہ مکانات خود بخود ہی تیار ہو گئے ہیں۔ کسی نے ان کی تعمیر کے لیے اہتمام و انتظام نہیں کیا۔ بادشاہ نے کہا بڑا بیوقوف ہے تو اتنا بہت بڑے اور اعلیٰ مکانات کسی بنانے والے کے بغیر کیسے تیار ہوئے وزیر نے کہا تو پھر ملک و ملکوت اور عالم علوی و سفلی اور زمین و آسمان بغیر صانع کے کیسے تیار ہوئے۔ بادشاہ کو وزیر کی بات دل پر اثر کر گئی اور فوراً اپنے غلط

---

[۱] فقیر اویسی غفرلہٗ قواعد اسلام میں واضح کر چکا ہے کہ جن امور کی حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم عمومی طور نفی فرمائیں تو اس سے خود مستثنیٰ ہوتے ہیں۔ مثلاً اسی روح کو دیکھئے کہ اس کی کنہ کی نفی عمومی ہے لیکن مسلمات سے ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی کنہ سے آگاہ تھے تفصیل فقیر نے اپنے رسالہ "الفتوح فیما فی الروح" میں لکھ چکا ہے اور بعض ابحاث تفسیر ہذا کے حواشی میں بھی آچکے ہیں۔

مذہب دہریت سے رجوع کر کے پکا اور سچا مسلمان ہو گیا ۔

چشمہا و گوشہا را بستہ اند
جز مرا آنہا کہ از خود رستہ اند
جز عنایت کے کشاید چشم را
جز محبت کے نشاند خشم را
چوں گریزم زانکہ بے تو زندہ نیست
بے خداوندیت بود بندہ نیست
توبہ بے توفیقیت اے نور بلند
چیست جز بر ریش توبہ ریش خند

ترجمہ:۔ آنکھیں اور کان تیار کیے گئے ہیں مجھے بتا کیا یہ خود بن گئے ہیں ۔
اللہ تعالیٰ کی عنایت کے بغیر آنکھ کچھ نہیں دیکھ سکتی اور غصے کو محبت ہی ختم کر سکتی ہے ۔
میں کہاں بھاگوں تیرے سوا تو میں زندہ نہیں تیری خداوندی کے بغیر بندہ ہونے کا کون دم بھر سکتا ہے ۔
اے نور بلند تیری توفیق کے بغیر توبہ کیسی ۔ اب یہاں زخم ہی زخم ہیں تو برے زخم پر نظر کرم فرما ۔
ہم اللہ تعالیٰ سے اسرار پر وقوف اور انوار کے آثار سے ستر پوشی کا سوال کرتے ہیں کیونکہ وہی اپنے حسن اسماء وصفات سے ہر جگہ ظاہر اور اپنی غیب ذات میں اپنے کمالات کے حقائق کے ساتھ پوشیدہ ہے ۔

تفسیر عالمانہ:۔ وَاٰيَةٌ لَّهُمُ ۔ اور اہل مکہ کے لیے ہمارے کمالات قدرت پر بہت بڑی عظیم علامت ہے یہ مبتدا اور اس کی خبر اللیل ہے یعنی کالی رات ۔ سوال ہوتا تھا کہ کالی رات کیسے کمال قدرت کی علامت ہے تو اس کے جواب میں فرمایا نسلخ منه النهار ۔ اس سے ہم کھوتے ہیں دن روشن کو یعنی رات کو روشنی دینے والے پر کھوتے ہیں اور دن کا سایہ ایسا ہٹا دیتے ہیں کہ گویا یہاں پر روشنی تھی ہی نہیں یہاں نہار سے سورج کا شعاع مراد ہے ۔
السلخ حیوان کے چمڑے کو اس کے جسم سے علیحدہ کرنا ۔ اس سے استعارہ کے طور پر کہا گیا ہے ۔ نسلخ منه النهار اگرچہ اس کی اکثر استعمال چمڑے کا بدن سے متعلق ہونے پر ہوتی ہے ۔ پہلے محاورہ پر اہل عرب کا قول ہے سلخت الاهاب بمعنی اخرجتها عنه ۔ میں نے چمڑے کو بدن سے نکال لیا ۔
فاذاهم مظلمون ۔ پس اچانک وہ اس میں داخل ہونے والے رہتے ہیں یہ اذا مفاجاة کا ہے

یعنی انہیں اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں کہ وہ اس میں داخل نہ ہوں۔

فائدہ :۔ اس میں اشارہ ہے کہ اصل ظلمت ہے اور نور عرض جو خلاء میں داخل ہے جب وہ اس جگہ سے نکل جاتا ہے تو اصل حالت یعنی تاریکی آجاتی ہے۔ اسی معنیٰ پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ جن جگہوں پر رات کی تاریکی تھی وہاں روشنی نے ڈیرے جمالیے۔ جب وہ چلی گئی تو تاریکی ظاہر ہو گئی کیونکہ وہی اصل تھی جیسے چمڑا اُتارنے کے بعد مسلوخ جسم ظاہر ہو گیا۔ جو جانور کا اصل جسم ہے اگر اخراج کا معنیٰ لیا جائے تو پھر رات کا وقوع دن کے ظہور کے بعد ہوتا ہے تو اس وقت اظلام کے بجائے ابصار موزون ہوتا ہے۔ گویا یہ مبصرون کے بجائے مظلمون واقع ہوا ہے لیکن مظلمون کو ترجیح اس لیے دی گئی کہ رات کی گھڑیاں پریشانی اور غم والم لاتی ہیں اور دن خوشی اور سرور و راحت تو گویا رات اُن کے ہاں اچانک دن کے بعد پہنچ گئی جس پر انہیں کوئی مہلت نہ مل سکی کیونکہ راحت و سرور اور فرحت میں وقت گزارنے کی خبر کہاں۔ اگرچہ وقت طویل بھی گزر جائے بخلاف غم والم کی گھڑیوں کے کہ اس میں وقت گزرنے کا احساس ہوتا ہے خواہ وہ تھوڑا ہو جیسے اہل عرب کا مقولہ مشہور ہے سنة الوصل سنة وسنة الهجر سنة دصال کا ایک سال آنکھ جھپکنے میں گزر جاتا ہے اور پھر فراق کا ایک لمحہ ایک سال کے برابر محسوس ہوتا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ؎

و یوم لا اراك كالف شهر

و شهر لا اراك كالف عام

ترجمہ :۔ وہ دن جس میں تم نظر نہیں آتے ہزار مہینے کا ہو جاتا ہے جس سال میں تمہیں نہ دیکھوں وہ ہزاروں سال کا محسوس ہوتا ہے۔

حضرت حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ؎

آندم کہ با تو باشم یک سالہ ہست روزے

و اندم کہ تو باشم یک لحظہ ہست سالے

ترجمہ :۔ جس وقت تیرے ساتھ ہوتا ہوں تو سال صرف ایک دن کی طرح گزر جاتا ہے اور جب تیرے سے جدا ہوتا ہوں تو ایک گھڑی سال کی ہو جاتی ہے ؎

محسن الزمان كثيرة لا تنقضى

و سروره يا تيك كالاعياد

ترجمہ :۔ دکھ بھرے اوقات ایسے بڑھ جاتے ہیں گویا وہ کبھی ختم نہ ہوں گے لیکن سرور و فرحت کی گھڑیاں

تو عید کی طرح ہوتی ہیں کہ آئیں اور گئیں۔

رات اور دن کا کالا اور سپید تاگہ: حدیث شریف میں ہے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رات پر ایک فرشتہ "شراہیل" مقرر ہے۔ جب رات کے آنے کا وقت شروع ہوتا ہے تو فرشتہ کالا دھاگہ لے کر مغرب کی جانب لٹکاتا ہے جب اسے سورج دیکھتا ہے تو فوراً ڈوب جاتا ہے کیونکہ اسے حکم ہے کہ جب سیاہ دھاگہ دیکھے تو فوراً ڈوب جائے۔ غروب شمس کے بعد رات آ جاتی ہے وہ اپنی تاریکی کو اسی فرشتے کے پردں کے نیچے پھیلا دیتی ہے اور وہ سیاہ تاگہ لٹکتا رہتا ہے یہاں تک کہ ایک اور فرشتہ ھراھیل آجاتا ہے اس کے ہاتھ میں سفید تاگہ ہوتا ہے جسے وہ مشرق کی جانب لٹکاتا ہے جسے دیکھ کر سورج فوراً نکل آتا ہے کیونکہ اسے حکم ہے کہ جب سفید تاگہ دیکھو تو فوراً نکل آیا کرو جب سورج آتا ہے تو دن اسی فرشتے کے دو پروں کے نیچے اپنی روشنی پھیلاتا ہے طلوع و غروب کے وقت ان کی روشنی کے لیے فرشتہ اور رات کی تاریکی کے لیے دیگر فرشتہ مقرر ہے جیسا کہ احادیث میں وارد ہے۔ (الہیئۃ السنیہ للسیوطی رحمہ اللہ)

رات افضل ہے یا دن: کشف الاسرار میں ہے کہ کسی بزرگ سے سوال ہوا کہ دن افضل ہے یا رات۔ فرمایا رات اس لیے کہ اس میں آرام و سکون اور راحت ہے اور راحت جنت سے ہے اور دن میں مشقت اور تکلیف اور روزی کی تلاش میں سرگردانی اور مشقت وغیرہ دوزخ سے ہے۔

سوال: پہلے تم راحت و سرور وغیرہ دن کے لیے لکھ آئے ہو اب رات کے لیے۔

جواب: فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ عوام کے لیے دن کی گھڑیاں سرور و فرحت کی ہیں لیکن اللہ والوں کے لیے رات کی گھڑیاں راحت و فرحت ہیں۔ اس کی دلیل روزہ کا افطار ہے جو رات میں ہے اسی لیے حدیث شریف میں ہے للصائم فرحتہ۔ روزے دار کی افطار ایک فرحت ہے۔

صوفی کا فیصلہ: کسی بزرگ نے فرمایا کہ رات مخلصوں کا حصہ ہے اس سے انہیں راحت و سکون نصیب ہوتا ہے اس لیے کہ رات کی عبادت میں اخلاص نصیب ہوتا ہے اس میں ریاء کو کسی قسم کا دخل نہیں ہوتا اور دن ریاکاروں کا حصہ ہے کہ اس میں ریاء کر کے اپنا اُلّو سیدھا کرتے ہیں ان کو خلوص سے کیا غرض۔

وحی کا مضمون: کسی نبی علیہ السلام کے ہاں وحی آئی کہ جھوٹا ہے وہ جو میری محبت کا دم بھرتا ہے

لیکن ساری رات نیند میں وقت ضائع کرتا ہے کیا محب وہ نہیں جو اپنے محبوب کی خلوت چاہتا ہے۔ یاد رکھو میں تمہیں دیکھتا اور تمہاری باتیں سنتا ہوں۔

تفسیر صوفیانہ :- وآیۃ لھم اللیل ۔ اور اُن کے لیے علامت ان کی اپنی بشریت ہے۔ نسلخ منه النهار ۔ جس سے ہم روحانیت ظاہر کرتے ہیں فاذا ھم مظلمون ۔ تو اچانک وہ تاریکی میں ہوتے ہیں یعنی پیدائشی ظلمت میں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو ظلمت میں بنایا پھر اس پر اپنے نور کے چھینٹے مارے۔

تفسیر عالمانہ :- والشمس ۔ اس کا عطف اللیل پر ہے یعنی ان کے لیے سورج چمکنے والا علامت ہے اس کائنات کے کناروں پر چمکنا ایسے ہے جیسے نور وجود مطلق نے ہر موجود کو فیض پہنچایا۔ سوال ہوا کہ سورج کیسے نشانی ہے تو اس کے جواب میں فرمایا تجری جاری ہوتا ہے ۔ لمستقر لھا ۔ اپنی قرارگاہ کے لیے۔

تحقیق لام لمستقر لھا :- اس کے متعلق چند وجوہ ہیں :-

۱۔ لام تعلیلیہ ہے۔

۲۔ مستقر ۔ اسم مکان ہے۔
اب معنیٰ ہوگا کہ سورج اپنی مخصوص قرارگاہ اور حد معین کے لیے چلتا ہے جس کا دور آخری سال میں ختم ہوتا ہے تو اسے اس مسافر کے ساتھ تشبیہ دی گئی جو اپنی منزل مقصود تک پہنچنے کے لیے منازل طے کرتا ہے۔

(۲)۔ لام بمعنی الی اور المستقر سے کبد السماء یعنی آسمان کا وسط مراد ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ سورج چلتا ہوا آسمان کے وسط میں پہنچتا اور اس میں قرار پاتا ہے اس کی رفتار کی آہستگی کو وقفہ و استقرار سے تشبیہ دی گئی ہے ورنہ اس میں وقفہ ہے نہ استقرار (المفردات)

سوال :- اس کے لیے زوال کا استعمال ہوتا ہے اور زوال ثبات کو چاہتا ہے ورنہ ثبات کے بغیر زوال کا مفہوم کیسا۔

جواب :- یا عرب کے اعتقاد کے مطابق کہا گیا ہے کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ اسے دوپہر کے وقت ثبات (قرار) ملتا ہے۔ اس کے بعد زوال اس اعتبار سے سوال نہ رہا۔

سوال :- شرح التقویم میں ہے کہ اسے سیارہ کیوں کہتے ہیں حالانکہ آسمان (افلاک) بھی ساکن نہیں

بلکہ افلاک بھی چکر میں ہیں تو پھر اس کی تخصیص کیوں ؟
جواب :۔ چونکہ یہ بہ نسبت دوسرے ستاروں کے تیز رفتار ہے۔ اس کی تیزی کی خصوصیت سے اسے سیارہ کہا گیا جیسے کم رفتار ستاروں کو ثوابت کہا جاتا ہے (حالانکہ وہ ثوابت نہیں بلکہ سیارے ہیں۔
(۳)۔ لام عاقبت کی اور المستقر مصدر میمی ہے۔ اَب معنیٰ یہ ہُوا کہ سُورج چلتا ہے اس کے چلنے پر استقرار مرتب ہوتا ہے۔ اس کے بارہ بروج سے ہر ایک میں اس کا مخصوص استقرار ہوتا ہے مثلاً ایک ماہ ایک برج میں نصف سال میں رات دن سے زائد وقت لیتا ہے دوسرے نصف میں صرف دن رات یہی وجہ ہے کہ گرمیوں میں مرتفع ہوتا ہے سردیوں میں بہ نسبت اس کے نیچا اسی پر ہی فصول اربعہ کا ترتب ہوتا ہے اور اسی سے ہی ارضیات کی معاش کے اسباب تیار ہوتے ہیں۔
(۴)۔ ہر دن کے لیے سورج کا منتہیٰ مقدر ہے کہ مشرق میں فلاں دن فلاں جگہ طلوع کرے گا اور فلاں جگہ پر غروب اس لیے اس کے سال کے دورہ کے تین سو ساٹھ مشارق اور اتنے ہی مغارب دن میں ہر روز کا مطلع و مغرب نیا ہے سال بھر اس مطلع سے طلوع و غروب کرے گا۔ اس تقریر پر مستقر اسم زمان ہو گا۔ اَب معنیٰ یہ ہوا کہ سورج زمان استقرار و انقطاع حرکت تک چلتا رہے گا اور وہ زمانہ وہی ہے کہ جب یہ عالم دنیا ختم ہو گا یا سورج اپنے قرار کے وقت تغیر حال تک یعنی طلوع از مغرب تک چلتا رہے گا۔

نبوی علم کی وسعت :۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں داخل ہوا تو حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

یا ابا ذر اتدری این تذھب ھذہ الشمس

ترجمہ :۔ اے ابوذر بتا یہ سورج کہاں چلا جاتا ہے۔
میں نے عرض کی اللہ و رسولہ اعلم۔ اللہ تعالیٰ یا اس کے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معلوم۔
آپ نے فرمایا :

تذھب لتسجد تحت العرش فلتستاذن فیوذن لھا و یوشك ان تسجد ولا یقبل منھا و تستاذن فلا یوذن لھا و یقال لھا ارجعی من حیث جئت فتطلع من مغربھا فذلك قولہ : والشمس تجری لمستقر لّھا۔

ترجمہ: سورج عرش کے نیچے جا کر سجدہ ریز ہوتا ہے پھر اجازت مانگتا ہے اسے اجازت مل جاتی ہے قریب ہے کہ وہ سجدہ میں رہے لیکن اجازت نہیں ملتی پھر اجازت مانگتا ہے پھر بھی اجازت نہیں ملتی بلکہ اسے کہا جاتا ہے جہاں سے آیا ہے وہاں چلا جا یہاں تک کہ وہ مغرب سے طلوع کرے اس آیت والشمس تجری لمستقر لہا کا یہی مطلب ہے۔

شرح الحدیث:- اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ مستقر عرش کے نیچے ہے اور سجدے سے اس کی فرمانبرداری مراد ہے اور حقیقی سجدہ بھی مراد ہو سکتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ اس میں حیات و ادراک پیدا کر دے تو وہ سجدہ کرے جیسے اس کے نظائر گزرے ہیں۔

فائدہ:- بعض عارفین نے فرمایا کہ وہ عرش کے نزدیک روح کے ساتھ سجدہ کرتا ہے جیسے روح عرش کے نیچے سجدہ کرتی ہے جب انسان نیند میں ہوتا ہے۔ (جبکہ وہ باوضو ہو کر سوئے)۔

دن اور رات کے مختلف اطوار

امام الحرمین و دیگر فضلائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ سورج ایک ملک میں طلوع کرتا ہے تو دوسرے ملک میں رات ہوتی ہے ایسے ہی بعض علاقوں میں رات لمبی ہوتی ہے تو بعض میں چھوٹی لیکن خط استواء کے نزدیک دن رات ہمیشہ برابر رہتے ہیں۔

عجائبات ارض:- (۱)۔ زمین مدور اور اس کی مسافت پانچسو سال ہے گو یا وہ نصف مدور ہے اسی لیے اس کا وسط باقی زمین سے ارفع ہونا لازمی ہے۔

(۲)۔ وہ جزیرہ جو زمین کے وسط میں ہے جہاں دن اور رات برابر ہیں اُسے قبۃ الارض کہتے ہیں۔

(۳)۔ زمین کے اِردگرد بحرِ اعظم ہے جو تمام زمین کو گھیرے ہوتے ہے اس کا پانی گاڑھا اور بدبودار ہے اسی لیے اس میں کشتیاں اور جہاز نہیں چل سکتے۔

(۴)۔ بحرِ محیط کے اردگرد کوہ قاف ہے وہ زمرد اخضر سے پیدا کیا گیا ہے پہلا آسمان اسی پر قبہ نما ہے یہ رنگ اسی کوہ قاف کا ہے۔

بلغار کی نماز کا مسئلہ:- حضرت شیخ ابو حامد رضی اللہ عنہ سے سوال ہوا کہ بلغار والے نماز کا کیا کریں جبکہ ان کے ہاں سورج صرف مغرب و عشاء کے درمیان وقت کی مقدار میں غروب ہو کر فوراً طلوع کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا وہ اپنے قریبی شہروں

کے مطابق نماز روزہ ادا کریں لیکن صحیح تر وہ ہے جو اکثر فقہاء نے فرمایا کہ وہ اوقات کا اندازہ کر کے نمازیں وغیرہ ادا کریں جیسے حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دجال کے زمانہ والوں کے لیے فرمایا جب اس کا ایک دن ایک سال کا دوسرا دن ایک مہینہ کا تیسرا دن ایک ہفتہ کا ہوگا تو اُس وقت لوگ نمازیں اور روزے اندازے سے ادا کریں۔

ذالك ۔ وہ جاری ہونا عجیب جو عجیب وغریب حکمتوں پر مشتمل ہے کہ جسے سُن کر عقول وفہم دنگ رہ جاتے ہیں۔

تقدیر العزیز ۔ اندازے اس قادر کے جو ہر مقدور پر ہر طرح کی قدرت رکھتا ہے۔ العلیم علم والا ہے جس کا علم ہر معلوم کو محیط ہے۔

فائدہ :۔ المفردات میں ہے کہ تقدیر بمعنی شے کی کمیت بیان کرنا اور اللہ تعالیٰ کا مقدر کرنا دو قسم پر ہے :۔

(۱) ۔ کسی کو قدرت دے دینا۔

(۲) ۔ کسی شے کو مقدار مخصوص و وجہ مخصوص پر بنانا جیسے اس کی حکمت کا تقاضا ہو۔

فائدہ :۔ فعل الٰہی دو قسم ہے :۔

(۱) ۔ کسی شے کی بالفعل ایجاد اور ایجاد بالفعل بمعنی شے کا اظہار ہے۔

(۲) ۔ شے کو بالقوت ایسے طور جاری کرنا مقدر کرنا کہ سوائے اُسی مقدر کردہ کے دوسری کوئی شے حاصل نہ ہو مثلاً اللہ تعالیٰ نے گٹھلی میں کھجور مقدر فرمائی ہے تو گٹھلی سے صرف کھجور ہی پیدا ہوگی نہ کہ انگور و زیتون وغیرہ ایسے ہی انسان کی منی میں آدمی مقدر فرمایا ہے تو اس سے آدمی ہی پیدا ہوگا نہ کہ کوئی دوسرا حیوان وغیرہ۔

تقدیر کا مسئلہ :۔ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے دو مطلب ہیں :۔

(۱) ۔ اپنی طرف حکم فرمائے کہ یہ ایسے ایسے ہوگا یا نہ ہوگا۔ پھر یہ دو قسم ہے :۔

الف ۔ علی سبیل الوجوب
ب ۔ علی سبیل الامکان

ؔ یہ قانون حدیث مندرجہ ذیل کے خلاف ہے جیسا کہ حیٰوۃ الحیوان اور مستدرک اور سیرت ابن ہشام میں مروی ہے۔

(۲)۔ کسی کو اس اَمر پر قدرت دینا (کہ یہ اُمور ہیں (نیکی و برائی) انہیں جو تو چاہے کرے جزا و سزا اسی تقدیر پر مرتب ہوتے ہیں۔)

تفسیر صوفیانہ:۔ اس میں نور الٰہی کے شمس کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اپنے مستقر یعنی قلب انسانی پر جاری ہوتا ہے کہ جس پر نور الٰہی کے چھینٹے ڈالے گئے۔

ذٰلك۔ وہ مستقر۔ **تقدیر العزیز** اندازے اس عزیز کے ہیں جس کی طرف سوائے اس کی مدد کے کوئی راہ نہیں پا سکتا۔

العلیم۔ وہ چاہتا ہے کہ رسالت کا مستحق کون ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نور خاص کا مستقر ہر قلب نہیں بلکہ وہ جس کے لیے مستعد اور صیقل شدہ ہو یہاں تک کہ وہ کریم اس پر لطف فرمائے اور اسے ظلمات کون و فساد کے متعلقات سے صاف و ستھرا کرے۔

ع گوہر انوار را دل ہائے پاک آمد صدف

ترجمہ:۔ انوار کے گوہر کے لیے پاک قلوب صدف ہیں۔

تفسیر عالمانہ:۔ **والقمر قدرناہ**۔ القمر منصوب ہے اس فعل سے جو اس سے پہلے مقدر ہے جس کی تفسیر قدرناہ کرتا ہے۔ یہ زید ا ا کرامتہ کی طرح ہے دراصل **وقدرنا القمر قدرناہ** تھا۔ یعنی ہم نے چاند کے لیے مقرر و معین فرمائیں **منازل**۔ منزلیں۔ یہ کل اٹھائیس ہیں اور وہ بارہ بروج پر منقسم ہیں اس کی مکمل تفصیل ہم نے سورہ یونس کے پہلے رکوع میں عرض کر دی ہے۔

فائدہ:۔ چاند ہر شب کو انہی منازل میں سے ایک میں اُترتا ہے نہ کبھی اس سے چوک جاتا ہے اور نہ ہی کمی کرتا ہے آخری منازل میں باریک اور کمان کی طرح ہو جاتا ہے۔ اگر چاند تیس کا ہو تو دو راتیں اگر انتیس کا ہو تو ایک رات چھپ جاتا ہے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ یا نو رمضان کے روزے رکھے ان میں سے پانچ انتیس کے تھے باقی تیس کے۔

حدیث شریف:۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عیدین کے چاند کم نہیں ہوتے یعنی ان کا حکم ایک ہے چاند انتیس کا ہو یا تیس کا ثواب اور فضیلت میں کوئی فرق نہ ہوگا۔

مسئلہ:۔ اُمت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے اُمور کا دَور قمری عربی ہے جس کا حساب مہینوں پر ہے شمسی (انگریزی) پر نہیں کہ جس کا حساب دنوں پر ہے (افسوس کہ اُمت نے بے وفائی کی کہ

قمری عربی حساب کو چھوڑ کر شمسی (انگریزی) حساب کے دلدادہ بن بیٹھے لیکن بہت زیادہ افسوس تو ان علماء کرام اور مشائخ عظام کا ہے جنھوں نے اسلامی روایات کو خیرباد کہہ کر انگریز بدبخت کی یادگاروں کی ترویج میں پیش پیش یا کم از کم عامل و شامل ہیں[1]

حتیٰ عاد یہاں تک کہ لوٹتا ہے چاند۔

فائدہ:۔ ابن الشیخ نے فرمایا کہ یہاں تک ہو جاتا ہے کہ چاند مہینے کی آخری اور اول تاریخوں میں باریکی اور کمان کی شکل اور زرد ہوتا ہے۔

کالعرجون۔ عرجون بروزن فعلول انعراج سے ہے بمعنی ٹیڑھا ہونا۔

حل لغات:۔ العذق بالکسر بمعنی خوشہ خرما (شمار یخ) شمراخ یا شمروخ کی جمع ہے وہ لکڑیاں جن پر کھجور کا القدیم (پرانا) کیونکہ کھجور کے خوشہ کی لکڑی جب پرانی ہو جائے تو باریک اور کمان کی طرح اور زرد ہو جاتی ہے۔ چاند کی آخری تاریخوں کی کیفیت کو ان تینوں چیزوں سے تشبیہہ دی ہے۔

سوال:۔ چاند ایک عظیم شے ہے انھیں اس معمولی اشیاء سے کیوں تشبیہہ دی گئی ہے۔

جواب:۔ چونکہ دیکھنے والوں کو ایسے ہی محسوس ہوتا ہے اس کی وجہ سے ان معمولی اشیاء سے تشبیہہ دی گئی ہے۔

فائدہ:۔ قدیم ہر اس شے کو کہا جاتا ہے جس پر کچھ وقت گزر جائے اس کے لیے ایک سال کی شرط بھی نہیں۔ بعض نے کہا کہ کم از کم اس پر ایک سال گزر جائے۔

مسئلہ:۔ کوئی قسم کھائے کہ میرا ہر وہ غلام جو قدیم ہے وہ آزاد ہوگا تو وہ غلام آزاد ہوگا جس پر کم از کم سال گزر جائے۔

چاند کی چھائیاں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہِ ہے ایک واقعہ

کشف الاسرار میں ہے کہ چاند کے گھٹنے اور بڑھنے کی ایک حکمت یہ ہے کہ چاند کو خوب نورانی پیدا کیا گیا ہے لیکن یہ اپنا نور دیکھ کر اترا یا۔ اللہ تعالیٰ کو اس کی یہ ادا پسند نہ آئی جبریل علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اس کے چہرے پر پر مار کر اس سے نور چھین لے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ یہ چاند کی چھائیاں جبریل علیہ السلام کے پر کے نشان ہیں کیونکہ اس کا نور تو چھینا گیا لیکن نشانات باقی رہ گئے اور

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

اس کی پیشانی کا نقش کلمۂ توحید یعنی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ۔ یہ نقش اللہ تعالیٰ نے ہی چاند کی پیشانی پر لکھوائے ۔

چاند کی سزا اور اُس کی معافی

جب چاند سے نور چھن گیا تو اسے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے بھی ہٹا دیا چاند نے فرشتوں سے مدد چاہی اور انھیں اللہ تعالیٰ کے حضور میں سفارشی بنایا فرشتوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی اے الہ العالمین چاند معافی چاہتا ہے وہ خدمت بارگاہ کا آرزومند ہے اسے حسب دستور خدمت میں لگایا جائے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی شفاعت قبول فرمائی اور حکم فرمایا کہ مہینہ میں ایک بار میری بارگاہ میں سربسجود ہو چنانچہ چودھویں شب کو جب خدمت کے لیے قریب تر ہوتا ہے تو اس کا نور مکمل کیا جاتا ہے پھر خدمت سے خود دور ہو جاتا ہے اتنا ہی اس کا نور کم کیا جاتا ہے ۔

صوفیانہ نکتہ :- بعض بزرگوں نے فرمایا کہ سورج اس بندہ خدا کے مشابہ ہے جو ہمیشہ معرفت الٰہی کی شمع روشن رکھتا ہے وہ صاحب تمکین اور غیر متلون ہے جس کی معرفت کا سورج بروج سعادت سے ہمیشہ چمکتا رہتا ہے نہ تو اسے کسوف کا ڈر ہوتا ہے نہ اسے حجاب چھا سکتا ہے اور چاند کی مشابہت اس بندہ سے ہے جس کے احوال منتقل ہوتے رہتے ہیں وہ صاحب تلوین ہے اسے بسط حاصل ہے جو اسے ترقی کے مراحل طے کرا کر وصال یار سے بہرہ ور کرتا ہے پھر اسے فترت میں لا کر قبض میں پھینکا جاتا ہے جو وہ بھی صفائی حال کا سبب ہے اس طرح سے وہ گھٹتے گھٹتے ترقی قلب کی منازل طے کرنے لگ جاتا ہے پھر اسے اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے نوازتا ہے جس سے وہ فطرت سے رجوع اور سکر سے افاقہ پا کر روشن راہوں پر چلتا ہوا وصال یار کے قریب پہنچ جاتا ہے یہاں تک کہ وہ کمالات کی منزلیں پا لیتا ہے پھر زبان حال سے کہتا ہے ؎

ما زلت انزل من ودادك منزلا
تتحير الالباب عند نزولا

ترجمہ :- میں ہمیشہ تیری محبت سے گرتا گیا جس سے عقل والے اس تنزل سے حیران تھے ۔

تفسیر صوفیانہ :- تاویلات نجمیہ میں ہے کہ والقمر قدرناه منازل میں قمر قلب کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ قلب قمر کی طرح ہے کہ جیسے وہ سورج سے نور پاتا ہے ایسے ہی قلب پہلے شمس روح سے استفادہ کرتی ہے پھر شمس شہود حق سے فیضیاب ہوتی ہے چاند کی

طرح قلب کے حروف قرآن کے مطابق اٹھائیس منزلیں ہیں ہر منزل میں اپنے وقت پر قلب اس میں اترتی ہیں وہ اٹھائیس یہ ہیں :-

۱۔ الفت	۲۔ بر د احسان	۳۔ توبہ
۴۔ ثبات	۵۔ جمعیتہ	۶۔ حلم
۷۔ خلوص	۸۔ دیانت	۹۔ ذلت
۱۰۔ رأفت	۱۱۔ زلفة (قرب الٰہی)	۱۲۔ سلامت
۱۳۔ شوق	۱۴۔ صدق	۱۵۔ ضرر
۱۶۔ طلب	۱۷۔ پیاس	۱۸۔ عشق
۱۹۔ غیرت	۲۰۔ فتوة	۲۱۔ قربة
۲۲۔ کرم	۲۳۔ نرمی	۲۴۔ مروت
۲۵۔ نور	۲۶۔ ولایت	۲۷۔ ہدایت
	۲۸۔ یقین	

جب بندہ آخری منزل طے کرتا ہے تو وہ قرآنی اخلاق میں ڈھل جاتا ہے اور اللہ کی رسی کو چمٹ جاتا ہے اور اس کا حق بھی ہے کہ حبل الٰہی کو چمٹے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرمایا :

ربك حتىٰ يأتيك اليقين

اپنے رب کی عبادت کیجئے یہاں تک کہ تجھے یقین ہو

اور مومن کو قبر میں کہا جائے گا پڑھ اور چڑھ یعنی قرآن پاک کو پڑھتا جا اور قرب الٰہی کی منزلیں طے کرتا جا۔

کالعرجون القدیم میں قمر القلب کا اپنی منازل میں سیر کرنے کی طرف اشارہ ہے جب وہ حق تعالیٰ سے پہلی منزل مالوف ہوتا ہے تو ایمان اور عمل صالح سے نوازا جاتا ہے پھر تائب ہو کر حضرت الٰہی کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اسی کی برکت سے وہ توبہ پر ثابت قدم رہتا ہے اور اسے جمعیتہ مع اللہ بھی نصیب ہوتی ہے تو اس کے قلب کا چاند نور رب سے مستنیر ہو کر کامل بدر بن جاتا ہے۔ اس کے بعد جب تھوڑا سا شمس شہود حق کے قریب ہوتا ہے تو گھٹ جاتا ہے ایسے ہی جتنا اس کے قریب ہوتا جاتا ہے تو وہ خود گھٹتا رہتا ہے یہاں تک کہ لاشے ہو جاتا ہے بلکہ ایسا چھپ جاتا ہے کہ کہیں نظر ہی نہیں آتا بلکہ اس

کے نشانات تک مٹ جاتے ہیں۔ فقر حقیقی کا بھی یہی مقام ہے اس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الفقر فخری (فقر میرا فخر ہے)۔ اس لیے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب شب معراج اللہ تعالیٰ کے حضور جونہی قریب ہوئے تو اپنے وجود کے قصر میں اضافہ پایا جیسے اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ:

ثم دنیٰ فتدلیٰ فکان قاب قوسین او ادنیٰ

یہاں پر آپ فقر وجود سے مکمل ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عیال دار پا کر اپنے جود و غنا سے غنی کر دیا۔

فائدہ:۔ چاند ایک ایسا آئینہ ہے جسے نورِ شمس سے استفادہ کرنے کی قابلیت حاصل ہے جب اس کے بالمقابل ہوتا ہے تو اس سے نور حاصل کرتا ہے جب سورج کا دور آہستہ ہوتا ہے تو اس کے ظہور کا اثر فصول اربعہ پر ہوتا ہے۔ فصول اربعہ سے ربیع ۔ صیف ۔ خریف ۔ شتا مراد ہیں اور جب چاند کا دور تیز ہوتا ہے تو اس کے اثر کا عالم دنیا میں جلد تر ہو جاتا ہے قلب کی حرکت کی نگاہ چاند کی حرکت پر ہوتی ہے۔ اسی مناسبت سے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو فلک قمر میں ٹھہرایا کیونکہ آدم علیہ السلام کے قلب کے باطن کی حرکت کو چاند کی حرکت و انقلاب سے مناسبت ہے۔

فائدہ:۔ چاند مدرک مرئی ہے اور سورج تیز چمک اور تیز روشنی اور تیز شعاعوں کی وجہ سے اس کی کیفیت و کمیت کا ادراک نہیں ہو سکتا کہ وہ کیسی اور کس طرح ہیں اسی لیے اس کے ادراک کے لیے کچھ اسباب چاہئیں تو اس کی صورت یہ ہے کہ ایک پیالہ صاف ستھرے پانی سے بھر کر سورج کے سامنے رکھ دیا جائے تاکہ سورج کا اس میں عکس آ سکے اب سورج کی چمک اور روشنی کم ہو جائے گی اور اسے پیالہ کی تہ میں اچھی طرح دیکھا جا سکے گا اس لیے کہ لطیف کو قبول کرنے اور کثیف کو امساک کا اس میں مادہ ہے اسی لیے پانی نے سورج کے عکس کو قبول کر لیا اور پیالے نے اُسے روک لیا یہ اس کے لیے ہے جو سورج کے جسم کو آنکھوں سے دیکھنا چاہتا ہے۔

سبق:۔ بعض لوگ وہم میں رہتے ہیں کہ ذات باری تعالیٰ کو ان آنکھوں سے دیکھنا کیوں ممتنع ہے تو ان کو سوچنا چاہیئے کہ جب یہ ظاہری سورج اپنی تابانی میں جب ذروں پہ ہو تو اسے آنکھوں سے دیکھنا کتنا مشکل ہو جاتا ہے تو پھر شمس احدیت غیر متناہی انوار و تجلیات کو کس طرح دیکھا جا سکتا ہے جبکہ اس متناہی اور فانی سورج کی روشنی اور چمک اور ظہور و اظہار میں اس ذات غیر متناہی سے ذرہ برابر بھی نسبت نہیں۔ دریا کے مقابلہ میں قطرہ کو آفاق اور سات طبقات کے مقابلہ میں ذرہ کو اور بحر ذخائر کے مقابلہ میں قطرہ کو اور۔ دنیا و آخرت کے مقابلہ

میں جز و الا یتجزی کو کیا نسبت ہو سکتی ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ کے لیے ایسی مثالیں دینا موزونیت نہیں رکھتیں کیونکہ وہ پاک اور منزہ ذات ہے لیکن سمجھانے کے لیے ایسے کہہ دیا گیا کیونکہ آسمان وزمین میں اس کی کوئی مثال نہیں۔ جب تمھیں یہ مثالیں معلوم ہوگئیں تو اَب دل کا معاملہ سمجھیے کہ جب اسے صاف ستھرا کیا جاتا ہے تو پھر اس میں ذات باری تعالیٰ کے انوار و تجلیات کے عکس پڑتے ہیں۔

حضرت شیخ مغربی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ؎

۱۔ نخست دیدہ طلب کن پس آنگہے دیدار
از آنکہ یار کند جلوہ برا اولا الابصار

۲۔ ترا کہ چشم نباشد چہ حاصل از شاہد
ترا کہ گوش نباشد چہ سود از گفتار

۳۔ اگرچہ آئینہ داری از برائے رخش
ولے چہ سود کہ داری ہمیشہ آئینہ تار

۴۔ بیا بصیقل توحید ز آئینہ بزدآی
غبار شرک کہ تا پاک گردد از زنگار

ترجمہ:۔(۱) پہلے آنکھ طلب کر پھر دیدار اس لیے کہ یار (حقیقی) آنکھ والوں کو جلوہ دکھاتا ہے۔
(۲)۔ جب تیری آنکھ نہیں تو پھر دوست کا تمھیں جب تیرے کان نہیں تو پھر گفتار کا کیا فائدہ۔
(۳)۔ جب تو آئینہ دیکھنے والے چہرہ دیکھنے کے لیے رکھتا ہے تو اس آئینہ کا کیا فائدہ جس پہ زنگ ہی زنگ ہے۔
(۴)۔ صیقل توحید سے آئینہ کو صاف کر۔ شرک کی زنگ دُور کر تاکہ آئینۂ دل صاف و شفاف ہو۔

اور فرمایا ؎

۱۔ کجا شود بحقیقت عیاں جمال حقیقت
اگر مظاہر و آئینہ مجاز نباشد

۲۔ مجو در دلِ ما غیر دوست زانکہ نیابی
از آنکہ در دلِ محمود د ایاز نباشد

۳۔ بہ پیش عقل مگو قصہائے عشق کہ آنرا
قبول می نکند آنکہ عشق باز نباشد

ترجمہ:(۱)۔ جمال حقیقت حقیقت سے کب عیاں ہوگا اگر مظاہر اور آئینہ مجاز نہ ہوگا۔

(۲)۔ ہمارے دل یار کے سوا اور کسی کو تلاش نہ کر اس لیے یار کے سوا ہمارے ہاں کچھ نہیں جیسے محمود کے دل میں ایاز کے سوا کچھ نہیں پائے گا۔

(۳)۔ عقل کے سامنے عشق کی کوئی بات نہ کر اس لیے کہ وہ قبول نہ کرے گا کیونکہ جو عشقباز نہ ہو وہ عشق کی باتیں قبول نہیں کرتا۔

تفسیر عالمانہ: لا الشمس ینبغی لھا۔ یہ لاینبغی للشمس سے زیادہ بلیغ ہے جیسے انت لا تکذب۔ لاتکذیب سے زیادہ مؤکد ہے اس لیے کہ اس میں مسند الیہ کی تقدیم اور پھر اس میں اسناد کا تکرار ہے۔

سوال: حرف نفی بجائے فعل کے الشمس پر لانے کا کیا فائدہ۔

جواب: تاکہ معلوم ہو کہ سورج کسی دوسری ذات کے قبضہ میں ہے اسے اپنا کوئی اختیار نہیں وہی کرتا ہے جو اس کو آقا کا حکم ہوتا ہے۔

حل لغات: ینبغی انفعال از بغی بمعنی طلب تجاوز الاقتصاد فیما یتحری۔ تجاوزہ اولم یتجاوزہ جس میں اقتصار لائق ہے اس میں تجاوز چاہنا پھر اس سے تجاوز ہو سکے۔ انبغی ماضی کا استعمال بہت کم ہے۔ کشف الاسرار میں ہے بعیث الشیء فانبغی لی میں نے آسان کرنا چاہا اور آسان ہو گیا اور میں نے اسے ڈھونڈا تو آسانی سے مل گیا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ سورج کو لائق نہیں ان تدرك القمر۔ سرعت سیر میں چاند کو پا سکے۔ اس لیے کہ چاند سورج سے تیز رفتار ہے کیونکہ چاند صرف ایک مہینے میں تمام اٹھائیس منزلیں طے کر لیتا ہے بخلاف سورج کے کہ وہ بارہ بروج (جو اٹھائیس منازل پر منقسم ہے) کو کامل سال کے بعد طے کرتا ہے۔ سورج ہر منزل میں تیرہ دن ٹھہرتا ہے۔

چاند کی تیز رفتاری

چونکہ چاند بہت تیز رفتار ہے اسی لیے سورج اس کو نہیں پہنچ سکتا اس لیے کہ سورج نہ صرف چاند سے کم رفتار ہے بلکہ وہ زحل سے بھی کم رفتار ہے اور زحل وہ ستارہ ہے جس کی ساتویں آسمان میں منزل ہے

اس کی وجہ یہ ہے کہ سورج کامل النور ہے اسی لیے یہ نہ تو نہایت کمزور رفتار ہے نہ تیز رفتار بلکہ میانہ رو ہے کیونکہ اگر بالکل کمزور ہو کر چلے تو اسے ایک منزل کی ایک جگہ پر کافی وقت ٹھہرنا ہوگا اور ظاہر ہے کہ یہ کسی جگہ پر کافی دیر ٹھہر جائے تو اس جگہ کو جلا کر راکھ بنا دے اور اگر وہ تیز رو ہو تو پھر نہ زمین پر کھیتیاں اُگیں نہ درختوں کو پتے لگیں نہ میوے اور نہ پھل پک سکیں نہ دانے۔ پھر اگر یہ چاند کی طرح سریع السیر ہو تو پھر ایک ہی ماہ سردی بھی ہو گرمی بھی۔ اس طرح سے فصول اربعہ کا نظام معطل ہو جائے گا اور نہ ہی انگوریاں اگیں نہ حیوانات کی زندگیاں بسر ہو سکیں۔

فائدہ :۔ اس کا یہ معنیٰ بھی ہے کہ وہ سورج باوجود کامل النور ہونے کے اسے لائق نہیں کہ وہ چاند کے آثار و منافع کو پالے کیونکہ ہر ایک کے اپنے مخصوص منافع و آثار ہیں جو دوسرے کو حاصل نہیں مثلاً کھیتیاں سورج پکاتا ہے اس میں تری چاند لاتا ہے اور اس میں ذائقہ کواکب لاتے ہیں۔

سہیل کا تعارف :۔ سُہیل وہ ایک یمنی ستارہ ہے جس کی چمک حجر احمر کو عقیق بنا دیتی ہے۔

فائدہ :۔ یہ معنیٰ بھی ہو سکتا ہے کہ سورج کو لائق نہیں کہ وہ چاند کی جگہ پر پہنچ سکے کیونکہ چاند پہلے آسمان میں اور سورج چوتھے آسمان میں ہے اس اعتبار سے نہ سورج چاند کی جگہ پر آسکتا ہے نہ چاند سورج کی جگہ پر۔ یا معنیٰ یہ ہے کہ سورج کو لائق نہیں کہ وہ چاند کی حکومت میں دخل دے کیونکہ چاند رات کا راجہ ہے اور سورج دن کا شہنشاہ۔ اسی لیے اگر سورج بجائے دن کے رات کو آجائے تو چاند کی سلطنت مٹ کر رہ جائے گی رات کی تاریکی ختم ہو کر دن کا راج قائم ہو اور یہ حکمت خداوندی کے منافی ہے۔

چاند کی سورج سے شرمساری :۔ بعض تفاسیر میں ہے کہ سورج کو لائق نہیں کہ وہ چاند کے ملک میں آجائے تاکہ اس کے نقصان کو دیکھے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے چاند سے نور چھینا تو اس نے التجا کی کہ اس کے نقص اور عیب کا علم سورج کو نہ ہو۔ اس کی دعا قبول ہوئی تو اب سورج چاند کو نہیں پا سکتا۔

تفسیر صوفیانہ :۔ بعض اکابر مشائخ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کو تاریخ شمسی کے بجائے تاریخ قمری عطا فرمائی اس میں عارفین کو تنبیہ ہے کہ چاند کے آثار عالم ظاہر میں مٹ کر رہ جائیں گے اور یہ حق اسے نصیب ہوگا جو آیت **لا الشمس ینبغی لہا** الخ میں تدبر کرتا ہے یعنی سورج کو لائق نہیں کہ وہ چاند کے مراتب اور شرافت کو پالے اس سے اُن اسرار مخفیہ کی تقویت و تائید ہوتی ہے جو محمدیوں کو نصیب ہوئے کیونکہ یہ اسرارِ مخفیہ صرف انہیں سے مخصوص ہیں لیکن باوجود ایں ہمہ وہ مخفی بھی ہیں یعنی جن محمدیوں کو آیات نصیب ہوں گے وہ ظاہر نہیں کیونکہ اہل ظواہر ان سے

مطلع نہ ہو سکیں جیسے چاند کے آثار ایسے مخفی ہیں کہ کسی کو بھی علم نہیں ایسے ہی محمدیوں کو کرامات مخفیہ عطا ہوں گی وہ آج پوشیدہ ہیں لیکن قیامت میں عیاں ہو جائیں گی یعنی یہ اسرار مخفیہ ان کے علوم دکشوف واسرار و رموز اور حقائق و خوارق ہیں۔ دجو اُمتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو نصیب ہوئے اور بس۔

ولا اللیل سابق النہار اور نہ ہی رات سے دن سبقت کر کے اسے عاجز کر سکے بایں طور کہ دن اپنے اوقات پہلے ختم کر کے رات کے اوقات میں داخل ہو جائے اور پھر رات دن کے بعد آئے نظام قدرت پر غور کریں کہ دن اور رات اپنی اپنی باری میں آجا رہے ہیں کبھی کسی میں کمی بیشی نہیں ہوتی اور نہ ہو گی۔

فائدہ :۔ بعض مفسرین نے کہا کہ اس سے چاند و سورج کے آثار یعنی روشنی مراد ہے اور سَبَقَ سے چاند کا سورج کے اوقات میں پہنچ کر سورج کی چمک کو مٹا کر اپنا راج قائم کرے کہ پھر رات ہی رات ہو۔ نظامِ قدرت ایسا مضبوط ہے کہ سورج و چاند رات دن چل رہے ہیں لیکن نہ کبھی سورج چاند کے اندر گھسا نہ چاند سورج میں داخل ہوا اور نہ ہی یک وقت دونوں مجتمع ہوئے سوائے اس گھڑی کے کہ جب اللہ تعالیٰ یہ دنیوی تدابیر واسباب ختم کرنا چاہے گا اور اس کی بنیادیں مٹائے گا تو پھر سورج کو مغرب کی طرف سے لائے گا اُس وقت سورج اور چاند ایک دوسرے میں جمع ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وجمع الشمس والقمر (اور سورج و چاند جمع کیے جائیں گے) یہ بھی قیامت کی علامات میں سے ایک ہے۔

سوال :۔ اگر یہ مضمون سابق کا عکس ہے تو پھر یوں کیوں نہیں کہا گیا ولا اللیل مدرک النہار۔

جواب :۔ اس میں چاند کی سرعۃ السیر کی مناسبت ملحوظ ہے جیسا کہ گزرا۔

تفسیر صوفیانہ :۔ اس میں اشارہ ہے کہ جیسے یہاں بتایا گیا ہے کہ سورج چاند ہو سکتا ہے نہ چاند سورج بن سکتا ہے ایسے ہی قمرِ قلب پر جب شہودِ حق کا سورج اپنی نورانیت پھیلاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا واشرقت الارض بنور ربہا (اور زمین اپنے رب کے نور سے چمک اٹھی) تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ (معاذ اللہ) رب بندہ ہو گیا یا بندہ خدا ہو گیا اس لیے کہ رب کو ربوبیت لائق ہے اور عبد کو عبودیت۔ اللہ تعالیٰ اس سے منزہ اور پاک ہے جیسا کہ اصحاب الحلول والاتحاد کہتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ :۔ وکل (اور وہ سب) کل کی تنوین اس مضاف الیہ کا عوض ہے جو ضمیر هُمْ ہے اور وہ شمس و قمر کی طرف راجع ہے۔

سوال :۔ وہ دو اور ضمیر هُمْ جمع کی۔

جواب:۔ ضمیر جمع بوجہ شمس و قمر کے اس تکاثر کے لیے ہے جو انہیں کثرت مطالعہ سے حاصل ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ کبھی صفات و عوارض کی کثرت ذات کی کثرت کا سبب بن جاتی ہے یا یہ ضمیر ھُم بوجہ کواکب کے ہے کہ شمس و قمر کے ذکر میں وہ بھی متضمناً مذکور رہیں۔

فی الفلك ۔ افلاک سبعہ میں سے ہر ایک اپنے مخصوص فلک ہیں۔

فائدہ:۔ بحر العلوم میں ہے کہ وہ سورج وچاند وغیرہ جنس فلک میں پھیرتے ہیں اس کی مثال کساھم الامیر حلۃ ہے (انہیں حاکم نے حلہ پہنایا) تو اس سے مخصوص حلہ مراد نہیں بلکہ اس جنس کا کوئی حلہ اور فلک ستاروں کے چلنے کی جگہ مراد ہے اسے فلک سے اس لیے تعبیر کیا گیا کہ وہ ستاروں کے چلنے کے لیے بمنزلہ فلک (کشتی) کے ہے[1] اور حرف جر یسبحون کے متعلق ہے۔

حل لغات:۔ السبح بمعنی پانی تیز گزرنا یعنی تیرنا یا ہوا میں اُڑنا لیکن اب یہ ستاروں کے افلاک میں پھیرنے کے لیے استعارہ کیا گیا ہے[2] نیز السبح بمعنی کھل کر چلنا پانی میں تیرنے کی طرح ۔ جو شخص کسی شے میں کھل کر کام کرتا ہے تو وہ گویا اس میں تیر رہا ہوتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ کھل کر اور آرام سے چلتے ہیں کہ انہیں آڑے نہیں آتا جیسے پانی میں تیرنے والے کو آگے کوئی دوسرا حائل نہیں ہوتا۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے آسمانِ اول سے پہلے ایک دریا پیدا فرمایا ہے جو آرام سے ہوا میں چل رہا ہے اللہ تعالیٰ کے حکم سے نیچے پانی کا قطرہ گرنے نہیں دیتا اسی میں ہی سورج چاند۔ ستارے چل رہے ہیں۔ اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا۔ وکل فی فلك یسبحون۔

کسوف کا سبب

چاند دریا کی گہرائی میں بہت تیز دوڑتا ہے جب اللہ تعالیٰ سورج گرہن کا ارادہ فرماتا ہے تو سورج کو اپنی رفتار سے ہٹا کر دریا کی گہرائی میں ڈال دیتا ہے تو پھر جس قدر اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اپنی حکمت کے اقتضاء پر سورج کا کچھ حصّہ (نصف ۔ ربع ۔ ثلث) چلتا ہے (جتنا دریا کی گہرائی میں ہوتا ہے وہ بے نور نظر آتا ہے۔

فائدہ:۔ منجمین کہتے ہیں یسبحون کے صیغۂ عقلاء سے معلوم ہوتا ہے کہ سورج چاند ستارے بھی عقلاء

---

[1] المفردات ۱۲   [2] ایضاً   [3] کشف الاسرار ۱۲
[4] الہیئۃ السنیہ ۱۲۔

اد۔ زندہ اور ذی شعور ہیں کیونکہ واؤ و نون صیغہ میں ذوالعقول کے لیے آتے ہیں تفسیر رازی میں امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر منجمین کی مراد صرف اس قدر ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں دوسرے جمادات کی طرف مشغول ہیں تو ہم ان کی بات مان لیتے ہیں اس کے سوا اگر کوئی اور مراد ہے تو پھر ہم تسلیم نہیں صیغہ (واؤ دونوں) کبھی مجازاً غیر ذوی العقول کے لیے بھی آجاتا ہے جیسے بتوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا الا تاکلون کیا تم کھاتے نہیں ہو۔

تقریر نسفی: امام نسفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یسبحون صیغہ جمع اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شمس قمر کو ایسے صفات (سباحت۔ سبق۔ ادراک) سے موصوف فرمایا ہے جو ذوالعقلاء کے ہوتے ہیں۔ اگرچہ ان صفات میں بھی ان کا اپنا کوئی اختیار نہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے تابع فرمان ہوتے ہیں جیسے چاہتا ہے کرتا ہے۔

تقریر صاحب روح البیان قدس سرہ: فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ) نے فرمایا کہ صیغہ عقلاء باعتبار مبادی حرکات افلاک ونجوم کے ہے اس لیے کہ ان کے مبادی حرکات جواہر اور اپنی ذوات کے لحاظ سے افلاک کے مواد سے مجرد اور ان کی حرکات میں متعلق ہیں۔ ان جواہر کو نفوس فلکیہ کہا جاتا ہے اور پھر اہل اللہ کا اتفاق ہے کہ ہر شے میں اس کے لائق حیات ہے وہی سرِ حیات جمیع اشیاء میں سرایت کیے ہوتے ہے وہ اشیاء ارضی ہوں یا سماوی بالخصوص سورج چاند کہ یہ دونوں اسی تعین کا عین ہیں انہیں تو حیات کا ہونا بطریق اولیٰ ہے۔ ؎

جملہ ذرات زمین و آسمان
مظہر سرّ حیاتست اے جوان
کے تواند یافتن آنرا خرد
ہست او سرے خرد کے پے برد

ترجمہ: آسمان و زمین کے تمام ذرات اے جوان سرِ حیوٰۃ کے مظہر ہیں۔
اسے عقل سے کیسے حاصل کیا جا سکتا ہے کیونکہ وہ تو ایک مخفی راز ہے جہاں عقل کی رسائی نہیں ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے حقیقت کے ادراک کا اور ڈگمگانے اور تباہی سے بچاؤ کا سوال کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ: وآیۃ لھم۔ اور اہل مکہ کے لیے یہ بہت بڑی علامت ہے اور وہ ہمارے کمال قدرت کو جانیں۔
انا حملنا ذریتھم کی خبر مقدم ہے۔

حل لغات: الحمل اُٹھانا اور ذرّہ ادجبل کی طرح ہے بمعنی خالق الشئ ہے لیکن اس میں کثرت[1] طاری ہوتی ہے۔ اسی سے ذرّیۃ نسل ثقلین پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ امام راغب[2] نے فرمایا کہ الذریۃ دراصل صغیر اولاد کو کہا جاتا ہے اگرچہ عرف میں صغیر و کبیر ہر دونوں کے لیے مستعمل ہوتا ہے اس کا استعمال واحد اور جمع کے لیے ہونا چاہیئے اگرچہ اصل اس کا جمع ہے۔

فائدہ: مجازاً عورتوں پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے بالخصوص جب یہ دوسروں میں مخلوط ہوں اس لیے کہ یہ اولاد کی پیدائش کی کھیتیاں ہیں۔ گویا حال بول کر محل مراد لیا گیا ہے جیسا کہ احادیث مبارکہ میں ہے۔

حدیث شریف (۱): حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ: **حجوا بالذریۃ** ذریۃ یعنی عورتوں کے ساتھ حج پڑھو۔

حدیث شریف (۲): حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے ذریۃ یعنی عورتوں کے قتل کرنے سے رد کا ہے۔

اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نے ان کی بڑی اولاد کو اُٹھایا جبکہ وہ انہیں تجارات کے لیے بھیجتے ہیں۔

فی الفلك المشحون ۔ بھری ہوئی کشتی میں یہاں الفلك مفرد ہے جیسا کہ اس کی صفت مشحون سے معلوم ہوتا ہے۔ **مشحون** شحناء سے ہے بمعنی عداوت کہ جس سے نفوس پر ہو جائیں[3] یا معنیٰ یہ کہ ہم نے اُٹھایا ان کی چھوٹی اولاد اور اُن کی عورتوں کو کہ وہ پیدل چلنے کی طاقت نہیں رکھتے اور دریائی سفر میں چھوٹی اولاد کو ساتھ رکھنے کی تخصیص اس لیے ہے کہ کشتی کا دریا میں چلنا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے ہے کیونکہ ان کا کشتیوں میں قرار پکڑنا سخت اور اس میں جم کر سفر کرنا ان کے لیے ایک عجیب امر تھا۔

وخلقنا لھم من مثلہ ۔ اور ہم نے کشتیوں جیسی ان کے لیے اور چیزیں پیدا کی ہیں۔ **ما یرکبون** کہ جس پر وہ سوار ہوتے ہیں۔ اس سے اُونٹ مراد ہیں اس لیے کہ وہ جنگل کی کشتیاں ہیں۔

الفلك ۔ کا الف لام جنس کا ہے اس لیے کہ آیت سے اہل مکہ پر حجت قائم کرنی ہے تاکہ وہ مرنے کے بعد اٹھنے کو مان جائیں۔

---

[1] قاموس ۱۲ء [2] المفردات ۱۲ء

[3] المفردات ۱۲ء

فائدہ :۔ آیت سے پہلے کفار مکہ کو احیاء الارض کی دلیل دے کر سمجھایا کہ وہ تمھاری معیشت کا سبب ہے وہ بھی ہماری پیدا کردہ ہے پھر ہواؤں دریاؤں اور جاری ہونے والی کشتیوں کی تسخیر کی نعمت بتائی کہ ان سے تم اپنی تجارات چلاتے ہو اور پھر انھیں چھوٹی اولاد اور عورتوں کو بھی لے جاتے ہیں چنانچہ فرمایا و حملنا کم فی البر و البحر اور ہم نے تمھیں اٹھایا جنگلوں اور دریاؤں میں۔

فائدہ :۔ بعض نے کہا کہ یہ الف لام عہد خارجی کا ہے اس سے نوح علیہ السلام کی کشتی مراد ہے جس کا ذکر آیت واصنع الفلک باعیننا و وحینا میں ہے اور ہماری نگرانی اور روحی سے کشتی تیار کیجئے ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نے ان کی اولاد جو قیامت تک ہوگی سب کو ایسی بھری ہوئی کشتی میں انہیں اور بہت سے ان حیوانات کو اٹھایا جو پانی میں زندگی بسر نہیں کرتے اگر ہم ایسے نہ کرتے تو انسان کی نسل ختم ہو جاتی اور ہم نے ان کے لیے وہ سواریاں بنائیں جو کشتیوں کے ہم شکل و صورت ہیں۔

سوال :۔ کشتیوں میں اٹھانے میں ان کی اولاد کا ذکر ہے لیکن ان کا اپنا ذکر کیوں نہیں حالانکہ کشتیوں میں وہ خود بھی سوار ہوتے۔

جواب :۔ اس میں اشارہ ہے کہ یہ وہ نعمت ہے جو انھیں اور اُن کی اولاد کے لیے قیامت تک شامل ہے۔

سوال :۔ یہ کشتی صرف اتنا کر سکتی ہے کہ انہیں دریا میں ڈوبنے سے بچائے لیکن اسے تخلیق سے کیا تعلق یہ تو بندوں کی ساخت ہے۔

جواب :۔ یہ بھی تخلیق ایزدی سے متعلق ہے کیونکہ انسان کی صنعت اللہ تعالیٰ کی تخلیق کے بغیر نہیں ہو سکتی اور نہ ہی اس کے بتائے بغیر اس کی اہلیت و صلاحیت رکھ سکتا ہے جیسا کہ نوح علیہ السلام کو فرمایا واصنع الفلک باعیننا و وحینا۔

سوال :۔ کشتیوں کی سواری میں حملنا اور ان سواریوں میں یرکبون سے تعبیر کا کیا مطلب؟

جواب :۔ چونکہ ان سواریوں میں انسان کو من وجہ اختیار ہوتا ہے اسی لیے ان کو یرکبون سے تعبیر فرمایا جیسے نوح علیہ السلام کی کشتی میں بچوں کے لیے حملنا سے تعبیر کیا گیا ہے حالانکہ ان کو اس میں نہ شعور تھا نہ خبر۔

سوال :۔ سورۂ مومنین میں و علیہا و علی الفلک تحملون (اور ان پر اور کشتیوں پر سوار کیے جاتے ہیں) میں حمل سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے۔

جواب :۔ تغلیباً کہا گیا ہے۔

فائدہ :۔ بعض مفسرین نے دوسرے معنیٰ کو اظہر کہہ کر یہ دلیل دی ہے کہ مثل ما یرکبون سے مراد

اگر اونٹ ہیں تو وخلقنا لھم الخ دو متصلوں کے درمیان فاصل بن جائے گا کیونکہ ان نشأ نغرقھم الخ الفلک سے متصل ہے لیکن بعضؒ نے پہلے معنیٰ کو اظہر بتایا ہے اور مذکورہ بالا فاصل کا جواب یہ دیا ہے کہ اُونٹ کا ذکر بطریق استطراد ہے اس لیے کہ اُونٹ اور کشتی کو آپس میں تماثل ہیں گویا وہ ایک نوع ہیں۔

فائدہ :۔ بعض کے نزدیک ذریۃ سے ان کے آباؤ اجداد مراد ہیں اس لیے کہ اس کا اطلاق اصل وفروع سبب پر آتا ہے کیونکہ الذرء سے ہے بمعنی الخلق اسی لیے اس کا اطلاق اصل ونسل ہر دونوں کے لیے صحیح ہے کیونکہ یہ ایک دوسرے سے پیدا شدہ ہیں۔ اس معنیٰ پر کہا جا سکتا ہے کہ آباؤ اجداد بھی ذریۃ ہیں کیونکہ اولاد انھیں کا بیج ہیں۔

سوال :۔ ذریۃ لغت میں صرف اولاد اور نساء کو کہا جاتا ہے لیکن آباؤ اجداد پر اس کا اطلاق عجیب سا ہے۔

جواب :۔ واقعی لغت ضابطہ حق ہے لیکن تاویلاً کہا جا سکتا ہے کہ یہ آباؤ اجداد آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور اس معنیٰ پر انھیں ذریۃ کہا جائے تو کوئی حرج نہیں۔

فائدہ :۔ بعض نے کہا کہ تین چیزوں کو اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ سے چلاتا ہے :۔

(۱)۔ اُونٹ جنگلوں میں۔

(۲)۔ بادل ہوا میں۔

(۳)۔ کشتی دریا میں۔

مسئلہ :۔ حملنا میں اشارہ ہے کہ دریا میں کشتیوں پر سفر کرنا جائز ہے ہاں جب سورج عقرب میں داخل ہو تا اختتام شتاء دریائی سفر نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ اس وقت کا سفر خالی از خطر نہیں[۲]

تفسیر عالمانہ :۔ وان نشأ نغرقھم۔ یہ آیت سابق کا تتمہ ہے اس لیے کہ کفار آیت کے ہر مضمون کے معترف تھے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ واذا غشیھم موج کالظلل دعوا اللہ مخلصین لہ الدین[۳]۔ اور جب انھیں چھتریوں کی طرح موج گھیر لیتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہو کر اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں) اغراق یعنی غرق کرنے کو مشیت سے اس لیے معلق کیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ ان کے کرتوت کا تقاضا تو یہ ہے کہ وہ آن کی آن میں غرق ہو جائیں

---

[۱] تفسیر الارشاد ۱۲

[۲] شرح حزب البحر للشیخ المزروقی قدس سرہ

[۳] سورۂ لقمان رکوع ۳

لیکن اَب مشیت ایزدی پر ہے چاہے تو انھیں غرق کر دے یا نہ۔

فائدہ:۔ یہ فرض وتقدیر پر محمول ہے جیسا کہ **ولا ھم ینقذون الا رحمۃ منا** الخ سے معلوم ہوتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اگر ہم ان کو غرق کرنا چاہیں تو انھیں دریا میں غرق کر دیں۔ الغراق بمعنی پانی میں ڈوب جانا۔

فلا صریخ لھم۔ فعیل بمعنی مفعول یعنی معرج بمعنی فریادرس اور صریخ فریادی کی آواز کو بھی کہا جاتا ہے اب معنیٰ یہ ہُوا کہ ان کا غرق سے بچانے کے لیے کوئی فریادرس نہ ہوگا کہ انھیں غرق ہونے سے بچالے یا غرق کرنے والے پانی کو ان سے دور کر سکے۔ **ولا ھم ینقذون۔** اور نہ وہ غرق ہونے کے بعد نجات دیئے جائیں گے **الانقاذ واستنقاذ** کا ایک معنیٰ ہے۔ یہ اُس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کو پانی کی گہرائی یا کسی اور مکروہ امر سے نجات دلائے۔

الا رحمۃ منا ومتاعا الی حین۔ یہ استثناء مفرغ اور مستثنیٰ منہ اعم ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ ان کا کوئی فریادرس نہ ہوگا اور نہ ہی کوئی انھیں نجات دلا سکے گا سوائے اس بڑی اور عظیم رحمت کے جو ہماری طرف سے انہیں فریادرسی اور نجات دلانے کے لیے پہنچے اور متاع بمعنی تمتع یعنی نفع دینا اس حیات سے جو انھیں آجال کے پہنچنے سے پہلے حاصل ہے۔

ردکمیونسٹ:۔ اس میں اس غلط خیال دہریئے کا رد ہے جو سمجھتا ہے کہ کشتی اس لیے نہیں ڈوبتی کہ اس کا درمیان خالی رکھا جاتا ہے۔ اس طرح سے وہ طبعی طور سے نہیں ڈوبتی نہ یہ کہ اللہ تعالیٰ بچاتا ہے (معاذاللہ) اللہ تعالیٰ نے اس کے رد میں فرمایا کہ اگر ہم چاہیں تو اسے غرق کر دیں اور اس کا بچ کر نکلنا طبعی تقاضا پر نہیں بلکہ فضل الٰہی پر مبنی ہے ورنہ یہ نہ کبھی آفت کا شکار ہوتی اور نہ کبھی غرق ہوتی۔

مسئلہ:۔ منعم علیہ جس پر انعام الٰہی ہو وہ کسی وقت بھی عذاب الٰہی سے بے خوف نہ ہو بالخصوص نعمت کے عطیہ کے وقت کفار سابقین پر بھی عذاب اسی لیے آیا کہ وہ نعمتوں سے مغرور ہو کر نہایت ہی بے خوف بلکہ بے دھڑک ہو گئے لیکن عذاب الٰہی نے جب انہیں اچانک گھیرا تو انھیں خبر تک نہ ہوئی ایسے ہی اہل مکہ اور کشتی والو تم بھی مغرور تھے لیکن جب وہ مصائب میں مبتلا ہوئے تو پھر اُن کی آنکھ کھلی اور ظاہر ہے کہ انسان اُس وقت بیدار ہوتا ہے جب اس سے نعمت چھن جاتی ہے۔

حکایت:۔ شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ایک بادشاہ عجمی کے ساتھ کشتی میں بیٹھا تھا اور غلام نے اس سے قبل نہ دریا دیکھا تھا نہ کشتی میں بیٹھنے کی نعمت سے آگاہ تھا اسی لیے آہ وزاری شروع کر دی بلکہ کانپنے لگا۔ تمام کشتی والے سمجھاتے اور تسلی دلاتے لیکن ایک نہ مانتا۔ بادشاہ بھی پریشان ہوا لیکن کیا کر سکتے تھے جبکہ وہ کسی کی مانتا ہی نہیں تھا ایک سمجھدار کشتی میں تھا اس نے بادشاہ سے کہا حکم

ہو تو میں اسے خاموش کراؤں بادشاہ نے کہا نہ ہے کرم اُس نے کہا غلام کو دریا میں پھینک دو جب اسے
کشتی سے اُٹھا کر دریا میں پھینکا گیا تو دو چار ڈبکیاں کھائیں تو اسے دریا سے نکال کر ایک کونہ میں
بٹھا دیا گیا پھر تو نہایت سکون اور خاموشی سے بیٹھ گیا۔ بادشاہ حیران ہوا اور اس سمجھ دار انسان سے
اس کا ماجرا پوچھا تو اس نے کہا کہ اس غلام نے پہلے غرق ہونے کا دکھ نہیں دیکھا تھا اور نہ ہی اسے
کشتی میں بیٹھنے کی نعمت کی خبر تھی۔ لیکن اب اسے معلوم ہوا کہ دریا کیا ہے اور کشتی کی نعمت کیا کیونکہ
نعمت کی قدر مصیبت کے بعد ہوتی ہے[1]۔

اے سیر ترا نانِ جوین خوش ننماید
معشوق منست آنکہ بنزدیک تو زشتست
حوران بہشتی را دوزخ بود اعراف
از دوزخیان پرس کہ اعراف بہشت است

ترجمہ:۔ اے سیر تجھے جو کی روٹی اچھی نہیں لگتی میری تو محبوب ہے وہ جو تیرے نزدیک قبیح ہے۔
بہشت کی حوران کے لیے اعراف دوزخ ہے لیکن دوزخیوں سے پوچھو کہ ان کے لیے اعراف
بہشت ہے۔

سبق:۔ نعمت پر شکر لازم ہے عطا پر اطاعت ضروری ہے۔ ہر انسان کو ضروری ہے کہ طریقت
توحید و معرفت میں جدوجہد کرے۔ اس لیے کہ مہلت دینے کا مقصد یہی ہے کہ انسان اپنی خامی
کا تدارک کرے۔

تفسیر صوفیانہ: وایۃ لھم حملنا ذریتھم فی الفلک المشحون میں اشارہ[2] ہے کہ اللہ تعالیٰ شریعت کی کشتی میں بٹھا کر بحر حقیقت میں اپنے خواص کو
اور بحر دنیا میں عوام کو اٹھاتا ہے جو بحر دنیا کے تلاطم امواج خواہشات سے نجات پا گیا تو وہ شریعت کی کشتی
کی برکت سے بعنایت الٰہی فائدہ پا گیا ایسے ہی جو بحر حقیقت میں شبہات کے تلاطم سے بچ گیا تو سمجھو کہ
وہ بھی نجات پا گیا کہ اسے سفینہ شریعت میں ارباب طریقت جیسے ملاحوں کی نگرانی سے احسان ایزدی پر
کامیابی نصیب ہوئی وخلقنا لھم من مثلہ ما یرکبون۔ اس آیت کی سواری سے مراد
مشائخ واصلین وکاملین کی ہمت کے پر مراد ہیں۔

---

[1] گلستان ۔ [2] تاویلات نجمیہ ۱۲

وان نشأ نغرقهم ۔عوام کو بحرِ دنیا میں اور خواص کو (بحرِ حقیقت کی سفینۂ شرع کو توڑ کر) اگر ہم غرق کر دیں تو جو آرزومند ہو کر دوزخ میں داخل ہوگا۔

فلا صریخ لھم ولا ھم ینقذون الا رحمۃ منا ۔ رحمت سے شائخ مراد ہے کیونکہ یہی رحمت حق تعالیٰ ہی ہیں و متاعًا الیٰ حین اور اس وقت تک جبکہ ان کی عنایت ازلیہ مدد کرے۔

تفسیر عالمانہ:۔ و اذا قیل لھم ۔ اور جب از راہِ نصیحت کافروں کو کہا جاتا ہے انفقوا محتاجوں پر خرچ کرو۔ مما رزقکم اللہ ۔ اس میں سے جو تمھیں اللہ تعالیٰ رزق بخشتا ہے۔ یعنی وہ جو اللہ تعالیٰ تم کو اپنے فضل و کرم سے مال و اسباب بخشتا ہے اس میں سے کچھ فقراء کو دو کیونکہ اس بلا ردگی تکالیف اور پریشانیاں دور ہوں گی۔

قال الذین کفروا ۔ کافروں نے اللہ تعالیٰ کو کہا ۔ ان سے وہ زندیق مراد ہیں جو مکہ شریف میں رہتے تھے۔

الزندیق وہ ہے جو کسی معبود کا اعتقاد نہ رکھے اور نہ اسے مرنے کے بعد زندہ اٹھنے پر ایمان ہو اور کسی شے کو حرام نہ سمجھے۔

للذین اٰمنوا ۔ ایمان والوں کو از راہ تہکم ایسے ان اُمور کے ساتھ استہزاء جو مشیت ایزدی سے اہل ایمان متعلق کرتے تھے مثلاً کہتے لو شاء اللہ لاغنی فلانا ۔ اگر اللہ تعالیٰ فلاں کو غنی کرنا چاہے تو اسے غنی کر دے گا۔

لو شاء اللہ لاعزہ ۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو فلاں کو عزت دے گا۔

لو شاء اللہ لکان کذا و کذا ۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو ایسے ایسے ہوگا۔

سوال:۔ تہکم پر کیوں محمول کیا گیا ہے۔

جواب:۔ معطلہ تو سرے سے صانع کا انکار کرتے ہیں اسی لیے ان سے ایسا جواب از روئے اعتقاد اور یقین نہیں ہو سکتا۔

انطعم ۔ کیا ہم ایسے ہی کھلائیں جیسے تم کہتے ہو یعنی ہم نہیں کھلاتے ۔ ہمزہ انکاری ہے دراصل طعام کھلانے کی وہ شے جو غذا کا کام دے ۔ کو کہا جاتا ہے جیسے حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ماءِ زمزم کے متعلق فرمایا انہ طعام طعم و شفاء سقم ۔ وہ کھانے کی غذا اور بیماری کے لیے شفا ہے۔

فائدہ:۔ اس میں تنبیہ ہے کہ آبِ زمزم غذا ہے بخلاف پانیوں کے وہ غذا و شفا نہیں۔

من لو یشاء اللہ اطعمہ ۔ اسے جس کے لیے اللہ تعالیٰ طعام کھلانا چاہے ۔ اے مسلمانو ، تمہارے گمان کے مطابق ۔ یعنی تم جو کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کو طعام کھلانے پر قادر ہے تو وہی انہیں طعام دے جب وہ نہیں دیتا تو ہم بھی نہیں دیتے ۔

ان انتم ۔ نہیں ہو تم اے مسلمانو ۔ الا فی ضلال مبین ۔ مگر گمراہی ظاہر میں ۔ ضلال بمعنی سیدھے راستے سے ہٹ جانا ۔ اس کی نقیض ہدایت ہے ۔ ہر سیدھے راستے سے ہٹ جانا ضلال کہا جاتا ہے عمداً ہو یا سہواً تھوڑا ہو یا زیادہ اسی لیے اس کا استعمال ہر اس شخص کے لیے سے بھی ہوتا ہے جو کسی بھی طریق سے خطاء کا مرتکب ہو (المفردات) اب معنیٰ یہ ہوا کہ تم ظاہر خطاء میں ہو ۔ ان زندیقوں کا مقصد یہ تھا کہ اے مسلمانو ! تم بھی خطاء میں ہو اس کا عقیدہ میں کہ اُدھر تو عقیدہ رکھتے ہو کہ ہر کام اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہے ادھر ہمیں کہتے ہو کہ فقراء پر خرچ کرو کیونکہ یہ تو تم ہمیں اللہ تعالیٰ کی مشیت کے خلاف حکم دیتے ہو ۔

ردا لزنادقہ :۔ دراصل زندیق خود گمراہی اور خطاء میں مبتلا تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بعض بندوں کو غنی اور بعض کو فقیر اور پھر اغنیاء کو فقراء پر خرچ کرنے کا حکم فرمایا تو یہ اُس کی حکمت ہے اور اس کی حکمت کے خلاف فقراء پر خرچ نہ کرنا اور مشیت ایزدی کا بہانہ بنایا یہ ان کی خطا اور کھلی گمراہی ہے ؎

درویش را خدا بتونگر حوالہ کرد
تا کار او بسازد و فارغ کند دلش
از روئے بخل اگر نشود ملتفت بوے
فردا بود ندامت و اندوہ حاصلش

ترجمہ :۔ اللہ تعالیٰ نے فقیر کو دولت مند کے حوالہ کیا تا کہ وہ اس کا کام بنائے اور اس کا دل فارغ کردے

اگر وہ از راہ بخل اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتا تو کل قیامت میں اسے ندامت اور اندوہ حاصل ہوگا ۔

حدیث شریف میں ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تم سب کو دولت مند بنادے تم میں کوئی ایک بھی فقیر نہ ہو اور اگر چاہے کہ تم سب کو فقیر بنادے یہاں تک کہ تم میں کوئی ایک بھی غنی نہ ہو لیکن اس نے تم میں سے بعض کو بعض کی وجہ سے آزما کر دیکھنا چاہا کہ وہ دولت مند فقیر پر کس طرح

شفقت کرتا ہے اور فقیر کس طرح صبر کرتا ہے۔

فائدہ :۔ آیت میں زندیقوں کی دو علامات بتائی ہیں کہ انہیں فقراء پر کسی قسم کی شفقت نہیں۔

فائدہ :۔ جملہ تکلیفی دو اُمور کی طرف لوٹتے ہیں :۔

۱۔ التعظیم لامر اللہ ۲۔ شفقت علی خلق اللہ۔

اور یہ دونوں اُمور زندیقوں میں نہیں اور بخیلوں نے بھی ان کی پیروی میں عملی طور پر کہا کہ جسے اللہ تعالیٰ نے محروم رکھا ہم اسے کیوں کچھ دیں اگر وہ چاہتا تو اسے غنی بنا دیتا۔

نکتہ :۔ ہاں یہی کلام اگر وہ از راہ یقین و شہود و عیاں کہتے تو انہیں فائدہ ہوتا بلکہ عین توحید یہی ہے کیونکہ اسی پر ایمان کے کمال کا دارو مدار ہے کیونکہ وہ اپنی گفتگو بطور تقلید و انکار و عناد کہا تو پھر جسے اللہ تعالیٰ ہدایت نہ دے پھر کوئی کون ہے جو اسے ہدایت دے۔

لقمان حکیم کی حکمت :۔ حضرت لقمان حکیم رضی اللہ عنہ کا جب دولت مندوں پر گزر ہوتا تو انہیں فرماتے اے نعمتوں والو! اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت نہ بھولو اور جب تنگدستوں پر گزر فرماتے تو کہتے اے فقیرو کسی پر بغض و کینہ نہ رکھنا اس سے بچے رہو۔

ملفوظ حیدر صفدر رضی اللہ عنہ

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ مال دنیا کی اور عمل صالح آخرت کی کھیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ ہر دونوں کسی قسمت والے میں جمع فرماتا ہے۔

نسخہ عجیبہ :۔ سیدنا فضیل بن عیاض فرماتے تھے کہ جو آخرت کی عزت چاہتا ہے اسے چاہیئے کہ مسکینوں کے ساتھ نشست و برخاست رکھے ہم اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل کثیر اور لطف عام چاہتے ہیں۔ وہ مسبب الاسباب ہے اور اسی سے ہی رحمت کا دروازہ کھلتا ہے ؎

عیال حضرتیم و شیر خواہ
گفت الخلق عیال للاللہ
آنکہ او از آسمان باران دھد
ہم تواند کو ز رحمت نان دھد

ترجمہ :۔ ہم اللہ تعالیٰ کے عیال اور دودھ چاہنے والے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مخلوق اللہ تعالیٰ کی عیال ہے۔

وہ ذات جو آسمان سے بارش دیتی ہے وہی اُمید ہے اپنی رحمت سے روٹی عطا فرمائے۔

کل یوم ہو فی شان بخوان
مر ورا بے کار و بے فعلے مدان

ترجمہ: ہر دن اُس کی نئی شان ہے اس حدیث کو پڑھ اسے بغیر کام اور بغیر کسی فعل کے نہ جان۔

تفسیر عالمانہ: ویقولون۔ اور مکہ والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کو از راہ انکار اور بعید سمجھ کر کہتے ہیں۔

متی۔ کب ہے ھذا الوعد۔ یہ وعدہ یعنی قیامت کا قیام اور حساب و جزا۔

فائدہ: ان کی طلب یا از راہ استہزاء ہے یا باعتبار اس کے کہ وعدہ قریب العہد ہے۔

تحقیق الوعد: وعد کا لفظ خیر و شر اور نفع و ضرر کے لیے تو عید صرف شر کے لیے مستعمل ہے اور یہاں پر الوعد دو اُمور کو متضمن ہے:

(۱)۔ قیامت کا وعدہ اور جزاء اگر خیر ہے تو وعدہ بھی خیر کا ہے۔

(۲)۔ اگر عمل شر کا ہے تو جزا بھی شر ہوگی۔

نکتہ: کشف الاسرار میں ہے کہ یہاں وعید کے بجائے الوعد کہنا اس لیے کہ کفار کا گمان تھا کہ ان کا اللہ تعالیٰ کے ہاں احسن جزا ہے اگر اس کا وعدہ حق ہے تو۔

رد از صاحب روح البیان قدس سرہٗ: یہ بات تو مشرکین کے لیے ہوسکتی ہے نہ کہ معطلہ کے لیے حالانکہ ابھی گزرا ہے کہ یہ مقولہ ان زندیقوں کا ہے جو مکہ شریف میں رہتے تھے۔

ان کنتم صدقین۔ اگر تم سچے ہو اپنے وعدہ میں تو کہو کہ وہ کب ہوگا۔

فائدہ: ان کا بر قیامت کے لیے جلدی کا مطالبہ اور وقوع قیامت میں دیر ہونے پر سوال کرنا دعوت کی تکذیب اور حشر و نشر کے انکار پر ہے ورنہ اگر وہ از راہِ تصدیق و اقرار اور دنیا سے چھٹکارا پانے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے اور اس کے دیدار کے شوق میں کہتے تو انھیں بڑا فائدہ ان پر موت کے وقت سے ہی قیامت قائم نہ ہو جاتی جیسے اہل ایمان پر قیامت نہیں ہوتی بلکہ یہ موت ان کی عید و سرور بن جاتی ہے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

خلق در بازار یکساں می روند
آں یکے در ذوق و دیگر درد مند

ہمچناں در مرگ و زندہ می رویم
نیم در حسران و نیمے خسرویم

ترجمہ:۔ بازار میں جانے والی مخلوق یکساں نہیں ہوتی کوئی ذوق وشوق سے بعض درد مند ہوتے ہیں ایسے ہی موت میں ہم جانے والے کچھ حسرتیں لے کر اور کچھ شاہانہ ٹھاٹھ سے جاتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ:۔ ماینظرون۔ نہیں انتظار کر رہے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب ہے۔ النظر بمعنی الانتظار ہے یعنی اہل مکہ نہیں انتظار کرتے۔

الا صیحۃ واحدۃ۔ مگر ایک ہی چنگھاڑ کی انہیں دوسرے کی انتظار کی ضرورت بھی نہ ہوگی۔ صیحۃ واحدۃ نفخہ اولیٰ جس کی کڑک سب کو فنا کر دے گی۔ الصیحۃ بمعنی رفع الصوت۔ آواز بلند کرنا

تاخذھم۔ انہیں اچانک پکڑے گا اور تمام زمین والوں کو پہنچے گا۔

حل لغات:۔ الاخذ بمعنی شے کا لینا اور حاصل کرنا۔ یہ کبھی ہاتھ سے لینے پر مستعمل ہوتا ہے جیسے معاذ اللہ ان ناخذ الا من وجد نا متاعنا عندہٗ۔ معاذ اللہ ہم اسے پکڑیں مگر یہ کہ جس کے ہاں ہم نے پایا اپنا سامان۔ کبھی قہر وغلبہ مراد ہوتا ہے جیسے لا تاخذہٗ سنۃ ولا نوم اور اسے نہیں پکڑتی اونگھ اور نیند۔ اہل عرب کہتے ہیں اخذتہ الحمی۔ اسے بخار نے پکڑا ہے۔ قیدی کو ماخوذ اور اخیذ اسی معنیٰ پر کہا جاتا ہے۔

وھم یخصمون۔ حالانکہ وہ کام میں مشغول ہوں گے۔

حل لغات:۔ یہ دراصل یختصمون تھا۔ تا دصاد ہوئی اسے ساکن کر کے صاد میں ادغام کیا گیا پھر خاء مکسور تاکہ التقاء ساکنین لازم نہ آئے۔ اہل عرب کہتے ہیں خاصمتہ ای نازعتہ میں اس سے جھگڑا دراصل مخاصمت دو خصموں کا آپس میں ایک دوسرے کے متعلق ہونا اپنی جانب سے یقینی کھینچ کر ہر ہر ایک ان کا بوری کے کنارے کو اپنی طرف یعنی وہ کفارہ جس طرف رسّی ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ تجارتی امور اور اپنے دنیوی امور اور معاملات میں جھگڑتے اور تنازع کرتے اور اپنے دنیوی امور میں تاقیامت مشغول رہتے ہیں اور وہ قیامت سے غافل ہیں اور عدم ظہور کی وجہ سے اس کی پرواہ نہیں کرتے بلکہ ان کا گمان ہے کہ قیامت آئے گی۔

قیامت کی آمد:۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قیامت آئے گی حالانکہ دو مرد بیع و شراء کرتے ہوں گے کپڑے کھولے ہوں گے تو انہیں لپیٹنے کا موقعہ نہ ملے گا اور حوض میں پانی کے لیے ڈول ڈالے گا ابھی پانی نہ نکالے گا اور مرد اپنی اونٹنی سے دودھ دوہ

کر واپس آرہا ہوگا اسے پی نہ سکے گا مرد طعام کا لقمہ اٹھا کر منہ تک لائے گا، ابھی منہ میں نہ ڈال سکے گا۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ یَخِصِّمُوْن ۔

قیامت سے پہلے ہوا چلے گی:۔ مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہوا چلائے گا جو ریشم سے نرم اور مشک سے زیادہ خوشبو ناک ہوگی وہ ہر کسی شخص کو نہ چھوڑے گی جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہوگا ان سب کو لپیٹ لے گی۔ وہ صرف ایک صدی زندہ رہیں گے انہیں دین کی کوئی خبر نہ ہوگی اور ان پر ہی قیامت قائم ہوگی حالانکہ وہ بازاریں بیع و شرار کرتے ہوں گے۔

سوال:۔ اگر کوئی کہے کہ ان کو انتظار کا چیلنج کیسا وہ تو قیام قیامت کا انکار کرتے اور صیحہ کو بالکل نہیں مانتے تھے۔

جواب:۔ واقعی انہیں انکار تو تھا لیکن متی ھذا الوعد تو کہہ بیٹھے ان کے اس لفظی چیلنج پر چیلنج ہے کیونکہ جو شخص کسی شے کے وقوع کا پوچھے گا تو وہ گویا اس کے وقوع کو مانتا ہے اگرچہ دل سے نہ مانتا ہو لفظاً تو اس کے وقوع کا کہہ رہا ہے۔

فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ تَوْصِیَۃً تو وہ وصیت کرنے کی بھی طاقت نہ رکھیں گے۔

حل لغات:۔ الاستطاعۃ استفعال از طوع کسی شے کے ہونے سے فعل کا ہو جانا یعنی وہ قدرت نہ رکھیں گے۔

التوصیۃ بمعنی وصیت کرنا الوصیۃ ایصاء کا اسم ہے کہا جاتا ہے وصیت الشئ ماشئ میں نے ایک شے کو کسی شے کی وصیت کی۔ یہ اُس وقت بولتے ہیں جب کسی کو کوئی شے پہنچائے اور اس فعل کا نام بھی ہے جو مرنے کے بعد کسی کے لیے کوئی شے لازماً دینے کی وصیت کرتے، یا ل ہو یا نقصہ کیونکہ جو شے اس نے لازم کی ہے وہ اس کے امر حیات سے اس کے مرنے کے بعد کسی کو ملے گی۔ التنکیر تعمم کے لیے ہے یعنی کوئی بھی شے ہو جو ان کے مابین ہوا کرتی ہے۔

فائدہ:۔ ابن الشیخ نے کہا کہ وہ کسی سے بھی وصیت نہ کر سکیں گے اگرچہ ایک معمولی کلمہ کی اس میں عبرت ہے کہ جب وہ ایک معمولی کلمہ کی ادائیگی سے عاجز ہیں تو پھر جن اُمور کی اسے سخت ضرورت ہے جنہیں کافی اور بڑے عرصہ کے بعد ہی ادا کر سکے مثلاً ادائے واجبات ور د اعظام (حقوق) وغیرہ کو اس وقت کیسے ادا کر سکے گا کیونکہ بات کرنا تو عمل کرنے سے آسان ہے۔ جب وہ آسان کو ادا کرنے سے عاجز ہے تو بڑے اُمور کو کیسے ادا کر سکے گا۔

فائدہ:۔ آیت سے معلوم ہوا کہ وقوع قیامت انہیں کسی بھی شے کی مہلت نہ دے گی۔

نکتہ :۔ (کلمات کی جنس سے) یہاں پر وصیت لانے کی ضرورت اس لیے پیش آئی تاکہ تنبیہہ ہو کہ جس پر موت طاری ہے اس کے لیے وصیت ایک اہم اُمر ہے لیکن اس کے باوجود وہ اسے بھی ادا نہیں کر سکتا تو باقی اُمور اس سے کس طرح ادا ہو سکیں گے تو جو شخص معمولی شے کی ادائیگی سے عاجز ہے تو بہت بڑے اُمور کی ادائیگی میں تو اور عاجز تر ہو گا۔

ولا الی اھلیھم۔ اور نہ وہ اپنے اہل و عیال کی طرف) اہل کی تفسیر میں ازدواج و اولاد اور غلام اور کنیزیں اور اقارب اور دوست (علیحدہ علیحدہ) مجموعی طور پر داخل ہیں[۲]۔

فائدہ :۔ المفردات میں ہے اہل جنس نسب میں وہ خود اور اس کا عیال شامل ہے اور اہل الرجل (مرد والی) بول کر اس شخص کی عورت مراد لی جاتی ہے[۱]۔

یرجعون۔ لوٹ سکیں گے۔ اگرچہ وہ ابھی گھروں کے دروازوں کے باہر ہوں بلکہ انہیں صیحہ (چنگھاڑ) گھیرے گا جس سے جہاں ہوں گے خلاصہ یہ کہ نہ تو وہ حاضرین کو وصیت کر سکیں گے۔ اگر غائب ہیں تو نہ وہ گھر والوں کے پاس لوٹ سکیں گے یعنی بازار سے گھر تک جانے کا انھیں وقت نہ ملے گا غرضیکہ اس وقت کہ بازار میں کسی کام میں جھگڑا کر رہے ہوں یا دوسرے معاملات میں مشغول ہوں یا دیگر کوئی اہم اُمور طے کر رہے ہوں۔ جب اسرافیل علیہ السلام صور پھونکیں گے تو سب کے سب جہاں ہوں گے مر جائیں گے مگر وہ جو اللہ تعالیٰ چاہے جیسا کہ سورۂ زمر میں اس کی تفصیل آئے گی (انشاء اللہ)

نوٹ :۔ یاد رہے کہ موت انسان کو جلد تر گھیرے گی لیکن انسان اپنے جملہ مقاصد کو نہیں سمیٹ سکے گا۔ تو پھر انسان پر لازم ہے کہ مقاصد گھٹائے اور آنے والے حالات کے لیے تیاری رکھے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؂

تو غافل در اندیشۂ سود و مال
کہ سرمایۂ عمر شد پائمال

ترجمہ :۔ تو غافل سود و مال کی فکر میں ہے لیکن تیری عمر کا سرمایہ ضائع ہو گیا۔

غبار ہوی چشم غفلت بدوخت
شموس ہوس کشت عمرت بسوخت

---

[۱] ۔ مشارق الانوار لابن الملک ۱۲

[۲] اس میں شیعہ کا رد ہے کہ وہ اہل میں صرف اولاد کو شامل کرتا اور ازدواج کے شمول کا منکر ہے ۱۲ ۔

ترجمہ:۔ خواہشات کی غبار نے تیری عقل کی آنکھ سی ڈالی۔ خواہش کے سورج نے تیری عمر کی کھیتی جلادی۔

خبر داری اے استخوان قفس
کہ جان تو مرغیست نامش نفس

ترجمہ:۔ اے ہڈیوں کے پنجرے تجھے کچھ خبر بھی ہے۔ تیری جان تو ایک پرندہ ہے اس کا نام نفس ہے۔

چو مرغ از قفس رفت و بگست قید
دگر رہ نگر در بسعی توصید

ترجمہ:۔ جب پرندہ پنجرے سے نکلا اور قید ٹوٹی۔ دوبارہ تیری کوشش کے باوجود یہ شکار ہاتھ میں نہیں آئے گا۔

نگہ دار فرصت کہ عالم دمیست
دمی پیش دانا بہ از عالمیست

ترجمہ:۔ فرصت کو نگاہ میں رکھ اس لیے کہ تمام جہان صرف ایک لحظہ ہے سمجھدار کے لیے ایک لمحہ تمام عالم سے بہتر ہے۔

سکندر کہ بر عالمی حکم داشت
دراں دم کہ بگذشت عالم گذاشت

ترجمہ:۔ وہ سکندر کہ جس کا تمام جہان پر حکم چلتا تھا جب روانہ ہوا تو تمام چھوڑ کر چلا گیا۔

میسر نبودش کز و عالمی
ستانند و مہلت دھندش دمی

ترجمہ:۔ اسے یہ میسر نہ آیا کہ تمام دے کر کچھ مہلت حاصل کر سکے۔

دل اندر دلارام دنیا مبند
کہ ننشست باکس کہ دل بر نکند

ترجمہ:۔ محبوب دنیا سے دل نہ لگا کہ یہ جس کے ساتھ بھی بیٹھی اس کی جان نکال لی ہے۔

سر از جیب غفلت بر آور کنون
کہ فردا نمانی بحسرت نگوں

ترجمہ:۔ ابھی گریبان غفلت سے سر باہر کر تا کہ کل حسرت سے تیرا سر سرنگوں نہ ہو۔

طریقی بدست آرد صلحی بجوی
شفیعی بر انگیز و عذری بگوی

ترجمہ:۔ کوئی طریقہ حاصل کر کے صلح کر لے۔ کوئی شفاعت کنندہ تلاش کر کے گناہوں کا عذر کر لے۔

کہ یک لحظہ صورت نبند دامان
چو پیمانہ پر شد بدور زمان

ترجمہ:۔ اس لیے ایک لحظہ بھی امان نہ ملے گی جب دارزمان کا پیالہ پُر ہو گیا۔

حکایت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے وصال مبارک کی

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے بوقت وصال فرمایا کہ میرے پاؤں اور ہاتھوں میں بیڑیاں ڈال دو۔ جب بیڑیاں ڈالی گئیں فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا کہ توبہ کا وقت دراز ہے جب تک انسان کے منہ سے غرغر کی آواز نہ آئے (یعنی نزع طاری نہ ہو) پھر خود ہی قبلہ رُخ ہو کر فرمایا اللھم امرتنا فعصینا و نھیتنا فما ارتکبنا ھذا مقام العائذ بك فان تعف فاعل العفو انت وان تعاقب فیما قدمت یدای سبحانك لا الہ الا انت سبحانك انی کنت من الظٰلمینؐ۔ انہی الفاظ پر آپ کا وصال ہوا اور بیڑیاں آپ کے ہاتھ پاؤں پر بندھی تھیں۔ یہ خبر سید ناحسن بن علی رضی اللہ عنہما کو پہنچی تو آپ نے فرمایا بچ گیا بابا۔ جبکہ اسے مرنے سے پہلے ہی موت کا یقین ہو گیا۔ اُمید ہے اسے یہ طریقہ فائدہ دے گا۔

مسئلہ:۔ موت کے وقت اچھی وصیت کرنی چاہیئے اگر کوئی موت کے وقت وصیت کرے تو وہ اس کی طرح ہے جس کا مال اُس وقت تقسیم کیا جائے جب وہ سیر شکم ہو۔

مسئلہ:۔ جو وصیت کے بغیر مر جائے تو برزخ میں قیامت تک اسے بولنے کی اجازت نہ ہو گی۔ مردے ایک دوسرے سے بولیں گے اور آپس میں ملیں گے لیکن وہ خاموش رہے گا اس کے لیے کہیں گے کہ جب یہ مرا تھا اس نے تہائی مال کی وصیت نہ کی (یہ اُس وقت ہے اہل وعیال کسی قسم کی زد پہنچے تو بہتر ہے کہ تہائی کامل نہ سہی کچھ نہ کچھ وصیت کرے یا کسی اور اَمر کی وصیت کرے۔ یہ ایک مستحسن فعل ہے ضروری یا واجب نہیں)۔

مسئلہ:۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ وصیت میں کسی قسم کو زک پہنچانا کبیرہ گناہ ہے۔

لہ۔ اے اللہ تو نے ہمیں حکم دیا تو ہم اس کی خلاف ورزی کی اور روکا تو ہم نے اس کا ارتکاب کیا۔ یہ تجھ سے پناہ مانگنے والا کا مقام ہے اگر معاف کر دے تو اس کا اہل ہے۔ اگر تو مجھے میرے اعمال کی سزا دے تو پاک ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ذات ہے۔ بیشک میں ظالموں سے ہوں۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَإِذَا هُمْ مِّنَ الْأَجْدَاثِ إِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ○
قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ۜ سکتۃ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ
وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ○ إِنْ كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَإِذَا هُمْ
جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ○ فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَّ لَا
تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ إِنَّ أَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ
فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ○ هُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلٰلٍ عَلَى الْأَرَآئِكِ
مُتَّكِئُوْنَ ○ لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ ○ سَلٰمٌ
قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ○ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ○
أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يٰبَنِيْ آدَمَ أَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ إِنَّهٗ لَكُمْ
عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ○ وَّأَنِ اعْبُدُوْنِيْ ۜ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ○
وَلَقَدْ أَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا ۖ أَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ○
هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ○ إِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ
تَكْفُرُوْنَ ○ اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰى أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيْهِمْ وَ
تَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○ وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا
عَلٰى أَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَأَنّٰى يُبْصِرُوْنَ ○ وَلَوْ
نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا
وَّلَا يَرْجِعُوْنَ ○

ترجمہ:- اور پھونکا جائے گا صُور تبھی وہ قبروں سے اپنے رب کی طرف دوڑتے چلیں گے۔ کہیں گے ہائے

ہماری خرابی کس نے ہمیں سوتے سے جگا دیا۔ یہ ہے وہ جس کا رحمٰن نے وعدہ دیا تھا اور رسولوں نے حق فرمایا وہ تو نہ ہو گی مگر ایک چنگھاڑ۔ جبھی وہ سب کے سب ہمارے حضور حاضر ہو جائیں گے اپنے کیے کا۔ بے شک جنت والے آج دل کے بہلاووں میں چین کرتے ہیں وہ اور ان کی بیبیاں سایوں میں ہیں۔ تختوں پر تکیہ لگائے ان کے لیے ان میں میوہ ہے اور ان کے لیے ہے اس میں جو مانگیں ان پر سلام ہو گا مہربان رب کا فرمایا ہوا۔ اور آج الگ پھٹ جاؤ اے مجرمو! اے اولاد آدم کیا میں نے تم سے عہد نہ لیا تھا کہ شیطان کو نہ پوجنا بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور میری بندگی کرنا یہ سیدھی راہ ہے اور بیشک اس نے تم میں سے بہت سی خلقت کو بہکا دیا تو کیا تمہیں عقل نہ تھی یہ ہے وہ جہنم جس کا تم سے وعدہ تھا۔ آج اسی میں جاؤ بدلہ اپنے کفر کا۔ آج ہم ان کے مونہوں پر مہر کر دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے بات کریں گے اور ان کے پاؤں اُن کے کیے کی گواہی دیں گے۔ اور اگر ہم چاہتے تو ان کی آنکھیں مٹا دیتے پھر لپک کر رستے کی طرف جاتے تو انہیں کچھ نہ سوجھتا۔ اور اگر ہم چاہتے تو ان کے گھر بیٹھے ان کی صورتیں بدل دیتے کہ نہ آگے بڑھ سکتے نہ پیچھے لوٹتے۔

بقیہ صلا

مسئلہ: جب مرے تو کہہ کر مجھ پر جو حقوق ہیں (قرضہ جات) وغیرہ انھیں ادا کرنا اور میرے مدعیوں کو راضی کرنا اور جتنی نمازیں قضا ہوئیں اور جتنے روزے قضا ہوئے ان کا فدیہ دینا (جسے ہم اہلسنت اسقاط کہتے ہیں) اور جس بندۂ خدا نے زندگی بھر نہ نماز پڑھی ہو اور نہ روزہ رکھا ہو اس کا کیا بنے گا اس کے لیے اہل سنت نے حیلہ کا طریقہ بتایا ہے اس کی تفصیل فقیر کی تصنیف "الاقساط فی الاسقاط" کا مطالعہ کیجئے اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں سے بنائے جو اپنے حال کا تدارک قبل از موت کرتے ہیں اور اپنے انجام بخیر کے لیے متفکر رہتے ہیں اور اعمال صالحہ کی کثرت کرتے ہیں اور دنیا سے لطف و جمال سے رخصت ہوتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ: ونفخ فی الصور۔ اور صور پھونکا جائے گا۔ ماضی بمعنی مستقبل تاکہ تحقق وقوع پر دلالت ہو۔

النفخ بمعنی کسی شے میں ہوا بھرنا۔ جمہور کے نزدیک صور کی واو ساکن ہے۔

صور کیا ہے؟ :- اس میں دو وجہیں ہیں:۔

(۱) یہ ایک سینگ ہے جس میں اسرافیل پھونک ماریں گے اور اس میں جملہ ارواح کی گنتی کے مطابق سوراخ ہیں۔ یہ سوراخ ہر ایک رُوح کی جگہ ہے۔ اَب معنیٰ یہ ہوا کہ قرن (سینگ میں) پھونک ماری جائے گی اور یہی موتیٰ کی حیات کا سبب ہے۔

(۲) - یہ صورت کی جمع ہے جیسے صُوَف وصُوفَۃ۔ بعض قرار کی قرأت اس کی مؤید ہے کہ وہ الصور کو بفتح الور دپڑھتے ہیں۔ اَب معنیٰ یہ ہوا کہ تمام صورتوں میں ارواح پھونکے جائیں گے اور یہ بھی سینگ کے ذریعہ ہوگا۔

فائدہ:۔ اس سے نفخ ثانی مراد ہے کہ اس سے جملہ موتیٰ کو اللہ تعالیٰ زندہ فرمائے گا نفخ اول مراد نہیں کیونکہ اس سے تو تمام کو موت واقع ہوگی۔ ان دونوں کے درمیان چالیس سال کا عرصہ گزرے گا اس کے بعد زمین کو راحت اور سکون ملے گا جبکہ اس سے قبل اس پر زلزلے اور دہشت ناک واقعات ہوئے اور اندریں اثناء آسمان سے بارش برستی رہے گی اور پانی جاری رہے گا۔ اشجار وغیرہ ختم ہوجائیں گے کوئی شے زندہ نہ رہے گی۔ جب چالیس سال گزر جائیں گے تو عرش کے نیچے سے گاڑھے پانی (منی کی طرح) بارش برسے گی جسے ماء الحیٰوۃ کہا جاتا ہے۔ اس سے کھیتی کی طرح اجسام اگیں گے حالانکہ قبل زمین تمام بنو آدم (الانبیاء والاولیاء ومن شاء اللہ) کے اجسام (سوائے ریڑھ کی ہڈی) کو کھا جائے گی۔ وہ چونکہ ٹڈی کی آنکھ کی مانند ہے اسے محسوس نہیں کیا جاتا اسی لیے بچ رہے گی تو اس سے تمام اجسام جوڑے جائیں گے اور وہ سورج کی شعاع کے ذرات کی طرح نظر آتے ہیں جب اجسام ریڑھ کی ہڈی کے ساتھ مکمل طور جڑ جائیں گے تو پھر اللہ تعالیٰ اسرافیل علیہ السلام کو زندہ فرمائے گا وہ پھونک ماریں گے تمام اَرواح اُڑ کر اپنے اجسام میں داخل ہوں گے اس پر قبریں پھٹیں گی چنانچہ فرمایا فاذا ھم (پس اچانک وہ) ضمیر کفار کی طرف راجع ہے جیسا کہ آنے والا مضمون دلالت کرتا ہے من الاجداث (قبروں سے) حدث (بفتحتین) کی جمع ہے بمعنی قبر (قاموس)

سوال:۔ اُس وقت قبریں کہاں جبکہ نفخ صور اول کی سخت آواز سے پہاڑ بھی ریزہ ریزہ ہو کر خاک میں مل جائیں گے۔

جواب:۔ اللہ تعالیٰ تمام بکھرے ہوئے اجزاء جمع کرکے وہاں پہنچائے گا جہاں وہ مدفون ہوئے اسے جدث (قبر) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ الی ربھم (اپنے رب کی پکار کی طرف) ینسلون (نکلیں گے) نکل کھڑے ہوں گے۔

فائدہ:۔ یہاں پر اللہ تعالیٰ کی پکار اور اس کا امر مراد ہے جو اسرافیل علیہ السلام کی پھونک کی صورت میں ہوگا اس سے حشر و نشر یا وہ موقف مراد ہے جو حساب و کتاب اور جزا و سزا کے لیے مقرر ہے۔ صحیح یہ ہے کہ بیت المقدس ہی حشر و نشر کا مقام ہے۔

فائدہ:۔ ہر دونوں جار ینسلون کے متعلق ہیں جیسا کہ آیت یوم یخرجون من الاجداث سراعًا دلالت کرتی ہے یعنی وہ اپنی قبروں سے نکل کر بطریق اجبار جلدی کریں گے یعنی ان کو جلدی پر مجبور کر دیا جائے گا۔ وہ اپنے اختیار سے قبروں سے نکل کر میدان حشر کے لیے نہیں جائیں گے لدینا محضرون۔ ہمارے ہاں حاضر کئے جائیں گے۔

حل لغات:۔ ینسلون نسل سے ہے یہ نسل الثعلب ینسل سے ہے بمعنی لومڑی دوڑنے میں تیزی کرتی ہے اس کا مصدر نسل و نسلان دونوں طرح آتا ہے۔ ونفخ فی الصور کے بعد کا اذا مفاجاتیہ ہے اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کمال قدرت کا مالک ہے اور اس کے ارادہ کا خلاف کبھی نہیں ہو سکتا۔ ادھر حکم دیا ادھر وہ کام ہو جاتا ہے مثلاً قیامت میں ادھر نفخ صور ہوگا تو فوراً ہی مردگان قبور سے اٹھ کر دوڑتے نظر آئیں گے حالانکہ اس کا تقاضا عملت کا نہ تھا کیونکہ بکھرے ہوئے اجزاء کو جمع کرنا پھر ہڈیوں کو گوشت پوست سے ملانا پھر انہیں زندہ کرنا اس کے بعد اٹھ کر بھاگنا لیکن قادر نے اپنی قدرت سے یہ تمام کام آنکھ جھپکنے سے پہلے کر کے دکھاتے ہیں۔

سوال:۔ یہاں ینسلون ہے لیکن دوسری آیت میں فاذا ھم قیام ینظرون۔ یعنی وہ اچانک قبروں سے اٹھ کر کھڑے دیکھتے رہیں گے۔ قیام (کھڑا ہونا) نسل (دوڑانا) نقیضین ہیں اور یہ ہر دونوں ایک ہی وقت ہوں گے جیسا کہ لفظ اذا مفاجاتیہ سے ثابت ہوتا ہے۔

جواب (۱) قیام تیز دوڑنے کے منافی نہیں کیونکہ دوڑنے والا قائم ہو کر ہی تو دوڑتا ہے۔ ایسے ہی ینظرون، دوڑنے والا آنکھیں بند کر کے تو نہیں دوڑتا۔

جواب (۲) وہ امور جو ایک دوسرے کے پے در پے ہوں جن میں زمانہ و مہلت کو دخل نہ ہو تو اسے ایک ہی واقعہ سے تعبیر کیا جاتا ہے فلاں مقبل مدبر (منہ اور پیٹھ دینے والا ہے) وغیرہ وغیرہ۔

قالوا۔ قبور سے ابتداءً اٹھتے ہی کفار واویلا کریں گے جبکہ انہیں قیامت کے ہولناک مناظر دکھائی دیں گے۔

یا ویلنا۔ ہائے ہائے اے تباہی آجا ابھی تیرا وقت ہے۔ کاشفی مرحوم نے فرمایا وہ کہیں گے ہم پر افسوس۔

فائدہ:۔ ویل منادی ہے جو متکلم جمع کی طرف مضاف ہے۔ یہ کلمہ عذاب و بلا کا ہے اور ویح رحمت کا کلمہ ہے۔ من استفہامیہ ہے۔ بعثنا من مرقدنا۔

مسئلہ:۔ تجوید کے امام حضرت حفص مرقدنا پر معمولی کا وقفہ فرماتے تھے کہ سانس نہ ٹوٹتی تھی تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ ھذا اسم اشارہ مرقدنا کی صفت ہے۔ اس کے وقفہ کے بعد ہی اذا سے شروع فرماتے کیونکہ ھذا ما وعد الرحمٰن جملہ مستانفہ ہے۔ بعض کے نزدیک یہ وقفہ سکتہ کہلاتا ہے یعنی آواز کو سانس توڑے بغیر تھوڑی سی دیر روک لینا۔

حل لغات:۔ البعث بمعنی اُٹھانا المرقد بمعنی رقاد یعنی نیند یا یہ اسم مکان ہے۔ اس سے جنس مراد ہے یعنی ہر ایک نیند کی اپنی اپنی جگہ سے اُٹھ کر کہے گا کس نے ہمیں نیند کی جگہوں سے اُٹھایا یعنی بیدار کیا۔

فائدہ:۔ اگر مرقد مصدر ہے تو یہ استعارہ اصلیہ تصریحیہ ہے اور مستعار منہ رقاد یعنی نیند اور مستارلہٗ موت اور جامع عدم ظہور فعل ہوگا۔ یہ تمام کا تمام مجاز عقلی ہے اور اگر اسم مکان ہو تو یہ استعارہ تبعیہ ہے اور مصدر میں تشبیہ کا اعتبار کیا گیا ہے کیونکہ اسم مکان و دیگر مشتقات میں مقصود وہ شے ہوتی ہے جو قائم بالذات ہو اور وہ مصدر ہے فلہذا یہاں بھی مقصود رقاد (نیند) ہے نہ کہ وہ شے جہاں وہ تھے یعنی قبر کہ جس میں بمنزلہ نیند والے کے پڑے تھے اور تشبیہ کا اعتبار مقصود میں اہم و اولیٰ ہوتا ہے۔

سوال:۔ الاسئلہ المقحمہ میں ہے کہ کفار کا اس طرح کی خبر دینا قبر کے عذاب کے منافی ہے اس سے معتزلہ (پرویزی۔ نیچری۔ کیمونسٹ وغیرہ) کے نظریہ کی تائید ہوتی ہے جبکہ بعثت سے پہلے یہ لوگ عذاب قبر وغیرہ کے منکر ہیں۔

جواب (۱) عقول وفہوم کی گڑبڑیش سے ایسے کہیں گے جبکہ وہ عذاب کی کیفیت کو خواب سے تعبیر کریں گے۔

جواب (۲) دو نفخون کے درمیانی عرصہ تک ان سے اللہ تعالیٰ عذاب اُٹھالے گا جنہیں مختصر سے وقفہ میں عذاب کی تخفیف سے آرام محسوس ہوگا جسے وہ نیند سے تعبیر کریں گے جیسے مریض کو مرض کی شدت سے وقفہ مل جائے تو وہ اس کیفیت سے قرار پاکر نیند میں چلا جاتا ہے یہ سکون پاکر راحت محسوس کرتا ہے لیکن جب وہ بعثت کے بعد قیامت کا عذاب دیکھیں گے تو ہائے ہائے پکاریں گے۔ اس جواب کی تائید حدیث شریف سے ہوتی ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا بین النفختین اربعون سنۃ و لیس بینھما قضاء ولا رحمۃ ولا عذاب الا ما

شاء ربك ۔ دو نفخوں کے درمیان چالیس سال کا وقفہ ہے ان کے مابین کوئی فیصلہ نہ ہوگا اور نہ ثواب نہ عذاب ہاں جس کے لیے اللہ چاہے۔

جواب (۳) جب کفار عذاب الٰہی کو دیکھیں گے اور جہنم سامنے ہوگی ادھر اپنے کرتوت نظر آئیں گے تو عذاب قبر کو ان کے مقابلہ میں لاشے (نیند کی طرح سمجھ کر کہیں گے **من بعثنا من مرقدنا الخ** لیکن یہ اُس وقت ہے جب عذاب صرف روح کو ہو حالانکہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے کہ قبر کا عذاب روح اور جسم ہر دونوں کو ہوگا۔ ان دونوں اقوال کی تطبیق یوں ہوگی کہ جسم کو روح سے بہت زیادہ تعلق ہوتا ہے اس لیے اگر اسے کسی نے صرف روح کا نام لیا تو اس سے جسم کی نفی نہ ہوگی۔ اس کی مثال ارواح شہدار کی ہے کہ ان کا تعلق جسم سے ایسا قوی ہے کہ انہیں احیاء (زندہ) کہا گیا اگرچہ وہ بظاہر مردوں کی طرح ہوتے ہیں لیکن چونکہ قیامت میں عذاب جسم و روح کا عذاب محسوس کیا جائے گا یہ چونکہ صرف روحانی عذاب سے شدید ترین ہوگا۔ اسی لیے قبر کے عذاب کو بھول کر کہیں گے **من بعثنا من مرقدنا الخ** (ظاہر ہے کہ شدید ترین عذاب کے وقت معمولی درد کا احساس نہیں رہتا جیسا کہ ہر ایک کو معلوم ہے۔

هذا ما وعد الرحمٰن وصدق المرسلون۔ یہ وہ ہے جو رحمٰن نے وعدہ کیا اور رسل کرام نے سچ فرمایا۔ بتدا محذوف الخبر ہے اور موصولہ اس کا عائد محذوف ہے۔ دراصل عبارت **هذا البعث هو الذی الخ** تھی یعنی یہی وہ جس کا اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ دنیا میں وعدہ فرمایا تھا اور تم کہا کرتے کہ یہ وعدہ کب ہوگا یعنی اس کے تم منکر تھے لیکن رسل کرام علیہما السلام کا قول سچا ہوا جو بصورت حق آج تمہارے سامنے ہے یہ جواب ملائکہ یا اہل ایمان کی زبان سے کہلوایا جائے گا۔

سوال: جواب کفار کے سوال کے اسلوب سے مختلف کیوں؟ یعنی اُنہوں نے سوال کچھ کیا اور جواب کچھ اور ہے؟

جواب: تاکہ ان کے کفر کی تذکیر اور ان کی غلطی پر تنبیہہ ہو اور بتایا گیا ہے کہ یہاں میدان حشر میں لانے کا سبب یہی ہے گویا ان کے سوال کا جواب یہی ہے کہ تمہیں خواب گاہوں سے اللہ تعالیٰ نے اُٹھایا ہے جس نے تمہارے ساتھ کتب اور رسل کے ارسال سے وعدہ فرمایا تھا اور ان کی بات سچی نکلی اور یہ تمہارا خیال غلط ہے کہ تم اب نیند سے بیدار ہوئے ہو اور اس سے اُٹھنے کا سبب پوچھتے ہو ہاں تمہارا اُٹھنا بہت بڑے ہولناک اُمور اور گھبراہٹوں کا مجموعہ ہے۔

ان كانت۔ نہ ہوگا دوسرا نفخ۔

الا صيحة واحدة مگر ایک ہی چنگھاڑ جو حضرت اسرافیل علیہ السلام کے پھونکنے سے حاصل ہوگا جبکہ وہ صخرہ بیت المقدس پر کھڑے ہو کر کہیں گے۔

ایتھا العظام البالیۃ والاوصال المنقطعۃ والاعضاء المتمزقۃ والشعور المنتشرۃ ان اللہ المصور الخالق یامرکن ان تجمعن لفصل القضاء فاجتمعوا دھلموا الی العرض والی جبار الجبابرۃ۔

اے پرانی ہڈیو اور ٹوٹے پھوٹے اور ٹکڑے ٹکڑے ہونے والے جوڑو اور بکھرے ہوئے بالو بیشک جوڑنے اور پیدا کرنے والا ہی تھیں حکم فرماتا ہے کہ فیصلہ کے لیے اکٹھے ہو جاؤ اور پیشی کے لیے تیار ہو کر بہت بڑے شہنشاہ کے ہاں حاضر ہو جاؤ۔

تحقیق صاحب رُوح البیان قدس سرہٗ

فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے حقیقت یہ قول نفخ کے علاوہ اور کوئی شے نہ ہوگی ممکن ہے کہ اس نفخ میں بھی الفاظ بولے جائیں یا یہ کہ نفخ کے درمیانی وقفہ میں یہ کلمات کہے جائیں۔ کہ نفخ بھی ہو اور یہ الفاظ بھی اس میں جدید گفتگو کی ضرورت بھی نہیں کیونکہ یہ ہمارے بیے ہے اس معنیٰ پر ان دونوں کے درمیان کسی قسم کی منافات نہیں۔

فاذا ھم۔ پس اچانک بغیر کسی تاخیر کے ھُم مبتدا اور جمیع الخ خبر ہے تمام کے تمام لدینا ہمارے ہاں محضرون متعلق ہے (حاضر کیے جائیں گے) فیصلہ اور حساب کے لیے۔

فائدہ :۔ آیت میں بعث وحشر کی ہولناکی کا بیان ہے اور آگاہ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اُمور کی سرانجامی کے لیے اسباب کی ضرورت نہیں۔ یہ اُمور کی مخلوق کے لیے واقعی مشکل لیکن خالق کے لیے آسان ہیں۔ کیونکہ اسے مخلوق کی طرح اسباب کے استعمال اور آلات کو عمل میں لانے کی حاجت نہیں اس کی شان تو یہ ہے کہ جب کسی شے کا ارادہ کرتا ہے کہ وہ ہو جائے تو وہ فرما دے ہو جا تو وہ فوراً ہو جاتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ: آیت میں حشر معنی کی طرف اشارہ ہے جو دنیا میں اہل سلوک کو حاصل ہوتا ہے اس لیے کہ عالم کبیر انسان کی صورت میں ہے یعنی عالم کبیر کی تفصیل انسان کی شکل میں ہے جیسے عالم کبیر نفخ صور اول سے لاشے ہو جائے گا۔ پھر نفخ ثانی سے وجود میں آجائیگا گویا اسے عدم کے بعد وجود ملا تو ایسے سالک عاشق کے حالات و تعینات ریاضت اور عشق کے وقت جذبہ تو یہ الٰہیہ سے حالات و تعینات بکھر جاتے ہیں تو پھر اسے ظہور دیگر نصیب ہوتا ہے جس سے وہ فنا کے بعد بقا پاتا ہے۔ جب وہ اس مرتبہ پر پہنچتا ہے تو اپنے وقت کا اسرافیل ہوتا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

ہین کہ اسرافیل وقتند اولیاء
مردہ را ز ایشاں حیاتست و نما

ترجمہ:- یہ اولیاء اپنے وقت کے اسرافیل ہیں مردے کو ان سے حیات و تازگی ملتی ہے۔

جان ہر یک مردہ از گور تن
بر جہد از آواز شان اندر کفن

ترجمہ:- ہر مردہ کی جان قبر میں ہوتی ہے تو ان کی آواز سے کفن اُتار کر زندگی پاتا ہے۔

فائدہ:- رقاد سے غفلت روح اور جدث سے بدن انسانی مراد ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم بیدار فرماتا ہے اور اسے فنا کرتا ہے تو جلال الٰہی کی تجلی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور استعداد والوں کے درمیان انبیاء و اولیاء (علیٰ نبینا و علیہم السلام وسیلہ ہیں اور جس کے اندر استعداد کی قابلیت ہی نہ ہو تو اسے نفخ (انبیاءؑ و اولیاء) سے کوئی فائدہ نصیب نہ ہوگا۔

ہمہ فیلسوفان یونان و روم
ندانند کرد انگبیں از زقوم

ترجمہ:- تمام یونان و روم کی فلسفی زقوم کو شہد نہیں بنا سکتے

بکوشش نروید گل از شاخ بید
نہ زنگی بگرمابہ گردد سفید

ترجمہ:- وحشی جانور انسان نہیں ہو سکتا بلکہ اس میں کوشش رائیگاں جائے گی۔ بید سے گل پیدا نہیں ہوتا۔ زنگی صابن سے ہزار بار نہائے سفید نہ ہوگا۔

ہم اپنے محسن کریم سے کثیر الاحسان کا سوال کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ:- فالیوم۔ وہ عذاب جو کفار کے لیے تیار کیا گیا ہے جب وہ دیکھیں گے تو انہیں کہا جائے گا۔

الیوم لا تظلم نفس سے منصوب ہے۔ آج کسی نفس پر بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔ نیک ہو یا بُرا۔

فائدہ:- نفس کا اطلاق ذات اور رُوح پر ہوتا ہے۔ شیئاً منصوب علی المصدریۃ یعنی مفعول مطلق ہے اس سے ہر قسم کا ظلم مراد ہے یعنی نہ اس کا ثواب کم ہوگا اور نہ بدعملی کا عذاب حد سے زائد دیا جائے گا۔

ولا تجزون الا ما کنتم تعملون۔ اور تم اے کافرو جزا نہ دیئے جاؤ گے مگر وہ جو تم دنیا میں عمل کرتے تھے کہ دائماً کفر و معاصی میں مبتلا رہتے تھے۔ یہاں مضاف محذوف کر کے مضاف الیہ اس کے قائم مقام کھڑا کیا گیا ہے۔ ایک دوسرے کے ارتباط و تلازم کی وجہ سے گویا وہ ایک شے ہیں یا مفعول محذوف۔

ہے کہ دراصل ما تعملون تھا یعنی یہ جزا و سزا تمہارے اعمال کے عوض اور ان کی وجہ سے ہے۔

فائدہ:۔ لا تظلم الخ کہا گیا تاکہ مؤمن اطمینان کرے اور و لا تجزون الخ کہا گیا تاکہ کافر مایوس ہوں۔

سوال:۔ یہاں خطاب کیوں جبکہ یہاں اسم اشارہ چاہیئے تھا اور وہاں اسم اشارہ کیوں جبکہ خطاب موزوں تھا۔

جواب:۔ لا تظلم الخ میں عموم مطلوب ہے کہ اس میں مومن و کافر ہر دونوں شامل ہیں کیونکہ قیامت میں مومن و مجرم کافر کسی قسم کا ظلم نہ ہوگا اور لا تجزون میں صرف کفار مطلوب ہیں کیونکہ مومن کو تو اللہ تعالیٰ وراثت آدم کے طور بلکہ فضل و کرم سے بخشش و انعام فرمائے گا اور وہ کریم ہے اپنی رحمت سے جسے چاہے خاص کرے اگرچہ ان کو اپنے اعمال کی بھی پوری پوری جزا عطا فرمائے گا۔ پھر اپنے فضل و کرم سے بے پایاں انعام بخشے گا۔ ؎

فضل او بے نہایت و بے پایاں
لطف او از تصورت بیروں

ترجمہ:۔ اس کا فضل بے انتہا اور بے پایاں ہے اس کا لطف ہمارے تصوّر میں نہیں آسکتا۔

فیض وہم سعداءُ را مبذول
اجر او مشدہ غیر ممنون

ترجمہ:۔ اس کا فیض سعادت مندان کو نصیب ہوگا اس کا اجر لا غیر منتہیٰ ہے۔

ان اصحاب الجنۃ۔ بیشک بہشتی لوگ۔

ربط:۔ یہ بھی کافروں کو کہا جائے گا تاکہ ان کی حسرت و ندامت میں اضافہ ہو کیونکہ قاعدہ ہے کہ بڑے کو بڑی سزا کے بعد اگر خبر دی جائے کہ تیرا بالمقابل فلاں عیش و آرام میں چین اڑا رہا ہے تو اس کی بدحالی اور حسرت و ندامت بڑھ جاتی ہے۔

الیوم۔ قیامت میں مصروف ہیں۔ فی شغل (شغل میں) المفردات میں ہے کہ الشغل بضم الغین وبالسکون ایضاً دعارضہ جو انسان کو ہر طرح کے دوسرے خیالات سے غافل کر دے۔

الارشاد میں ہے کہ شغل انسان کا وہ حال جو اسے ماسوی اللہ کے خیالات و تصورات سے روکے کیونکہ وہ اس کا مقصد د تھا جو اسے اب نصیب ہوا۔ اب کمال مسرت و فرحت میں ہے اور ہر طرح کے غم و ملال سے فارغ ہے۔ یہاں کمال مسرت وغیرہ مراد ہے۔ تنوین تفخیم کا ہے یعنی وہ شغل عظیم الشان میں۔

فاکھون۔ چین اڑانے والے ہیں۔ یہ دوسری خبر ہے۔

حل لغات:۔ فطاہتہ بفتح الفاء بمعنی طیب العیش اور بہترین نعمتوں میں خوش زندگی بسر کرنا و بالضم بمعنی مسخری و خوش طبعی یعنی ایسی گفتگو جس سے انس کی خوشنودی ہو۔

مسئلہ:۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا لا بأس بفاکھۃ یخرج بھا الانسان من حد العبوس۔ اس خوش طبعی میں حرج نہیں کہ جس سے انسان ترش روئی سے خارج ہو سکے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ لوگ دائمی نعمتوں اور بہت بڑے ملک میں ہیں۔

فائدہ:۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فاکھون خبر اور فی شغل اس کا متعلق اور ظرف لغو ہو۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ شغل یعنی لذت میں ہیں یعنی ان کو لذت شغل کے سوا اور کوئی کام نہیں۔ اور نہ ہی اس سے انہیں تھکان ہوتی ہے جیسے دنیا کے اندر ہر شغل سے تھک جاتے تھے۔

سوال:۔ یہ امر تو واقع بھی نہیں ہوا لیکن اسے جملہ اسمیہ سے تعبیر کیا گیا جو دوام پر دلالت کرتا ہے اس کا کیا معنیٰ۔

جواب:۔ علم معانی کے مطابق کہ متوقع کو بمنزلہ واقع کے قرار دیا گیا تاکہ یقین ہو کہ ابھی واقع ہو گا تاکہ کفار کو رسوائی اور اہل ایمان کو خوشی و راحت نصیب ہو۔

حدیث شریف (۱) بہشت میں ایک مرد کو دنیا کے سو مردوں کی خورد و نوش و جماع کی قوت عطا ہو گی ایک اہل کتاب نے عرض کی کھانے پینے کے بعد تو بول و براز (ٹٹی و پیشاب) کی ضرورت ہوتی ہے تو وہاں اس کا کیا ہو گا۔ حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا بہشت میں یہ مشک سی خوشبو سے پسینہ بن کر خارج ہو جائیں گے اور پھر پیٹ میں ہی جذب ہو جائیں گے۔

حدیث شریف (۲) جنتی بہشت میں روزانہ سو باکرہ سے جماع کرے گا۔

فائدہ:۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان میں جس طرح پہلی باکرہ میں شہوت ہو گی آخری میں بھی ویسی ہی ہو گی۔ جب پہلی کی بکارت جماع سے توڑی جائے گی تو بعد فراغت اس کی بکارت پہلی حالت میں عود کر آئے گی اور جیسے دنیا میں بکارت توڑنے پر عورتیں درد محسوس کرتی ہیں آخرت میں ایسے نہیں ہو گا یعنی بکارت کے ٹوٹنے پر انہیں درد کے بجائے لذت محسوس ہو گی۔

حدیث شریف (۳) ایک شخص حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ کیا بہشت میں بھی ہم عورتوں کے ساتھ ہم بستری کریں گے جیسے دنیا میں ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ ایک ہی دن ایک مرد بہشتی ہزار عورتوں سے جماع کرے گا۔

حدیث اسرائیلی:۔ حضرت عبداللہ بن وہب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بہشت میں ایک بالاخانہ ہے جس کا نام عالیہ ہے اس میں ایک حور ہے جس کا نام غنجہ ہے جب کوئی محبوب

خدا اس میں تشریف لائے گا تو جبرئیل علیہ السلام تشریف لا کر اس کی اجازت بخشیں گے تو اس حور کو سنوارنے پر چار ہزار کنیزیں مقرر ہوں گی جسے سنواریں گی اور اس کی زلفوں کو خوشبو سے معطّر کریں گی پھر وہ حور اس بندۂ خدا کے سپرد کی جائے گی۔[1]

اُعجوبۂ بہشت:۔ کہتے ہیں کہ بہشت میں وطی کے بعد منی و مذی نہیں آئے گی ایسے ہی دوسرے فضلات کا حال ہے جیسے دنیا میں ہوتا ہے بلکہ وہاں لذّت کے بعد ہر بال کی جڑ سے پسینہ کی سی کوئی شے خارج ہو گی جس کی خوشبو مشک سی ہو گی۔

فائدہ:۔ فتوحاتِ مکیہ شریف میں ہے بہشت میں جماع کی لذّت دنیوی لذت سے ہزاروں حصہ زائد ہو گی۔ ہر دونوں زن و شوہر اس لذت سے بہرہ یاب ہوں گے۔ وہ ایسی لذت ہے کہ اگر انہیں دنیا میں نصیب ہو تو خوشی کے مارے اس کی کیفیت کو نہ پہنچ سکیں گے بلکہ اس کے حصول پر ان پر غشی طاری ہو جائے لیکن وہ لذت ایک ہوا کی مانند خارج ہو گی جس کی خوشبو مشک جیسی ہو گی۔

اعجوبہ دیگر:۔ بہشت میں انسان پیٹ سے خالی ہو گا کیونکہ دنیا دُبر گندگی خارج کرنے کے لیے بنائی گئی وہاں چونکہ گندگی ہو گی نہیں اسی لیے اس کی ضرورت نہیں۔ بہشت میں اگر لذت جماع مطلوب نہ ہوتی تو مرد کا ذکر اور عورت کی فرج بھی نہ ہوتی کیونکہ وہاں پیشاب کی ضرورت نہیں ہو گی اس لیے ان کا نہ ہونا بے ضرورت ہوتا۔ اس سے واضح ہوا کہ فرجین کا ہونا محض لذّت کے حصول کے لیے ہو گا۔

اعجوبہ:۔ بہشت کی ہر نعمت بلا قید ہو گی اور اس کی راحت بھی سوائے نیند کے کہ وہاں یہ راحت نہ ہو گی کیونکہ بہشیوں کو نیند کیسی، اور ہر شے اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے اور اس کی کوئی ضد نہیں اسی لیے اس کے

---

[1] یہاں پر کوئی منکرِ اسلام و منکرِ حدیث اعتراض کرے کہ پھر تو بہشت شہوت رانی کا مرکز ہوا۔

جواب:۔ یہ نعمتوں کا بیان ہے اور بہشت کی ہر نعمت دنیوی نعمتوں سے ہزار درجہ یہی حیثیت رکھتی ہے اور ظاہر ہے کہ اظہارِ نعمت محض ترغیب و تحریص کے لیے ہوتا ہے اس سے ضروری نہیں کہ خدا کا بندہ اس تحریص پر عبادت کرتا ہو بلکہ جو بندۂ خدا ہے وہ تو ایسی نعمتوں کو کچھ بھی نہیں سمجھتا بلکہ اس کا مُدّعا تو رضائے حق ہے اور اس اور ایسے بندے نہ صرف قیامت میں ملیں گے بلکہ وہ دنیا میں موجود رہے اور ہوں گے اور رہیں گے جیسے ہمارے پیر و مرشد حضرت خواجہ محکم الدین سیرانی اویسی قدس سرہٗ جن کی زندگی تجرد میں بسر ہوئی بلکہ جہاں عورت کا پاؤں کا نشان نظر آتا تو ایک فرلانگ اس جگہ سے ہٹ کر چلتے اور آپ کو نکاح کا کہا گیا تو فرمایا بابا فقیر میں (قوت مردمی یا انانیت) نہیں ہے)

(لطائف سیریہ)

وجد کی ضرورت نہ ہوگی۔

آوازِ خوش کا بیان

آوازِ خوش اور لذیذ نغمات کا سننا بھی ایک بڑی نعمت ہے۔ مروی ہے کہ جب بہشتی ساز و آواز سننے کی خواہش کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسرافیل علیہ السلام کو فرمائے گا کہ اس کے دائیں جانب کھڑے ہو کر قرآن پڑھے اور داؤد علیہ السلام بائیں جانب زبور پڑھیں۔ ان دونوں کی قرأۃ سے بندہ مسحور و مست ہو جائے گا۔ اسے شرابًا طہورًا کے پیالوں سے نوازا جائے گا۔ ان اُمور سے اسے استغراق ذات نصیب ہو گا جو اس سے بڑھ کر اور کوئی نعمت متصور نہیں ہوگی اور مزید براں یہ کہ زیارت الٰہی کے وقت اللہ تعالیٰ خود اپنے بندے کو سورۂ طٰہٰ و یٰسٓ سنائے گا جس سے بندہ کی خوشی کی حد نہ ہوگی اور یہی سماع حقیقی ہے۔

فائدہ: بہشتیوں کا سماع صرف قرآن مجید ہوگا اور بس وہاں نہ مزامیر اور نہ دیگر باجے سارنگی وغیرہ ہاں باکرہ عورتوں کی آواز سے محظوظ کیا جائے گا ایسے ہی درختوں کے پتوں کی آواز سے بھی مسرور کیا جائے گا۔ اس کے متعلق ہم پہلے تفصیل سورۂ روم کے اوائل و فرقان کے اوائل ہیں) لکھ چکے ہیں۔

سماع کا جواز اور عدم جواز

بعض علماء فرماتے ہیں کہ سماع قلب میں حرکت پیدا کرتا ہے اور جس شے کا بندے پر محبت کا غلبہ ہو اُسے اُبھارتا ہے اگر شہوت کا دلدادہ ہے تو شہوت بڑھے گی تو ایسا سماع حرام ہے اگر یادِ حق و عشق الٰہی کا غلبہ ہے تو عشق میں اضافہ ہوگا تو ایسا سماع حلال ہے۔

فائدہ: جو ذکر نغمۂ لذیذے ہو اس میں حسین صورت کی طرح نفس میں اثر ہوتا ہے لیکن عرف میں سماع کو نغمات معروفہ کی ضرورت نہیں کیونکہ اگر سماع صرف نغمۂ لذیذہ کا نام ہے تو جہل ہے اس لیے کہ اہل سماع دنیا کی ہر آواز کو سماع سمجھتے ہیں بلکہ نہی۔ (صوفی) عرفی غنا کا محتاج نہیں اس کا باطن ہر بات کو سماع تصور کرتا ہے۔ اس کا معاملہ کسی خارجی عرفی مقید غنا کا محتاج نہیں۔

بہشت کی ملاقاتیں: بہشت میں ایک دوسرے کی ملاقاتیں بھی نعمت جنت میں شمار ہوتی ہیں چنانچہ بہشت میں ان کا ایک شغل یہی ہو گا کہ ایک دوسرے کی ملاقات کو آیا جایا کریں گے۔ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام صدیقین و اولیاء و علماء کی ملاقات کے لیے تشریف

لے جایا کریں گے پھر یہی حضرات انبیاء علیہم السلام کی زیارت کے لیے حاضری دیں گے پھر کبھی تمام مل کر اللہ تعالیٰ کی زیارت سے مشرف ہوں گے

حدیث شریف:۔ بہشتی جو ہر جمعہ اللہ تعالیٰ کی زیارت سے مشرف ہوا کریں گے ان کی سواریوں کے کجاوے کافوری ہوں گے اور اس زیارت میں اللہ تعالیٰ کے قریب تر ہوگا جو جمعہ کی نماز کا پابند اور نہایت جلدی پہنچنے کی کوشش کرتا ہوگا۔

دوزخیوں کی ملاقات

بعض بزرگوں کا فرمان ہے کہ دوزخی بھی ایک دوسرے کی ملاقات کریں گے لیکن ایک خصوصی طریقہ ہوگا وہ اس طرح کہ ہر طبقہ اپنے ہم جنس سے مل سکے گا مثلاً زمہریر والے زمہریر والوں کو اور گرم آگ میں جلنے والے ہمیشہ آگ میں جلیں گے بخلاف اہل جنت کے کہ ان کے لیے کوئی قید نہ ہوگی وہ جسے چاہیں جب چاہیں ملاقات کریں۔ کیونکہ بہشتیوں کو ہر طرح کی آزادی ہوگی بخلاف دوزخیوں کے کہ وہ دوزخ کی جیل میں مقید اور نہایت تنگی میں ہوں گے۔

اللہ کی مہمانی:۔ اللہ تعالیٰ کی اہل بہشت کو دو ضیافتیں نصیب ہوں گی:۔

(۱)۔ بہشت کے اندر۔

(۲)۔ بہشت سے باہر۔

بہشت کے اندر کی نعمتیں بار بار نصیب ہوں گی جیسے رؤیت باری تعالیٰ اور ایسی مہمانی اور زہے قسمت اور وہ بہت بڑا سعادت مند ہوگا جسے زیارت حق نصیب ہوگی۔

حدیث شریف:۔ جب اللہ تعالیٰ کی زیارت نصیب ہوگی تو بہشت کی تمام نعمتیں بھول جائیں گی۔

دوزخیوں کے حالات سے لاپرواہی۔

بہشت میں ان کو دوزخیوں کے حالات سے بے خبر رکھا جائے گا تاکہ بہشت میں ان کے حالات سن کر یا دیکھ کر منغص (پریشان) نہ ہوں بلکہ انھیں ایسے ناز و نعم سے نوازا جائے گا کہ وہ خود بخود اہل نار حالات سے بے پرواہ ہوں گے کہ ان کے حالات کی خبر گیری کریں یا سنیں بلکہ دل سے بھول جائیں گے کیونکہ اگر گاہے گاہے دوزخیوں کے حالات سے انھیں خبر پہنچے تو پھر ان کا دِل

پریشان ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہے گا کہ ان کا دل پریشان ہو۔

بہشتیوں کے دس شغل: اہل جنت کو دس انعام ملیں گے جن کی مشغولی سے دائماً شاد و آباد رہیں گے۔
۱۔ بادشاہی جس میں معزولی کا کوئی خطرہ نہ ہو گا۔
۲۔ جوانی جس میں بڑھاپے میں نام نہ ہو گا۔
۳۔ تندرستی جس میں بیماری کا نشان نہ ہو گا۔
۴۔ دائمی عزت جس میں ذلت کو کوئی دخل نہ ہو گا۔
۵۔ راحت و فرحت جس میں غم و حزن کو راہ نہ ملے گی۔
۶۔ حیات جس میں موت نہ ہو گی۔
۷۔ خوشنودی جس میں غصہ و غضب نہ ہو گا۔
۸۔ نعمت کہ جس میں محنت و مشقت نہ ہو گی۔
۹۔ بقا جس میں فنا نہ ہو گی۔
۱۰۔ اُنس جس میں وحشت نہ ہو گی۔

فائدہ: آیت میں شغل سے وہ لذات مراد ہیں جو انھیں بہشت کے اندر مشغول رہنے کے تصورات سے فارغ رکھیں اسے کسی خاص لذت سے مخصوص نہ رکھا جائے۔

اعجوبہ: دوزخی کھانے پینے۔ نکاح (وغیرہ) جیسی نعمتوں سے محروم ہوں گے کیونکہ یہ صفات جمالیہ کے تجلیات سے ہیں اور وہ تجلی جمال کے لائق نہیں بلکہ وہ قہر و جلال کے مستحق ہیں۔

فضل رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے سے دوزخیوں کو نیند کی دولت سے نوازا جائے گا تاکہ چند لمحات اُس کے ذریعے سکون پائیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرتے ہیں۔

فائدہ: یہ کشفی قول ہے اور ممکن ہے صحیح ہو اس کی تائید ایک دوسرے طریقہ سے ہوتی ہے وہ کہ تذکرۃ القرطبی میں ہے کہ بعض اہل عصیان دوزخ میں نیند کریں گے یہاں تک کہ وہ دوزخ سے نکال لیے جائیں گے اور ان کی سزا صرف اتنا کافی ہو گی کہ وہ ذلت و رسوائی سے دوزخ میں جائیں گے اور یہ جائز ہے اس لیے کہ ہم بہت سے جیل میں جانے والوں کو دیکھتے ہیں کہ

ان کو صرف عار و ذلت کی حد تک جیل میں بھیجا جاتا ہے اس کے علاوہ ان کو کسی قسم کی سزا نہیں ہوتی (جیسے بعض سیاسی قیدی) واللہ اعلم بالصواب)

بہشت کے عشاق:۔ بعض مشائخ نے فرمایا یہ ان بہشتیوں کی نعمتوں کا بیان ہے جو صرف بہشت کے خواہاں ہیں ورنہ جو طالبانِ حق ہیں وہ اس سے کوسوں آگے ہوں گے یعنی مراتب مذکورہ اگرچہ اہل دوزخ کی بہ نسبت اعلیٰ ہیں لیکن طالبانِ حق کے مراتب سے بہت کم ہیں اسی لیے کہا گیا ہے **اکثر اهل الجنة بله**۔ اکثر بہشتی کم عقل ہیں۔

حکایت:۔ ایک اہل نظر جامع مسجد کے دروازے پر کھڑا نماز سے فراغت پانے والوں کو کہہ رہا تھا کہ بہشت کی بھرتی ہے اللہ تعالیٰ کے قرب والے اور ہم نشین اور ہیں۔

حکایت شبلی:۔ حضرت شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے آیت مذکور پڑھی گئی تو آپ کی چیخ نکلی اور پھر بیہوش ہو گئے افاقہ کے بعد فرمایا اگر مسکینوں کو معلوم ہو جائے کہ وہ کسی ذات کی مشغولی میں ہیں تو فوراً تباہ ہو جائیں۔

فائدہ:۔ کشف الاسرار میں حضرت شیخ الاسلام انصاری رحمۃ اللہ سے نقل کر کے لکھتے ہیں کہ بہشت کی نعمتوں کی مشغولی عوام کو ہوگی اور خواص تو مطالعۂ شہود و مطالعۂ نور میں ایسے مستغرق ہوں گے کہ انھیں لمحہ بھر کے لیے بھی بہشت کی نعمتوں کا خیال تک نہ ہوگا۔

ملفوظ سیدنا علی رضی اللہ عنہ

حضرت شیرِ خدا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا **لو حجبت عنه لمت**۔ اگر ایک لمحہ بھی میں ذاتِ حق سے محجوب ہو جاؤں تو میں موت کا شکار ہو جاؤں۔ ؎

روزیکہ مرا وصل تو در چنگ آید
از حال بہشتیاں مرا ننگ آید

ترجمہ:۔ جس وقت آپ کا وصال مجھے نصیب ہوگا بہشتیوں کے حال سے مجھے عار محسوس ہوگی۔

ور بے تو بصحرائے بہشتم خوانند
صحرائے بہشت بر دلم تنگ آید

ترجمہ:۔ آپ کے بغیر مجھے اگر بہشت میں بلائیں تو مجھے بہشت کے باغات تنگ معلوم ہوں گے۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض ایسے بندے ہیں جو اس کے اخلاق سے متخلق ہیں جیسا کہ کنت سمعہ وبصرہ فبی یسمع و بی یبصر۔ میں اس کے کان اور آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا دیکھتا ہے۔ انھیں اپنے اہل وعیال کے ساتھ رہنا شغل حق سے باز نہیں رکھے گا جیسے وہ آج دنیا میں ہر حال میں معرفت الٰہی میں مشغول رہتے ہیں۔ کوئی شے حائل نہیں ہوتی۔ ہاں معارف کے حظوظ کی تکمیل ان کو نقصان نہیں دیتی۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ ہر وقت طاعات وعبادت میں مشغول رہے لیکن چاہیئے کہ وہ اس شغل سے مکاشفات ومعاینات سے محجوب نہ ہو جائے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ انسان کے دو شغل ہیں:۔
(۱)۔ ظاہر وہ یہ کہ جنت کی ظاہری نعمتوں سے بہرہ وری ہو۔
(۲)۔ اس کی باطنی سے۔

نسخہ روحانی: جو ذاتِ حق کا طالب ہو کر اسی سے اسی کو مانگتا ہے تو کوئی حرج نہیں ہاں اللہ سے صرف بہشت مانگتا ہے تو وہ دیدارِ حق سے محروم رہے گا (کیونکہ وہ تاجر ہے اور اور تجارت کا فائدہ وہی ہو گا جس کے لیے اس نے تجارت کی)۔

حکایت: حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں **اللہ** تعالیٰ کا دیدار کیا تو اس نے فرمایا اے ابن معاذ تمام لوگ مجھ سے مانگتے ہیں صرف ابا یزید (بسطامی) ہیں جو صرف مجھے مانگتے ہیں۔

فائدہ: دنیا میں جو شے مطلوب رہی آخرت میں وہی ملے گی کیونکہ دنیا کی طلب آخرت کا بیج ہے اب چاہے کوئی جنت طلب کرے یا ذاتِ حق۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جس ارادہ پر زندگی بسر ہو گی اسی پر انسان کی موت آئے گی اور اسی پر قیامت میں اُٹھے گا۔

تفسیر عالمانہ: ھم الخ جملہ مستانفہ ہے یعنی ان کو شغل اور جنت کے انعام واکرام سے نوازے جانے کے حالات اور اس میں انھیں سرور دوستی اور راحت وآرام نصیب ہو گا۔ کے بیان کے لیے ہے۔ ھُم مبتدا اور اصحاب الجنۃ کی طرف راجع ہے۔ وازواجھم۔ ھُم پر عطف ہے اس سے بہشتیوں کی وہ عورتیں مراد ہیں جو ان کی دنیا میں رفیقہ حیات رہیں یا حور عین یا ان کے گہرے دوست مراد ہیں جیسا کہ دوسری آیت میں ہے احشروا الذین

ظلموا وا ازواجہم۔ ظالموں اور ان کے ساتھیوں کو جمع کر کے یا نذکورہ بالا سب کے سب مراد ہیں۔
نکتہ:۔ اس میں اشارہ ہے کہ انھیں ہر طرح کی وحشت سے محفوظ رکھا جائے گا منجملہ ان کے تنہائی ہے کہ اس میں وحشت ہوتی ہے اس لیے اس سے بچانے کے لیے ان کی ازواج ان کے ساتھ ہوں گی۔
فائدہ:۔ وحشت بہت بڑی تکلیف ہے اگرچہ کتنے ہی اعلیٰ مراتب سے نوازے ہو تب بھی اگر رفیق انیس ساتھ نہ ہو تو وہ اعلیٰ مرتبہ خوش نہیں لگتا جیسے شب معراج میں صدیق کی آواز سے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مانوس کیا گیا۔

شانِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

مروی ہے کہ شب معراج رسول پاک شہ لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سدرہ سے آگے بڑھے تو حضرت جبریل علیہ السلام پیچھے رہ گئے تو اس کے بعد آپ نے ایک ایسی آواز سنی جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی آواز کے مشابہ تھی اس سے آپ کی وحشت دور ہوئی اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہونے کا آپ کو خصوصی اُنس تھا اسی لیے ان کی آواز سے آپ کو مانوس کیا گیا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی خصوصی نیازمند تھے کہ وہ آپ کی رفاقت کے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔
مسئلہ:۔ اسی لیے رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گھر میں تنہا رہنے سے منع فرمایا ہے۔
فی ظلال علی الارائک متکئون۔ متکئون مبتدا کی خبر ہے اور دونوں جار مجرور اسی کے متعلق ہیں صرف آیات کے فواصل کی وجہ سے انھیں مقدم کیا گیا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فی ظلال خبر اور متکئون مبتدا کی دوسری خبر ہو۔

حل لغات:۔ ظلال ظل کی جمع ہے جیسے شعاب وشعب اور ظل ضح یعنی سایہ کی نقیض ہے یا ظلہ کی جمع ہے جیسے قباب وقبہ وہ شے جو دھوپ سے بچائے الارائک اریکہ کی جمع ہے بروزن سفینہ کجاوے کا سریر (تختہ) حجلہ بفتحتین کجاوے کی وہ بیٹھے سونے کی) وہ جگہ جو دلہن کے لیے کپڑوں اور پردوں سے مزین ہو (القاموس) اور المختار میں ہے الاریکہ وہ تختہ جو قبہ یا گھر میں مزین کر کے تیار کیا جائے اگرچہ اس میں سریر (سونے کے لیے) نہ ہو تو اسے حجلہ (کجاوہ) کہا جاتا ہے۔ اریکہ اس لیے ہے کہ وہ لاک بمعنی لکڑی سے تیار کیا جاتا ہے پیلو کا درخت جس سے مسواک بنایا جاتا ہے یا اس لیے کہ اسے اقامت کے لیے مستعمل ہوتا ہے۔
الاتکاء بمعنی اعتماد یعنی سہارا کرنا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ لوگ کجاووں میں تختوں پر سایوں میں تکیہ لگائے بیٹھے

ہوں گے تختوں پر سہارا لگانے میں ان کے تنعم اور فارغ البالی کی طرف اشارہ ہے۔

نعمت ہائے بہشت کی جھلکیاں

کشف الاسرار میں ہے کہ بہشتی اور ان کی عورتیں بہترین عمارتوں اور اعلیٰ خیموں میں ہوں گے اور وہ خیمے سفید مروارید کے ہوں گے جن کا طول وعرض ۱۲ x ۱۲ میل ہوگا اور ان کی اونچائی ساٹھ میل ہوگی ۔ ان کے اندر پلنگ اور تخت بچھائے جائیں گے ۔ ہر ایک تخت و پلنگ تین سو گز کا ہوگا اور ان کی اونچائی بہشت کے قد کے مطابق ہوگی ۔ جب بہشتی اس تخت و پلنگ پر بیٹھنا چاہے گا تو وہ خود بخود زمین پر بچھ جائے گا جس پر بہشتی بیٹھے گا تو اپنے معمول کے مطابق اونچا ہو جائے گا ۔

سوال: بہشت میں سایہ کہاں جب وہاں سورج ہی نہ ہوگا جیسا کہ قرآن میں ہے لا یرون فیھا شمسا ولا زمھریرا ۔ نہ دیکھیں گے اس میں دھوپ اور نہ ٹھنڈک ۔

جواب: اس سے نور عرش کی وجہ سے بہشت کے درختوں کے سائے مراد ہیں اور نہ اس لیے کہ اس کے نور کی چمک سے اہل بہشت کی آنکھیں چندھیا نہ جائیں کیونکہ عرش کا نور سورج کے نور سے کئی گنا زائد ہے ۔ بعض نے اس سے عرش کے قندیلوں کا نور مراد لیا ہے (حواشی ابن الشیخ)

المفردات میں ہے کہ یہاں ظل سے نعمت اور خدمت گزاری اور فارغ البالی مراد ہے ۔ چنانچہ ایک جگہ پہ فرمایا ان المتقین فی ظلال وعیون ۔ بیشک متقی لوگ سایوں اور چشموں میں ہوں گے یعنی ان کی عزت اور خدمت گاری ہوگی ۔ عرب کہتے ہیں اظلنی فلان ۔ فلاں نے میری نگرانی کی اور مجھے اپنے سایہ میں جگہ دی یعنی اپنی حفاظت وغیرہ میں لے لیا اور فرمایا ندخلھم ظلا ظلیلا ۔ اس میں بھی سایہ سے مراد بہترین اور اعلیٰ عشرت مراد ہے ۔

فائدہ: امام فخر الدین رازی نے سورۂ نساء میں لکھا ہے کہ عرب علاقے سخت گرم ہیں ۔ ان کو سایہ سے ایک اعلیٰ نعمت اور بڑی خوشی محسوس ہوتی ہے اسی لیے یہاں سایہ سے راحت کنایہ ہو تو موزوں تر ہے ۔

حدیث شریف: السلطان ظل اللہ ۔ وقت کا بادشاہ (حاکم ۔ افسر) اللہ تعالیٰ کا سایہ ہے ۔

تفسیر صوفیانہ: آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے متعلق فرمائے گا جو کونین کی طرف التفات سے فارغ اور مشاہدات الٰہیہ میں مستغرق ہوں گے کہ وہ آج شغل میں چین کر رہے ہیں وہ اور ان کے ساتھی وہ ہیں جنہیں میں نے کہا کہ میرے ہاں آجاؤ اور میرے دیدار کے مزے

لُٹو اور میری نعمتوں سے سرفراز ہو جاؤ اور میرے جمال کی لذت اُٹھاؤ کیونکہ اس سے بڑھ کر اور کوئی لذت نہیں جو سب کو نصیب ہو۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

صحبت حور نخواہم کہ بود عین قصور
با خیال تو اگر باد گرے پردازم

ترجمہ:۔ میں حور نہیں چاہتا کہ یہ بہت بڑا قصور ہے کہ تیرے خیال کے ساتھ کسی دوسرے کو خیال میں نہ لاؤں۔

اور فرمایا ع

نعیم اہلِ جہان پیش عاشقاں یک جو

ترجمہ:۔ اہل جہان کی تمام نعمتیں عشاق کی نظروں میں صرف ایک جَو کے برابر ہیں۔

لھم فیھا فاکھۃ الخ اس کا بیان ہے جس سے وہ بہشت میں چین و قرار پائیں گے یعنی وہاں کی خورد و نوش اور دیگر میوہ جات جو ظاہری جسم اور رُوح کو لذت بخشیں گے جیسا کہ اس سے پہلے ان کا ذکر تھا۔ جن سے اہل بہشت کی نشست و برخاست ہو گی اور قدسی محافل و مجالس انہیں نصیب ہوں گی اور یہ اسی شغل اور رونق بھری مجالس و محفل کی تکمیل ہے اور الفاکھۃ ہر طرح کے میوہ اور پھل کو کہا جاتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ بہشت میں انہیں ہر قسم کی بہترین اور اعلیٰ میوہ جات اور پھل فروٹ ملیں گے ان کی تعریف و توصیف ہم لوگ بیان کرنے سے قاصر ہیں اور پُر رونق اور کمال لذت ایسی کہ کسی نے دیکھی نہ سُنی جیسا کہ مروی ہے کہ بہشت کا انار ایسا کہ تمام گھر والے اسے کھائیں تو سیر ہو جائیں اور بنا پلتی ایسے محسوس ہو گی گویا حور عین کی آنکھوں کا نشانہ ہے۔

فائدہ:۔ بہشت کا پھل دنیوی پھل فروٹ سے صرف اسمی مشارکت رکھتا ہو گا ورنہ اس کی لذت سے دنیوی پھل فروٹ کو دور کی نسبت بھی نہ ہو گی۔

فائدہ:۔ اس میں اشارہ ہے کہ بہشت میں بھوک نہ ہو گی اس لیے کہ میوہ جات بھوک مٹانے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔

ولھم ما یدعون۔ اس کا جملہ سابقہ پر عطف ہے۔

سوال:۔ لھم کا اضافہ کیوں۔ ما یدّعون کا عطف فاکھۃ پر کافی ہو جاتا۔

جواب:۔ لھم کے بغیر فاکھۃ پر عطف وہم میں ڈالتا کہ ما یدّعون سے صرف وہ چیزیں مراد ہیں جو کہ فاکھۃ کے متعلقات سے ہیں حالانکہ یہاں عام ہے کہ وہ جو چاہیں گے پائیں گے اور لفظ ما سے

وہ مانگی شے مراد ہے جو عظیم الشان ہے معین ہو یا مبہم۔

ازالۂ وھم: یدّعون دراصل یدْتَعِیُوْنَ بروزن یفتعلون تھا ازدعا، نہ ازدَّعا، جو بمعنی دعویٰ کرنا ہے بلکہ یہاں مانگنا مراد ہے اور افتعال بمعنی فعل ہے۔

قاعدہ: صرفی قواعد کے مطابق یار پر ضمہ ثقیلا ... نقل کر کے ماقبل کو دیا گیا دو ساکن جمع ہوتے یاء کو حذف کیا گیا۔ یدتعون ہوا تار کو دا ... ل کر کے دال کو ذال میں مدغم کیا گیا۔ یدّعون ہوا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ سے ان کی خواہشات ہوں گی انہیں مل جائیں گی یا یہ کہ اپنے لیے جو بھی سرود و فرحت چاہیں گے بلا تاخیر پائیں گے۔

فائدہ: ابن الشیخ نے کہا کہ جو شے مانگنے کے لائق ہو گی وہ پائیں گے اور طلب کے سوا پائیں گے جیسا کہ امام (فخر الدین رازی) نے فرمایا کہ اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ وہ مانگیں گے تو ملے گا ورنہ نہیں ملے گا بلکہ معنیٰ یہ ہے کہ انہیں مانگنے تک نوبت نہ آئے گی جیسے تم سے کوئی کچھ مانگے کہ تم اسے کہو کہ تمہیں مانگنے کی ضرورت ہی کیا ہے جو جی چاہے لے لیا کرو۔ اور ادّعار بمعنی تمنّی بھی آتا ہے (تاج المصادر) میں ہے الادعاء بمعنی آرزو خواہش۔ تمنا کرنا جیسے اہل عرب کہتے ہیں ادع علی ما شئت بمعنی تمنّہ علیّ اب معنیٰ یہ ہوا کہ جس کی وہ تمنا کریں گے۔

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ بہشتی ادھر دل میں کھانے پینے کی اشیاء کا خیال کریں گے ادھر فوراً موجود پائیں گے۔

سلامٌ ۔ یہ مایدّعون سے بدل ہے گویا دراصل لھم سلام تھا یعنی انہیں سلام و تحیت نصیب ہو گا اور وہ بھی قولاً کہا جائے گا من رب رحیم۔ پروردگار مہربان کی جانب سے یعنی انہیں منجانب اللہ بواسطہ ملائکہ یا بلا واسطہ سلام پہنچائیں گے۔ اس میں ان کی تعظیم و تکریم میں مبالغہ مطلوب ہے۔

ترکیب: قولاً مصدر (مفعول مطلق) فعل کی تاکید کے لیے ہے اور وہ سلام کی صفت ہے اور جار مجرور فعل محذوف کے متعلق ہے اور محذوف سلام کی صفت ہے۔ بہتر یہ ہے کہ قولاً نعت ہے فعل اعنی محذوف کی اس سے اختصاص مطلوب ہے کیونکہ یہ مدح کا مقام ہے کہ یہ برگزیدہ قول منجانب پروردگار ہے اور یہ اس لائق ہے کہ اسے معظم و مکرم سمجھا جائے۔

حدیث شریف: اہل جنت نعمتوں میں مصروف ہوں گے اچانک نور چمکے گا جسے دیکھنے کے لیے سر اٹھائیں گے تو اوپر سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ السلام علیکم یا اہل الجنۃ اے جنتیو! تم پر سلام۔ سلام قولا من رب رحیم۔ اسی کی طرف اشارہ ہے اس وقت اہل جنت

اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے اور وہ انھیں نظر کرم سے نوازے گا۔ جب تک اللہ تعالیٰ کے دیدار سے سرشار رہیں گے جنت کی نعمت کو خیال میں نہ لائیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان سے محجوب ہو جائے گا تو پھر اس کی برکت اور نور ان کے یاں باقی رہے گا۔ ؎

سلامت دوست شنیدن سعادتست و سلامت
بوصل یار رسیدن فضیلت است و کرامت

ترجمہ:۔ دوست کا سلام سننا سعادت و سلامتی ہے۔ دوست کے وصال کو پانا فضیلت و بزرگی ہے۔

فائدہ:۔ کشف الاسرار میں ہے کہ سلام ایزدی کا معنیٰ یہ ہے کہ اے میرے بندو میں نے تمھیں جہنم کی آگ اور جدائی سے بچایا اور رحمت کا معنیٰ یہ ہے کہ میں نے تمھیں اپنی رحمت سے ایسی قوت و طاقت بخشی کہ جس سے تم نے بلا واسطہ میرا کلام سنا اور دیدار سے سرشار ہوئے کہ تمھیں وحشت و حیرت بھی نہیں ہوئی۔

تفسیر صوفیانہ:۔ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ بندوں کو بلا واسطہ سلام فرمائے گا اسی لیے لفظ رب کی تصریح فرمائی تاکہ معلوم ہو کہ اس کا یہ سلام کسی سفیر و قاصد کے ذریعہ نہ ہوگا اور رحیم میں اشارہ ہے کہ سلام کے وقت دیدار کی دولت سے بھی سرفراز فرمائے گا تاکہ نعمت کی تکمیل ہو۔

نکتہ:۔ حقائق البقلی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا سلام بندوں پر ازل سے ابد تک ہر وقت جاری ہے لیکن قیامت میں اتنا مزید فضل و کرم ہوگا کہ درمیانی حجابات ہٹا دے گا جس پر بندے اس کے دیدار سے بھی سرشار ہوں گے اور اپنے کانوں سے بلا واسطہ اس کا کلام سنیں گے ؎

سلامت من دل خستہ در سلام تو باشد
زہے سعادت اگر دولت سلام تو یابم

ترجمہ:۔ مجھ دل خستہ کی سلامتی تیرے سلام میں ہے۔ میری بڑی سعادت ہو گی اگر سلام کے ساتھ تجھے بھی پالوں یعنی تیرے دیدار سے سرفرازی پاؤں۔

فائدہ:۔ بندگانِ ضعیف پر اللہ تعالیٰ کا سلام دو طرح ہے:۔

۱۔ بلا واسطہ ۲۔ بالواسطہ

اور یہ دوسرا یعنی بالواسطہ وسلام کا وسیلہ محبوب خدا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ چنانچہ فرمایا اذجاءك الذين يؤمنون باياتنا فقل سلام عليكم۔ جب تمھارے پاس وہ لوگ

آئیں جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں تو تم اے حبیب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہیں السلام علیکم سے نوازیئے اور انہیں خوشی سناد یجئے کہ کَتَبَ رَبُّکُمْ عَلٰی نَفْسِہِ الرَّحمۃ۔ تمہارے پروردگار نے تم پر رحمت فرمانے کا ذمہ فرمایا ہے۔ پھر جب بندے پر موت کا وقت آجاتا ہے تو اس وقت ملک الموت کو حکم ہوتا ہے اے فرشتہ موت چونکہ تو میرا فرستادہ ہے میرے بندے کی موت سے پہلے اسے رحمت کے شربت کا گلاس پلا اور اس دل خستہ پر مرہم رکھ اور اسے میری طرف سے سلام کہہ اور مکمل نعمت سے اسے نواز۔ اسی طرف اشارہ ہے تحیتھم یوم یلقونہ سلام و اعدلھم اجراً کریما اور ان کی ملاقات کے وقت کہا جائے گا تم کو سلام اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بہترین اجر تیار کر رکھا ہے۔ جب عزرائیل علیہ السلام کے ساتھی فرشتے اس بندے پر ایسا انعام واکرام دیکھیں گے تو کہیں گے سلامٌ علیکم ادخلوا الجنۃ بما کنتم تعملون۔ تم پر سلام ہو بہشت میں داخل ہو جاؤ یہ اس کا بدلہ ہے جو تم عمل کرتے تھے۔ اے میرے بندے تو نے خوش ہو کر جان جانِ آفرین کو سپرد کی ہے فلہذا ہماری طرف سے تمہیں صد درود وصد سلام ہوں۔ خوش ہو کر بہشت میں قدم رکھ اور یہ سب کچھ تیرا ہے یہ تمام دولت تجھ پر ہم نے انعام کی ہے۔ جب بندہ حساب وکتاب سے فراغت پا کر بہشت میں آئے گا تو ملائکہ اس کا استقبال کرتے ہوئے کہیں گے سلام علیکم طبتم فادخلوھا خالدین تم پر سلام اور خوش رہو اور بہشت میں داخل ہو کر ہمیشہ اسی میں رہو۔ اس کے بعد بندۂ خدا اپنے محل ومکان میں آرام کرے گا اس پر فرشتگان مبارکباد دینے کے لیے اس کے محل کے دروازہ پر کھڑے ہو کر کہیں گے سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار۔ تم پر سلام ہو یہ اس کا بدلہ ہے جو تم نے صبر کیا اور یہ بہت بڑی اچھی دار ہے۔ جب بندہ ملائکہ کے سلام اور ان کی گفتگو سے فراغت پائے گا تو نہایت عجز وانکساری سے دیدار الٰہی کی آرزو کرے گا اور عرض کرے گا ؎

اے معدن ناز من این نیاز من تا کے
اے شغل جان من این شغل جان من تا کے

ترجمہ:- میرے ناز کے خزانے یہ میری نیاز کب ختم ہو گی۔ اے میری جان کا شغل یہ میری جان کا شغل کب تک۔

اے ہمراز دل من این انتظار دل من تا کے
اے ساقی سر من این تشنگی من تا کے

ترجمہ:- اے میرے دل کے ہمراز میرے دل کا انتظار کب تک۔ اے میرے راز کے ساقی یہ میری پیاس کب تک۔

اے مشہود جان من ایں خبر پرسیدن من تاکے
خدا وندا کہ دیدار بنمائی تاکے

ترجمہ:۔ اسے میرے دل کے مشہود یہ خبر پوچھنا کب تک۔ اے اللہ تو عرفا کے دل میں تیرا ذکر جاگزیں ہے اور مشتاقوں کی نگاہوں میں تو یگانہ ہے بلکہ تو اپنی ذات میں یگانہ۔ کون ہے جو دیدار کر سکے لیکن تیرا کرم ہے کہ تو دیدار سے نوازتا ہے اور بندے کو سلام و کلام کا اعجاز بخشتا ہے اور خاص جلوؤں سے متجلی ہو کر فرماتا ہے سلام علیکم یا اھل الجنۃ۔ اے بہشتیو تم پر سلام ہو سلام قولا من رب رحیم کا یہی مطلب ہے۔

فائدہ:۔ سات اعضاء کو مخصوص ثواب سے نوازا جائے گا:۔

۱۔ ہاتھوں کے لیے ہے یتنازعون فیہا کاسًا۔ بہشت میں ہاتھوں ہاتھ پیالے لیں گے۔
۲۔ پاؤں کے لیے ادخلوھا بسلام۔ بہشت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔
۳۔ پیٹ کے لیے کلوا واشربوا ھنیئًا۔ خوشگوار ہو کر کھاؤ پیو۔
۴۔ فرج کے لیے ازواج وَحُوْرٌ عِیْنٌ۔
۵۔ آنکھوں کے لیے وتلذ الاعین اور آنکھیں لذت پائیں گے۔
۶۔ کانوں کے لیے سلام قولا الخ
۷۔ زبان کے لیے واٰخر دعوٰھم ان الحمد للہ رب العٰلمین۔ اور ان کی آخری بات ہو گی اللہ رب العالمین کے لیے حمد و ثنا ہے۔

تفسیر عالمانہ:۔ وامتازوا:۔ یہ ماز ہٗ عنہ۔ یمیزہ میزا بمعنی عزلہ ونحاہ۔ فامتاز سے ہے (اسے علیحدہ کیا تو نکھر گیا) التمیز بمعنی متشابہات کے درمیان فرق کرنا۔

فائدہ:۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قیامت میں کفار و اہل ایمان اور مخلص و منافق اکٹھے اٹھیں گے۔ اس کے بعد ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ویوم تقوم الساعۃ یومئذ یتفرقون (اور قیامت قائم ہو گی تو اس دن لوگ متفرق ہوں گے) برُے لوگوں کے حال کا اچھے لوگوں کے حال پر عطف ہے۔ طریقہ کی تبدیلی ان دونوں کی ذات و احوال کے تباین کی وجہ سے ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا عطف فعل مضمر پر ہو اس میں اہل جنت کے حال کو ظاہر کرنا ہے گویا ان کے اشغال عظیمہ اور کامیابی عظیم اور بڑے انعامات کے ذکر سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی اور دشمنوں

کے دل جلیں گے اسی لیے فرمایا جائے گا علیٰحدہ ہو جاؤ۔ الیوم آج یعنی قیامت اور فیصلے اور جزا کے دن ہیں۔ ایھا المجرمون۔ اے مجرمو چلو اپنے ٹھکانے پر یعنی دوزخ میں چلے جاؤ۔ اس میں طرح طرح کے عذاب پاؤ۔ بہشت کے بجائے آگ کے شعلوں میں جاؤ اور بجائے نعمتوں اور راحتوں کے عذاب میں پڑ جاؤ۔

خلاصہ آیت:۔ اے مشرکو! اہل توحید سے اور اے منافقو! مخلصوں سے علیٰحدہ ہو جاؤ اس لیے کہ قید خانے میں دشمنوں کو ڈالا جاتا ہے اور باغات میں دوستوں کو رکھا جاتا ہے۔

فائدہ:۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اے کافرو اس اُمید سے مایوس ہو جاؤ جبکہ تم پُراُمید تھے کہ بھلائی نصیب ہو گی یا معنیٰ یہ ہے کہ اے کافرو دوزخ میں اپنی اپنی جگہ میں چلے جاؤ کیونکہ ہر کافر کے رہنے کی علیٰحدہ علیٰحدہ جگہ مقرر ہو گی۔ اس کے بعد دوزخ کے دروازے بند ہو جائیں گے پھر وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے نہ وہ کسی کو دیکھ سکیں گے نہ انہیں کوئی دیکھے گا بخلاف اہل ایمان کے وہ ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر گزاریں گے۔

فائدہ:۔ دوستوں اور پیارے یاروں سے جدا ہو جانا سب سے بڑا عذاب متصور ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ:۔ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ قیامت میں کافر و مومن کا امتیاز یوں ہو گا کہ اہل ایمان کے چہرے سفید اور کفار کے چہرے سیاہ ہوں گے اور اہل ایمان کو عمل نامے سیدھے ہاتھ میں دیئے جائیں گے اور اہل کفر کو بائیں ہاتھ میں اور اہل ایمان کے اعمال کے ترازو بوجھل ہوں گے اور کافروں کے ترازو ہلکے اہل ایمان نور (روشنی) میں اور کافر تاریکی میں ہوں گے۔ اہل ایمان پلصراط پر ثابت قدم ہوں گے اور کافروں کے قدم ڈگمگا جائیں گے وغیرہ وغیرہ۔

فائدہ:۔ چار گروہ دوزخ سے کبھی نہیں نکالے جائیں گے:۔

۱۔ متکبر ۲۔ فرقہ معطلہ ۳۔ منافق ۴۔ کافر

ان تمام کو لفظ مجرم سے تعبیر کیا گیا ہے چنانچہ فرمایا وَامْتَازُوا الْیَوْمَ اَیُّھَا الْمُجْرِمُوْنَ۔ علیٰحدہ ہو جاؤ اے مجرمو جو دوزخ کے اہل ہوں گے انہیں جہنم کی آگ میں تباہ و برباد کیا جائے گا اور وہ یہی چار گروہ ہیں جو جہنم سے ہرگز نہیں نکالے جائیں گے اور دائماً دوزخ میں رہیں گے۔

سوال:۔ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ چار گروہ ہوں گے۔

جواب:۔ یہ قرآن مجید کی آیت سے ثابت ہوا وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس لعین کے متعلق فرمایا ہے کہ جب اس نے اولاد آدم کو گمراہ کا اعلان کیا تو کہا تھا کہ لَاٰتِیَنَّھُمْ مِّنْ بَیْنِ اَیْدِیْھِمْ الخ

اور یہ ظاہر ہے کہ ابلیس کے بغیر گمراہی کا واسطہ کوئی نہیں۔ اس کے سامنے کی طرف سے گمراہ ہونے والے مشرک ہوں گے اور داہنی طرف سے گمراہ ہونے والے متکبر ہوں گے اور بائیں طرف سے گمراہ ہونے والے منافق ہوں گے اور پیچھے کی طرف سے گمراہ ہونے والے معطلہ فرقہ ہوگا۔

نکتہ:۔ مشرک کو آگے سے آنے کی وجہ یہ ہے کہ مشرک کے آگے جہت غیبیہ ہے جس سے وہ وجود باری تعالیٰ ثابت کرتی تھی اس سے اسے انکار کی گنجائش نہ تھی لیکن ابلیس نے اس سے شرک کا ارتکاب کیوں کرایا کہ اسے کوئی ایسی شے دکھائی جس سے وہ شرک کر بیٹھا اور متکبر کو دائیں جانب سے اس لیے آیا کہ جانب یمین میں ایک خصوصی قوت ہے اس کی وجہ سے متکبر کو تکبر لائق ہوا اور منافق کو بائیں جانب اس لیے آیا کہ یہ ضعیف جہت ہے۔ اور منافق بھی بہ نسبت دوسرے گروہوں کے ضعیف تر ہے۔ اس لیے وہ جہنم کے نچلے طبقے میں ہوگا اور عملنامہ بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ اور فرقہ معطلہ کو پیچھے سے اس لیے آیا کہ پچھلی جانب کسی قطار میں نہیں۔ یہ چاروں مراتب ان چار گروہوں کو نصیب ہوئے اور جہنم میں ان پر ایک کے لیے علیحدہ علیحدہ دروازہ ہے جو صرف ان کے لیے ہے۔ یہیں سے ہی ان کے عذاب کے مراتب شروع ہوں گے۔ ان چاروں دروازوں کو جہنم کے ساتویں دروازے پر ضرب دی جائے تو ان کے عذاب کی اٹھائیس منزلیں بنتی ہیں۔ چاند اور دوسرے ستاروں کی منزلوں کے مطابق ان کی منازل ٹھہرتی ہیں۔

تفسیر عالمانہ: اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ۔ کیا اے بنی آدم میں نے عہد نہیں لیا تھا۔ یہ وہ جملہ ہے جو قیامت میں کفار و مجرمین کو اہل ایمان سے علیحدہ کرنے اور دوزخ میں داخلہ سے پہلے بطور الزام و تبکیت کہا جائے گا۔

فائدہ:۔ عہد و وصیت وہ کام جو وقوع سے پہلے کہ جس میں اس کی خیر و بھلائی اور نفع ہو۔ اس سے وہ اوامر و نواہی مراد ہیں جو رسل کرام علیہم السلام کے ذریعہ سے جن کا بندگان خدا کو مکلف بنایا گیا ہے منجملہ ان کے یابنی ادم لا یفتننکم الشیطن کما اخرج ابویکم من الجنۃ۔ اے بنو آدم تمہیں شیطان فتنہ میں نہ ڈالے جیسے تمہارے ماں باپ کو بہشت سے نکالا۔ اور فرمایا ولا تتبعوا خطوات الشیطن انہ لکم عدو مبین شیطان کے قدموں پر مت چلو کیونکہ وہ تمہارا دشمن ہے۔ اس طرح کی دیگر وہ آیات جو اس مضمون میں وارد ہوئی ہیں اور بنو آدم سے یہاں پر مجرم مراد ہیں۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ کیا میں نے تمہارے ساتھ وعدہ نہیں کیا اور نہیں فرمایا تھا کہ ان لا تعبدوا الشیطان۔

اَنْ مفسرہ ہے اس عہد کی تفسیر ہے جس میں امر دنہی مراد ہے یا مصدریہ ہے اس وقت حرف جارہ محذوف ہے۔ اَب معنیٰ یہ ہوا کہ کیا میں نے تم سے وعدہ نہیں لیا تھا کہ شیطان کی پرستش نہ کرنا اور عبادۃ الشیطان سے غیر اللہ کی عبادت مراد ہے اس لیے کہ شیطان کی پرستش کوئی نہیں کرتا اور نہ ہی کسی سے منقول ہے کہ دور سابق میں کسی نے اس کی عبادت کی ہو۔ ہاں عبادت اس کی طرف اس لیے منسوب ہوئی کہ وہ غیر اللہ کی عبادت کی ترغیب کرتا اور سنگارتا ہے اور اس کے وسوسہ سے اور بہلاوے پر بندے گمراہ ہوتے ہیں اس کے ورغلانے اور اطاعت کو عبادت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اسے عبادت سے مشابہت بھی ہے کہ اطاعت والقیاد دونوں تعظیم پر دلالت کرتی ہیں اور یہ عبادتِ الٰہی سے تنفیر وتحقیر کا سبب اور یہ عبادتِ الٰہی کے بالمقابل ہے۔

فائدہ:۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول من اطاع شیئا عبدہ۔ جو کسی کی اطاعت کرتا ہے تو گویا وہ اس کی عبادت کرتا ہے۔ مذکورہ بالا تقریر دوسری آیت سے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا افرأیت من اتخذ الٰھہ ھواہ۔ کیا تم نے اسے نہیں دیکھا جس نے اپنی خواہش کو معبود بنا لیا۔ اَب آیت کا معنیٰ یوں ہوا کہ شیطان کے کہنے پر بتوں کی پرستش نہ کرو انہ لکم عدو مبین۔ بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ یعنی وہ تمہارے ساتھ کھلی دشمنی رکھتا ہے اس کا ارادہ ہے کہ تم اپنی فطرت سے ہٹ جاؤ اور جس خدمت کے تم مامور ہو اس سے دُور ہو جاؤ یہ منہی عنہ سے رکنے کے وجوب کی تعلیل ہے۔

فائدہ:۔ شیطان کی اولادِ آدم سے عداوت اس وقت سے ہوئی جب سے حضرت آدم علیہ السلام کو بارگاہِ حق سے عزت ملی۔

سبق:۔ عاقل وہ ہے جو اس کے کہنے پر نہیں چلتا اگرچہ وہ اسے بہتر سے بہتر راہ دکھانے کا دعویٰ کرے کیونکہ دشمن کے دھوکہ کی کوئی خبر نہیں اور یاد رکھیے کہ خیر خواہ کی طمانچہ دشمن کی خاطر تواضع سے بہتر ہے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ جب دشمن کے تمام حیلے ختم ہوتے ہیں تو پھر وہ دوستی کے ذریعہ لڑتا ہے۔ پھر وہ نقصانات پہنچاتا ہے جو دشمن سے بھی نہ ہو سکیں ؎

حذر کن زانچہ دشمن گوید آن کن
کہ بر زانو زنے دست تغابن

ترجمہ:۔ دشمن کی اس بات سے ڈر کر جس کے لیے وہ کہے کہ یہ کام کرو کیونکہ بعد کو افسوس سے ہاتھ گھٹنوں پر مارو گے۔

گرت راہے نماید راست چوں تیر
ازاں برگرد و راہ دست چپ گیر

ترجمہ:۔ جب وہ سیدھا راستہ تیر کی طرح دکھائے تو تم اس راہ کو چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کر دے۔[1]

نکتہ:۔ بعض اکابر مشائخ نے فرمایا کہ شیطان کی دشمنی بہ نسبت آدم (علیہ السلام) کے اولاد آدم سے زیادہ ہے اس لیے کہ بنو آدم پانی سے پیدا ہوئے اور ابلیس آگ سے اور پانی اور آگ کو آپس میں سخت عداوت ہے بخلاف آدم (علیہ السلام) کہ ان کی تخلیق آب و گل ہے اور گل میں خشکی ہے اور اسے آگ سے معمولی طور مناسبت بھی ہے اسی لیے آدم (علیہ السلام) ابلیس کی قسم پر اعتماد کر بیٹھے۔ جب اس نے بہشت میں پہنچ کر قسم کھاتے ہوئے ناصحانہ باتیں کیں اور اولاد آدم سے اس کی تصدیق کہیں سے ثابت نہیں اس لیے کہ یہ اس کے کلی طور ضد ہیں اسی لیے ابلیس کی دشمنی ان سے شدید تر ہے۔

نکتہ:۔ دشمن بظاہر ہمارے آنکھوں سے اوجھل ہے لیکن شریعت نے اس کی دشمنی کی علامات بتائی ہیں اسی لیے ہمیں ان علامات سے اس کی دشمنی سے آگاہ رہنا لازمی ہے پھر جب ہم تم ان علامات کے کاربند ہوں گے تو اللہ تعالیٰ غیب سے ہماری مدد فرمائے گا جس سے ہم اپنے دشمن پر غالب ہو جائیں گے۔

تفسیر صوفیانہ:

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں سے بہت بڑا پیار اور ان پر بہت بڑی رافت و شفقت ہے کیونکہ ان کو جھڑکتا ہے تو ایسے جیسے محبوب کو جھڑکا جاتا ہے اور نصیحت فرماتا ہے تو مشفقانہ اور ان کا اکرام و اعزاز فرماتا ہے اور واضح فرماتا ہے کہ تم بڑے مرتبہ و شان والے ہو کر شیطان کی پرستش کیوں کرتے ہو اور بتاتا ہے کہ تم میرے ہاں بہت بڑے محترم و معظم ہو۔ اور جہاں شیطان کو اپنا دشمن بتایا ہے وہاں بنی آدم کو کہا کہ وہ تمہارا بھی دشمن ہے اور بنی آدم کو فرمایا کہ تم میرے اولیاء و احباب ہو اور ان کے مجرمین کو خطاب فرمایا تو ناصح و عذر قبول کرنے والے کی طرح چنانچہ فرمایا الم اعہد الیکم یعنی کیا میں نے تمھیں نصیحت نہیں فرمائی اور خبر نہیں دی کہ شیطان بڑا مکار اور خائن اور وہ تمہارا دشمن ہے اور تم بڑی شان والے ہو کر اس خبیث اور کمینے ملعون کی پرستش کیوں کرتے ہو۔

---

[1] جیسے انگریز نے ہمارے ساتھ کیا ۱۲

تفسیر عالمانہ: وان اعبدونی۔ اور یہ کہ تم صرف میری ہی عبادت کرو۔ کیونکہ تمہارے اعلیٰ شان والوں کو میرے جیسے بلند شان والے معبود کی عبادت کرنی چاہیئے کیونکہ صرف میں ہی عزیز و غفور ہوں اور میں نے تمہیں صرف اپنے لیے اور جملہ مخلوق کو صرف تمہارے لیے پیدا فرمایا ہے اور میں نے صرف تمہیں ہی اعزاز بخشا ہے کہ ملائکہ مقربین اور عباد مکرمین کو تمہارا ساجد بنا دیا۔

فائدہ: اس جملہ کا عطف **ان لا تعبدوا** الخ پہ ہے اور اس کا اَنْ وہی ہے جو **ان لا تعبدوا** کا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ صرف میری واحد ذات کو عبادت کا مستحق سمجھو اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔

نکتہ: نہی (اما تعبدوا) کی امر (اعبدونی) پر تقدیم اس لیے ہے کہ تخلیہ پہلے ہوتا ہے تجلیہ بعد کو۔ دوسرا **ھذا صراط مستقیم** کو قریب تر **اعبدونی** ہے کیونکہ اس میں اشارہ ہے کہ صراط مستقیم توحید و اسلام ہی ہے اور **لاقعدان لھم صراطک المستقیم** کا اصلی مقصود بھی یہی ہے اور صراط مستقیم کی تنکیر تفخیم کی ہے۔

تفسیر صوفیانہ: حضرت البقلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان سے صراط مستقیم کی طلب اس لیے ہے کہ ان کی فطرت میں قبول طاعت کی استعداد ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ میری عبادت کرو تو میری قوت سے نہ کہ اپنی طاقت سے یہی صراط مستقیم ہے۔ اس طرح سے عباد کی عبودیت کا سلسلہ ہمیشہ تک منقطع نہ ہوگا اور نہ ہی اس میں ٹیڑھا پن کو کوئی دخل ہوگا اور نہ کبھی پریشانی کا سامنا کرنا پڑے گا اور مسلمانوں میں ہر مسئلہ اختلافی ہو سکتا ہے لیکن **لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ** میں کسی کو اختلاف نہیں ہوا اور نہ ہی یہ اختلاف کے قابل ہے[1] کیونکہ اس کا معنیٰ و مطلب متحقق ہے اسی لیے اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا۔

نکتہ: جناب الواسطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ کی عبادت اپنی خاطر کرتا ہے تو سمجھو وہ

---

[1] یہ سچے مسلمانوں کے متعلق ہے ورنہ ہمارے دور میں دو ٹولیاں ایسی ہیں جن سے اختلاف صادر ہو رہا ہے ایک گروہ **لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ** کے بجائے **احمد رسول اللہ** کا قائل ہے اس سے غلام احمد قادیانی مراد لیتے ہیں دوسرا گروہ علی ولی اللہ کے اضافہ کا قائل ہے ایک اور گروہ پیدا ہوا جو کہتا ہے کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کسی آیت یا صحیح مرفوع حدیث سے ثابت نہیں۔ (اویسی غفرلہٗ)

اپنی ہی عبادت کر رہا ہے حالانکہ جو عبادت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے کرتا ہے اسے پروردگار کی معرفت حاصل نہ ہوئی۔ ہاں جو عبادت اس نظریہ سے کرتا ہے کہ عبودیت فطرۃ الربوبیت کا جوہر ہے تو سمجھو یہی حق ادا کر رہا ہے۔

فائدہ :۔ علامات العبودیت کی ایک نشانی ہے کہ بندہ کو دعویٰ عبادت نہ ہو اور مصائب برداری کا حامل اور مولیٰ کی محبت میں یکتا اور حفظ الحدود اور وفاء بالعهود کا خوگر اور محنت کے وقت کا شکوہ اور نعمت کے وقت معصیت اور طاعت کے وقت غفلت ترک کرنے والا ہو۔

مسئلہ :۔ بعض مشائخ نے فرمایا عبادت میں انانیت کو دخل نہ ہو کیونکہ انانیت عبودیت کی ضد ہے اسی لیے مشائخ نے فرمایا کہ سالک کے دل سے سب سے آخر میں حب جاہ خارج ہوتی ہے۔

سبق :۔ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو سمجھایا ڈرایا دھمکایا لیکن مجرمین نے کان تک نہ دھرا کسی قسم کی نصیحت قبول ہی نہ کی نہ ہی اس کے اوامر کی قدر کی اور نہ ہی نواہی سے رکے بلکہ شیطان کے حکم کے پابند ہوئے اور اس کے اغواء کو قبول کیا۔ عاقل وہ ہے کہ صلح کے طریق کو اختیار کرے اور جنگجوئی کو ترک کرے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

نہ ابلیس در حق ما طعنہ زد
کز ایشان نیاید بجز کار بد

ترجمہ :۔ کیا ابلیس نے ہمارے حق میں طعنہ نہیں مارا تھا کہ انسانوں سے سوائے خطا کے کچھ نہ ہوگا۔

فغاں از بدیہا کہ در نفس ماست
کہ ترسم شود ظن ابلیس راست

ترجمہ :۔ ان برائیوں سے فریاد جو ہمارے میں ہے میں ڈرتا ہوں کہ خدا نہ کرے کہ اس کا گمان صحیح نکلے۔

چو ملعون پسند آمدش قہر ما
خدایش بر انداخت از بہر ما

ترجمہ :۔ جب ابلیس کو ہمارے اُوپر قہر و غضب چاہا تو اللہ تعالیٰ نے صرف ہماری خاطر اسے اپنی درگاہ سے باہر پھینک مارا۔

کجا بر سر آئیم ازیں عار و ننگ
کہ با او بصلحیم و باحق بجنگ

ترجمہ:۔ میں اس عار ونگ سے گھبرا رہا ہوں کہ ہم اس کے ساتھ صلح کی کر رہے ہیں اور وہ جنگ میں ہے۔

نظر دوست تا در کند سوئے تو
کہ در روئے دشمن بود روئے تو

ترجمہ:۔ جب تک دوست کی نگاہ میری طرف ہے تو پھر دشمن کیسے ہمیں نظر اٹھا کر دیکھ سکتا ہے۔

ندانی کہ کمتر نہد دوست پائے
چو بیند کہ دشمن بود در سرائے

ترجمہ:۔ یہ بھی تمھیں معلوم ہے کہ دوست وہاں قدم نہیں رکھتا جہاں دشمن رہائش پذیر ہو۔

نیز بطریق اشارہ فرمایا ؎

نہ مارا درمیان عہد و وفا بود
جفا کردی و بد عہدی نمودی

ترجمہ:۔ کیا ہمارے اور اس کے درمیان عہد وفا نہیں ہے لیکن تو نے ظلم اور بد عہدی کی ہے۔

ہنوزت از سر صلحت باز آی
کز اں محبوب تر باشی کہ بودی

ترجمہ:۔ اب بھی اگر تجھے صلح کا خیال ہے تو آجائیں تمھیں پہلے کی طرح محبوب رکھوں گا۔

تفسیر عالمانہ:۔ ولقد اضل منکم جبلا کثیرا (اور اس نے تمھارے سے بہتوں کو گمراہ کیا۔ یہ قسم محذوف کا جواب اور خطاب بنو آدم کو ہے۔ الارشاد میں ہے کہ یہ مستانفہ اور زجر و توبیخ کی تشدید و تاکید کے لیے ہے اَب بتانا یہ ہے کہ ان کی غلطیاں نقص عہد کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کے علاوہ وعظ نہ قبول کرنا بھی ہے باوجودیکہ آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں کہ اُمم سابقہ پر شیطان کی اتباع سے ان کو کتنا غضب و قہر کی مار ملی اور یہ خطاب اُمم سابقہ کے بعد والوں کو ہے جن میں کفار مکہ بھی ہیں اور انھیں خطاب سے اس لیے مخصوص کیا گیا کہ یہ غلطیوں میں اپنے اسلاف سے دو قدم آگے بڑھ گئے۔

حل لغات:۔ الجبل (بکسر الجیم و تشدید اللام) بمعنی الخلق یعنی مخلوق چونکہ جبلؒ سے عظم کا تصور ہوتا ہے اسی لیے اس کا اطلاق بہت بڑی جماعت پر ہوتا ہے اور جبل (پہاڑ) کے عظم سے مشابہت کی وجہ سے اسے جبلؔ کہا جاتا ہے اور اضلال کا اسناد شیطان کی طرف مجازًا ہے کیونکہ وہی ان کی گمراہی کا سبب ہے جیسے دوسرے مقام پہ فرمایا (رب انھن اضللن کثیرا من

الناس ؑ ۔ اے رب بیشک بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا) ورنہ اضلال وارشاد و اغوا در حقیقت اللہ تعالیٰ کے صفات ہیں جیسا کہ حضور سرورِ عالم نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔

بعثت داعیا مبلغا ولیس الیّ من الهدی شئی وخلق ابلیس مزینا و
لیس الیه من الضلالة شئی (روح البیان ص۲۳۷)

ترجمہ: میں داعی و مبلغ بھیجا گیا ہوں ہدایت میرے ہاتھ میں نہیں اور ابلیس کو برائی سنگار نے والا بنایا گیا ہے اور گمراہی اس کے ہاتھ میں نہیں۔

اَب معنیٰ یہ ہوا کہ شیطان نے تمہارے سے بہت سی مخلوق کو گمراہ کیا یعنی ان کی گمراہی کا سبب بنا کہ انہیں اس سیدھے راستے سے ہٹادیا جس کا میں نے حکم فرمایا کہ اس پر ثابت قدم رہو تو جیسے امم سابقہ کو بدکرداریوں کی سزا ملی تمھیں بھی اپنے کرتوتوں کی ایسی سزا ملے گی جسے زمانہ دیکھے گا اور تمھاری داستانیں رہتی دنیا تک باقی رہیں گی ۔

فائدہ: بعض مفسرین نے اس کا معنیٰ لکھا ہے کہ اے بنو آدم تم شیطان کی عبادت کیوں کرتے ہو اور اس کے تابع فرمان کیوں ہوتے ہو جبکہ تم دیکھ اور سن چکے ہو کہ تمھارے سے پہلے لوگوں سے بہت سے ایسے ہو گزرے ہیں کہ انہیں بھی اس نے گمراہ کیا اور وہ سیدھے راستے سے ایسے بھٹکے کہ انھیں ہمیشہ تک بہشت سے محرومی نصیب ہوئی حالانکہ بہشت تو بنی آدم کا اپنا گھر تھا ۔

افلم تکونوا تعقلون (تو کیا تم سمجھتے نہیں) فاء عاطفہ اس کا فعل مقدر پر عطف ہے جیسا کہ مضمون کا تقاضا ہے ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ کیا تم سابقہ اُمم کے حالات کے مشاہدہ کے باوجود سمجھتے نہیں ہو کہ وہ ابلیس کی طاعت و گمراہی سے کس طرح بُرے عذابوں میں گرفتار ہوئے یا معنیٰ یہ ہے کہ تم کسی طرح بھی نہیں سمجھتے کیا اُس وقت سمجھو گے جب پانی سر پر آجائے گا اور سخت عذاب میں ہو گے ابھی سے کیوں نہیں سمجھتے تا کہ تم پر ایسی مصیبت عذاب نازل نہ ہو ۔

فائدہ: حضرت کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ترجمہ لکھا کہ اے بنو آدم تم سمجھتے کیوں نہیں کہ اس خبیث کے پھندے میں گرفتار ہوتے جارہے ہو ۔ کشف الاسرار میں ہے کہ استفہام میں انتباہ ہے کہ اے بیوقوفو! تم اپنی عقل سے فائدہ کیوں نہیں اُٹھاتے اسے استعمال کرکے دائمی نعمتوں سے بہرہ ور ہو جاؤ ۔

ؑ پ۱۳ سورۃ ابراہیم ع ۔ اس آیت میں اضلال کا اسناد اصنام کی طرف مجازاً ہے ۱۲ ۔

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عقل کو تین حصوں پر منقسم فرمایا جس میں اس کا کوئی حصّہ ہوگا وہی عاقل ہے اور وہی سمجھتا ہے کہ معرفت الٰہی کتنا حسین ہے یعنی ایسا شخص اپنے ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا اور ہر امر اس کی طرف سونپتا اور صرف اسی کی فرمانبرداری کرتا ہے اپنے ہر سانس اور ہر حال کو اسی کے تابع بناتا ہے اور ہونا بھی ایسے ہی چاہیئے کہ اپنا ہر امر دنیوی و اُخروی اسی کی مشیت کے مطابق ڈھالے اور طاعت الٰہی میں ذرہ بھر کمی و خامی نہ کرے اور اس کی ہر دی ہوئی مصیبت پر سر تسلیم خم کر کے صبر کرے یہاں تک کہ اپنے دل میں معمولی سی جھلک بھی نہ آنے دے [1]۔

تفسیر صوفیانہ:۔ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ شیطان نے تمھارے میں بہتوں کو میرے سید ھے راستے یعنی عبادت سے ہٹایا اور میری قربت وحضوری سے دھکیلا۔

افلم تکونوا تعقلون۔ تو کیا نہیں سمجھتے کہ حق کی طرف رجوع کرنا باطل کے انہاک سے درجہا بہتر ہے تو پھر اپنے نفسوں پر کیوں ظلم ڈھا رہے ہو۔ اپنے پروردگار کی طرف لوٹ آؤ۔

فائدہ:۔ جان لو کہ عقل نور ہے اس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے جیسا کہ حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی شریف میں فرمایا ؎

گر بصورت وا نماید عقل رو
تیرہ باشد روز پیش نور او

ترجمہ:۔ اگر عقل اس ظاہری دنیا میں اپنا چہرہ کھولے تو یہ سورج اس کی روشنی سے بے نور ہو جائے۔

در مثال احمقی پیدا شود
ظلمت شب پیش رو روشن شود

ترجمہ:۔ اگر احمقی اپنی صورت میں آجائے تو شب کی تاریکی بھی اس سے روشن تر دکھادے گی۔

اندک اندک خوئے کن با نور روز
ورنہ خفاشی بمانی بے فروز

ترجمہ:۔ روز روشن کے ساتھ تھوڑا تھوڑا قریب ہوتا جا ورنہ چمگاڈر کی طرح اندھا رہ جائے گا۔

عقل کل را گفت ما زاغ البصر
عقل جزئی می کند ہر سو نظر

---

[1] دار الاصول ۱۲

ترجمہ :۔ عقل کل (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) تو اسی لیے ما زاغ البصر کا لقب عطا فرمایا ورنہ عقل جزی تو ہر طرف دیکھنے کا عادی ہے۔

فائدہ :۔ احمق جاہل اور گمراہ مطلق تو ہر وقت شیطان کا کھلونا بنا رہتا ہے وہ اسے جہاں چاہے لے جاتا ہے اگر وہ حقیقت حال کو معلوم کرلے اور سمجھے کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام ملکوں کا مالک اور ہر شے سے بلند و بالا ہے اور اسے توحید کا راستہ نصیب ہو تو وہ اسی وقت سے حفاظتِ الٰہی میں آ جائے کیونکہ توحید ہی ایک محفوظ قلعہ ہے جو اس میں داخل ہوا تو وہ دشمن خبیث کے مکر و فریب سے محفوظ ہو گیا اور جو اس قلعہ کے باہر سے نجات کا طالب ہے تو وہ جلد تر تباہ و برباد ہو گا بلکہ آفات و بلیات کا لقمہ بن جائے گا جس نے اپنے آپ کو بیکار بنا دیا اور کسی امر کی طرف بھی متوجہ نہ ہوا تو وہ پاگل ہے اسے اتنی خبر بھی نہیں سورج کیا ہے اور سایہ کیا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے طاعات کی مشغولی اور ہمہ اوقات اس کی عبادات کا مصروفیت اور انوار خدمت کے ذریعے شیطان کے بھگانے اور انواع ہمت کے ساتھ نفس پر قہر و جبر کا سوال کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ :۔ هذه جهنم التی کنتم ۔ اے ڈھیل دیئے ہوئے کافر یہی وہی جہنم ہے ۔ توعدون بها ۔ جس سے تم رسل کرام علیہم السلام کی زبانوں سے ان کے طویل زمانوں میں ڈرائے جاتے تھے اور وہ شیطان کے مقابلہ میں تمھیں سمجھاتے رہے جبکہ اس کو اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے کہا تھا کہ لاملئن جهنم منك وممن تبعك منهم اجمعین (میں تجھے اور تیرے تابعداروں سے جہنم کو بھر دوں گا) و دیگر آیات ۔ یہ جملہ مستانفہ ہے کافروں کو توبیخ و تقریع و الزام و تبکیت کے بعد جہنم کے دروازوں پر اس کے داروغے انہیں فرمائیں گے۔

اصلوها الیوم بما کنتم تکفرون (داخل ہو جاؤ آج بسبب اس کے کہ تم کفر کرتے تھے۔

حل لغات :۔ اہل لغت کہتے ہیں صلی اللحم ۔ صلیٰ رمیٰ کی طرح ہے یعنی صلی یصلیه صلیًا بمعنی شواه والقاه فی النار ۔ یعنی اسے آگ میں ڈالا اور کہتے ہیں صلی النار یعنی اسے آگ کی گرمی پہنچائی یہ دراصل اصلیوا همچو اختشیلوا تھا۔ قانون پر اصلوا ہوا۔ یہ امر اہانت و تنکیل کا ہے جیسے دوسری جگہ فرمایا ذق انك انت العزیز الکریم عذاب کا ذائقہ چکھ اس لیے کہ تو بہت عزت والا اور مکرم تھا)۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے کافرو آج دوزخ میں داخل ہو کر اس کا عذاب چکھو۔ یہ تمھارے اس کفر کا بدلہ ہے جس میں تم دنیا میں مبتلا تھے اور

الیوم کا اضافہ ان کی ندامت اور حسرت کے موجب کا ظاہر کرنے کے لیے ہے کہ اس دن انھیں سخت حسرت وندامت ہوگی گویا انھیں کہا جائے گا کہ تمھاری لذات وغیرہ کے دن گذر گئے اب سے تمھارے عذاب کا وقت شروع ہو گیا۔

جہنم کی آگ کی شدت: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جہنم کی آگ ہزار سال سلگائی جائے گی تو سفید ہو گی پھر ہزار سال سلگے تو سرخ ہو جائے گی پھر ہزار سال کے بعد سیاہ ہو گی اس کی سیاہی سخت کالی اندھیری رات کی طرح ہو گی یہی اللہ تعالیٰ کے جیل خانہ ہے جس میں مجرمین کو سزا دی جائے گی۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام کو فرمایا کیا وجہ ہے کہ میں نے میکائیل علیہ السلام کو کبھی ہنستے نہیں دیکھا عرض کی جب سے جہنم پیدا ہوئی ہے اُس وقت سے اُنھوں نے ہنسنا چھوڑ دیا ہے۔

فائدہ: نار کا نام سن کر ہی ڈر لگتا ہے نامعلوم اُس وقت کیا حال ہو گا اسی لیے کہا جاتا ہے دنیا کی رسوائی آخرت کی رسوائی سے آسان ہے۔

ملفوظ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ میں بغداد سے باہر مرنا پسند کرتا ہوں اس لیے کہ اگر مجھے قبر قبول نہ کرے تو رسوائی نہ ہو گی۔

ملفوظ حضرت عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

حضرت عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ آگ جلا کر کہا گیا کہ یہ آگ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے تو اس میں داخل ہونا واقعی راکھ بنا دیتا ہے لیکن میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کا نام سننے پر میری خوشی کا یہ حال ہو گا کہ آگ پہنچنے سے پہلے ہی فنا نہ ہو جاؤں گا تو اس طرح سے میں دائمی عذاب سے بچ جاؤں گا۔

سبق:۔ ان لوگوں کی باتوں کو غور سے پڑھیے کہ کیسے بزرگ تھے وہ کہ باوجودیکہ وہ محبوبانِ خدا ہیں لیکن توحیدِ حقیقی کے غلبہ نے اپنے لیے کیا تصوّر رکھتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ یہی لوگ حقیقی عابد و عارف تھے۔

مسئلہ:۔ ظاہر ہے کہ دوزخ میں داخلہ کا سبب کفر وشرک اور جرم وقصور ہے اور بس۔

خدا را کہ بعزت خوارم مکن
بذل گنہ شرمسارم مکن

ترجمہ:۔ اے اللہ اپنی عزت کا صدقہ مجھے خوار نہ کرنا۔ میرے گناہوں کی خواری سے مجھے شرمسار نہ کرنا۔

مرا شرمساری ز روئے تو بس
دگر شرمسارم مکن پیش کس

ترجمہ:۔ مجھے تو تیری ذات کے سامنے حاضری کی شرمساری کافی ہے دوسروں کے سامنے مزید شرمسار نہ کرنا۔

بلطفم بخواں یا براں از درم
ندارد بجز آستانت سرم

ترجمہ:۔ لطف سے بلاؤ یا ہٹاؤ تو مالک ہے تیرے آستان کے سوا تو میرا سر کہیں جھکتا نہیں۔

بحقت کہ چشم ز باطل بدوز
بنورت کہ فردا بنارم مسوز

ترجمہ:۔ اپنی ذات کا صدقہ میری آنکھ باطل سے بند کر۔ تجھے نور کی قسم کہ کل مجھے آگ میں نہ جلانا۔

تفسیر عالمانہ:۔ الیوم نختم علیٰ افواھھم۔ (آج ہم ان کے منہ پر مہر لگا دیں گے۔

الختم بمعنی الطبع بطور استعارہ بمعنی المنع افواہ۔ فوہ کی جمع ہے دراصل فوہ (بالفتح)

حل لغات:۔ تھا یہی سیبویہ کا مذہب ہے اور بصری بھی ایسے کہتے ہیں اس کا وزن و اثواب کی طرح ہے۔ ہاء کو بخلاف قیاس حذف کیا گیا۔ واؤ کو میم سے تبدیل کیا گیا بوجہ ہم جنس ہونے کے کیونکہ یہ دونوں شفوی ہیں جب اسے مضاف کیا جاتا ہے تو محذوفہ الفاظ اپنی صورت اصلیہ پر آ جاتے ہیں تاکہ یہ اپنے دوسرے ہم جنسوں سے مختلف نہ ہوں۔ فراء نے کہا یہ (بالضم) ہے جیسے سوق واسواق وغیرہ وغیرہ۔

نکتہ:۔ غیبت کے صیغے کی طرف التفات میں اشارہ ہے کہ یہ اس لائق ہیں کہ ان سے روگردانی بہتر ہے اور دوسروں کو دکھایا جائے کہ ان کے احوال قبیحہ یوں ہیں کہ وہ بالمشافہ گفتگو کے لائق نہیں اور پھر مہر لگانے کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ان کے لیے صیغے غائب کے ہوں کیونکہ خطاب

ملاقات کو چاہتا ہے اور ان سے ملاقات کا سلسلہ تو بالکل منقطع ہو گیا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم ان کے منہ ایسے بند کر دیں گے کہ وہ گفتگو نہ کر سکیں اور ان کے ساتھ یوں ہو گا کہ کلام کی قوت سلب ہو گئی گویا کہ ان کے منہ پر مہر لگ گئی پھر ان کے اعضاء ان گناہوں کا اظہار کریں گے جو ان سے سرزد ہوئے۔

وتکلمنا ایدیھم وتشھد ارجلھم اور ہماری طاقت عطا کرنے پر ہمارے ساتھ ان کے ہاتھ بولیں گے اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے بما کانوا یکسبون ان کرتوتوں کی جو ان سے سرزد ہوئے یعنی چاروں ہاتھ پاؤں برائیوں کی خبر دیں گے۔

فائدہ:۔ یہاں پر تمام اعضاء مراد ہیں یہ نہیں کہ ہر عضو اپنے مخصوص کردار کی خبر دے گا۔

حل لغات:۔ الکسب کسی شے کو حاصل کرنا) اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم آج ان کے منہ پر مہریں مار دیں گے کہ جب وہ کہیں گے کہ ہم مشرک نہ تھے اور نہ ہی رسل کرام علیہم السلام کی تکذیب کی اور نہ شیطان کی پرستش کی اس پر ان کے ہاتھ اور پاؤں بول پڑیں گے کہ غلط کہہ رہے ہیں اس نے ہمارے سے یہ کام کرایا اور وہ وغیرہ وغیرہ۔ بعض نے کہا کہ "جب انھیں - الم اعھد الیکم یا بنی آدم ان لا تعبدوا الشیطان (کیا میں نے تم سے عہد نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا) تو وہ انکار کر دیں گے اور کہیں گے۔ واللہ ربنا ما کنا مشرکین الخ بخدا ہم مشرک نہ تھے اور نہ ہی تیرے سوا کسی کی پرستش کی اور نہ ہی ہم نے شیطان کی اطاعت کی اور نہ ہی اس کی کسی برائی پر کان دھرا۔ اس پر ہم ان کے منہ پر مہر لگا دیں گے تو پھر ان کے اعضاء بول پڑیں گے اور ان کی ایک ایک غلطی گن کر سنا دیں گے۔

فائدہ:۔ ایسی مہر کافروں کے لیے ہمیشہ رہے گی۔ دنیا میں یونہی رہا کہ ان کے دل حق کے قبول کرنے سے محروم رہے چنانچہ فرمایا ختم اللہ علیٰ قلوبھم (اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی) اور آخرت میں ان کے موہنوں پر جب دنیا میں ان کے دلوں پر مہر تھی تو منہ سے باتیں بناتے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ذلك قولھم بافواھھم (یہ ان کے منہ کی باتیں ہیں) تو پھر جب ان کے موہنوں پر مہر لگا دی گئی تو لازماً ان کے اعضاء کو بولنا پڑے گا اس لیے کہ انسان کے قبضہ میں زبان، قلب اور اعضاء ہیں۔ جب قلب اور زبان اس کے قابو میں نہ رہے تو پھر اعضا ہی بولیں گے اور بس۔

فائدہ:۔ کشف الاسرار میں ہے کہ قیامت میں کافروں کے اعمال ان کے سامنے پیش کیے جائیں گے اس پر انھیں سخت رسوائی ہو گی تو صاف انکار کر کے کہیں گے کہ فرشتوں نے ہماری ڈائریاں

غلط لکھی ہیں۔ ان کے ہمسائے گان گواہی دیں گے کہ واقعی یہی ان کے کرتوت تھے لیکن ہمسایگان کی گواہی بھی ٹھکرا دیں گے۔ پھر ان کے اپنے اہل وعیال گواہی دیں گے ان کی گواہی کو بھی نہیں مانیں گے پھر اللہ تعالیٰ ان کی زبانوں پر مہر لگا دے گا اور ان کے اعضاء سے گواہی لے گا تو وہ ان کے تمام کرتوت واضح طور پر سنا دیں گے۔

علم غیب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ آپ اچانک ہنسے پھر پوچھا کہ کیا تمہیں معلوم کہ میں کیوں ہنسا اور ہم نے کہا اللّٰہ ورسولہ اعلم (خدا اور رسول جانیں) (جل جلالہ، وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) آپ نے فرمایا میں بندے اور آقا کی گفتگو سے ہنسا وہ یہ کہ بندے نے کہا یا اللہ مجھ پر ظلم نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا نہیں ہوگا۔ پھر عرض کرے گا کہ میرے اوپر صرف میرا نفس ہی گواہی دے گا اللہ تعالیٰ نے فرمایا تمہیں تیرے نفس کی گواہی کافی ہے اور کراماً کاتبین بھی تیرے گواہ ہوں گے اس پر اللہ تعالیٰ نے اس کے منہ پر مہر لگا دی اور اس کے اعضاء سے فرمایا اس کے کرتوتوں کی گواہ دو حسب الحکم اس کے اعضاء بولنے شروع دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے عین گواہی کے وقت مہر توڑ دی تو مجرم اپنے اعضاء کو کہہ رہا ہے کہ تم پر پھٹکار ہو بس تمہاری وجہ سے تو سارا کھیل کھیلتا رہا (لیکن افسوس کہ تم الٹا میرے مخالف ہو گئے)

حدیث شریف:۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت میں انسانی اعضاء سے سب سے پہلے بائیں ران اور ہاتھ کی ہڈی بولے گی جب انسان کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی۔

نکتہ:۔ منہ پر مہر لگا کر اعضاء سے گواہی لینے میں اشارہ ہے کہ جو انسان کے گناہ میں معین و مددگار تھے اب وہ بھی دشمن ہو کر اس کے خلاف گواہی دے رہے ہیں تاکہ اسے معلوم ہے کہ سوائے ذاتِ خدا کے کوئی بھی حامی و یار نہیں۔

سبق:۔ انسان پر لازم ہے کہ ماسوی اللہ کی طرف متوجہ نہ ہو اور سوائے ذات خدا کے کسی کو اپنا دوست نہ بنائے تاکہ قیامت میں رسوائی نہ ہو ؎

نکشود صائب از مدد خلق ہیچ کار
از خلق روئے خود بخدا می کنیم ما

ترجمہ:۔ اے صاحب اللہ تعالیٰ کی مدد کے سوا کوئی کام نہیں ہوتا فلہذا مخلوق سے منہ پھیر کر اللہ تعالیٰ سے لو لگانا چاہیئے۔

تفسیر صوفیانہ:۔ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ منہ سے اکثر کذب بیانی ظاہر ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا **یقولون بافواھھم ما لیس فی قلوبھم** (جو کچھ منہ سے کہتے ہیں وہ ان کے دل میں نہیں) بخلاف دوسرے اعضاء کے کہ ان سے اکثر صدق کا اظہار ہوتا ہے ایسے ہی قیامت میں بھی ان سے صدق ظاہر ہوگا اسی لیے قیامت میں سچوں سے ہی سچی بات پوچھی جائے گی جھوٹوں سے نہیں یعنی مونہوں سے سوال نہ ہوگا کیونکہ منہ پرلے درجے کا جھوٹا ہے اور دوسرے اعضاء بہت زیادہ سچے اسی لیے وہ حق کی گواہی دیں گے اور کفار پر اعضاء ایسی گواہی دیں گے جس سے وہ دائمی عذاب کے مستحق ہوجائیں گے بخلاف فاسقین کے کہ اگر ان پر بعض اعضاء فسق کی گواہی دیں گے تو بعض اعضاء نیکی کی گواہی بھی دیں گے۔

حدیث شریف:۔ احادیث مسندہ میں مروی ہے کہ کسی بندے پر اس کے اعضاء گواہی دیں گے کہ اس نے بھرپور گناہ کیے تھے اس کی آنکھ کا صرف ایک بال بارگاہ لایزال میں حاضر ہو کر عرض کرے گا اجازت ہو تو کچھ عرض کروں اللہ تعالیٰ فرمائے گا بتا کیا کہتا ہے میرے بندے کی طرف سے کوئی حجت قائم کرنی چاہتا ہے تو تجھے اجازت ہے آنکھ کی پلک کا بال عرض کرے گا کہ میں اس کے متعلق گواہی دیتا ہوں کہ یہ تیرے خوف سے ایک دفعہ رویا تھا اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے اسے بخش دیا اور اعلان ہوگا۔ **ھذا عتیق اللہ بشعرۃ** (یہ ایک بال کی گواہی پر دوزخ کے عذاب سے آزاد شدہ ہے)

فائدہ:۔ کشف الاسرار میں ہے کہ جیسے انسان کے اعضاء اس کے گناہوں کی گواہی دیں گے ایسے ہی اس کی اطاعت و عبادت کی بھی گواہی دیں گے۔

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ مومن بندے کو بلا کر اس سے اس کی نیکیوں کا سوال کرے گا بندہ شرم کے مارے سر جھکا دے گا کہ وہ کس طرح اپنی نیکیاں گن کر سنائے اللہ تعالیٰ اس کے اعضاء کو بلوائے گا چنانچہ انگلیاں اس کی تسبیحات کی گواہی دیں گی اس لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بعض بیبیوں (صحابیات) سے فرمایا کہ تسبیح و تہلیل و تقدیس پر التزام کرو اور انگلیوں سے کیونکہ قیامت میں ان سے سوال ہوگا اور یہ تمہارے حق میں بولیں گی یعنی قیامت میں تمہارے لیے نیکی کی گواہی دیں گی اسی لیے اذکار کو انگلیوں کے پوروں پر گننا سنت ہے۔ اگر عقود پر گننے

کی اصطلاح معلوم نہ ہو تو پھر صرف انگلیوں سے گننا چاہیئے (الاسرار المحمدیہ)

فائدہ:۔ بعض عارفین نے فرمایا کہ منہ پر مہر لگانے اور ہاتھوں کے بولنے اور پاؤں کی گواہی سے ان کی شکلوں کی تبدیلی مراد ہے کہ جیسے عمل ہوگا ویسی شکل تبدیل ہو جائے گی اور زبان حال سے اُن کے اعمال کی ترجمانی کریں گے۔ پھر جیسے مجرمین کے اعضاء ان کے احوال قبیحہ اور افعال شنیعہ پر دلالت کریں گے ایسے ہی اہل ایمان کے اعضاء اُن کے احوال حسنہ اور افعال جمیلہ پر دلالت کریں گے۔ ہر برتن سے وہی گرتا ہے جو اس میں ہے۔ ان خوش بختوں کو مبارک ہو جو نیک اعمال میں زندگی بسر کرتے ہیں اور اُن کے تابعداروں کو بھی کہ قیامت میں ان کی شکل وصورت اور اُن کی ہیئت کذائیہ بہتر ہوگی یہ تمام برکات ان کے اعمال صالحہ وطاعاتِ حسنہ کا نتیجہ ہوگا ؎

پے نیک مرداں بباید شتافت
کہ ہر کین سعادت طلب کرد یافت

ترجمہ:۔ نیک لوگوں کے نقش قدم پر چلنا چاہیئے جو ایسی سعادت کا طالب ہے وہ اسے ضرور پائے گا۔

ولیکن تو بدنبال دیو خسی
ندانم کہ در صالحاں کے رسی

ترجمہ:۔ لیکن تُو تو کمینے شیطان کی پیروی میں ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ تم نیک لوگوں تک کب پہنچو گے۔

پیمبر کسے را شفاعت گرست
کہ بر جادۂ شرع پیغمبر است

ترجمہ:۔ پیغمبر علیہ السلام اس کے لیے شفاعت فرمائیں گے جو آپ کی شریعت کے طریقہ کار پر کاربند ہے۔

تفسیر عالمانہ:۔ ولو نشاء۔ لو ماضی کے لیے آتا ہے اگرچہ مضارع پر داخل ہو اسی لیے یہ مضارع کو مجزوم نہیں کرتا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اگر دنیا میں ہم مشرکین مکہ کے لیے چاہیں لطمسنا علیٰ اعینھم (تو ان کی آنکھیں مٹا دیں) لطمس بمعنی شے کا اثر بالکل ختم کر ڈالنا۔ اہل عرب کہتے ہیں طمستہ ای محوتہ یعنی اس کا اثر جڑ سے نکال دیا[۱]۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم

---

[۱] القاموس ج ۱۲:

نے ان کی آنکھیں برابر اور ان کی صورتیں اور ان کی روشنی زائل کر دیں کہ نہ ان کا کچھ نشان رہے اور نہ پلکیں دوسرے اعضاء کی طرح بالکل صاف چمڑا رہ جائے اور بس یعنی جیسے ہم نے ان کے دل کی آنکھیں مٹا کر رکھ دی ہیں ایسے ہی ان کی ظاہری آنکھیں بھی ایسی ختم کر دیں کہ اُن کا نشان تک نہ ہو اور یہ صرف اور صرف ان پر عذاب کے طور ہوگا۔

فاستبقوا الصراط (تو سیدھے راہ پر چلو) الاستباق افتعال کا باب ہے ایک دوسرے سے سبقت کرنا اور الصراط وہ راستہ جس میں بل نہ ہو اور بالکل سیدھا ہو اس کا منصوب ہونا نزع الخافض کی وجہ سے ہے کیونکہ سیدھا راستہ وہ ہوتا ہے جس کی طرف سبقت کی جاتی ہے نہ یہ کہ وہ سبقت کیا ہوا ہے (یعنی دراصل فاستبقوا الی الصراط تھا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ جب آنکھیں مٹ جائیں تو پھر ہم دیکھتے کہ جب وہ کسی سیدھے راستہ پر چلنے کا ارادہ کرتے فانی یبصرون تو انہیں راستہ کہاں سے دکھائی دیتا اور وہ اپنے مقاصد میں کہاں تک کامیاب ہوتے یعنی جب ان کی آنکھیں نہ ہوتیں تو خود بھی راستہ دیکھنے سے معذور ہوتے تو دوسروں کی کیا رہبری کرتے۔

فائدہ:۔ انیٰ بمعنیٰ کَیْفَ جو کہ یہاں پر انکار کا فائدہ دیتا ہے خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ یہاں پر اہلِ مکہ کو طمس (آنکھ چھین لینے) کی دھمکی دیتا ہے اور وہ اس پر قادر بھی ہے جیسا کہ اس نے قوم لوط سے کر کے دکھایا جب اُنھوں نے اپنے پیغمبر لوط علیہ السلام کی تکذیب اور کوشش کی کہ ان سے ان کے مہمانوں کو اپنے قبضہ میں کر لیں۔

تفسیر صوفیانہ:۔ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو انسان سے آنکھیں چھین لے تو پھر وہ گریہ وزاری نہ کر سکے گا۔ جب اس کا گریہ نہ ہوگا تو اس کے آنسو اسکے نیک ہونے کا گواہ ہو سکیں گے۔ اس میں باطنی آنکھ کے چھن جانے کی طرف بھی اشارہ ہے کیونکہ جب وہ نہ ہوں گی تو حق و باطل کی تمیز کہاں سے آئے گی اور وہ باطل سے ہٹ کر حق کی طرف کس طرح رجوع کر سکے گا اور جب وہ حق کو نہ دیکھے گا تو باطل سے کس طرح خوفزدہ ہو سکے گا اس طرح اس کے دل کو خوفِ خدا کی تپش نصیب نہ ہوگی اور نہ ہی وہ گریہ وزاری کر کے اپنے لیے اپنے آنسو گواہ بنا سکے گا۔

گریہ و زاری دلیل رحمت است
ہر کرا ایں نیست اہلِ شقوت است

ترجمہ:۔ گریہ وزاری خالصان خدا کی نشانی ہے جسے یہ نصیب نہیں وہ اہل شقاوت سے ہے۔

ولو نشاء لمسخناھم۔ (اور اگر ہم انہیں مسخ کر دیں)

حل لغات:۔ المسخ بمعنی صورت کو قبیح تر شکل میں بدل دینا خواہ وہی صورت باقی رکھ کر کسی حیوان کی صورت میں تبدیل کر دیا جائے یا اس کی صورت کے قوائے حیوانیہ کو ختم کر کے پتھر کی شکل میں لایا جائے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اگر ہم چاہیں کہ انہیں رتبۂ تکلیف اور درجۂ اعتبار سے ساقط کر کے ان کی صورتیں بدل دیں کہ انہیں بندر و خنزیر بنا دیں جیسے ہم نے قوم موسیٰ کے ساتھ کیا جب کہ انہوں نے داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں خباثتوں کا ارتکاب کیا یا یہ کہ ہم انہیں پتھر یا مٹی کے ڈھیلے بنا دیں۔ یہ پہلے سے زیادہ سخت اور قبیح تر ہے کیونکہ پہلے میں انسانیت سے نکل کر حیوانیت اختیار کرنی پڑتی ہے۔ دوسرے میں حیوانیت سے نکل کر جمادیت میں جانا پڑتا ہے کہ جس میں بالکل شعور ہی ختم ہو جاتا ہے۔

مکانتھم (اپنے گھروں میں) مَکَانَۃٌ بمعنی مکان ہے لیکن مکانۃ مکان سے مقامہ از مقام کی طرح اخص ہے یعنی ان کے ان مکانوں میں جن میں وہ رہائش پذیر ہیں۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ہم انہیں پاؤں پر بٹھا دیں یعنی اپاہج بنا دیں۔

فما استطاعوا مضیا۔ تو پھر آنے جانے کی طاقت نہ رکھ سکیں گے یعنی وہ صرف آگے کو منہ کیے ہوئے ہوں گے اور ایک جگہ پر ٹھہر سکیں گے۔ مُضِیٌّ دراصل مضویٌ تھا واؤ کو یاء کر کے یاء میں ادغام کر کے اس کا ماقبل مکسور کیا گیا۔ جیسا کہ یاء کے ماقبل کا تقاضا ہے۔ بعض نے میم کو مکسور پڑھا ہے تو ضاد کی اتباع کا اعتبار کیا ہے۔

ولا یرجعون (اور وہ نہ پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ کسی دوسری جہت کو جا سکیں گے۔

سوال:۔ الی جھتہ خلفھم کیوں نہیں لایا گیا۔

جواب:۔ فاصلۂ آیات کی رعایت کی گئی ہے اور ان دونوں شرطوں میں باری تعالیٰ کی اس قدرت کا بیان نہیں کہ وہ طمس و ختم کی سزا دے سکتا ہے کیونکہ اس بیان کے لیے ہے کہ یہ لوگ اپنے کفر اور نقض اور آثار قدرت وغیرہ کے مشاہدہ کے باوجود نصیحت حاصل نہ کرنے کی وجہ سے اس لائق ہیں کہ ان کو مذکورہ بالا سزا دی جائے جیسے ان کے ساتھ آخرت میں ہوگا لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت و ارادہ کا اس طرح کے افعال سے تعلق نہیں ہوا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اگر ہم ان کو مذکورہ بالا سزاؤں کو مبتلا کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں لیکن ہم نہیں کرتے اس لیے کہ طریقۂ رحمت عامہ کے تقاضا پر اس سے ہمارے ارادہ کے متعلق نہیں ہوا اور حکمت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ

ہم ان کو ایک عرصہ تک مہلت دیں تاکہ وہ توبہ کرکے ایمان اور نعمتوں کا شکر ادا کر سکیں یا اس لیے تاکہ ان سے ایمان دار اور شکر گزار لوگ پیدا ہوں۔

مسخ دو قسم

حکماء فرماتے ہیں کہ مسخ دو قسم ہے ،۔

(۱)۔ خاص ظاہری صورت تبدیل کر دینا۔

(۲)۔ عام عادات میں تبدیلی پیدا کرنا۔

وہ یہ کہ انسان میں مذموم عادات پیدا ہو جائیں یعنی وہ حیوانی عادات کا خوگر ہو جائے مثلاً حرص میں کتے کی طرح اور شر میں خنزیر کی طرح اور عمارہ میں بیل کی طرح ہو جانا۔

تفسیر صوفیانہ:۔ آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ انسان کی صورت بدلنا اور اس کے عادات انسانیہ سے عادات سبعیہ و شیطانیہ کی طرف پھر جانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ جب انسان میں یہ عادات پیدا ہو جائیں تو پھر ان سے لوٹ کر عادات انسانی کی طرف آنا اس کے بس سے باہر ہو جاتا ہے تو جیسے اللہ تعالیٰ دنیا میں ایسے صفات سے مسخ کرتا ہے تو اس کا حشر بھی انہی صفات سے ہوگا۔

حکایت آزر:۔ حدیث شریف میں ہے کہ آزر کو گوہ کی صورت میں اٹھایا جائے گا حیوۃ الحیوان میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آزر کو ملیں گے تو اس کے چہرہ پر گرد و غبار ہوگی ہیں (ابراہیم علیہ السلام) نے نہیں کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کر وہ کہے گا آج میں نافرمانی نہیں کروں گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ اے الہ العالمین تیرا وعدہ تھا کہ میں تمھیں قیامت میں رسوا نہ کروں گا اور آج اس سے بڑھ کر اور کونسی رسوائی ہوگی کہ میرا باپ (چچا) جہنم میں جائے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے کافروں پر جنت حرام کی ہے (فلہذا اس کا بہشت کا داخلہ ممتنع ہے) پھر فرمائے گا اے ابراہیم (علیہ السلام) اپنے پاؤں کے نیچے غور کر کے دیکھئے اچانک دیکھیں گے تو ان کے پاؤں کے نیچے سرگوہ خون سے لت پت پڑا ہے پھر اسے گھسیٹ کر دوزخ میں ڈالا جا رہا ہے۔

نکتہ:۔ آزر کو گوہ سے مسخ کرنے میں حکمت یہ ہے کہ گوہ میں حماقت ہے کہ ضروری امر سے ہوشیاری کے بجائے غفلت برتتی ہے چونکہ اس نے شفیق ترین انسان کی نصیحت قبول نہ کی اور شیطان ...

وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ ۖ أَفَلَا يَعْقِلُونَ ○ وَعَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ
وَمَا يَنْبَغِي لَهٗ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِينٌ ○ لِّيُنْذِرَ
مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِينَ ○ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا
خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ أَيْدِينَآ أَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُونَ ○
وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوبُهُمْ وَمِنْهَا يَأْكُلُونَ ○ وَلَهُمْ
فِيهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ ۖ أَفَلَا يَشْكُرُونَ ○ وَاتَّخَذُوا مِنْ
دُونِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُونَ ○ لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَهُمْ
وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُونَ ○ فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ إِنَّا نَعْلَمُ
مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ○ أَوَلَمْ يَرَ الْإِنْسَانُ أَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ
نُّطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ ○ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ
خَلْقَهٗ ۖ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ○ قُلْ يُحْيِيهَا
الَّذِيٓ أَنْشَأَهَآ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ○ نِ الَّذِي
جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَآ أَنْتُمْ مِّنْهُ تُوقِدُونَ ○
أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلَىٰٓ أَنْ
يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ۚ بَلٰى ۖ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيمُ ○ إِنَّمَآ أَمْرُهٗٓ إِذَآ
أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَّقُولَ لَهٗ كُنْ فَيَكُونُ ○ فَسُبْحٰنَ الَّذِي
بِيَدِهٖ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ○

ترجمہ:۔ اور جسے ہم بڑی عمر کا کریں اسے پیدائش میں الٹا پھیریں تو کیا وہ سمجھتے نہیں اور ہم نے ان کو

شعر کہنا نہ سکھایا اور نہ وہ ان کی شان کے لائق ہے۔ وہ تو نہیں مگر نصیحت اور روشن قرآن کہ اسے ڈرائے جو زندہ ہو اور کافروں پر بات ثابت ہو جائے۔ کیا اُنہوں نے نہ دیکھا کہ ہم نے اپنے ہاتھ کے بنائے ہوئے چوپائے ان کے لیے پیدا کیے تو یہ ان کے مالک ہیں اور انہیں ان کے لیے نرم کر دیا تو کسی پر سوار ہوتے ہیں اور کسی کو کھاتے ہیں اور ان کے لیے ان میں کئی طرح کے نفعے اور پینے کی چیزیں ہیں تو کیا شکر نہ کریں گے اور اُنھوں نے اللہ کے سوا اور خدا ٹھہرا لیے کہ شاید ان کی مدد ہو وہ ان کی مدد نہیں کر سکتے اور وہ ان کے لشکر سب گرفتار حاضر آئیں گے تو تم ان کی بات کا غم نہ کرو۔ بے شک ہم جانتے ہیں جو وہ چھپاتے ہیں اور ظاہر کرتے ہیں۔ کیا آدمی نے نہ دیکھا کہ ہم نے اسے پانی کی بوند سے بنایا جبھی وہ صریح جھگڑالو ہے اور ہمارے لیے کہاوت کہتا ہے اور اپنی پیدائش بھول گیا۔ بولا ایسا کون ہے کہ ہڈیوں کو زندہ کرے جب وہ بالکل گل گئیں تم فرماؤ انھیں وہ زندہ کرے گا جس نے پہلی بار انہیں بنایا اور اسے ہر پیدائش کا علم ہے جس نے تمہارے ہرے پیڑ میں سے آگ پیدا کی جبھی تم اُسے سلگاتے ہو۔ اور کیا وہ جس نے آسمان اور زمین بنائے ان جیسے اور نہیں بنا سکتا کیوں نہیں اور وہی ہے پیدا کرنے والا سب کچھ جانتا۔ اس کا کام تو یہی ہے کہ جب کسی چیز کو چاہے تو اس سے فرمائے ہو جا وہ فوراً ہو جاتی ہے تو پاکی ہے اُسے جس کے ہاتھ ہر چیز کا قبضہ ہے اور اُسی کی طرف پھیرے جاؤ گے۔

بقیہ صفحہ ۱۰۸

کے قریب میں آگیا۔ اسی لیے حماقت کی وجہ سے گوہ سے تشبیہ دی گئی ہے۔

اعجوبہ: گوہ کو شکار کرنا ہو تو اس کی بل پر پتھر پھینکا جائے تو وہ سمجھتی ہے کہ اس کا شکار آیا ہے اس کو پکڑنے کے لیے بل سے باہر نکلتی ہے تو خود شکار ہو جاتی ہے۔

اعزاز نبوت

اگر آزر کو خنزیر یا کتے کی صورت میں مسخ کیا جاتا تو حضرت ابراھیم علیہ السلام کا دل دکھتا ان کی دل آزاری نہ کر کے اسے صرف گوہ کی شکل میں تبدیل کیا گیا۔

فائدہ: المحکم میں ہے خزیتہ یعنی ذللتہ (میں نے اسے رسوا کیا) جب حضرت ابراھیم علیہ السلام نے تواضع کی تو اللہ تعالیٰ نے قیامت میں اسے رسوا نہ کیا۔

سبق :- جب حضرت ابراھیم علیہ السلام کے ساتھ ایسا ہوا جبکہ وہ قلب سلیم سے آئیں گے تو ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو اس سے محروم ہیں اسی لیے انسان پر لازم ہے کہ وہ اعمال صالحہ و احوال خالصہ پیدا کرے - ہم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اُمید رکھتے ہیں کہ وہ ہمیں قیامت میں رسوا نہ کرے گا ۔

تفسیر عالمانہ :- ومن نعمرہ (اور جسے ہم بڑی عمر دیں) تعمیر سے ہے بمعنی زندگی دینا العمر بمعنی بدن کی رُوح کی تعمیر۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ جس کی دنیا میں ہم عمر بڑھاتے ہیں۔ ننکسہ فی الخلق (تو ہم اس کے جسم کو گھٹا دیتے ہیں ۔ التنکیس بمعنی اُلٹا کرنا۔ یہ النکس سے بلیغ اور مشہور تر ہے بمعنی شے کے بل اُلٹنا۔ اسی سے نکس الولد ہے۔ اس لڑکے کو کہا جاتا ہے جس کی پیدائش کے وقت پاؤں سر سے پہلے نکلیں اور مرض میں اسے کہتے ہیں جو بیماری آفاقہ کے بعد عود کر آئے اور مخلوق میں نکس اُس وقت کہتے ہیں جب وہ بڑھاپے میں انتہا کو پہنچ جائے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ ہم انسان کی تخلیق بدلتے رہتے ہیں اور اسے پہلی تخلیق کے برعکس کر دیتے ہیں وہ ضعف میں بڑھتے بڑھتے اور قوت میں گھٹتے گھٹتے اور شکل وصورت اور ہیئت سے ہٹتے ہٹتے اسی حالت کو پہنچ جاتا ہے کہ بچے کی سی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ ضعف بدن اور قلت عقل اور فہم وادراک سے خالی ہونے میں بچے اور بوڑھے میں معمولی فرق رہ جاتا ہے[1]۔

ارانی کل یوم فی انتقاص ع
ولا یبقی علی النقصان شئ

ترجمہ :- میں خود کو ہر دن میں کمی محسوس کرتا ہوں اور میرے نقصان میں کسی قسم کی کمی نہیں رہی۔

افلا یعقلون ۔ کیا وہ اس حالت کو دیکھ کر سمجھتے نہیں کہ جو ذات انسان کو اس حالت میں کر سکتی ہے وہ اس کے طمس و مسخ پر بھی قدرت رکھتی ہے کیونکہ اس کی قدرت ان پر اور ان کے علاوہ اور جملہ امور کو حاوی ہے یہ علیٰحدہ بات ہے کہ وہ ان اُمور کو تدریجاً کرتا ہے یا نہیں کرتا تو اس کی مشیت میں ایسے ہوگا اور اس میں کوئی حکمت ہوگی ۔

---

[1] یہ عام قاعدہ ہے ورنہ علم وفضل والے بڑھاپے میں شان قدر والے ہو جاتے ہیں۔

ع نزد قدرت کارہا دشوار نیست

ترجمہ:۔ اس کی قدرت کے آگے کوئی کام مشکل نہیں۔

فائدہ:۔ البحر میں ہے کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ یہ اگر تمھارے ساتھ دنیا میں نہ ہوگا تو آخرت میں ضرور ہوگا اگر تم کفر و معاصی وغیرہ سے توبہ نہ کروگے تو تمھیں اس قسم کی سزا ملے گی۔

مختلف الحال سزائیں

مروی ہے کہ قیامت میں اس اُمت میں بعض لوگ بندروں کی شکل میں بعض خنزیر کی صورت میں۔ بعض اُلٹے پاؤں کر کے کھینچے جائیں گے بعض اندھے بعض بہرے بعض گونگے اُٹھیں گے بعض لوگوں کی زبانیں نکل کر سینہ پر آجائے گیں اور ان کے منہ سے پیپ خارج ہو گی جس سے لوگ نفرت کریں گے وغیرہ وغیرہ اس کی تفصیل آئے گی۔

ملفوظ وراق ولی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

حضرت ابو بکر وراق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جسے اللہ تعالیٰ غفلت میں طویل عمر بسر کرائے اس میں احوال ایام اثر انداز ہوتے ہیں کہ کبھی بچہ تو کبھی جوان اور کبھی بوڑھا یہاں تک کہ عمر کے آخری حصّہ تک پہنچے چنانچہ فرمایا ومن نعمرہ ننکسہ الخ اور جو ذکر الٰہی میں زندگی بسر کرے اسے حیاتِ جاودانی نصیب ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے قرب میں چلا جاتا ہے چنانچہ خود فرمایا فلنحیینہٗ حیوۃ طیبہ ہم اسے حیات طیبہ سے زندہ رکھیں گے۔

فائدہ:۔ کشف الاسرار میں ہے کہ اس میں انسان کو تنبیہہ ہے کہ خواب غفلت سے بیدار ہوتا کہ اپنی حقیقت سے آگاہی حاصل کر سکے۔ یہ جوانی اور زندگانی ایک غنیمت ہے اس کی قدر کرنی چاہیئے نیک عمل کرنے کا اب وقت ہے۔ جب وقت نکل جائے گا تو پچھتاوا ہوگا۔

حدیث شریف:۔ پانچ اُمور سے پہلے پانچ چیزوں کو غنیمت سمجھنا چاہیئے:۔

(۱)۔ بیماری سے پہلے صحت و تندرستی کو۔

(۲)۔ بڑھاپے سے پہلے جوانی کو۔

(۳)۔ تنگدستی سے پہلے فراخ دستی کو۔

(۴)۔ موت سے پہلے زندگی کو۔

(۵)۔ مشغولیت سے پہلے فراغت کو۔

فائدہ:۔ اگر جوانی ڈھل جائے اور نیک عمل نہیں ہو سکے تو بڑھاپے میں اپنی کوتاہی اور غلطیوں کی عذر خواہی کرے تو بھی اچھا ہے۔

نوّے ۹۰ سالہ بوڑھے کو نوید مغفرت

حدیث شریف میں ہے کہ جب انسان نوے سالہ ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اگلے پچھلے تمام گناہ بخش دیتا ہے اور لکھا جاتا ہے کہ یہ زمین پر اللہ تعالیٰ کا قیدی ہے اور وہ قیامت میں اپنے گھر والوں کی شفاعت کرے گا اور جب وہ سو سال کا ہو جاتا ہے تو اس سے حساب لینے سے اللہ تعالیٰ حیا فرماتا ہے یعنی اس سے راضی ہو کر اس کے حساب سے چشم پوشی فرماتا ہے ؎

دلم می دھد وقت ایں اُمید
کہ حق شرم دارد ز موئے سفید

ترجمہ:۔ میرا دل اُس وقت گواہی دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے سفید بالوں سے شرماتا ہے۔

عجب دارم از شرم دارد زمن
کہ شرمم نمی آید از خویشتن

ترجمہ:۔ مجھے تعجب ہے کہ وہ تو میرے سے شرم کرتا ہے لیکن مجھے شرم نہیں آتی۔

تفسیر عالمانہ:۔ وما علمناہ الشعر[۱]۔ اور ہم نے انہیں یعنی رسول اکرم نبی محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شعر نہیں سکھایا یہ کفار کے اس مقولے کا رد ہے جو انہوں نے حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق کہا کہ آپ شاعر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نہ شاعر ہیں اور نہ ہی کبھی آپ نے شعر کہے ہیں۔

جوابات وہابیہ

(۱)۔ بہتر یہی ہے کہ کہا جائے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شاعر نہیں اور جو کچھ تلاوت فرماتے

---

[۱] اس آیت کو وہابیہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم مبارک کی نفی میں پیش کرتے ہیں۔ فقیر نے اپنی استطاعت پر جوابات تفسیر اویسی میں لکھے ہیں بہترین جوابات یہی ہیں جو صاحب روح البیان قدس سرہ نے لکھے۔

ہیں یہ بھی شعر نہیں اس کی دلیل واضح ہے کہ جس نے ان پر قرآن نازل کیا ہے اور جس نے انہیں علم پڑھایا اس نے انہیں شعر نہیں سکھایا بطور کنایہ لازم کی نفی کر کے ملزوم کی نفی کی گئی ہے اور ظاہر ہے کہ کنایہ صریح سے بلیغ تر ہوتا ہے۔

حل لغات:۔ امام راغب نے فرمایا کہ اہل لغت کہتے ہیں کہ شعرت بمعنی اصبت الشعر میں کے شعر (بال) کو پالیا اسی سے شعرت کذا استعارہ ہے بمعنی علمت علما فی الدقۃ۔ میں نے شعر (بال) کی طرح دقیق علوم معلوم کر لیا اور شاعر کو بھی اسی لیے شاعر کہا جاتا ہے کہ وہ فطین اور معرفت دقیق کا حامل ہے۔

فائدہ:۔ شعر دراصل دقیق علم کا نام ہے مثلاً کہتے ہیں لیت شعری اور عرف میں موزون مقفّٰی کلام کو کہا جاتا ہے اور شاعر اسے کہتے ہیں جو دس فنون کا ماہر ہو۔ قاموس میں ہے کہ شعر اکثر منظوم قول کو کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں وزن و قافیہ کا ہونا لازم ہے اگرچہ ہمارے نزدیک ہر کلام کو شعر کہا جا سکتا ہے۔ اس کی جمع اشعار آتی ہے۔ یہ نصر اور کرم (شرف) ہر دونوں کے وزن پر آتا ہے بمعنی کسی شے کو جاننا سمجھنا اور عقل میں لانا۔

منطقی شعر

منطق میں قدیم حکماء کے نزدیک شعر میں نہ وزن ضروری ہے نہ قافیہ اور نہ ہی وزن و قافیہ اس کا ازلی جز ہے بلکہ ان کے نزدیک شعر میں مقدمات مخیلہ کا ہونا لازم ہے[۱]۔

فائدہ:۔ کبھی وزن و قافیہ تخیل معین ہوتے ہیں پھر اگر مقدمہ صرف مخیلہ ہو تو یہ قیاس شعری ہو اگر اس کے ساتھ دقناعی بھی ملایا جائے تو وہ شعری رقناعی کہلائے گا اگر قیاس شعری میں قول یقین مل جائے تو وہ قیاس شعری و برہانی سے مرکب سمجھا جائے گا۔

جواب (۲)۔ شعر یا منطقی ہوتا ہے اصطلاحی منطق شعر تو مقدمات کاذبہ سے مرکب ہوتا ہے اور اصطلاحی وہ قول جو علی سبیل المقصد کلام موزون و مقفٰی لایا جائے (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انہی دونوں کی نفی ہے اور وہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شان و فضل کے عین مطابق ہے ولکن الوهابية قوم لا يعقلون۔

---

[۱] چنانچہ ایساغوجی میں ہے الشعر وهو قياس مؤلف من مقدمات ينبسط منها النفس او تنقبض،

اذالہٗ وھم :۔ علی سبیل القصد سے وہ کلام مقفّٰی خارج ہوا جو بلاقصد واقع ہوا اور اس قسم کی آیات قرآن مجید میں بکثرت ہیں مثلاً :

(۱)۔ لن تنالوا البرّ حتّٰی تنفقوا

(۲)۔ وجفانٍ کالجواب وقدورٍ راسیٰات۔

(۳)۔ نصرٌ من اللّٰہ و فتح قریب۔

وغیرہ وغیرہ ان میں شاعرانہ سولہ بحور کا کوئی وزن اتفاق آگیا ہے ایسے ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اتفاقی طور اپنی انگلی کا مخاطب کرنا جب کہ کسی جنگ میں زخم آلودہ ہوئی۔ ؎

ھل انت الا اصبع میت
و فی سبیل اللّٰہ ما لقیت

ترجمہ :۔ نہیں تو مگر انگلی کہ زخمی ہوئی اور یہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ملا ہے جو کچھ ملا۔

ایسے ہی فتح مکہ یا غزوۂ حنین میں آپ نے فرمایا ؎

انا النبی لا کذب
انا ابن عبدالمطلب

ترجمہ :۔ میں نبی ہوں اس میں جھوٹ نہیں میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔

ایسے ہی آپ نے غزوۂ خندق میں فرمایا ؎

باسم الالٰہ و بہٖ بدانا
و لو عبدنا غیرہ شقینا

ترجمہ :۔ اللہ کے نام سے شروع اور اسی سے ہماری ابتداءً اگر غیر اللہ کی عبادت کریں تو ہم شقی ہوں گے۔

وغیرہ وغیرہ یہ اشعار کلام منثور کے درمیان میں واقع ہوں یا خطبات میں کوئی فرق نہیں پڑتا جبکہ غیر ارادی طور کہے گئے۔

جواب (۳)۔ قرآن مجید میں جس شعر کی نفی ہے وہ منطقی (بمعنی جھوٹ) کی نفی ہے کیونکہ یہی اصطلاحی سے زیادہ مروج ہے۔ امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فرمایا کہ کفار نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شاعر اسی لیے کہا کہ قرآن مجید کے بعض کلمات موزونہ عروض و قوافی کے عین مطابق ہیں۔ بعض نے کہا کہ کفار نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر بمعنی کاذب کہا کیونکہ قرآن کے کلمات اشعار کے اسلوب پر نہیں اور یہ ایک عجمی بھی مانتا ہے چہ جائیکہ بلغائے عرب

میں سے کسی کو شک ہو اور حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کذب کی تہمت اسی لیے لگائی کہ شاعر عموماً اشعار میں جھوٹ ملاتا ہے اسی لیے منطقی ادلہ کاذبہ کو شعر سے تعبیر کرتے ہیں۔

جواب (۴)۔ حضرت سید میر شریف جرجانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حاشیہ مطالع میں فرمایا کہ اگرچہ شعر خواص و عوام کو فائدہ پہنچاتا ہے (یہ کوئی برا فن نہیں) لیکن چونکہ شعراء آمد و آورد، کے وقت تخیلات کو بہت زیادہ دخل دیتے ہیں اور اس کا تمام تر دارومدار جھوٹی باتوں پر ہوتا ہے اسی لیے شعراء کا ایک مشہور مقولہ ہے احسن الشعر اکذبہ بہترین شعر وہ ہوتا ہے جس میں جھوٹ زیادہ ہو اور یہ بات اصدق مصدوق محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان سے کوسوں دور ہے اسی لیے فرمایا وما علمناہ الشعر وما ینبغی لہ۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نے (حضرت) محمد (عربی) صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قرآن کے ذریعہ شعر نہیں سکھایا اور نہ ہی قرآن شعر ہے اس لیے کہ شعر متکلف اور مصنوعی و بناوٹی وزن و قافیہ کے طریقہ کا نام ہے اور وہ خیالات فاسدہ و اوہام ضعیفہ پر مبنی ہے اور یہ بات منزہ اور مقدس کی شان کے لائق نہیں کیونکہ کلام بشر کو اس سے معمولی سی مناسبت بھی نہیں کیونکہ یہ فنون حکمت و احکام سے پُر ہے اس سے دارین کی سعادت نصیب ہوتی ہے۔ نامعلوم ان بدبختوں کو کیا سوجھی کہ اسے شعر کہہ دیا ورنہ کہاں شعر اور کہاں یہ محبوبانہ کلام۔

جواب (۵) ردّ وہابیہ و دیوبندیہ

وفی الآیۃ اشارہ الی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم معلم من عند اللہ لانہ تعالیٰ علمہ علوم الاولین والآخرین وما علمہ الشعر لان الشعر قرآن ابلیس وکلامہ لانہ قال رب اجعل لی قرآنا قال تعالیٰ قرآنک الشعر (روح البیان صفحہ ۴۳۲ ج ۷)

ترجمہ:۔ آیت میں اشارہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے علم حاصل کیا ہے آپ کو اللہ تعالیٰ نے اولین و آخرین کے علوم عطا فرمائے لیکن شعر نہیں سکھایا کیونکہ شعر ابلیس کا قرآن وکلام ہے اس نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی مجھے بھی قرآن عطا ہو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تیرا قرآن شعر ہے۔

جواب (۶)۔ حضرت محی الدین الشیخ الاکبر قدس سرہٗ الاطہر کہ شعر میں اجمال اور پہیلی اور توریت (اشارہ کنایہ) ہوتا ہے گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے (حضرت) محمد (عربی) صلی اللہ علیہ وسلم

کو اشارے کنائے نہیں کیے اور نہ ہی انہیں پہیلیاں بتائی ہیں اور نہ کبھی ایسا خطاب کیا ہے کہ اس کے الفاظ کا مطلب کچھ ہو اور رہا سا مفہوم و معنیٰ شے دیگر اور نہ ہی ایسی اجمالی بات کہی جو ان کی سمجھ سے بالاتر ہو۔

سوال: ۔ حروفِ مقطعات کا تو یہی حال ہے کہ اس میں اشارے کنائے وغیرہ ہیں اور حضرت ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ کلیۃً تمام قرآن مجید کے یہے فرما رہے ہیں۔

جواب (۱) امام ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حروف مقطعات متشابہات سے ہیں نہیں۔

جواب (۲)۔ ان کے نزدیک متشابہات کے علوم ان خصوصیات سے نہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے کسی کو ان کا علم نہ دیا ہو۔

فائدہ: ۔ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہر وہ قول و عمل اور حال جو ظاہری و باطنی طور بندے کو حاصل ہوتا ہے وہ تعلیم حق کے بغیر نہیں ہوتا یہاں تک کہ ہر حرفت و صنعت کا علم اسی سے نصیب ہوتا ہے۔ علم آدم الاسماء۔ کا یہی راز ہے۔

فائدہ: ۔ صنعت و حرفت بندوں کو دو طریقوں سے حاصل ہوتی ہے:۔

۱۔ بالواسطہ ۲۔ بلاواسطہ

بالواسطہ تو یہی ہے کہ بندے ایک دوسرے کو سکھاتے رہتے ہیں۔

بلاواسطہ جیسے داؤد علیہ السلام کا زرہ بننا۔

ایسے ہی ہر انسان کا اپنی طبیعت کی رہبری سے بعض صنعت و حرفت کے اُمور کو سمجھنا۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

قابل تعلیم و فہمست ایں جسد
لیک صاحب وحی تعلیمش دہد

ترجمہ:۔ یہ جسم قابل تعلیم و فہم ہے لیکن اسے صاحب وحی ہی تعلیم دیتا ہے۔

جملہ حرفت ہا یقین از وحی بود
اول او لیک عقل آنرا فزود

ترجمہ:۔ تمام حرفتوں کی تعلیم وحی پر موقوف تھی لیکن عقل سے بھی اسے حاصل کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔

ہیچ حرفت را بیں کیں عقل ما
داند او آموختن بے روستا

ترجمہ:۔ ہر حرفت کو ہماری عقل کو سمجھ سکتی ہے لیکن اُستاد کا ہونا ضروری ہے۔

گرچہ اندر مکر موئے اشکاف بُد
ہیچ پیشہ رام بے اُستاد شد

ترجمہ:۔ اگرچہ کسی مکر و فریب سے کچھ ہنر سیکھ لے لیکن وہ بیکار ہے اس لیے کہ اُستاد کے بغیر حاصل ہوا ہے۔
اس کے بعد مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی میں قصہ ہابیل بیان فرمایا کہ اس نے بھائی کی لاش عرصہ تک سر پہ اُٹھائے رکھی پھر کوے کی تعلیم سے اسے دفنایا۔

و ماینبغی لہ۔ یہ البغار سے ہے بمعنی الطلب انبغار اسی کا انفعال ہے اہل عرب کہتے ہیں بغیتہ بمعنی طلبتہ۔ میں نے اسے ڈھونڈا۔ فانطلب۔ تو مل گیا اور امام راغب نے فرمایا کہ یہ ان امثلہ سے ہے اہل عرب کہتے ہیں النار ینبغی ان تحرق الثوب یعنی آگ کا کام ہے جلانا۔ اب آیت کا معنیٰ یوں ہوا کہ حضرت محمد (عربی صلی اللہ علیہ وسلم) کو شعر لائق نہیں نہ اُن کے بس میں ہے نہ وہ اسے آسانی سے کہہ سکتے ہیں اور نہ بنا سکتے ہیں اگرچہ اسے چاہیں بھی یعنی ہم نے اسے اس طور بنایا ہے کہ اگر وہ شعر بنانا چاہیں تو بھی نہ بنا سکیں گے اور نہ ہی اس پر آپ کی زبان جاری ہو سکے گی اگر کچھ کہیں گے تو تقدیم و تاخیر الفاظ کی وجہ سے اس کا وزن صحیح نہ آئے گا۔ یہ ایسے ہے جیسے ہم نے آپ کو اُمّی بنایا کہ وہ نہ لکھ سکتے ہیں اور نہ ہی لکھنا جانتے ہیں[1]۔ یہ اس لیے کہ اس طرح سے آپ کی نبوت پر شک کرنے والے کہہ سکتے ہیں کہ یہ جو کچھ لائے ہیں یہ ان کا شاعرانہ تخیل ہے۔

جواب (۷) انسان العیون میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لائق یہی ہے اور مختلف اقوال کی تطبیق بھی یونہی ہو سکتی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے شعر بنانا حرام تھا کہ آپ قصداً موزوں ومقفی کلام زبان اقدس پر نہیں لایا کرتے اگر بلاقصد آپ کی زبانِ اقدس پر موزوں ومقفیٰ جاری ہو جاتا تو اسے نہ اصطلاحاً شعر کہا جا سکتا ہے اور نہ ہی ایسا ہونا ممنوع ہے۔ وما علمناہ الشعر کا مفہوم بھی یہی ہے ویسے اکثر ایسے بھی ہوتا ہے کہ آپ اگر قصداً شعر یا موزون ومقفی کلام کہنا چاہتے تو آپ کی زباں پر ایسا کلام جاری نہیں ہو سکتا تھا۔

فائدہ:۔ بعض باادب حضرات نے یہ کہا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شعر کہہ سکتے تھے لیکن کہتے نہیں تھے

---

[1] یہ بیانات مکی زندگی کے ہیں ورنہ مدنی زندگی میں آپ کا لکھنا پڑھنا ایسے اچھا شعار کہنا ثابت ہے ۱۲:

یہ اس جواب سے بہتر ہے کہ کہا جائے کہ شعر قصداً نہیں بنا سکتے تھے لیکن اس طرح کہنے سے وما علمناہ الشعر کی تکذیب (ظاہری) لازم آتی ہے[1]۔

مسئلہ: التہذیب للبغوی (یہ ہمارے ائمہ احناف سے ہیں) میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شعر کہہ سکتے تھے لیکن کہتے نہیں تھے لیکن صحیح تر یہ ہے کہ کہہ بھی نہیں سکتے تھے (یہ اوائل کی بات ہے) ہاں کھرے کھوٹے کی تمیز خوب رکھتے تھے یعنی یہ ہر شعر کے لیے فرما دیتے کہ کلام موزوں ہے یا غیر موزوں۔

ینبوع الحیاۃ میں یعنی (علامہ نور الدین حلبی رحمۃ اللہ علیہ) نے کتاب مذکور میں دیکھا ہے کہ بعض ان زندیقوں سے سنا گیا جو اسلام کے شدید ترین دشمن ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہترین شعر کہتے تھے اس سے ان کی مراد صرف اور صرف آیت **وما علمناہ الشعر** کی تکذیب مطلوب ہے اور بس (یہ تمام مضمون ہم نے (انسان العیون) سے لیا ہے۔

جواب ۸۔ صاحب روح البیان کی تحقیق

فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) اسے مولیٰ قدیر غنی کر دے کہتا ہے کہ مذکورہ بالا بیانات میں ایک اشکال ہے جسے اہل فہم جانتے ہیں وہ یہ کہ آیت میں منطقی شعر مراد لیے ہیں۔ **وما ینبغی لہ** کا ارشاد اس کے موافق نہیں بنا سکتے جبکہ اس سے شعر اصطلاحی مراد ہو سکتا ہے۔ اس طرح سے ایک جملہ دوسرے جملے کے مطابق نہ اُترا اور یہ کلام الٰہی کے شایانِ شان نہیں۔ میرا نظریہ اس میں یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ شعر بنانا من حیث النبوت لائق نہیں کیونکہ آپ کی ہر گفتگو کا ہر لہجہ مبنی بر صدق ہونا ضروری ہے کیونکہ آپ کی تعلیم اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے اور اسے حق کے سوا اور صفت دینا ایمان کے منافی ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ آپ کو شعر بنانے کی فی نفسہٖ کوئی صلاحیت نہ تھی اور نہ ہی نظم و نثر کی کوئی موزوں ومقفیٰ کلام نہیں کہہ سکتے تھے۔ زیادتی اور شان نبی صلی اللہ علیہ وسلم نہ سمجھنے کے مترادف ہے۔ کیا آپ جید و ردی کلام یعنی موزوں وغیر موزوں شعر کا امتیاز نہیں فرماتے تھے کیا اس طریقہ کو شعر گوئی کی عدم صلاحیت پر محمول کرنا عقل مندی ہے یا بے عقلی کی دلیل۔ کیا ہم یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ جوذات جید و ردی کا امتیاز فرما سکتی ہے تو کیا وہ نظم و نثر موزوں ومقفیٰ کلام لانے کی قدرت و صلاحیت نہیں رکھتی۔

---

[1] یہ تکذیب تب لازم آئے گی جب مذکورہ بالا قول من حیث تفسیر الآیۃ کہا جائے اگر من حیث الحافظۃ (مکی و مدنی زندگی) کہا جائے تو یہی احسن صورت ہے ۱۲ = اویسی غفرلہٗ۔

قاعدہ :۔ قدرت علی الشیٔ کے لیے ضروری نہیں کہ وہ بالفعل عمل میں بھی لائی جائے اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی قدرت تھی لیکن ظاہر نہیں کرتے تھے۔

شان نبوت کا اظہار

ظاہر نہ کرنا بھی نبوت کے شان کی حفاظت مطلوب تھی وہ یہ کہ عموماً شعر و شاعر تخییل و کذب سے متہم تھے اور ایسے موہومی الفاظ کا اطلاق بھی اللہ تعالیٰ کو گوارا نہ تھا ورنہ اہل عرب کے فصحاء و بلغاء خوب جانتے تھے کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جیسا فصیح و بلیغ اور شیریں زبان اور میٹھے بول والا اور حسین ترین ترتیب کے کلمات بولنے والا اور کوئی نہیں اور نہ ہو سکتا ہے۔

دلائل از صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ :۔ (۱) ۔ شعر گوئی ایک کمال ہے ۔ والحاصل ان کل کمال انما ھو ماخوذ منه (روح البیان ص۲۴۲ ج۷) ہر صاحب کمال کو کمال رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے نصیب ہے جیسا کہ سورہ شعراء کے اواخر میں ہم نے تحقیق کے ساتھ لکھا ہے۔

(۲) ۔ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب وہ کلام تھا جو اشعار میں ہو یعنی جن اشعار میں حکمت کی باتیں اور مکارم اخلاق کا بیان اور نصرت اسلام کی ترغیب یا اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور اہل اسلام کو نصیحت ہو اور مبغوض ترین کلام بھی آپ کے نزدیک اشعار تھے لیکن وہ جن میں کسی کی ناجائز مذمت اور جھوٹ اور ہجو وغیرہ ہو۔

نعت خوانی کی فضیلت

مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو مسجد میں منبر بچھا دیتے اور فرماتے اس پر کھڑے ہو کر ان کافروں کی ہجو کیجیے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کی ہجو کیا کرتے ہیں۔

فائدہ :۔ ایسی شعر گوئی تو جہاد تھا جیسا کہ مروی ہے۔

جاھدوا باموالکم وانفسکم والسنتکم ۔ اپنے مالوں ۔ جانوں اور زبان سے جہاد کرو۔

شاعراں شیراں شدند و ہجو شان
ہمچو چنگال و جود ندانست داں

ترجمہ:۔ شاعر اور اُن کی شاعری شیر کی مانند ہیں اور وہ شیروں کے چنگل اور دانت ہیں۔

تیز کن دنداں و موذی قطع کن
ایں چنیں باشد مکافات بداں

ترجمہ:۔ دانت تیز کر کے موذی کو کاٹ دے کیونکہ ان کو اس طرح سے بدلہ دینا چاہیئے۔

تفسیر عالمانہ:۔ ان ھوالا ذکر۔ (نہیں وہ قرآن مگر نصیحت) یہ جن و انس کی رہبری کے لیے اُتارا گیا ہے چنانچہ فرمایا ان ھوالا ذکر للعلمین نہیں ہے وہ مگر نصیحت جملہ عالم (جن و انس) کے لیے۔

و قراٰن مجید۔ یعنی آسمانی کتاب اور اس کا ہونا بیّن ہے یا وہ حق و باطل کا فرق بتانے والی ہے اسے محرابوں اور عبادت گاہوں میں پڑھا جاتا ہے اور اس کی تلاوت مقصد تک پہنچاتی ہے۔ اس پر عمل کرنے سے دینی کامیابی ہے کافر جو کچھ اس بارے میں کہتے ہیں غلط ہے۔

فائدہ:۔ اس کا عطف ذکر پر بوجہ اوصاف کی مغایرت کے ہے اس لیے کہ قرآن محض وعظ نہیں بلکہ اس میں مواعظ کے علاوہ احکام وغیرہ بھی ہیں اسی لیے عطف سے تکرار کا وہم نہ ہونا چاہیئے۔

فائدہ:۔ کشف الاسرار میں ہے کہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کے معجزات کا تعلق آنکھ سے تھا مثلاً آتش ابراھیم علیہ السلام اور عصا و ید بیضا موسیٰ علیہ السلام و احیائے موتیٰ برائے عیسیٰ علیہ السلام اور ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا تعلق دل سے تھا بلکہ یہ اہل علم کے قلوب و صدور کے لیے اعلیٰ برہان ہے۔ اگرچہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بہت سے معجزات کا تعلق آنکھ سے بھی تھا مثلاً شق القمر اور تسبیح حجر اور بھیڑیا کا بولنا اور گوہ کی گفتگو۔ لیکن یہاں مطلب یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے عصا سے اور عیسیٰ علیہ السلام نے احیائے موتیٰ سے مقابلہ کیا اور رسول خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کلام الٰہی سے کفار کا معارضہ کیا۔ چنانچہ فرمایا فاتوا بسورۃ من مثلہ (اس جیسی ایک سورت لاؤ) موسیٰ علیہ السلام کے عصا میں لطف الٰہی تھا لیکن تھا وہ بھی ایک عوسج (درخت) کی لکڑی کا۔ ایسے دم عیسیٰ علیہ السلام سے مردے زندہ ہوتے تھے اس میں بھی لطف الٰہی تھا لیکن تھا وہ بھی سینۂ بشر سے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ آپ پھونکا اور ڈنڈا لے کر کافروں کے پاس نہ جایئے کیونکہ ڈنڈا گدھوں کے لیے ہوتا

ہے اور پھونک بیماروں کے لیے۔ آپ میرے کلام قدیم کو لے کر جایئے تاکہ آپ کا معجزہ میری صفت ہو۔
لینذر تاکہ قرآن ڈرائے۔ اس کا تعلق (قرآن) سے ہے یا اس کا تعلق محذوف سے ہے جیسا کہ اس
پر الا ذکر و قرآن دلالت کرتا ہے۔ یہ عبارت دراصل الا ذکر انزل لینذر یا دیخوف تھی۔ من
کان حیا اسے عقل و فہم ہے جسے اچھے بُرے کی تمیز ہو اور اپنے دل کو اس طرف لگانے والا ہو جس کے
لیے وہ پیدا کیا گیا ہے یعنی فضول باتوں میں وقت ضائع کرنے والا نہ ہو اس لیے کہ غافل تو مردہ ہے
اور عقل و فہم قلب کے لیے ایسے ہیں جیسے بدن کے لیے حیات کیونکہ قلب کے منافع عقل سے ایسے
وابستہ ہیں جیسے بدن کے منافع حیات سے۔

فائدہ صوفیانہ:۔ اس میں اشارہ ہے کہ ہر قلب کی حیات نور الٰہی ہے یہی قلب کی رُوح ہے
ایسے قلب کو قرآن کا انداز فائدہ بخشتا ہے ایسا قلب اس سے اثر لیتا ہے اس
کی علامت یہ ہے کہ اسے دنیا سے روگردانی اور آخرت کی طرف توجہ ہو اور اپنے مولیٰ سے لو لگا لے۔

فائدہ:۔ بعض نے کہا کہ حیّا سے یہاں مومن مراد ہے کیونکہ حیات ابدیہ ایمان سے ہی نصیب ہوتی ہے
یعنی ایمان ہی بدن کی حیات کا سبب ہے۔

فائدہ:۔ حضرت ابن عطاء نے فرمایا جو اللہ تعالیٰ کے علم میں مومن ہے ایسے ہی اپنی نگاہ کرم سے زندہ
رکھے گا اور اسے اپنی طرف سے فہم عطا فرمائے گا اور اپنا کلام صرف اسی کو ہی سنائے گا اور اسی
پر سلام بھیجے گا۔

فائدہ:۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو زندہ ہے اپنے خالق کی حیات سے نہ کہ اپنے نفس کی
بقاء سے کیونکہ جو نفس کی بقاء پر زندہ ہے وہ زندہ نہیں مردہ ہے اگرچہ بظاہر زندہ ہو اور جس کی زندگی
اپنے رب سے ہو تو وہ بوقت وفات بھی زندہ ہے کیونکہ ایسے خوش قسمت کو اصلی حیات کا رتبہ
نصیب ہے ہاں انذار کا تعلق زندہ دل کے نام اس لیے ہے کہ وہ اس سے نفع پاتا ہے اگرچہ
اس کا انذار عام ہے۔

و یحق القول (اور قول ثابت کرتا ہے)۔

فائدہ:۔ قول سے مراد لاملئن جھنم من الجنۃ والناس اجمعین (اور جہنم کو جنوں اور انسانوں
سے پُر کروں گا) ہے۔ علی الکفرین۔ کافروں پر یعنی کفر پر اصرار کرنے والے یعنی انسان جب
شک سے گزر کر مخالفت پر اُتر آئے تو اس پر قول مذکور ثابت ہو جاتا ہے۔

فائدہ:۔ حیّا کے بعد اس جملے کا لانا اشارہ کرتا ہے کہ ایسے لوگ آثار و احکام کی حیات سے یکسر خالی

خالی ہیں اسی لیے جسم ہیں لیکن مردے اور یہ اس بچے کی طرح ہیں جو پیٹ میں جسم تو رکھتا ہے لیکن اس میں روح نہیں پھونکی گئی اور معرفت الٰہی ایمان و اسلام و احسان کی رہبری کرتی ہے جب کسی خوش قسمت کو نصیب ہوتی ہے تو وہ مرتے نہیں بلکہ:۔

ینتقل منی مکان الی مکان۔ ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف منتقل ہوتے ہیں (روح البیان صفحہ ۴۲۲ ج ۷)

اسی لیے ہم کہتے ہیں ؎

کون کہتا ہے کہ مومن مر گئے
وہ قید سے چھوٹے اور اپنے گھر گئے (اویسی غفرلہ)

صاحب روح البیان قدس سرہ کی تقریر

میرے شیخ قدس سرہٗ نے فرمایا کہ نوم و بیداری میں بصیرت کی غفلت و بیداری کی طرف اشارہ ہے بیداری کی حالت قلب کی بیداری کی طرح ہے کہ جب پہلے وہ وضوء کی طرف بڑھتا ہے تو ایسے ہی قلب سب سے پہلے توبہ اور رجوع الی اللہ کی طرف حرکت کرتی ہے۔ پھر وہ جب نماز کی طرف ارادہ کرتا ہے تو ایسے ہی قلب توبہ کے بعد توجہ الٰہی کی طرف متوجہ ہوتی ہے پھر عالم ملک و ناسوت سے عالم ملکوت میں داخل ہوتی ہے اسی لیے کہا گیا ہے کہ حرکت میں برکت ہے۔

حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

فراقتی لو لم فی ذا السکون
لم یقل انا الیہ راجعون

ترجمہ:۔ سکون سے جدا ہونے کا فائدہ نہ ہوتا تو کبھی نہ فرماتا انا الیہ راجعون۔

فائدہ:۔ حقیقت میں انذار حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صفت ہے اسی لیے ایک قرأۃ میں للنذر پڑھا گیا ہے۔ پھر آپ کے طفیل آپ کے وارثین (اولیاء) کو نصیب ہے وہ اولیاء جو آپ کی وراثت بصیرت سے نوازے گئے ہیں۔

فائدہ:۔ حضرت الشیخ افتادہ قدس سرہٗ نے فرمایا کہ وعظ اس کو لائق نہیں جو مراتب اربعہ سے ناواقف ہے کیونکہ ایسا بے خبر صفراء و بلغم و سوداء سے علاج کرے گا لیکن وہ ثواب سے محروم نہ جائے گا اگرچہ ذرہ برابر بھی ترقی نہ

کر سکے گا۔ واعظ پر لازم ہے کہ وہ ہر آیت کا مقصد سمجھے کہ کون سی آیت کس مطلب میں کام آئے گی کس آیت کو طبیعت سے تعلق ہے اور کونسی آیت نفس سے متعلق ہے اسی لیے صحابہ کرام خون کے آنسو بہاتے (جب قرآن کی تلاوت کرتے)

فائدہ:۔ جس بدبخت کی ازل سے قسمت ماری ہے جیسے کافرون ومشرکین کی تو ان کا قلب مردہ ہوگا اسے کسی قسم کا فائدہ نہ ہوگا کیونکہ باز اشہب زندہ شکار کا شکار کرتا ہے (اسی لیے زندہ قلب کو ہی ولی اللہ کی نگاہ مؤثر ہوگی) ہم اللہ تعالیٰ سے حیات اور بیداری اور ہر انداز وتنبیہہ ووعظ کی تاثیر کا سوال کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ:۔ اولم یروا۔ ہمزہ انکاری اور تعجب دلانے کے لیے ہے واؤ کا مقدر پر عطف ہے اور ضمیر مشرکین کی طرف راجع ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ کیا مشرکین کو معلوم نہیں اور غور وفکر کے بعد کیا انہیں یقین نہیں ہوا۔ یہ معائنہ کے حکم میں ہے۔ معنیٰ یہ ہے کہ انہوں نے دیکھ لیا اور پختہ یقین ہوگیا کہ انا بیشک ہم نے خلقنا لھم ان کے فائدہ اور ان کی وجہ سے پیدا کیا مما عملت ایدینا اس میں سے جو ہمارے ہاتھوں نے کیا۔

فائدہ:۔ عمل فعل سے اخص ہے۔ عمل حیوان کے فعل بامقصد کے لیے مستعمل ہوتا ہے (فعل میں قصد کو دخل نہیں ہوتا) یعنی ان اشیاء کو ہم نے بلا اشتراک احد سے پیدا کیا ہے نہ اس میں کسی کی معاونت کو دخل ہے نہ کسی سبب کو۔ ایدی (ہاتھ) پھر فعل کا ان کی طرف اسناد استعارہ تمثیلیہ ہے اس عمل سے جو ہاتھوں سے کیا جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جوارح (اعضاء) سے پاک ومنزہ ہے۔

نکتہ:۔ حضرت کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ اس مثال سے ہے کہ جسے بندہ خود کرے جیسے کہا جاتا ہے یہ مہم میں نے خود سَر کی ہے کسی دوسرے نے اس کی سرانجامی میں میرا ہاتھ نہیں بٹایا۔ یہ اس لیے کہ قرآن محاورات عرب کے مطابق نازل ہوا ہے۔

فائدہ:۔ امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ایدی۔ ید (ہاتھ) کی جمع ہے بمعنی عضو مخصوص (ہاتھ) اور ہاتھ کا استعمال ہمارے قصور کو دیکھ کر فرمایا ہے اس لیے کہ تمام اعضاء سے کاروبار میں یہی سب سے زیادہ قوی ہے یعنی بہ نسبت دوسرے اعضاء کے ہاتھ ہمارے کام میں زیادہ مستعمل ہوتا ہے۔

فائدہ:۔ العتبی نے فرمایا کہ ایدی یہاں پر مطلق قوت وطاقت کے معنیٰ میں ہے اور عملت ایدینا اسی قوت وطاقت کی حکایت ہے اگرچہ اس فعل کو ہاتھوں سے نہ کیا جائے مثلاً کہا جاتا ہے جری بناء ھذہ القنطرۃ۔ اسی پل کی بنا جاری ہے اور کہتے ہیں ھذا القصر علی یدی فلاں یہ محل فلاں کے قبضہ میں ہے۔

حدیث شریف میں ہے علی الید ما اخذت حتی تودیہ ۔ وہ جو تو نے لیا ہے وہ تیرے قبضہ میں ہے یہاں تک کہ تو اسے ادا کرے۔

فائدہ :۔ اس حدیث میں امانت کی ادائیگی کا حکم ہے اگرچہ اس میں ہاتھ کا کوئی تعلق نہیں ایسے ہی کہا جاتا ہے مالی فی ید فلان ۔ میرا مال فلاں کے قبضہ میں ہے۔ الیتیم تحت ید القیم ۔ یتیم فلاں منتظم کے قبضہ میں ہے۔ ان تمام صورتوں میں ید سے ملکیت اور قبضہ مراد ہے۔

فائدہ :۔ الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ آیت میں ایدی سے تعلق مراد ہے جیسے فبما کسبت ایدیھم میں ایدی سے مراد ہاتھ نہیں بلکہ تعلق مراد ہے اور اہل عرب کا طریقہ ہے کہ وہ ہاتھ اور چہرہ بول کر تمام جسم مراد لیتے ہیں اور یہ معانی ایک دوسرے کے قریب قریب ہیں ۔

انعاما ۔ خلقنا کا دوسرا مفعول ہے اس لیے کہ فہم الخ کے تمام احکام متفرعہ ایک جگہ جمع ہوں ۔ انعام ۔ نعم کی جمع ہے ۔ گھاس کھانے والے وہ جانور (جیسے اونٹ ۔ گائے ۔ بکری ۔ بھیڑ) جن کے چلنے میں نرمی کی عادت ہو اسی لیے اس میں گھوڑا ۔ خچر ۔ گدھا داخل نہیں اس لیے کہ ان کے زمین پر چلنے سے سختی ظاہر ہوتی ہے۔

نکتہ :۔ یہاں پر انعام کی تخصیص ہے (حالانکہ دوسرے جانور اور معادن وغیرہ بھی اسی کے پیدا کردہ ہیں) صرف اس لیے کہ اونٹ میں فطرت کے عجیب نظارے اور گائے بکری ۔ بھیڑ میں بہت بڑے فوائد ہیں۔

فھم لھا مالکون (تو وہ اس کے مالک ہیں) ابن الشیخ نے فرمایا کہ فاء سببیہ ہے اور مالکون ملک الیہ سے ہے ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ اسی سبب سے ہمارے مالک کر دینے پر ان جانوروں کے مالک ہیں اور مستقل طور ان میں تصرف کرنے اور بہت بڑے منافع پاتے ہیں ۔ وہ اپنی ملک میں کسی کو شریک نہیں بناتے۔

وذللناھا لھم ۔ التذلیل بمعنی ذلیل وخوار اور تابع کرنا الذل بضم اور کبھی بالکسر بھی آتا ہے ۔ صعوبۃ کی نقیض یعنی نرمی ۔ المفردات میں ہے الذل وہ شے جسے قہر و جبر سے نرم کیا جائے اور وہ شے جسے سختی کرنے اور شماس کے بعد نرم کیا جائے مثلاً کہا جاتا ذلت الدابۃ بعد شماس یعنی تیز رفتاری کے بعد سواری نرم ہو گئی اور ذلول بمعنی وہ سواری جو سخت نہیں یعنی میں نے اس سواری کو ان کے تابع بنایا اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نے جانوروں کو ایسا تابع فرمان بنایا کہ وہ ان کے ہر مقصد میں ان سے روگردانی نہیں کرتے جتنا بوجھ اٹھائیں خود سوار ہوں اور انہیں جہاں چاہیں لے جائیں اور جانوروں میں بہت

بڑی زبردست قوت و طاقت کے باوجود ان کو ذبح کریں تو سر تسلیم خم کر دیتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ظاہری نعمتوں میں سے ایک ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ایسی نعمت والے پر شکر لازم اور تسبیح کا حکم فرمایا کما قال اللہ تعالیٰ سبحان الذی سخر لنا ھذا وما کنا لہ مقرنین د پاک ہے وہ جس نے اسے ہمارے تابع کیا اور ہم اس پر قابو پانے والے نہ تھے فمنھا رکوبھم۔ رکوب (بفتح الراء) بمعنی مرکوب جیسے حلوب بمعنی محلوب یعنی ان کے تمہارے لیے مشہور فوائد میں سے ہے کہ تم ان پر سوار ہو کر بہت طویل سفر طے کرتے اور ان پر بوجھ لادتے ہو لیکن وہ اس سے سر نہیں پھیرتے۔

سوال :۔ قرآن مجید میں رکوب کا ذکر تو ہے لیکن بوجھ اُٹھانے کی تصریح نہیں تم نے اسے بھی اس میں شامل کر دیا ہے۔

جواب :۔ چونکہ بوجھ اُٹھانا سوار ہونے کا ایک شعبہ ہے اسی لیے اگرچہ لفظاً مذکور نہیں لیکن معنیٰ گویا مصرح ہے۔

فائدہ :۔ کاشفی مرحوم نے لکھا کہ " بعض ان میں وہ ہیں جن پر وہ سوار ہوتے ہیں جیسے اُونٹ الرکوب دراصل انسان کا حیوان کی پشت پر بیٹھنے کو کہا جاتا ہے اور کبھی کشتی میں بیٹھنے کو بھی رکوب کہتے ہیں اور عرف میں اُونٹ کے سوار کو راکب کہا جاتا ہے اور امتطاء بمعنی مطیہ یعنی سواری لینا و منھا یاکلون اور اس سے کھاتے ہیں یعنی ان کا گوشت اور چربی وغیرہ۔ ولھم فیھا اور ان کے لیے ان جانوروں میں کہ جنہیں سواری بناتے اور ان کا گوشت وغیرہ کھاتے ہیں۔ منافع سواری اور گوشت خوری کے علاوہ اور بھی ان میں بڑے منافع ہیں جیسے ان کے چمڑوں اور اُون اور بالوں اور ان کے چھوٹے بچوں سے منافع پانا اور بیلوں سے کھیتی باڑی کا کام چلانا۔ ومشارب اور پینے کے فوائد جیسے دودھ۔ یہ مشرب کی جمع ہے اور شراب بمعنی ہر بہنے والی شے کو پینا جیسے پانی دودھ وغیرہ۔

افلا یشکرون۔ تو کیا وہ ان نعمتوں کے مشاہدہ کے بعد شکر نہیں کرتے یعنی عطا کرنے والے کی توحید کا اقرار کریں۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں کیونکہ اس نے ان کے لیے ایسی بہترین نعمتیں پیدا کر کے ذریعہ بنایا ہے تاکہ وہ اس کا شکر کریں۔ تو اُنہوں نے شکر کے بجائے انھیں ناشکری کا وسیلہ بنایا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس کا شکوہ کیا

واتخذوا۔ اور باوجودیکہ ہم نے ان پر احسان و انعام فرمایا۔ اُنہوں نے بنا لیا۔ من دون اللہ

(اللہ تعالیٰ جو اپنی قدرت میں منفرد اور نعمت و احسان اور فضل کرنے والا ہے) سے متجاوز ہو کر آلہۃً دوسرے باطل معبودوں کو اس کی عبادت میں شریک ٹھہرایا لعلھم ینصرون اس اُمید پر کہ ان کی مصیبتوں میں مدد کریں گے یا آخرت میں شفاعت کریں گے۔

لا یستطیعون نصرھم ۔ جملہ مستانفہ ہے یعنی ان کے معبود ان کی مدد کرنے کی کوئی طاقت نہیں رکھتے ۔ و ھم اور واؤ ان کے بتوں کے لیے وصف عقلاء کی وجہ سے ہے اور ھم کا مرجع مشرکین ہیں ۔ لھم ۔ اور وہ مشرکین اپنے معبودوں کے لیے جند لشکر ہیں محضرون حاضر کر کے لائے ہوئے پرستاروں کے بعد ان کے بتوں کو بھی جہنم میں دھکیلا جائے گا تاکہ وہ بھی ان کی طرح جہنم کا ایندھن بنیں یعنی یہ بت پرست اپنے معبودوں کے لشکر ہیں کہ اکٹھے ہی دوزخ میں دھکیلے جائیں گے۔

فائدہ :۔ الکواشی نے فرمایا کہ کل قیامت میں ہر بُت اُس کے پجاریوں کے ساتھ لائے جائیں گے ایسے معلوم ہوگا کہ وہ اس کا لشکر ہے اس پر انہیں جہنم میں داخل کیا جائے گا۔ یہ ان کے لیے جو اپنے خواہشات کا پرستار رہا یا پتھروں کو پوجتا رہا ؎

عابد و معبود باشد در جحیم
حسرت ایشاں شود تا کہ عظیم

ترجمہ :۔ عابد و معبود دونوں جہنم میں جائیں گے تاکہ انھیں بہت بڑی حسرت ہو۔

تفسیر عالمانہ :۔ فلا یحزنك قولھم (تو تمھیں ان کی باتیں غم میں نہ ڈالیں) فا ما قبل پر نہی کو مرتب کرنے کے لیے ہے اگرچہ بظاہر یہ نہی کفار کی طرف متوجہ ہے لیکن درحقیقت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے کہ آپ کفار کے اقوال سے متاثر نہ ہوں اس لیے کہ کنایہ صریح سے ابلغ ہوتا ہے۔ قاعدہ ہے کہ شے کے اسباب و مبادی سے روکنا درحقیقت اصل شے سے روکنا ہے اور یہ برہانی طریقہ ہے اسباب کے منقطع ہونے پر اصل شے کا قلع قمع ہو جاتا ہے اور کبھی مسبب بول کر سبب مراد لیتے ہیں مثلاً کہا جاتا ہے لا ارینك ھٰھنا ۔ میں تجھے یہاں نہ دیکھوں اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ مخاطب یہاں بالکل موجود نہ رہے۔

فائدہ :۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ کو ان کے بتوں کو معبود بنانا غمگین نہ کرے کیونکہ یہ ان کی صرف زبانی باتیں ہیں۔ ان کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں کہ وہ ثابت کر سکیں کہ واقعی ان کے معبود معبودیت میں اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں۔ اسی طرح

ان کی اور غلط باتیں جو آپ کو مغموم کرتی ہیں۔[1]

فائدہ:۔ ابن الشیخ نے فرمایا کہ انا جزا ئیہ ہے یعنی جب آپ نے سُنا کہ کفار کہتے ہیں کہ اُن کے بت اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں اور اللہ تعالیٰ کی اولاد بھی ہے (معاذ اللہ) اور آپ کو کہتے ہیں کہ (معاذ اللہ) آپ کاذب وشاعر ہیں۔ ان کی بکواسات سے آپ کا دل دکھ گیا ہے اور ان کے ظلم وجفا سے آپ کے دل کو ٹھیس پہنچتی ہے تو آپ تسلی کریں کیونکہ میرا علم ان کے جملہ احوال کو محیط ہے اور میں ہی تکذیب کی ان کو سزا دوں گا اور شرک کرنے پر انھیں بہت بڑے عذاب میں مبتلا کر دوں گا۔

إِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ۔ بیشک ہم جانتے ہیں جو چھپاتے ہیں وہ جو ظاہر کرتے ہیں۔

فائدہ:۔ الارشاد میں ہے جملہ مستانفہ ہے پہلے اشارہ بعقاب گویا صراحت ہے کہ انہیں بت پرستی سے نہی فرمائی جارہی ہے۔

سوال:۔ نہی کہاں ہے یہ تو جملہ اسمیہ موکدہ ہے۔

جواب:۔ علم مستلزم ہے جزاؤ سزا کو یعنی ان کی پوشیدہ باتوں کا ہمیں علم ہے اور ہم ان کے عقائد فاسدہ بھی جانتے ہیں جو ان کے دلوں میں ہیں اور ہم ان سے آگاہ ہیں آپ کے ساتھ انہیں کتنا بغض وعداوت ہے اور ان کا شرک اور کفر اور رسالت کا انکار اور ان کے جملہ بکواسات کا ہمیں علم ہے پھر ہم ان کی جملہ جنایات باطنی وظاہری کی انہیں سزا دیں گے۔ ؎

با شکار و نہاں ہر چہ گفتی
جزا دہد بتو دانائے آشکار و نہاں

ترجمہ:۔ ظاہراً وباطناً جو عمل کیا یا ایسے ہی کوئی بات کہی تجھے وہ ذات جزا وسزا دے گی جو تیرے ظاہر وباطن کو جانتی ہے۔

نکتہ:۔ پوشیدہ امر کو ظاہر پر مقدم کرنا مبالغہ کے لیے ہے تاکہ انہیں معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کا علم ان کے جملہ معلومات کو محیط ہے گویا انہیں تنبیہ ہے کہ جن امور کو تم لوگ اپنے جیسوں سے مخفی رکھ کر یہ سمجھتے ہو کہ ان اسرار ورموز کو کوئی نہیں جان سکے گا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں واضح فرمایا کہ پوشیدہ امور اللہ تعالیٰ کے سامنے ایسے واضح ہیں جیسے تمہارے لیے کھلی باتیں روشن ہیں اس کے لیے پوشیدہ اور کھلے امور برابر ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ان امور کا حصول صور کے طور نہیں بلکہ ان اشیاء کا

---

[1] الارشاد (تفسیر)

وجود ہی اللہ تعالیٰ کے علم سے منسوب ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ کے لیے اشیاء کے ظاہری اور باطنی ہونے میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

نکتہ:۔ پوشیدہ اَمر کھلے امر سے مقدم ہوا کرتا ہے اس لیے کہ اسرار و رموز کو ظاہر کرنے سے پہلے وہ خود یا اُن کے مبادی قلب میں پوشیدہ تھے اسی لیے اللہ تعالیٰ کے علم کا تعلق پہلے اس سے ہوا جو شے پہلے تھی اور جو بعد کو آئے گی اس کا تعلق بعد کو ہوگا۔

فائدہ:۔ اس میں اشارہ ہے کہ اعداء کی وہ باتیں جو حسد اور طعن و تشنیع سے صادر ہوتی ہیں وہ انبیاء علیہم السلام کے قلوب کو غمگین کر دیتا ہے اگرچہ ان کے قلوب بہت بڑی قوت و طاقت کے حامل ہوتے ہیں بلکہ ان کو اور ان کے تابعداروں کو حکم ہوتا ہے کہ وہ ایسی لایعنی باتوں کو خیال میں نہ لائیں بلکہ حتی الامکان ایسے لوگوں سے نرمی کر کے اپنے قریب کرنے کی کوشش فرمائیں۔ اگرچہ وہ ان پر شدائد و تکالیف کے پہاڑ ڈھادیں کیونکہ اس سے ان کے لیے بہترین ثمرات اور اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا اعلیٰ مرتبہ ہے اور حاسدین کو انکار کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سزائیں چنانچہ فرمایا انا نعلم ما یسرون بیشک ہم حاسدوں کے حسد اور کینے کو وما یعلنون اور ہم ان کی عداوت و طعن و تشنیع اور ظلم اور شرارتوں کو خوب جانتے ہیں۔

نسخہ روحانی:۔ جب کسی کو یقین ہو جائے کہ یہ دکھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو پھر اس پر شدائد و تکالیف کی برداشت آسان ہو جاتی ہے بالخصوص وہ اُمور جو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں نازل ہوں[1]۔

فائدہ:۔ بزرگوں کا فرمان ہے کہ جب بندہ سمجھے کہ اس اَمر میں اللہ تعالیٰ نے میری آزمائش فرمائی ہے تو اسے درد و الم راحت و سرور محسوس ہوتا ہے۔

ع ہر چہ از جاناں می آید صفا باشد مرا[2]

ترجمہ:۔ جو محبوب سے آتا ہے وہ میرے لیے راحت ہی راحت ہے۔

نکتہ:۔ فلا یحزنک قولہم اور سورہ یونس کے ولا یحزنک قولہم میں وقف لازم ہے اور ہر دونوں کے بعد اِنَّ مکسور ہے اور یہ اس قول کا مقولہ نہیں بلکہ اس کا قول محذوف ہے یہاں پر قولہم کو (اِنَّ الخ کے ساتھ) وصل کرنا صحیح نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شایانِ شان نہیں کہ ان سے اس طرح کا خطاب کیا جائے۔

---

[1] تاویلات نجمیہ۔ [2] برہان القرآن۔

فائدہ:۔ انا نعلم الخ جملہ مستانفہ اور نہی کی تعلیل ہے انّا کو بفتح الہمزہ (اس ارادہ پر کہ لام محذوف ہے) پڑھنا جائز ہے حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تلبیہ (لبیک لبیک)۔
انّ الحمد الخ بکسر الہمزہ اسی قانون پر ہے۔ سیدنا ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے انّ بکسر الہمزہ پڑھا اور امام شافعی رضی اللہ عنہ نے بفتح الہمزہ پڑھا ہے۔ ہر دونوں کے نزدیک تعلیل ہے۔

مسئلہ:۔ بعض نے کہا کہ اگر کوئی یہاں اِنَّا (بفتح الہمزہ) پڑھے گا تو اس کی نماز باطل بلکہ کافر ہو جائے گا لیکن یہ قول ہے ہے اس لیے کہ جو اسے مفتوح الہمزہ پڑھتے وقت کوئی مراد کوئی لیتا ہے تو یہ مکسور الہمزہ کے حکم میں ہے یا مفتوح الہمزہ کو قولہم سے بدل بنائے گا تو بھی ہر دونوں اعتبار سے نہ اس کی نماز باطل ہو گی نہ کفر لازم آئے گا کیونکہ اس کے مخاطب حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہیں بلکہ لئن اشرکت لیحبطن عملك۔ اگر تو شرک کرے گا تو تیرے عمل اکارت ہو جائیں گے۔ کے خطاب کی طرح یہاں پر مخاطب غیر نبی ہے۔

مسئلہ:۔ اگر کوئی یہ اعتقاد رکھے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم محزون ہوتے ہیں بوجہ اس کے کہ اللہ تعالیٰ ان کے مخفی اور ظاہر حالات کو جانتا ہے تو پھر کافر ہو گا۔

مسئلہ:۔ انا نعلم الخ کے ان کو مفتوح الہمزہ پڑھ کر قولہم کی علت بناتا ہے اور نحویوں کے قول کا اعتماد کرتا ہے جو قول کو ہر حال میں عمل کے قائل ہیں اس صورت میں بھی کافر ہو گا[1]۔

تفسیر عالمانہ:۔

اولم یر الانسان انا خلقناہ من نطفۃ۔ یہ جملہ متانفہ ہے ان کے مرنے کے بعد اُٹھنے کے انکار کے بطلان کے لیے لایا گیا ہے جبکہ پہلے انہیں بطور مشاہدہ باور کرایا گیا ہے کہ مرنے کے بعد اُٹھنا حق ہے۔ یہ واضح ترین دلائل اور اعلیٰ طریق کے شواہد سے ہے۔ یہ ایسے ہے جیسے ان کی بت پرستی کا بطلان مشاہدہ کے طور ہوا کہ آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ ان کے بت کسی کام کے نہیں پھر انہیں باور کرایا گیا کہ توحید و اسلام حق ہے اور بس۔

فائدہ:۔ ہمزہ انکار و تعجیب کے لیے اور واؤ عاطفہ ہے۔ مقدر فعل پر عطف ہے یہاں پر رؤیت قلبی مراد ہے اور نطفہ وہ صاف پانی جسے ماء الرجل (مرد کا پانی) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

شان نزول:۔ مروی ہے کہ قریش مکہ کی ایک جماعت (کفار) جیسے ابی بن خلف۔ وہب بن حذافہ بن جمح۔

---

[1] بحر العلوم ملخصاً ۱۲

ابوجہل۔ عاص بن وائل۔ ولید بن مغیرہ کا اجتماع ہوا اور کہا کہ (حضرت) محمد (مصطفےٰ) صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ سب کو اُٹھائے گا۔ ابی بن خلف نے کہا میں ان کے پاس جاکر ان سے سوال کروں گا۔ یہ کہہ کر ایک پرانی ہڈی ہاتھ میں لیے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر ہڈی کو ٹکڑے ٹکڑے بھی کرتا جاتا تھا اور کہتا تھا کیا اللہ تعالیٰ اس ہڈی کو بھی اُٹھائے گا جبکہ یہ بالکل چورا چورا ہو چکی ہے۔ حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نعم و یبعثك و یدخلك جھنم[1]۔ ہاں اللہ تعالیٰ تجھے بھی اُٹھائے گا اور پھر تجھے جہنم میں داخل فرمائے گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

قاعدہ تفسیریہ:- اس سے ان کافروں کا ردّ ہے جو مرنے کے بعد اُٹھنے کے منکر ہیں لیکن اب اس کا حکم عام ہے۔ قیامت تک جو بھی مرنے کے بعد اُٹھنے کا انکار کرے گا اس کا یہی حکم ہے کیونکہ قرآنی مضامین عموم کا اعتبار ہوتا ہے نہ خاص نزول سبب کا۔

نکتہ:- نحوی قاعدہ پر ضمیر لانا چاہیئے تھا لیکن انسان (اسم ظاہر) لاکر اشارہ کیا گیا ہے کہ یہ حکم من حیث الانسان ہے۔ کسے باشد (کوئی ہو) جیسے دوسری جگہ پر فرمایا: اولا یذکر الانسان انا خلقناہ من قبل و لم یک شیئا[2]۔ کیا انسان نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اسے پیدا کیا اور وہ اس سے پہلے کچھ نہ تھا[3]۔

خلاصۃ التفسیر:- وہ انسان جو مرنے کے بعد اُٹھنے کا منکر ہے کیا وہ سوچتا نہیں۔ کیا اسے یقین نہیں کہ ہم نے اسے ایک نطفے سے پیدا کیا یعنی ابن ابی خلف اور اس جیسے نہیں سمجھتے کہ ہم نے انہیں ایک بے کار پانی سے پیدا کرکے اسے چالیس روز تک ایک مخصوص جگہ پر رکھا یہاں تک کہ پھر وہ لوتھڑا بنا۔

حدیث شریف:- حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری تخلیق ایک نطفے سے ہوئی پھر وہ چالیس دن ماں کے پیٹ میں رہا۔ پھر گاڑھا پانی بنا۔ پھر گوشت کا لوتھڑا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ مقرر فرماتا ہے جس کے پاس چار کلمات ہوتے ہیں۔ اسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کا اجل (زندگی کے لمحات) اور رزق اور سعید یا بدبخت لکھو[4] پھر ہم نے

---

[1] روح البیان صفحہ ۴۳۶ ج ۷ جدید مطبوعہ استنبول [2] سورۂ مریم
[3] الارشاد (تفسیر) [4] مشکوٰۃ شریف وغیرہ۔

اسے انسانی شکل اور صورت بشری میں دنیا میں ظاہر کیا حالانکہ پہلے وہ ایک گوشہ میں پڑا تھا۔ اب اسے ایک وسیع میدان میں لائے ہیں یا یوں سمجھئے کہ اسے خون کی وادی سے بہتر ین اور صاف ستھرا دودھ پلایا پھر اسے عقل و فہم و فراست اور سمع و بصر اور دل و جان بخش کر آراستہ و پیراستہ فرمایا پھر قبض و بسط اور چلنا پھرنا۔ حرکات و سکنات سے نوازا۔ اسے نطفے سے اس مرتبہ پر پہنچایا لیکن افسوس کہ ہماری نعمتوں کو پس پشت ڈال کر زبان دراز ہو گیا اور میرے مقابلہ پر اتر آیا۔ چنانچہ فرمایا فاذا ھو پھر اس وقت وہ ہو گیا خصیم جھگڑالو اور باطل امر کے لیے مقابلہ کرنے والا۔ مبین کھلم کھلا کہ حجت بازی اور لڑائی جھگڑا میں کھل کر سامنے آگیا ہے۔

فائدہ:۔ اس کا جملہ منفیہ پر عطف ہے اور انکار و تعجیب میں داخل ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کیا انسان غور نہیں کرتا کہ ہم نے اسے خسیس ترین پانی سے پیدا کیا لیکن یہ میرے مقابلہ پر اترآیا وہ بھی ایسے امر میں جس کی صحت و حقانیت ایسی واضح ہے کہ اسے ٹھکرایا نہیں جا سکتا۔ اور اس پر اس کی اپنی فطرت بھی شاہد ہے۔

فائدہ:۔ یہ جاہل غافل کا حال ہے کسی نے کیا خوب فرمایا ؎

اعلمه الرمایة کل یوم
فلما اشتد ساعده رمانی
اعلمه القوافی کل حین
فلما قال قافیة هجانی

ترجمہ:۔ میں نے کئی دن محنت کر کے اسے تیر اندازی کا ہنر سکھایا جب مکمل سیکھ لیا تو اس کا پہلا نشانہ میں ہی ہوا۔

ترجمہ:۔ میں نے اسے شعر گوئی سکھائی جب سیکھ گیا تو سب سے پہلی ہجو میری ہی کر ڈالی۔

اسی طرح کا ایک اور شعر ہے ؎

لقد ربیت جرو ذئب عمری
فلما صار کلبا عض رجلی

ترجمہ:۔ میں نے عمر بھر بھیڑیئے کے بچے کو پالا جب جوان ہوا تو میرا پاؤں کاٹ کھایا۔

فائدہ:۔ سمرقندی نے فرمایا کہ اذا مفاجاتیہ کا عامل مفاجات کا معنیٰ ہے۔ یہ ایسا عامل ہے کہ کبھی ظاہر ہو کر نہیں آتا نہ ہی ظاہر کرنے کی ضرورت ہے اس لیے کہ اس کے معنیٰ میں اتنی قوت

ہے کہ جسے ظاہر ہونے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی اس کے بعد ہمیشہ وہ جملہ آتا ہے جو مبتدا و خبر سے مرکب ہو اور وہی اس کے فاعل کا کام دیتا ہے۔ اب فاذا ھو خصیم مبین کا معنیٰ یہ ہوا کہ اچانک ان کی خصومت کھل کر سامنے آگئی اور اذا ھم یقنطون اچانک ان کو نا اُمیدی چھا گئی یا جملہ اس کا مفعول واقع ہوتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ خصومت پر اچانک پہنچ گیا یعنی اپنے خالق سے کھلم کھلا جھگڑا اور اس کی رحمت سے نا اُمید ہوا۔

وضرب لنا مثلاً۔ اس کا عطف جملہ مفاجاتیہ پر ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ اچانک جھگڑا کر کے ہمارے لیے مثالیں بیان کرنے لگا یعنی ہمارے حق میں ایک عجیب قصہ گھڑ لیا یعنی ایسی مثالیں قائم کر دیں جو عجیب و غریب ہیں جنہیں عقول قبول نہ کر سکیں۔ مثلاً انکار کرنا کہ اللہ تعالیٰ ہڈیوں کو زندہ نہ کرے گا ایسے ہی اللہ تعالیٰ کی دیگر قدرت کے اُمور کا انکار۔

فائدہ:۔ ابن الشیخ نے فرمایا لفظ مثل امر عجیب کے لیے استعارۃً مستعمل ہوتا ہے غرابت میں اس کو مثل عرفی کے ساتھ تشبیہ دے کر جو عام کہاوت بن گئی ہو اس میں شک نہیں کہ جب وہ ذات جملہ ممکنات پر قدرت رکھتی ہے تو اسے مرنے کے بعد اُٹھانے پر اس کے لیے کیا محال ہے وہ تو ہر شے پر قادر ہے لیکن کافروں کا دوسری قدرتوں کا اقرار کر کے مرنے کے بعد اُٹھنے کا انکار کرنا عجیب سے عجیب تر ہے۔

ونسی خلقہ۔ اس کا عطف ضَرَبَ پر ہے اور یہ بھی انکار و تعجیب کے حکم میں داخل ہے اور مصدر اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے یعنی اسے ہمارا اسے نطفہ سے پیدا کرنا بھول گیا ورنہ اگر اسے اپنی ابتدائی تخلیق یاد ہوتی تو پھر میری قدرت بعث بعد الموت کو نہ بھولتا ورنہ بظاہر ان دونوں میں کوئی فرق نہیں اس لیے کہ ابتدائی تخلیق میں بھی جماد کو زندگی بخشی گئی اور بعث بعد الموت بھی جماد میں حیات بخشنا ہی ہے۔

نکتہ:۔ البقلی نے فرمایا دنیا میں اللہ تعالیٰ کی عجائبات قدرت کی علامات سے انسان اور حسین صورتوں کی تخلیق اعلیٰ علامت ہے کیونکہ جملہ بلکہ جملہ عوالم کا انسان مجموعہ ہے اور اسی سے ہی اس کا علم ہوتا ہے جیسا کہ وارد ہے کہ جس نے خود کو پہچانا اُس نے اپنے رب کو پہچانا اس لیے مخلوق حقیقت کا آئینہ ہے کیونکہ مخلوق میں حقیقت جلوہ گر ہے اور اسے اہل معرفت ہی سمجھتے ہیں۔ بہت سے قلوب جہالت کی موت سے مردہ ہو کر جمال الٰہی کی تجلیات سے زندہ ہوتے ہیں۔

قال یہ جملہ مستانفہ ہے اور اس سوال کا جواب جو مثل بیان کرنے سے پیدا کیا گیا کہ کافروں نے

کو کس شل بیان کی اس نے کیسا اعتراض کیا تو اس کے جواب میں فرمایا کہ کافر کہتا ہے کہ من یحی العظام (کون ہڈیوں کو زندہ کرے گا) اس شدید انکار کی تاکید وھی رمیم سے کی گئی یعنی وہ ہڈیاں جو چورہ چورہ ہو کر زندگی کے آثار سے کوسوں دور ہو جائیں گی جن پر نہ چمڑا نہ گوشت نہ رگیں نہ پٹھے تو پھر ان کی زندگی کیسی ؟

حل لغات :۔ رمیم ۔ رم العظم یرم رمۃ دونوں مصدر دل برمٌ و رِمّۃ میں راء کو مکسور پڑھنا ہوگا بمعنی ہڈیوں کا گل کر راکھ ہو جانا ۔

سوال :۔ رمیم ۔عظام کی خبر واقع ہوئی ہے اور واحد جمع کی خبر کیسی ؟

جواب :۔ یہ عظام کی خبر نہیں بلکہ اس شے کی خبر ہے جو گل سڑ کر چورہ چورہ ہو جائے گی ۔ یہ رفات کی طرح غیر صفت ہے ۔

مسئلہ :۔ امام شافعی و امام مالک و امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ اس آیت کے ظاہر سے استدلال کرتے ہیں کہ ہڈیوں میں حیات ہے اس لیے مردے کی ہڈیاں پلید ہیں ہمارے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بال کی طرح ہڈی بھی نجس نہیں اور احیاء العظام کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو پہلی والی حالت میں لائے گا کہ اسی طرح لیس دار ہوں گی اور ان میں رطوبت آجائے گی جیسے زندہ حساس کے بدن میں ہوتا ہے ۔

مسئلہ :۔ مرنے کے بعد انسان پلید ہو جاتا ہے یا کیونکہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نجس ہو جاتا ہے اس لیے کہ دموی (خون والا) ہے پھر نہلانے کے بعد پاک ہو جاتا ہے یہ بھی اس کی بزرگی و کرامت و شرافت کے پیش نظر فتویٰ ہے اس لیے

تکرہ الصلوٰۃ علیہ فی المسجد[۱]

ترجمہ :۔ مسجد میں نماز جنازہ پڑھانا مکروہ ہے ۔

امام احمد اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ نہ مردہ نجس ہوتا ہے اور نہ ہی اس کی نماز جنازہ مسجد میں

---

[۱] افسوس کہ مسجد نبوی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام اور مسجد الحرام میں ہی نجدی نماز جنازہ پڑھتے پڑھاتے ہیں حالانکہ احادیث مبارکہ کے صراحۃً خلاف ہے ۔ حضرت علامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں بھی اسی طرح پڑھا جاتا تھا انہوں نے نماز جنازہ باہر پڑھانے کی تلقین کی تو مان لیا گیا لیکن بعد کو نجدیوں کے دور سے اس کا عمل زوروں پر جاری ہے ان کے دیکھا دیکھی ہمارے بعض حنفی بھی اپنے فتاویٰ کو پس پشت ڈال کر نماز جنازہ مساجد میں پڑھنے لگ جاتے ہیں ۔

پڑھنا مکروہ ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اس کے خلاف ہیں لیکن ظاہر یہ ہے کہ ان کے نزدیک مردہ طاہر ہے اور نماز جنازہ مسجد میں ادا کرنا مشہور یہ ہے کہ ان کے نزدیک امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی طرح مکروہ ہے۔

قل۔ اے (پیارے حبیب) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) منکر انسان کو تبکیتاً فرمایئے جو کچھ وہ بھول گیا ہے کہ اے منکر تیری فطرت تو حقیقت پر دلالت کرتی ہے اور ہزاروں کو ایماں قائم کر کے تجھے اچھا راستہ دکھاتی ہے۔

یحییہا۔ ان پُرانی ہڈیوں کو وہ ذات زندہ کرے گی الذی انشاھا جس نے انہیں اول مرۃ بار اول پیدا فرمایا تھا حالانکہ وہ اس وقت تو وہ کچھ بھی نہیں اس لیے کہ یہ اس کی قدرت ہے اور اس کی قدرت کو کسی قسم کا تغیر نہیں حالانکہ اب تو تمہارے قانون پر اس کے لیے زیادہ آسان ہے کہ حیات کے قبول کرنے والا مادہ موجود ہے جو حیات کو جلد قبول کرے گا۔

فائدہ :۔ یہ آیت ان نصوص قاطعہ سے ہے جو حشر اجساد پر ناطق ہیں اس سے ابتدائی تخلیق سے بعث بعد الموت کا استدلال کیا گیا ہے اس میں اس کا ردّ ہے جو بعث بعد الموت کا انکار و تکذیب کرتا ہے۔

وھو اور وہ اللہ تعالیٰ پیدا کرنے والا ہے بکل خلق علیم۔ تمام مخلوق کو جانتا ہے۔ کیفیات تخلیق و ایجاد کی تفاصیل کا خوب علم رکھتا ہے اسے علم ہے کہ وہ کیسے پیدا ہوئی ہے اور پھر کیسے لوٹائی جائے گی اور ہر شخص کے جمیع اجزاء کو اس کا علم محیط ہے اس کے اصول و فروع اور بعض کو بعض کے ساتھ رکھنے میں کہ وہ کس کو متصل ہیں اور کس کو منفصل کون ان میں مجتمع ہیں اور کون مفترق۔ پھر اسی طرح قویٰ ہیں قوت عطا کر کے دوبارہ لوٹائے گا۔

فائدہ :۔ بحر العلوم میں ہے کہ وہ اس کا علم ہر مخلوق سے مکمل طور ہے کہ اس سے اجزاء کے ٹکڑے مخفی نہیں اور نہ اس کے اصول و فروع جب موتیٰ کو زندہ کرنا چاہے گا تو ان کے اجزاء اصلیہ جمع کر کے ان میں اَرواح لوٹائے گا پھر اسی طرح زندہ ہو جائے گے۔ جیسے دنیا میں تھے حشرات الاجساد والارواح اور بعث الموتیٰ کا یہی معنیٰ ہے۔

فائدہ :۔ حضرت قاضی عضد الدین رحمۃ اللہ علیہ نے المواقف میں لکھا ہے کہ کیا اجزائے بدنیہ مٹا کر لوٹائے گا یا ان میں متفرق کر کے پھر انہیں مرکب فرمائے گا حق یہ ہے کہ اس بارہ میں کوئی ثبوت نہیں ملتا اور نہ ہی ان میں کسی خاص کو عقیدہ کے طور اپنا سکتے ہیں اور نہ ہی یقینی طور پر اس کی نفی کر سکتے ہیں کیونکہ ان دونوں کے متعلق نفیاً و اثباتاً کسی قسم کی دلیل نہیں ملتی۔

سوال :۔ کل شئی ھالک الا وجھہ (ہر شے ہلاک ہونے والی ہے سوائے اللہ تعالیٰ کے) سے دونوں

مذکور بالا اُمور میں سے ٹلنے کی صریح آیت تو ہے۔
جواب:۔ اسے جس طرح ٹلنے کی دلیل بنایا جا سکتا ہے ایسے ہی ان کے متفرق کر دینے پر بھی استدلال ہو سکتا ہے اور یہ بھی ہے کہ ان کے منافع ختم کر دینا مراد ہو۔
مسئلہ:۔ لوٹایا جانے والا بعینہٖ وہی جسم ہوگا جو اسے دنیا میں ملا تھا یعنی اسے جمیع عوارض مشخصہ کے ساتھ اُٹھایا جائے گا خواہ یہ عقیدہ رکھا جائے کہ اس کے کل اجزاء بالکل مٹا دیئے جائیں گے یہاں تک کہ وہ عدم ہو جائیں گے پھر اللہ تعالیٰ اس کے اجزائے اصلیہ اور وہ صفات جو اس میں حاول کرنے والے جتنے کو لوٹائے گا یا یوں کہیں کہ اس کے اجزاء متفرق ہو کر منافع کے قابل نہ رہنے کے بعد لوٹائے گا اور پھر وہ اسی طرح ہوں گے جیسے دنیا میں تھے کہ ان کے متفرقہ اجزاء کو ملا کر ان میں حیات داخل کی جائے گی۔

بعث بعد الموت کے منکرین کے گروہ

(۱)۔ بعض وہ تھے کہ ان کے پاس دلیل تو کوئی نہ تھی لیکن صرف اپنے خیال پر مر کر اُٹھنا عقل کے خلاف یہ سمجھتے زمانۂ نبوت میں بہت تھے ان کے اقوال اللہ تعالیٰ نے مندرج ذیل آیات میں بیان فرمائے ہیں:۔

(۱)۔ ائذا ضللنا فی الارض ائنا لفی خلق جدید
ترجمہ:۔ کیا جس وقت ہم مٹی میں مل جائیں گے کیا ہم نئی تخلیق میں ہوں گے۔
(۲)۔ ائذا متنا و کنا ترابا و عظاما ائنا لمبعوثون
ترجمہ:۔ کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو کر اُٹھائے جائیں گے۔

من یحیی العظام وھی رمیم۔ جس نے کہا وہ بھی اسی گروہ سے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے ابطال میں فرمایا ونسی خلقہ یعنی اس کو وہ بھول گیا کہ ہم نے اسے مٹی سے پھر نطفہ سے بنایا جو یہ بھی تو مختلفۃ الاجزاء ہیں۔ پھر ہم نے پیشانی سے پاؤں تک اس کی بہترین تصویر بنائی جو یہ بھی مختلفۃ الصور (مختلف شکلوں) والے ہیں پھر اس پر اکتفا نہیں بلکہ اس میں ایسے اُمور داخل فرمائے جو اس ظاہری اعضاء سے کسی قسم کی بھی مشابہت نہیں رکھتے مثلاً نطق (بولنا) عقل یہ دونوں وہ ہیں جن کی وجہ سے انسان کو اعزاز و اکرام نصیب ہے اگر یہ بعث بعد الموت کو محال سمجھتے ہیں تو پھر اسے کیوں نہیں محال سمجھتے کہ اس نطفے کی گندگی سے عاقل ناطق کیسے پیدا ہو گیا جبکہ وہ کسی حیثیت سے بھی حیات کا محل نہیں ان کی عقل پہ پالے پڑ گئے کہ اب اس عقل و نطق کو اپنے محل میں لوٹنے کو بعید از قیاس سمجھ رہے ہیں۔

(۲) - بعض وہ ہیں جنہوں نے شبہات ڈالنے کی کوشش کی لیکن ان کے شبہات کا مآل وہی تھا کہ ایسا ہونا بعید از قیاس ہے ان کے شبہات میں صرف دو شبہات قوی سمجھے جاتے تھے :-

(۱) - مرنے کے بعد انسان تو عدم محض ہو جاتا ہے تو عدم محض پر وجود کا طریان کیسا - اس شبہ کا جواب خود باری تعالیٰ نے فرمایا قل یحییہا الذی انشأھا اول مرۃ یعنی انہیں کہہ دو کہ یہ ایسے ہے کہ انسان کچھ بھی نہ تھا لیکن اس نے وجود بخشا جیسے اسے عدم سے وجود بخشا ایسے ہی بعد الموت کے زندہ اُٹھنے کو سمجھئے -

(۲) - جس کے اجزاء مشارق و مغارب میں پھیل گئے اس کے بعض اجزاء تو درندوں کے پیٹ میں اور بعض پرندوں کی غذا بنے اور بعض دیواروں کے گارے میں کام آئے یہ کیسے مجتمع ہو سکیں گے اس میں اور اشکال شدید تر سمجھا جاتا تھا وہ یہ کہ انسان انسان کو کھا جائے - اس طرح سے آکل[۱] (کھانے والا) میں ماکول (کھائے ہوئے) کے اجزاء میں داخل ہو کر آکل کے کا جز ہو گئے اب سوال یہ ہے کہ آکل کے اجزاء لوٹائے جائیں گے تو ماکول کے اجزاء کہاں کیونکہ ماکول کے اجزاء سے آکل کی نشوونما ہوئی - اگر ماکول کے اجزاء لوٹائے گئے تو پھر آکل نے جن اجزاء سے نشوونما پائی اس کی حیثیت بحال نہ رہی اس کا جواب بھی باری تعالیٰ نے دیا کہ وھو بکل خلق علیم -

توضیح الجواب

اس کی توضیح یوں ہے کہ آکل کے اجزاء دو قسم کے ہوتے ہیں :-

۱ - اصلیہ ۲ - فضلیہ

ایسے ہی ماکول کے متعلق سمجھئے جس وقت آکل نے ماکول کو کھایا تو ماکول کے اجزاء فضلیہ کی حیثیت سے آکل کے پیٹ وغیرہ میں جاگزین ہوئے - آکل کے اجزاء اصلیہ وہی ہیں جو ماکول کو کھانے سے پہلے موجود تھے اس معنیٰ پر وہ خالق و مالک آکل کے اجزاء اصلیہ لوٹائے گا تو ماکول کے بھی جو کہ اب وہ آکل کے لیے فضلیہ ہیں اور ہمارا دعویٰ بھی اجزائے اصلیہ کے متعلق ہے اور وہ مالک اجزاء اصلیہ و فضلیہ کو خوب

---

[۱] یہ کیفیت ہم نے جدہ (بموقعہ حج ۱۴۱۲ھ) میں جا کر سنی کہ یہاں انڈونیشیا کے بعض گروہ (کفار) انسان کے گوشت کے رسیا ہیں اس لیے ایک پاکستانی کو بہلا پھسلا کر کاٹ کھایا اس وقت پکڑے گئے جب اس کے بعض اجزاء بھی ان کے ہاں موجود تھے - واللہ تعالیٰ اعلم = اویسی غفرلہٗ -

جاتا ہے ان اجزاء اصلیہ میں ہی روح عود کرے گی ایسے ہی ان اجزاء کے متعلق سمجھئے جو دور دور تک مشارق و مغارب میں پھیلے وہی حکمت و قدرت کا مالک ہے۔

فائدہ:۔ بعض افاضل نے فرمایا کہ ان منکروں کا ہڈیوں کے چورچور ہو جانے کے بعد مرنے کے بعد اٹھنے کے استبعاد کی دو وجہیں ہیں:۔

(۱)۔ اجزاء الابدان والاعضاء ایک دوسرے سے مختلط ہو جائیں گے تو پھر کس طرح ان خشک اور چورہ چورہ ٹکڑوں کا امتیاز ہوگا۔

(۲)۔ ان خشک ریزوں کے خلاف حیات رطوبتی اجزاء کی متقضی ہے اس کے جواب میں فرمایا وھو بکل شئ علیم۔ یعنی وہی اپنے علم سے اجزاء ابدان و اعضاء کا امتیاز فرمائے گا۔ دوسرے سوال کا جواب یوں دیا کہ الذی جعل لکم من الشجر الاخضر نارا۔ وہ ذات جس نے تمہارے لیے سبز درخت سے آگ بنائی۔ یہ موصول اول سے بدل ہے اور عطف صلہ پر اکتفا نہیں کرتے۔ تاکید مطلوب ہے اور کیفیت دلالت میں متفاوت ہیں۔

حل لغات:۔ شجر وہ گھانس جو پنڈلی دار ہو اور سبز وہ رنگ جو سفید و سیاہ کے درمیان ہو لیکن سیاہی کو زیادہ مائل ہو اسی لیے اسود (کالے) کو اخضر (سبز) اور اخضر کو اسود کہا جاتا ہے اور سواد العراق اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں سبزی بکثرت ہو اور شجر کو اخضر سے موصوف کیا گیا ہے حالانکہ خضراء ہونا چاہیئے تھا اس کے لفظ کی وجہ سے اس لیے کہ لفظ شجر مذکر ہے لیکن معناً مونث ہے کیونکہ یہ شجرت کی جمع ہے جیسے ثمر ثمرت سے جمع اور لفظاً جمع مؤنث ہے بمعنی الجماعۃ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نے تمہارے منافع کے لیے سبز درخت سے آگ پیدا کی جیسے (مرخ) ایک قسم کا عرب میں درخت ہے (المنجد) المرخ (بالخاء المعجمۃ) اور عفار سے۔ عفار ایک اور دوسرا درخت ہے (عفار بھیوں سحاب (بالعین المہملۃ) اور وہ ہر جگہ ہوتا ہے۔ بوادیٔ عرب میں عام ملتا ہے۔ ان دونوں سے دو ٹہنیاں مسواک کی مقدار میں کاٹ لی جاتی ہیں دونوں سبز ہوتی ہیں۔ دونوں سے پانی نکلتا ہے۔ ان دونوں سے آگ حاصل کی جاتی ہے۔ حکماء فرماتے ہیں عناب کے سوا ہر درخت سے نکل سکتی ہے عناب میں نہیں اسی لیے دھوبی اس پر کپڑے دھوتے اور اسی سے چابک بناتے ہیں اور مرخ و عفار سے آگ نکالنے کا طریقہ یہی ہے کہ دو ٹہنیاں لے کر مرخ (یہ نر ہے) کو اعفار (یہ مادہ ہے) پر گھسا جائے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان دونوں کے ملانے سے آگ نکل آئے گی اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا فاذا انتم منہ توقدون۔ پس اچانک تم اس سے آگ روشن کرتے ہو

اذا مفاجاتیہ اور جار (توقدون) متعلق اور ضمیر شجر کی طرف راجع ہے۔ الایقاد معنی آگ روشن کرنا یعنی تم اسی درخت سے آگ روشن کرتے ہو تمہیں ذرہ برابر بھی شک نہیں کہ اس سے آگ روشن نہ ہوگی ایسے ہی اس میں بھی شک نہ کرو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں مرنے کے بعد سوال وجواب جزاوسزا کے لیے اٹھائے گا جو ذات آگ کو سبز درخت سے پیدا کر کے نکال سکتی ہے حالانکہ پانی اور آگ کو آپس میں تضاد ہے تو اس کے لیے کیا مشکل ہے کہ وہ خشک ہڈیوں کو تروتازگی کی طرف لوٹائے اگرچہ وہ کتنا ہی خشک اور پرانی ہو چکی ہو لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ جامع الاضداد ہے۔ دیکھئے لکڑی میں پانی اور آگ دونوں یکجا ہیں نہ پانی آگ کو بجھاتا ہے اور نہ ہی آگ لکڑی کو جلاتی ہے۔

اعجوبہ:۔ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو پیدا فرمایا ہے ان کا بعض حصّہ برف اور بعض حصّہ آگ ہے ان کے جسم ایک دوسرے کے لیے مضر ہیں نہ تو آگ برف کو پگھلاتی ہے اور نہ برف آگ کو بجھاتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ:۔ آیت میں اشارہ ہے کہ الشجر الاخضر سے بشریت اور نار سے عشق و محبت مراد ہے کہ قلوب کے چراغ اسی سے روشن کیے جاتے ہیں۔ بعض اکابر مشائخ نے فرمایا کہ انسان کا ظاہری بدن تو عالم شہادت کا ہے لیکن قلب عالم ملکوت سے ہے تو جیسے قلب کے معارف کے آثار بدن پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ایسے ہی بدن کے احوال قلب کے آثار پر اثر ڈالتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کا ظاہر اعمال صالحہ سے مزین ہو گا تو اس سے نور پیدا ہوگا جس سے قلب کو نورانیت نصیب ہو گی اور وہ عالم بالا کے لیے آگے بڑھ سکے گا ؎

ادخلوا الابیات من ابوابہا
واطلبوا الاغراض من اسبابہا

ترجمہ:۔ گھروں میں دروازوں سے داخل ہوؤ اور اغراض کو اسباب سے تلاش کرو۔
ہم اللہ تعالیٰ سے دخول فی الطریق اور منزل تحقیق تک پہنچنے کا سوال کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ:۔ اولیس الذی خلق السمٰوٰت والارض۔ کیا اللہ تعالیٰ وہ نہیں جس نے آسمان و زمین پیدا کیے۔ ہمزہ انکار کا ہے اور نفی کے انکار سے ایجاب ثابت ہوتا ہے۔ واؤ عاطفہ ہے اس کا عطف فعل مقدر پر ہے جیسا کہ بصارت کا تقاضا ہے اگرچہ ہمزہ بظاہر حرف عطف پر داخل ہے لیکن درحقیقت وہ کلمہ نفی پر داخل ہے اس سے اثبات قدرت باری تعالیٰ مطلوب ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ کیا اللہ تعالیٰ قادر نہیں اس پر کہ اس نے لوگوں کو بار اول پیدا فرمایا اور سبز درخت سے آگ جلائی اور آسمانوں یعنی اجرام علویہ اور زمین یعنی اجرام سفلیہ اور جو کچھ ان آسمانوں

اور زمینوں میں ہے) پیدا فرمایا حالانکہ تم ان دونوں کو اپنے خیال پر بہت بڑا سمجھتے ہو لیکن باوجود بڑی مخلوق ہونے کے یہ میری پیدا کردہ ہیں۔

بقادر محلاً منصوب ہے کیونکہ لیس کی خبر ہے۔

علی ان یخلق۔ اُوپر اُس کے کہ وہ آخرت میں پیدا فرمائے **مثلھم** لوگوں جیسے یعنی صغیر و حقیر ہونے میں انسانوں جیسی اشیاء کو پیدا کرنے میں اسے کوئی اشکال نہ ہو۔ اور نہ ہی مشکل سمجھا جائے کہ وہ انھیں مرنے کے بعد کیسے زندہ فرمایا تو بالبداہتہ ثابت ہُوا کہ جو ذات ان بڑی بڑی چیزوں کے پیدا کرنے کی قدرت رکھتی ہے وہ ایسی چھوٹی اور معمولی اشیاء کی تخلیق میں بطریق اولیٰ قدرت کی مالک ہے جیسا کہ وہ خود بھی فرماتا ہے **لخلق السمٰوٰت والارض اکبر من خلق الناس**۔ انسانوں کی تخلیق سے (بخیال تمھارے) آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق کا بہت بڑا کام ہے۔ یعنی انسان جیسی معمولی شے کو ذات و صفات کے ساتھ آخرت میں لوٹایا جائے کیونکہ معاد یہی ہے کہ انسان کو اس کے پہلے اجزاء اصلیہ و صفات مشخصہ کے ساتھ قیامت میں لایا جائے اگرچہ وہاں اس کے بعض عوارض اس دنیوی عوارض کے مغایر بھی ہوں مثلاً قیامت میں اہل جنت بالوں سے خالی اور بالکل صاف ستھرے چہرے والے ہوں گے اور کافر کی ایک داڑھ اُحد پہاڑ وغیرہ جیسی ہو گی۔

فائدہ:۔ علامہ شرف الدین طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ **مثل** کا لفظ مخاطبین سے کنایہ ہے جیسے کہا جاتا ہے **مثلك يجود**۔ اب معنیٰ یہ ہو گا کہ ان کافروں جیسا پیدا کرے۔

تفسیر صوفیانہ:۔ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اعادہ ابتداء کے معنیٰ میں ہے یعنی جب تم نے ابتداءً کا اقرار کر لیا تو پھر اعادہ انتہا (مرنے کے بعد اُٹھنے) کے جواز پر کون سا اشکال ہے پھر فرمایا کہ وہ ذات جو مرخ و عفار کی ٹہنیوں سے آگ پیدا کرنے کی قدرت رکھتی ہے اس کے لیے کونسی مشکل بات ہے کہ وہ پرانی ہڈیوں میں حیات پیدا نہ کر سکے۔ اس کے بعد دلیل کو آگے بڑھا کر فرمایا کہ جو ذات شے کی مثل پیدا کرنے کی قدرت رکھتی ہے وہ اصل کو کیوں نہ پیدا کر سکے گی جبکہ شے ہونے میں تو وہ دونوں برابر ہیں اسی لیے ماننا پڑے گا کہ وہ کریم مردہ انسانوں کو زندہ کر کے عرصہ قیامت میں لانے کی قدرت کا مالک ہے جیسے وہ نطفے سے انسان اور انڈے سے پرندہ پیدا کرتا ہے ایسے ہی اہل ایمان کے مردہ قلوب کو عرفان کی دولت سے نوازتا ہے تو اہل کفر کے دلوں کو خواہش نفسانی اور گمراہی سے مردہ بناتا ہے ؎

دل عاشق چہ باغ و فیض حق ابر بہار آسا
حیات تازہ بخشد حق دمادم باغ و بہار

ترجمہ:۔ عاشق کا دل باغ کی طرح اور حق کا فیض بہا جیسا ہے اسی لیے ہر لحظہ اللہ تعالیٰ دلوں کے باغ کو تازہ زندگی بخشتا ہے۔

تفسیر عالمانہ:۔ بلیٰ۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب ہے جس کا استفہام انکاری اشارہ کے طور فائدہ دے رہا ہے۔ اس کی تصریح ہے یعنی نفی کا انکار اثبات ہوتا ہے تو وہ اب کھل کر آگیا ہے کہ وہ مانیں یا نہ مانیں بات حق یہی ہے جواب اس جواب میں کھل کر آئے گی۔ اگرچہ وہ اپنے اوپر الزام ثابت ہونے کے خطرہ سے اقرار نہ بھی کریں تب بھی ان پر الزام ثابت ہو گیا۔

فائدہ:۔ ابن الشیخ نے فرمایا کہ لفظ بلیٰ نفی مقدم کے بعد ایجاب کا فائدہ دیتا ہے گویا وہ حبارِ سابقہ کی نفی کو توڑنے کے لیے آتا ہے یہاں بھی اسی طرح ہے کہ کفار نے جس امر کا انکار کیا اس نے اُسے توڑ دیا وہ یہ کہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ بیشک وہ کریم بڑی قدرتوں والا ہے۔ اس کی دوسری مثال اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى ہے۔ یعنی پہلے استفہام کے طور فرمایا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں بندوں نے اس انکار کو توڑ کر عرض کی ہمارا اقرار ہے کہ تو ہمارا رب ہے۔

فائدہ:۔ مفردات (امام راغب) میں ہے کہ لفظ بلیٰ اس استفہام کے جواب میں آتا ہے جو نفی کو مقترن ہو جیسے الست بربکم اور لفظ نعم صرف استفہام کے جواب میں آتا ہے جیسے هل وجدتم ما وعد حقًا قالوا نعم۔ (کیا تم نے پایا وہ جو تمہارے ساتھ تمہارے پروردگار نے وعدہ فرمایا تو کہیں گے ہاں)۔ اس کے جواب میں بلیٰ نہیں آئے گا۔ ایسے ہی جب کہا جائے ما عندی شی میرے پاس کچھ نہیں اس کے جواب میں اگر بلیٰ کہو گے تو اس سے گزشتہ کلام کا رد کرنا سمجھا جائے گا اگر نعم بولو گے تو اس سے اقرار ثابت ہوگا۔ وھو الخلاق العلیم اور وہی پیدا کرنے والا علم والا ہے اس کا عطف اس پر ہے جو اس کا اثبات کا فائدہ دے رہا ہے یعنی ہاں وہی اس پر قادر اور بڑے علم والا اور مخلوق کو جیسے جس طرح چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔

فائدہ:۔ بعض نے کہا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ بہت زیادہ پیدا کرتا ہے کہ پے در پے پیدا کرتا جا رہا ہے اور اسے تمام مخلوق کے ذرہ ذرہ کا علم بھی ہے۔

قاعدہ مبالغہ

البرہان الرشیدی میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے تمام صیغے مبالغہ کے مجازاً استعمل ہوئے ہیں کیونکہ مبالغہ اس میں ہوتا ہے جہاں کسی دوسری صفت کا انتہا ہو تو پھر اس کے آگے بڑھا کر بتایا جائے اور

اللہ تعالیٰ کی جملہ صفات غیر متناہی ہیں اور مبالغہ ان صفات میں ہوتا ہے جہاں زیادتی و نقصان کا شائبہ ہوں اور اللہ تعالیٰ کی صفات نقص و زیادتی سے منزہ ہے۔ اس تقریر کی شیخ تقی الدین سبکی نے تحسین فرمائی ہے۔

قاعدہ صیغہ مبالغہ

امام زرکشی نے فرمایا کہ مبالغہ دو قسم ہے :۔

(۱)۔ شے میں فعل کو زائد کر کے مبالغہ کیا جائے۔

(۲)۔ مفعولات بڑھا کر اور ظاہر ہے کہ مفعولات کی کثرت فعل کی زیادتی ضروری نہیں کیونکہ ایک فعل کا وقوع متعدد مفاعیل پر ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کا ورود اس دوسری قسم سے ہے۔ اس تقریر پر مذکورہ بالا اعتراض خود بخود اٹھ گیا اسی لیے بعض نے فرمایا کہ حکیم معنی وہ ذات جس کا حکم تمام شرائع میں ہوا[1]۔

فائدہ :۔ کشاف میں ہے کہ تواب میں مبالغہ کا مطلب یہ ہے کہ اس کے حضور میں توبہ کرنے والے بکثرت ہیں یا یہ کہ وہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کر کے ان بندوں میں شریک کر دیتا ہے جن سے گناہ نہ ہوا اور یہ اس کی وسعت کرم کی دلیل ہے۔

تفسیر عالمانہ :۔ (انما امرہ) اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ اذا اراد شیئًا جب کسی شے کے وجود کا ارادہ فرماتا ہے کہ وہ ہو جائے تو ان یقول لہ کن اسے کہتا ہے ہو جا یعنی جب اس کی قدرت کا اس شے سے تعلق ہوتا ہے فیکون۔ تو وہ شے ہو جاتی ہے۔

فائدہ :۔ بعض نے یکون کو منصوب پڑھا ہے۔ یقول پر عطف کر کے لیکن جمہور اسے مرفوع پڑھتے ہیں اس لیے کہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے کہ یہ دراصل فھو یکون تھا۔ اس تقریر جملہ اسمیہ کا عطف جملہ اسمیہ پر ہو گا اس کا معطوف علیہ انما امرہ الخ اب معنیٰ یہ ہوا کہ شے کے ساتھ قدرت کے تعلق سے فوراً تاخیر پیدا ہو جاتی ہے۔

فائدہ :۔ یہ تمثیل ہے کہ جس طرح مطیع مامور اپنے مطاع کے حکم کی تعمیل میں دیر نہیں کرتا ہے ایسے ہی اللہ تعالیٰ کے حکم کے بعد شے کے وجود میں تاخیر نہیں ہوتی۔ یہ امام ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ کے

---

[1] برہان التحقیق ۔

مذہب کے مطابق ہے کیونکہ اگر حقیقت مراد ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کے قول اور اس کا شے پر موجود ہونا اور امر کے وقت مامور بہ کا ہونا ثابت کرنا پڑے گا اور ان میں کبھی مجاز کو دخل ہو گا کیونکہ امر جب ہو گا تو مامور کا پہلا ہونا ضروری ہے اور وہ یہاں نہیں اور مامور کے وجود سے پہلے امر ناممکن ہے۔

فائدہ:۔ حضرت نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ فیکون کی فاء تعقیب کی ہے جو عبارت سے پیدا ہوئی ورنہ یہاں تعقیب وتاخیر کہاں جبکہ اس کے حکم کے ہوتے شے وجود میں آجاتی ہے۔

فائدہ:۔ بعض بزرگوں نے فرمایا کہ کلمۂ کن ملائکہ کے لیے علامتی نشان ہے کہ جب وہ سنتے ہیں تو یقین ہو جاتا ہے کہ اب کوئی بھلائی ہو گئی ہے

حرفیست کاف و نون ز تو امیر صنع او
از قاف تا بقاف بدیں حرف گشتہ دال

ترجمہ:۔ حرف کاف ونون ہی اے مالک تیری صنعت پر قاف سے تا قاف دال کرنے والا ہے۔

تفسیر صوفیانہ:۔ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ ارادہ ازلیہ کا جیسے ایجاد مکنونات سے متعلق ہے ایسے بموافق حکمت ازلیہ مقدورات سے بھی ہمیشہ ارادہ متعلق ہے کہ جونہی کن کا امر ہوتا ہے۔ شے پیدا ہو جاتی ہے یہ حکم ازل سے ابد تک رہے گا۔

سوال:۔ ارادۂ الٰہی تو قدیم ہے تو کیا قول بھی قدیم ہے تو اس کا معنیٰ یہ ہوا کہ جملہ مکنونات بھی قدیم ہوں (یہ اہلسنت کے مذہب کے خلاف ہے)۔

جواب:۔ وقت معین ارادہ کا تعلق تو حادث ہے یعنی مکون کے وجود فی الخارج کے وقت ارادہ کا تعلق حادث ہے اور اس سے مکونات کا قدیم ہونا لازم نہیں آتا۔

حدیث شریف:۔ ان اللہ فرد یحب الفرد۔ بیشک اللہ تعالیٰ فرد ہے اور وہ فرد کو پسند کرتا ہے۔

شرح الحدیث

بعض اکابر مشائخ نے فرمایا کہ مقام فردیت تثلیث کی مقتضی ہے:۔

۱۔ ذات ۲۔ فعل ۳۔ صفت

امر ایجاب کی بنا اسی پر ہے انما امرہ الخ میں اسی ذات وفعل وصفت کی طرف اشارہ ہے یعنی ذات۔ ارادہ (صفت) قول (صفت) اور قول لقاد (قاعدہ صرفیہ جاری کرنے کے بعد) کا مقلوب ہے

اس معنی پر قول ثابت نہ ہوا بلکہ موجد (بکسر الجیم بصیغہ اسم فاعل) و موجد (بفتح الجیم بصیغہ مفعول) کا لقا ثابت ہوا۔ بایں طور کہ موجد (بکسر الجیم) کی ہویت کا سریان اس کی صفت و فعل کا ظہور موجد (بفتح الجیم) میں ہُوا اس نکتہ دقیق کو اچھی طرح سمجھ لو کیونکہ و نفخت فیہ من روحی کا راز اسی میں پوشیدہ ہے یہاں بھی نفخ حقیقی مراد نہیں بلکہ تصویر مراد ہے۔

فائدہ:۔ حضرت حسین نوری قدس سرہٗ نے فرمایا کہ جملہ کائنات کا اظہار لفظ کُن سے ہُوا تاکہ معلوم ہو کہ یہ تمام اشیاء کچھ نہیں اور نہ ہی ان سے جی لگانا اچھا ہے بلکہ اس کو دل دینا چاہیئے جو ان کا خالق اور موجد ہے خلق کا شغل کونین کی زینت ہے اسی لیے عام کو اسی شغل میں چھوڑ دیا اور مخصوص مخلوق کو اپنے لیے چنا وہ کہ جنہیں کونین کے مشاغل سے آزاد رکھا اور اسی پر انھیں زندہ رکھتا ہے۔ انھیں کسی علت اور سبب کا محتاج نہیں بنایا اور نہ ہی دنیوی آثار میں مشغول رکھتا ہے ؎

محو معنیٰ و فارغ از صورم
نیست از جلوۂ صور خبرم
تا شدم از سوائے حق فانی
یافتم من وجود حقانی
شد زمن غائب عالم اکوان
دیدہ ام گشت پُر ز نور جہاں

ترجمہ:۔ معنیٰ میں محو اور صورتوں سے فارغ ہوں بلکہ مجھے تو صور کے جلووں کا بھی علم نہیں۔
تاکہ ماسوائے حق سے فانی ہو کر وجود حقانی سے بہرہ مند ہوں۔
میرے سے جملہ اکوان غائب ہوگیا۔ آنکھیں نور جہان سے پُر ہو گئیں۔

تفسیر عالمانہ:۔ فسبحان الذی بیدہ ملکوت کل شئ۔ پس پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ملکوت کی ہر شے ہے۔

حل لغات:۔ ملکوت۔ رحموت۔ رہبوت۔ جبروت۔ یہ سب کے سب مصادر ہیں ان پر واؤ اور تاء بطور مبالغہ بڑھائی گئی ہے ورنہ یہ دراصل ملک۔ رحمت۔ رہبت جبر تھے۔ المفردات میں ہے کہ ملکوت اللہ تعالیٰ کے ملک کے ساتھ مخصوص ہے۔ ملک بمعنی ضبط الشئ اور امر و نہی کے ساتھ شے میں تصرف کرنا۔ جب ثابت ہو گیا کہ وہ ذات منزہ و مقدس ہے جیسا کہ اس کی صفات احیاء۔ قدرت۔ انشاء (تخلیق) دلالت کرتی ہے اور ثابت ہو گیا کہ اس کا ارادہ مراد کے

خلاف کبھی نہیں ہوتا اسی لیے اے بندگانِ خدا اللہ تعالیٰ کی تنزیہ کرو اور عقیدہ رکھو کہ اسی کے ہاتھ میں ہے سب کچھ یعنی جو کچھ ہوتا ہے اُسی کی قدرت کے تحت ہے اور ہر شے اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے وہ ہی قابض و متصرف ہے اس کا کبھی تصوّر نہیں ہو سکتا کہ اس کو عجز لاحق ہو بلکہ کفار و مشرکین کی بکواسات سے تعجب ہے کہ کیسے کیسے غلط الزامات تراشتے ہیں اور اس کی شان میں نقص و عیب کا تصوّر رکھتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ وہ ذات ہر عیب و نقص سے پاک ہے اور اسی کے قبضہ و اختیار میں ہے جو کچھ ہے کیونکہ صرف وہی شاہی کے لائق ہے اور بس۔

و الیہ (اور صرف اسی کی طرف) کیونکہ اس کے سوا کوئی بھی مالک نہیں وہی علی الاطلاق ہر شے کا مالک و مختار ہے ترجعون مرنے کے بعد لوٹائے جاؤ گے۔ وہی تمہیں اعمال کی جزا و سزا دے گا۔ اس میں اہل اقرار کو وعدۂ حق اور منکرین کو وعید سنائی گئی ہے۔ یعنی دوستوں کو نوید مسرت اور دشمنوں کو سخت ترین وعید اسی لیے اہل ایمان کو خوشی ہونی چاہیئے اور ان کو انجام بخیر پر مبارک باد۔

فائدہ:۔ یہ خطاب اہل ایمان اور کفار ہر دونوں کو ہے۔

تفسیر صوفیانہ:۔ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہر شے میں اس کی ملکیت ثابت ہے۔ ملکوت بمعنی جس سے شے قائم ہو کیونکہ اگر شے کے لیے مابہ القیام نہ ہو تو اس کے وجود کا تصوّر نہیں ہو سکتا۔ اور تمام ملکوت صرف اور صرف اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ و الیہ ترجعون اور مقبولانِ الٰہی کا اختیار سے اور راندگانِ درگاہ بالاضطرار سے اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے فضل اور بے پایاں کرم سے ہمیں راندگانِ حق سے محفوظ فرمائے۔ (آمین)

فضائل سورۂ یٰسٓ شریف

(۱)۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں مجھے سورۂ یٰسٓ کی فضیلت میں کوئی روایت نہ ملی لیکن آیت ہذا اس کی فضیلت کافی ہے۔

(۲)۔ **حدیث شریف:۔** حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِقْرَءُوْا سُوْرَۃَ یٰسٓ علی موتاکم اپنے موتی پر سورۂ یٰسین پڑھو۔

نکتہ:۔ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ موت کے وقت انسان ہر لحاظ سے ضعیف القوۃ ہو جاتا ہے اور اعضاء کی حالت تو بالکل ناگفتہ بہ ہو جاتی ہے صرف قلب ہوتی ہے جو ہر طرح سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ جب میت کو سورۂ یٰسٓ سنائی جاتی ہے تو اس کی قلبی قوت بڑھ جاتی ہے اور اصول اسلام کی تصدیق میں قلب اور زیادہ مضبوط ہو جاتا ہے بلکہ نورِ

ایمان سے قلب منور اور روشن و تاباں ہو جاتی ہے۔ اور بصیرت کو بھرپور قوت نصیب ہوتی ہے اور اس سے عرفان چمک اٹھتا ہے۔

نکتہ:۔ نزع کے وقت سورۂ یٰسین کا آخری کلمہ بیدہ ملکوت الخ بہت ہی مفید ثابت ہوتا ہے اس لیے کہ ملکوت یعنی روح سے ہی بندہ دنیا میں قائم و زندہ رہا اور یہ اُس وقت اس سرِ عرفان سے اپنے رب تعالیٰ کی طرف رجوع کرے گا جس سے فیضیاب ہوتا رہا اور اُس وقت عالمِ ملکوت سے نکل کر دوسرے ملک ابقام کی طرف روانہ ہوگا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد بھی اسی طرف اشارہ کرتا ہے کہ

"ہر شے کا دل ہوتا ہے اور قرآن مجید کا دل سورۂ یٰس ہے۔"

خدایت لشکرے دردہ ز قرآن
یٰس آنکہ قلب آں لشکر ز بس

ترجمہ:۔ تجھے اللہ تعالیٰ نے قرآن کا لشکر بخشا ہے یٰس وہ ہے جو اس تمام لشکر کا دل ہے اور بس۔

فائدہ:۔ یہ تقریر صاحب روح البیان کی طرح ہے۔

سورۂ یٰسٓ قلب القرآن کیوں؟

(۱)۔ سورۂ یٰسین قرآن کا قلب اور مغز اس لیے ہے کہ انزال کتب کا اہم مقصود یہ ہے کہ ان میں سے سمجھایا جائے کہ تمام لوگ قیامت میں جمع کیے جائیں گے اور سب کے سب اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہوں گے اور اعمال کی ان سب کو احسن جزا نصیب ہوگی اور جملہ مجرموں کو علیٰحدہ کر کے کھڑا کیا جائے گا اور یہ تمام مضامین یکجا صرف اور صرف اسی سورۃ (یٰسٓ) میں بطریق اَتم اور مکمل طور موجزن ہیں۔

(۲)۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ سورۂ یٰسٓ کو اس لیے قلب القرآن کہا گیا ہے کہ ایمان کی صحت کا دارومدار حشر و نشر کے اعتراف پر ہے اور یہ مضمون اس سورۃ (یٰسٓ) نہایت اعلیٰ طریق سے بیان کیا گیا ہے اور اسے قلب سے اس لیے مشابہت دی گئی ہے کہ قلب پر ہی بدن کا دارومدار ہے۔

(۳)۔ ابوعبداللہ نے فرمایا کہ قلب تمام جسم کا سردار ہے ایسے ہی سورۂ یٰسٓ تمام سورتوں کی امیر ہے کیونکہ اس میں ہر شے کا ذکر ہے۔

(۴)۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ سورۂ یٰسٓ کو قلب سے تشبیہ دینے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ قلب احساس

سے غائب اور معانی جلیلہ کے ظاہری اور باطنی ادراکات کی مرکز اور بدن کے صلاح و فساد کا باب ہے اور حشر کو قلب سے بھی اسی لیے تشبیہہ دی گئی ہے کہ وہ بھی عالم غیب سے ہے اور اس میں اُمور منکشف ہوں گے اور حقائق مقدورہ پر واقفیت ہو گی۔

(۵) ۔ اس کو صحیح رکھنے اور اسباب کی اصلاح سے سعادت ابدیہ نصیب ہو گی اور اس سے لاپرواہی اور اس کے اسباب کو فاسد کرنے سے شقاوت دائمی حاصل ہو گی۔

(۶)۔ حضرت امام نسفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ممکن ہے اس کو قلب قرآن اس لیے کہا گیا ہو کہ اس میں اُصول اسلام کا بیان ہے:۔

۱۔ وحدانیت ۲۔ رسالت ۳۔ حشر

اور ان ہر تینوں کو قلب سے تعلق ہے اور زبان اور دیگر اعضاء سے دیگر احکام متعلق ہیں۔ تو وہ دوسری سورتوں میں مذکور ہوئے ہیں چونکہ اس میں قلب کے متعلقات کا ذکر ہے اسی لیے اسے قلب القرآن کہا گیا۔

بقایا الحدیث :۔ جس نے سورۃ ہذا کو صرف رضائے الٰہی کے لیے پڑھا تو اُسے بخشش نصیب ہو گی اور اجر و ثواب سے نوازا جائے گا۔ اور گویا اس نے بائیس (۲۲) بار قرآن مجید پڑھا۔

حدیث (۳) :۔ نزع کے وقت جس پر اس سورۃ کی تلاوت کی جائے تو اس کے ہر حرف پر دس فرشتے نازل ہوں گے جو اس میت کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو کر اس پر رحمت و بخشش مانگتے ہیں پھر اس کے غسل اور نماز جنازہ پر حاضر ہوتے اور دعائیں مانگتے اور اس کے دفن کے وقت حاضر ہوتے ہیں۔ جس میت کو سکرات کے وقت سورہ یٰسٓ پڑھی جائے تو ملک الموت کے رُوح قبض کرنے سے پہلے ہی رضوان بہشت سے شربت لاکر پلاتا ہے۔ ابھی بستر پر پڑا ہوتا ہے تو بہشتی شربت سے سیر ہو جاتا ہے۔ قبض رُوح سے لے کر قبر سے اُٹھنے تک اس شربت کی برکت سے پیاس محفوظ ہو جائے گا یہاں تک کہ اسے کسی حوض پر جانے کی ضرورت نہ ہو گی ہمیشہ ترو تازہ رہے گا یہاں تک کہ بہشت میں داخل ہو۔

حدیث (۴) :۔ قرآن مجید میں ایک ایسی سورت ہے جو پڑھنے والے کی شفاعت کرائے گی اور سننے والے کو بخشوائے گی تورات میں اس کا نام معمہ ہے عرض کی گئی یارسول اللہ معمہ کیا ہے آپ نے فرمایا اسے معمہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کی برکات دنیا و آخرت میں عام ہیں جو پڑھنے والے کو نصیب ہوں گی اور اس کو آخرت کی ہولناکیوں سے بچائے گی (اسے دافعہ ا، قاضیہ بھی کہا جاتا ہے عرض کی گئی یارسول اللہ

یہ اس کے نام کیسے آپ نے فرمایا کہ اس لیے کہ سورۃ پڑھنے والے سے تکالیف دور کرتی اور اس کی تمام ضروریات کو پورا کرتی ہے۔

حدیث (۵) :۔ جو اسے پڑھتا ہے اسے بیس (۲۰) حج اور جو اسے سنے گا اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہزار دینار خرچ کرنے کا ثواب نصیب ہو گا اور جو اسے لکھ کر پیتا ہے اس کے پیٹ کے اندر ایک ہزار دوائی اور دس ہزار نور اور دس ہزار برکات اور دس ہزار رحمت داخل ہو گی اور اس سے ہر طرح کی بیماری اور غل وغش دور کی جائے گی۔

حدیث (۶) :۔ جو اسے رات کے وقت پڑھتا ہے تو صبح کے وقت بخشا ہوا اُٹھے گا۔

فائدہ :۔ حضرت یحییٰ بن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سورت لیٰس صبح کے وقت پڑھتا ہے تو وہ سارا دن شام تک خوش رہے گا اور جو شام کو پڑھتا ہے وہ صبح تک خوش ہو کر اُٹھے گا۔

حدیث (۷) :۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورۃ لیٰس پڑھو اس لیے کہ اس میں دس برکات ہیں :۔

۱۔ بھوکا پڑھے تو ہمیشہ خوش حال رہے۔
۲۔ ننگا پڑھے تو کبھی ننگا نہ رہے۔
۳۔ غیر شادی شدہ پڑھے تو اس کی شادی (نکاح) ہو جائے۔
۴۔ خوفزدہ پڑھے تو امن میں رہے۔
۵۔ قیدی پڑھے تو قید سے نجات پائے۔
۶۔ مسافر پڑھے تو اس کا سفر باظفر ہو۔
۷۔ شے گم کردہ پڑھے تو شے واپس ہو گی۔
۸۔ میت پر پڑھی جائے تو اس پر موت آسان ہو۔
۹۔ پیاسا پڑھے تو سیراب ہو۔
۱۰۔ مریض پڑھے تو شفا پائے۔

حدیث (۸) سورۂ لیٰس پڑھنے والے کو وہی ملے گا جو چاہے گا۔

حدیث (۹) :۔ گورستان میں سورۂ لیٰس پڑھی جائے تو اس دن گورستان والوں سے عذاب کی تخفیف ہو گی اور گورستان والوں کی گنتی کے برابر پڑھنے کو ثواب نصیب ہو گا۔

فائدہ :۔ ترجمۃ الفتوحات میں ہے کہ سکرات والے کے ہاں سورۃ لیٰس پڑھی جائے۔

حکایت :- حضرت شیخ اکبر قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ بیمار ہوا اور مجھ پر بیہوشی طاری ہو گئی یہاں تک کہ مجھے سمجھا گیا کہ میں مر گیا اس حالت میں دیکھتا ہوں کہ مکروہ منظر اور قبیح صورتوں والے میرے ستانے کے لیے آگے بڑھ رہے ہیں۔ پھر دیکھتا ہوں کہ ایک بڑی قوت والا اور بہت بڑی بہترین خوشبو والا انھیں مجھ سے دُور بھگا تا ہے یہاں تک کہ وہ مجھ سے کوسوں دور ہو گئے۔ میں نے پوچھا کہ آپ کون ہیں فرمایا میں سورۂ یٰسٓ ہوں اس پر میری آنکھ کھلی تو میرے والد گرامی سورۂ یٰسٓ رو کر پڑھ رہے تھے اور اُس وقت ختم کی جب میری آنکھ کھلی میں نے اپنا ماجرا سنایا اس کے بعد میں حدیث سُنی کہ موتیٰ پر سورۃ یٰسٓ پڑھو۔

حدیث (۱۰) :- امام یافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ حدیث شریف میں ہے کہ ہر انسان پر انسان کے اعمال اس کے ساتھ مدفون ہوتے ہیں اگر نیک ہیں تو اُس کی عزت ہو گی اگر بُرے ہیں تو اُسے عذاب ہو گا یعنی اگر اس کے نیک عمل ہوں گے تو اس سے مانوس ہوں گے اور قبر فراخ اور منور ہو گی اور اسے نیک عمل شدائد اور سختیوں سے بچائیں گے اگر بُرے عمل ہوں گے تو اسے گھبراہٹ اور سخت پریشانی ہو گی اور قبر سیاہ اور تنگ ہو جائے گی اور اسے عذاب کیا جائے گا اور شدائد و تکالیف اور وبال کا شکار ہو گا۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

رو زمانہ مر مرا سہ ہمرہ اند
آں یکے وانی ست وایں یک عذر مند

آں یکے یاراں و دیگر رفت و مال
و آں سوم وافیست واں حسن الفعال

مال ناید باتو بیروں از قصور
یار آید لیک آید تا بگور

چوں ترا روز اجل آید بہ پیش
یار گوید از زباں حال خویش

تا بدینجا ہمرہ نیستم
بر سر گورت زمانے بیستم

فعل تو وافیست زو کن ملتحد
کہ در آید با تو در قعر لحد

پس پیغمبر گفت بہر ایں طریق
با وفا تر از عمل نبود رفیق
گر بود نیکو ابد یارت شود
ور بود بد در لحد مارت شود

ترجمہ:۔ زندگی میں انسان کے تین ساتھی ہیں ایک وفادار دوسرے بے وفا۔
دوست و آشنا مال و اسباب نیک اعمال یہی تیسرا وفادار ہے۔
مال تو مرنے کے بعد گھر سے نہ نکلے گا اور ہمارا دوست صرف قبر تک لیکن وہ بھی باہر کھڑے رہ جائیں گے۔
جب موت آئے گی تو دوست کہے گا
قبر کے باہر تک تو میں تیرا ساتھی ہوں آگے میں بے بس ہوں۔
عمل تیرے ساتھ وفا کرے گا کہ وہ تیرا قبر کا بھی ساتھی ہے۔
پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس راستہ (قبر) کے لیے یہی تجویز بتائی ہے کہ عمل سے اور کوئی بہتر رفیق نہیں۔
اگر عمل نیک ہے تو وہ تیرا ہمیشہ کا ساتھی ہے ورنہ تیرے لیے قبر میں سانپ بن جائے گا۔

سورۃ یٰسٓ کی برکت

ایک[1] یمنی بزرگ قبرستان میں موجود تھے کہ ایک جنازہ آگیا۔
لوگوں نے دعا و نماز کے بعد دفنانے کی اسلامی رسومات ادا کیں اور مردے کو کئی من مٹی کے نیچے دبا کر اپنا فرض ادا کر کے واپس چلے گئے۔
یمنی بزرگ اس قبر کے نزدیک پہنچے۔ ان کی روحانی بصیرت نے قرائن و علائم سے قبر کے اندر رونما ہونے والی قیامت کو بھانپ لیا۔ ان کی مخصوص باطنی حس بیدار ہو گئی اور نگاہوں کے سامنے وہ جہاں آگیا جو عام

---

[1] یمن کے جس روشن ضمیر، پاکباز اور فرشتہ سیرت انسان کی طرف یہ واقعہ منسوب ہے اس کے بارے میں مشہور تھا کہ خلوص و عبادت کی برکت سے اسے کشفِ قبور حاصل ہے۔ زمین کی تہوں میں کسی انسان کے ساتھ جو سلوک ہو رہا ہو وہ اُسے معلوم ہو جاتا ہے اور اس کی نگاہیں زمان و مکان کے حجابات کو چیرتی ہوئی برزخ کی دنیا میں اس شخص تک پہنچ جاتی ہیں جو مادی دنیا سے اپنا ناطہ توڑ کر قبر میں پہنچ چکا ہو اور جزا و سزا کے عمل سے گزر رہا ہو۔ (ارشاد العباد ص۲)

انسانوں اور مادہ بیں نگاہوں سے مخفی ہوتا ہے۔

وہ قبر کے سرہانے کھڑے ہو گئے۔ اچانک ایک زبردست گونج پیدا ہوئی جیسے ہزاروں من کا گرز اُٹھا کر پوری قوت سے کسی پر ضرب لگائی گئی ہو۔ اتنی ہولناک اور شدید آواز اُنھوں نے زندگی میں پہلے کبھی نہیں سنی تھی۔ ابھی وہ صورتِ حال کا پوری طرح جائزہ بھی نہ لینے پائے تھے کہ ناگاہ قبر سے ایک سیاہ کتا نمودار ہوا جس پر خوف و ہراس طاری تھا۔

یمنی بزرگ باطنی قوت سے بہرہ ور تھے اس لیے اس کتے کو روکنے میں کامیاب ہو گئے اور اُس سے پوچھا!

"تم کون ہو اور یہ آواز کیسی تھی۔

وہ کتا بولا میں اس میت کا عمل ہوں اس نے جو زندگی بھر بُرے عمل کیے ان کی میں اسی شکل میں آیا ہوں اس کے دفنا کے بعد میں اس کی قبر میں گھس گیا لیکن اس کے سورۂ یٰسٓ و دیگر نیک اعمال محافظ و نگران پایا تو میرے اوسان خطا ہو گئے اور واپس لوٹ آیا ہوں کہ یٰسٓ اور دیگر اعمال کے ہوتے ہوئے میری وہاں دال نہیں گلتی۔

یمنی بزرگ نے پوچھا کہ ابھی وہ ضرب شدید سنی گئی کیا وہ میّت کے گرز وغیرہ کی آواز تھی یا کسی اور شے پر۔

کتے نے کہا وہ زدو کوب اور آہنی گرز کی آواز میرے بھگانے کے لیے تھی تاکہ میت کو گزند نہ پہنچا سکوں مجبور ہو کر پیچھے بھاگ رہا ہوں۔ یہ سورہ یٰسٓ کا فراہم کردہ تحفظ ہے جو میت کو دیا جا رہا ہے۔ کتے نے یہ کہا اور دم دبا کر بھاگ گیا۔

امام یافعی کا قول

امام یافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اگر اعمال صالحہ زیادہ ہوں تو برائیوں پر غلبہ پا جاتے ہیں اگر اعمال بُرے ہوں تو وہ اعمال صالحہ پر غالب ہو جاتے ہیں بلکہ میت کو ڈراتے اور گھبراہٹ اور عذاب میں مبتلا کرتے ہیں۔

ہم اللہ تعالیٰ رحیم و کریم کی بارگاہ میں لطف و رحمت و عفو و عافیت کا سوال کرتے ہیں۔ اپنے اور اپنے احباب اور اپنے تمام مسلمان بھائیوں کے لیے بھی۔ اسے الہ العالمین ہماری دعائیں مستجاب فرما بحرمۃ سورہ یٰسٓ۔ (آمین)

صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے سورۂ یٰسٓ کی تفسیر سے ۲ ذیقعد ۱۱۱۰ھ کو فراغت پائی۔

اور

فقیر قادری محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہٗ نے ترجمہ تفسیر سورۃ یٰس ۱۰ جمادی الآخرہ ۱۴۰۵ھ بروز اتوار بعد نماز ظہر بستی اعوان (امین آباد) ضلع رحیم یار خان میں فراغت پائی۔

الحمد للہ علیٰ ذلک وصلی اللہ علیٰ حبیبہ الکریم الامین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

سورة الصافات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۝ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ۝ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ۝ اِنَّ اِلٰهَكُمْ
لَوَاحِدٌ ۝ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ۝ اِنَّا
زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ٕالْكَوَاكِبِ ۝ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ۝
لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۝ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ
عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۝ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ۝
فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا ط اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ
لَّازِبٍ ۝ بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُوْنَ ۝ وَاِذَا ذُكِّرُوْا لَا يَذْكُرُوْنَ ۝
وَاِذَا رَاَوْا اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ ۝ وَقَالُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝
ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۝ اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ۝
قُلْ نَعَمْ وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ ۝ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ
يَنْظُرُوْنَ ۝ وَقَالُوْا يٰوَيْلَنَا هٰذَا يَوْمُ الدِّيْنِ ۝ هٰذَا
يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۝

ترجمہ:۔ اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا۔

قسم اُن کی کہ باقاعدہ صف باندھیں۔ پھر اُن کی کہ جھڑک کر چلائیں۔ پھر ان جماعتوں کی کہ قرآن پڑھیں۔ بیشک تمہارا معبود ضرور ایک ہے مالک آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور مالک مشرقوں کا۔

بیشک ہم نے نیچے کے آسمان کو تاروں کے سنگار سے آراستہ کیا۔ اور نگاہ رکھنے کو ہر شیطان سرکش سے عالم بالا کی طرف کان نہیں لگا سکتے اور ان پر ہر طرف سے مار پھینک ہوتی ہے انھیں بھگانے کو اور ان کے لیے ہمیشہ کا عذاب مگر جو ایک آدھ بار اُچک کر لے چلا تو روشن انگارا اس کے پیچھے لگا تو ان سے پوچھو کیا ان کی پیدائش زیادہ مضبوط ہے یا ہماری اور مخلوق آسمانوں اور فرشتوں وغیرہ کی۔ بیشک ہم نے اُن کو چپکتی مٹی سے بنایا بلکہ تمھیں اچنبا آیا اور وہ ہنسی کرتے ہیں اور سمجھائے نہیں سمجھتے۔ اور جب کوئی نشانی دیکھتے ہیں ٹھٹھا کرتے ہیں اور کہتے ہیں یہ تو نہیں مگر کھلا جادو۔ کیا جب ہم مر کر مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے کیا ہم ضرور اُٹھائے جائیں گے اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی۔ تم فرماؤ ہاں یوں کہ ذلیل ہو کے تو وہ ایک ہی جھڑک ہے جبھی وہ دیکھنے لگیں گے اور کہیں گے ہائے ہماری خرابی اُن سے کہا جائے گا یہ انصاف کا دن ہے۔ یہ ہے وہ فیصلہ کا دن جسے تم جھٹلاتے تھے۔

سورۃ الصافات کی اکاسی یا بیاسی آیات ہیں اور یہ سورۃ مکیہ ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تفسیر عالمانہ:- والصفت صفًا۔ واؤ قسمیہ ہے۔ الصفت صافۃ کی جمع ہے یعنی صف باندھنے والی جماعتیں۔ اگر اسے اور اس کے مابعد کے الفاظ جمع مذکر کے صیغوں پر لائے جاتے تو جماعات کا مفہوم ادا نہ ہوتا۔ الصف بمعنی کسی شے کو خط مستقیم پر بنانا جیسے الناس۔ الاشجار کو سیدھا کھڑا کرنا کہا جاتا ہے۔ صففت القوم فاصطفو۔ میں نے قوم کو سیدھا کھڑا کیا تو وہ سیدھے کھڑے ہو گئے۔ یہ اُس وقت بولتے ہیں جب قوم کو نماز باجماعت یا جنگ کے لیے کھڑا کیا جائے۔ قسم ہے ملائکہ کی اُن ٹولیوں کی جو عبادت کے لیے کھڑے ہیں صف بصف کھڑے ہیں اور ان کو مفعول سے مجرد کیا گیا ہے یعنی ملائکہ کرام کی قسم جو مقام عبودیت میں عبادت کے لیے کھڑے ہیں یا اُن کی صف بندی کی قسم ہے یعنی خدمت و طاعت کے لیے بارگاہِ حق میں ہر وقت قائم ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ تم صف بستہ ہو کر بارگاہِ حق میں اسی طرح کیوں کھڑے نہیں ہوتے جیسے فرشتے بارگاہِ حق میں کھڑے ہیں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کی یا رسول اللہ وہ فرشتے کیسے کھڑے ہیں

آپ نے فرمایا کہ پہلے وہ صف کو مکمل کرتے میں پھر صف بستہ کھڑے ہو جاتے ہیں۔ التراص بمعنی اچھی طرح ایک دوسرے کے ساتھ کھڑا ہونا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا طریقہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا طریقہ تھا کہ جب نماز شروع فرماتے تو مقتدیوں کو فرماتے کہ سیدھے ہو جاؤ۔ اے فلاں تو ذرا آگے ہو جا۔ اے فلاں تو پیچھے ہٹ جا۔ اللہ تعالیٰ تمھیں ملائکہ کی طرح صف بستہ دیکھنا چاہتا ہے۔ چنانچہ ان کے حق میں فرمایا والصّفت صفًا۔

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ملائکہ کرام صف بستہ کھڑے ہوتے ہیں جو فرشتہ اپنی جانب میں کھڑا ہے وہ وہیں پر کھڑا رہے گا اور وہ جب سے پیدا ہوئے ہیں اُس وقت سے صف بستہ کھڑے ہیں۔ ذرّہ برابر بھی اِدھر اُدھر نہیں دیکھتے۔

فائدہ: القاموس میں ہے کہ الصفت صفًا سے وہ ملائکہ مراد ہیں جو ہوا میں صف بستہ ہو کر اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھ رہے ہیں اُن کے مراتب جیسے نمازیوں کی صفوں جیسے مراتب ہیں۔ بعض نے فرمایا وہ اپنے پروں کو پھیلا کر امر الٰہی کے منتظر کھڑے ہیں تاکہ اُن کے متعلق جو تدبیر کا کام ذمہ ہے۔ اسے سرانجام دیں وغیرہ وغیرہ۔ اسی سورۃ کے آخر میں و انا لنحن الصافون میں مذکورہ بالا طریقے سب کے سب مراد ہیں۔

ملائکہ کی اقسام: بعض مشائخ نے فرمایا کہ ملائکہ تین قسم ہیں:
۱۔ اللہ تعالیٰ کے جلال میں مستغرق ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر تجلی جلال ڈال کر انھیں ایسا مستغرق و فنا فرمایا کہ انھیں نہ اپنی خبر ہے اور نہ انھیں یہ معلوم ہے کہ وہ کسی کام میں ہیں۔
۲۔ مسخرین جن کے سر قلم اعلیٰ پر ہیں وہ قلم اعلیٰ جسے سلطان التدوین سے تعبیر کرتے ہیں۔
۳۔ اصحاب التدبیر وہ جمیع اجناس کی جمیع تدابیر کے اُمور سرانجام دیتے ہیں اور وہ کُل کے کُل خدمتِ الٰہی کے صف بستہ ہیں اور وہ اس انتظار میں ہیں کہ اُن کو کس وقت اور کس کام کے لیے حکم ہوتا ہے اور انھیں اسی سے لذت و راحت محسوس ہوتی ہے۔

مسئلہ: آیت میں ملائکہ کی شرافت و بزرگی کا بیان ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی قسم یاد فرمائی ہے۔
مسئلہ: آیت میں صف بندی کی فضیلت و شرافت کا بیان ہے اسی لیے شیطان صف کی اس جگہ میں کھڑا ہو جاتا ہے جو خالی پڑی ہوتی ہے اس لیے حدیث شریف میں مل کر اور ایک دوسرے سے متصل اور منضم ہو کر کھڑے ہونے کا حکم ہے۔

فالزٰجرٰت زجرًا۔ قسم ہے خوب ردکنے والوں کی۔

حل لغات: کہاجاتا ہے زجرت البعیر - یہ اس وقت بولتے ہیں جب اُونٹ کو جھڑکی دی جائے تاکہ وہ چلے اور کہاجاتا ہے - زجرت فلاناً عن سوء فالنزجر - میں نے اسے بُرائی سے روکا تو وہ رُک گیا اور اُونٹ کو زجر ایسے ہے جیسے انسان کو کسی فعل سے روکا جائے - کشف الاسرار میں ہے کہ الزجر بمعنی کسی کو کسی شے سے ڈرا کر روکنا - المفردات میں ہے کہ زجر بمعنی کسی کو آواز دے کر روکنا پھر کسی وقت مطلقاً روکنے پر اور کسی وقت آواز دے کر روکنے پر مستعمل ہوتا ہے - تاج المصادر میں ہے الزجر بمعنی تہدید کرنا اور جانور کو آواز دینا تاکہ وہ چلے یعنی انکی قسم کی جو زجر کا کام کر رہے ہیں اور اُن کی قسم جن کے ساتھ زجر متعلق ہے وہ اجرام علویہ سے ہوں یا سفلیہ سے وغیرہا جیسا کہ نہ جو روکے لائق ہو منجملہ ان کے بندوں کو معاصی و مآثم سے زجر و توبیخ کرنا ہے اور شیطان کو وسوسہ اور اغواء اور استراق السمع سے زجر کرنا -

فائدہ: بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے وہ ملائکہ مراد ہیں جو بادلوں کو چلاتے اور انھیں جمع کرتے اور ایک شہر سے چلا کر دوسرے ایسے شہر میں لے جاتے ہیں جہاں بارش نہیں ہوئی -

فالتالیات ذکراً - قسم ہے ذکر کر کے تلاوت کرنے والوں کی - **التالیات** کا مفعول یہ ہے اور صفاً و زجراً اپنے ما قبل کے مفعول مطلق موکد ہیں بمعنی **صفا بدیعا و زجرا بلیغا** - ذکر سے عظیم الشان آیات الٰہی اور انبیاء علیہم السلام پر نازل شدہ کتب اور تسبیح و تقدیس و تحمید و تمجید مراد ہے یا **التالیات ذکراً** کے مذکورسے علماء با عمل اور صلحاء کامل اکمل کے نفوس مراد ہیں جبکہ وہ نمازیں باجماعت ادا کرتے ہیں -

الزاجرات - اور الزاجرات سے مواعظ و نصائح مراد ہیں -

التالیات سے آیات کو پڑھنا اور شرائع و احکام کو پھیلانا مراد ہے یا جنگ کرنے والے غازی مراد ہیں اور **صافات** سے مراد یہ ہے کہ جب وہ مورچوں کو سنبھالے ہوئے تھے اور ایسے مضبوط کھڑے ہوتے ہیں گویا وہ ایک مضبوط اور چُنی ہوئی دیوار ہے یا غازیوں کے وہ قائدین مراد ہیں جو انھیں جنگ کی تیاری کے لیے زجر و توبیخ کرتے ہیں اور انھیں مورچوں تک لے جاتے ہیں اور دشمنوں کو مورچوں سے ہٹاتے ہیں یا **التالیات** سے وہی مجاہدین مراد ہیں جو آیات الٰہی کی تلاوت اور اللہ تعالیٰ کے ذکر اور تسبیح و تہلیل میں مشغول ہوتے ہیں - انھیں دشمن کا مقابلہ ایسے نیک اعمال سے انھیں نہیں روکتا - یہ اس لیے کہ یہ حضرات شہود و حضور میں بے مثال ہیں -

حدیث شریف: تین ایسے آواز ہیں جن سے اللہ تعالیٰ ملائکہ کے سامنے فخر فرماتا ہے :-

۱ - اذان -

۲ - تکبیر فی سبیل اللہ (نعرہ بوقت جہاد)

۳۔ تلبیہ کے وقت لبیک پکارنا یا اس سے عبادت گزار بندوں کے نفوس مراد ہیں جو کہ نماز باجماعت ادا کرتے ہیں اور الزاجرات سے وہ لوگ مراد ہیں جو اعوذ باللہ من الشیطٰن پڑھ کر شیطان کو بھگاتے ہیں اس کے بعد تلاوت قرآن میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ التالیات سے یہی مراد ہے بعض مفسرین نے فرمایا کہ التالیات سے مراد وہ بچے ہیں جو قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بندوں سے عذاب دور رکھتا ہے جب تک یہ چار اذکار آسمان کی طرف جاتے ہیں:۔

(۱) اذان۔

(۲) مجاہدین کی تکبیر۔

(۳) تلبیہ کہنے والوں کا تلبیہ (لبیک کہنا)

(۴) بچوں کے قرآن مجید کی آواز۔

فائدہ: تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سالکان طریق توحید کی قسم یاد فرماتا ہے جو مشاہدہ کے مواقف میں سربستہ ہو کر دواعی شیطان و نوازع شہوات نفسانی کو ہٹاتے ہیں اور مختلف طریقہ سے ذکر لسانی یا قلبی یا سرّی یا رُوحی بحسب احوال خود مشغول رہتے ہیں۔

تفسیر صُوفیانہ:۔ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ الصافات صفا میں اَرواح کی صفوف کی طرف اشارہ ہے چنانچہ مروی ہے کہ اجسام میں پہنچنے سے پہلے اَرواح چار صفوں پر منقسم تھیں۔

(۱) انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی اَرواح۔

(۲) اَرواح الاولیاء والاصفیاء۔

(۳) ارواح المومنین والمسلمین۔

(۴) ارواح الکفار والمنافقین۔

فالزاجرات زجراً سے الہامات ربانیہ مراد ہیں۔ عوام کے لیے زواجرات یہ ہیں کہ انھیں نواہی سے روکا جائے اور خواص کی زجرات کا معنیٰ یہ ہے کہ انہیں رویۃ طاعات سے منع کیا جائے اور اخص کی زجر یہ ہے کہ انہیں التفات عن الکونین سے نہی کی جائے۔

فَالتَّالِیَاتِ ذِکْرًا سے وہ مرد اور عورت مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کا بہت زیادہ ذکر کرتے ہیں اور یہ صفات اگر سب پر جاری ہوں تو فاء کا عطف ان کی ترتیب فضیلت پر دلالت کرے گا۔ یہی وجہ ہے کہ پہلے فضیلت صف بندوں کے لیے ہے پھر زجر والوں کو پھر تلاوت والوں کی یا برعکس اگر یہ صفات خاص ایک گروہ کے

لیے ہوں تو یہ ترتیب موصوفین کی وجہ سے ہے۔ اب معنیٰ یوں ہوگا کہ سب سے پہلے صف باندھنے والے افضل ہیں اس لیے بعد الزاجرات اس کے بعد التالیات ذکراً یا فضیلت کا تعلق برعکس ہوگا۔

فائدہ:۔ تفسیر الشیخ وغیرہ میں ہے کہ فاء اس معنیٰ کے لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجموعی طور تمام اوصاف کے موصوفین کی قسم یاد فرمائی ہے۔

تفسیر عالمانہ:۔ ان الٰھکم۔ بیشک تمہارا معبود۔ اس خطاب کے بعد مخاطب اہل مکہ مراد ہیں اس لیے کہ یہ آیت اہل مکہ کے حق میں نازل ہوئی اس لیے کہ وہ تعجب کر کے کہا کرتے کہ یہ نبی علیہ السلام عجیب آدمی ہیں کہ وہ بہت سے معبودوں کے بجائے صرف ایک معبود کی عبادت کی بات کرتے ہیں۔ یہ خطاب جملہ بنو آدم کو ہے یعنی اے لوگو! تمہارا معبود ذات وحدانیت میں لواحد۔ واحد لاشریک ہے فلہذا اس کے سوا دوسرے بتوں اور دنیا اور خواہشات نفسانیہ اور شیطان کو معبود مت بناؤ اور یہ جملہ قسم کا جواب ہے۔

سوال:۔ قسم کی ضرورت ہی ہے جب کہ مسلمان تو قسم کے بغیر مانتا ہے اور کافر کے سامنے ہزاروں قسمیں کھائی جائیں تو ماننے کا نہیں۔

جواب:۔ اس کے چند فوائد ہیں:۔

۱۔ مقسم بہ کی تعظیم۔

۲۔ مقسم بہ کی شرافت کا اظہار۔

۳۔ مقسم علیہ کی تاکید اور اہل عرب میں قسم کے یہ فوائد مشہور ہیں اس لیے مضمون کو قسم کے ساتھ بیان فرمایا اور یہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید ان کی لغت اور ان کے اسلوب محاورات پر نازل ہوا ہے۔

۴۔ بعض حضرات نے اس کا جواب یہ لکھا ہے کہ یہاں پر اور اس قسم کے مضامین میں مضاف محذوف ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی ورب الصافات صفا الخ قسم ہے صف والوں کے رب کی۔ ایسے ہی ورب التین ورب الزیتون الخ قسم ہے تین و زیتون کے رب کی۔

واحد کی تحقیق:۔ المفردات میں ہے کہ الوحدۃ بمعنی الانفراد۔ اور الواحد حقیقت میں وہ شے ہے جس کا کوئی جز نہ ہو پھر اس کا اطلاق ہر موجود پر ہونے لگا یہاں تک کہ ہر گنتی کے عدد کو واحد سے موصوف کیا گیا مثلاً کہا جاتا ہے کہ عشرۃ واحدۃ اور ماۃ واحدۃ۔

واحد کے اقسام:۔ واحد مشترک لفظ ہے یہ پانچ وجوہ میں مستعمل ہوتا ہے:۔

(۱) وہ شے جو اپنی جنس یا نوع میں واحد ہو جیسے کہا جائے انسان اور فرسٌ واحدٌ

یعنی وہ ایک جنس ہیں یا کہا جائے زید و عمر واحد یعنی وہ ایک نوع ہیں۔

(۲) وہ شے جو اتّصال میں واحد ہو یا بحیثیت تخلیق کے مثلاً کہا جائے شخص واحد یا بحیثیت صناعت کے مثلاً کہا جائے حرفت واحدۃ۔

(۳) ہر وہ شے جو اپنی مثل آپ ہو یعنی اس کی کوئی نظیر نہ ہو یا بحیثیت تخلیق کے مثلاً کہا جائے الشمس واحدۃ یا دعوئے فضیلت میں مثلاً کہا جائے "فلاں واحد دہرہ" یا کہا جائے ھو نسیج وحدہ۔

(۴) وہ جس میں تجزی (جز جز کرنا) ممتنع ہو یا بوجہ صغر جرم کے جیسے غبار کے اجزاء کا کوئی ایک جز یا بوجہ اس کے سخت ہونے کے جیسے الماس۔

(۵) ہر شے کی ابتداء یا عدد کے لیے جیسے واحد۔ اثنین یا خط کے مبداء کے لیے جیسے کہا جاتا ہے النقطۃ الواحدۃ۔

فائدہ: ان تمام میں وحدت عارضی ہے جب اللہ تعالیٰ کی صفت واقع ہو تو اس کا معنیٰ ہے کہ وہ ذات جس پر تجزی و تکثر ممتنع ہے اسی وحدت کی صعوبت کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا و اذا ذکر اللہ وحدہٗ اشمأزت قلوب الذین لا یومنون بالاخرۃ۔ جب اللہ اکیلے کا ذکر کیا جاتا ہے تو کافروں کے دل تنگ ہو جاتے ہیں۔

فائدہ: امام غزالی قدس سرہ نے فرمایا الواحد وہ ہے جس کے اجزاء اور اس کا ثانی نہ ہو اور وہ واحد جس کے اجزاء نہ ہوں جیسے جواہر اس کا واحد وہ ہے جو غیر منقسم ہو اس کے لیے کہا جاتا ہے وہ واحد ہے یعنی وہ شے کہ جس کا کوئی کوئی جز نہیں ایسے ہی نقطہ وہ ہے جس کا جز نہیں اور اللہ تعالیٰ واحد ہے بایں معنی کہ اس کی ذات کا انقسام ممتنع ہے اور وہ واحد کہ جس کا ثانی نہیں جیسے سورج مثلاً یہ اگرچہ ناقابل انقسام ممتنع ہے بایں معنی کہ ہم اپنے توہم سے اس کے اجزاء بنائیں کیونکہ یہ قبیل اجسام کے قبیل سے ہے لیکن یہ ایسا واحد ہے کہ اس کی کوئی نظیر نہیں ہاں اس کی نظیر ممکن ہے لیکن وجود میں ہر موجود کی نظیر ممکن ہے سوائے ذات باری تعالیٰ کے کہ وہ ازل و ابد واحد مطلق ہے اور بندوں میں جسے واحد کہا جائے گا اس کا معنیٰ یہ ہوگا کہ یہ وہ ذات ہے جس کا کوئی ثانی نہیں لیکن یہ بھی اضافی امر ہوتا ہے یا بوجہ وقت کی اضافت کے ہوتا ہے اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ اس قسم کا انسان ہے کہ اس جیسا آدمی اس کے بعد پیدا ہونا ممکن نہیں یا بعض خصائل کی وجہ سے وہ دوسروں سے بے مثل ہو اسے بھی واحد کہا جاتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ علی الاطلاق واحد صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور اسے واحد ماننے کا حق ہم سے ادا نہیں ہو سکتا اس کا حق خود ہی ادا کر سکتا ہے اوروں کی حالت ہو گی کہ ایک طرف اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کر کے اس کے وجود کا اثبات کرے گا تو دوسری طرف اپنے وجود کو بھی ثابت کرے گا۔ اس طرح سے اس کے واحد کا حق ادا نہیں ہوتا۔ حضرت الشیخ ابو عبد اللہ انصاری

قدس سرہٗ مندرجہ ذیل میں اسی طرف اشارہ ہے ؎

یا وحد الواحد من واحد
اذ کل من ینعتہ جاحد

ترجمہ:۔ کوئی بھی اللہ تعالیٰ کو واحد کہہ کر اس کا حق نہیں ادا کر سکتا اس لیے کہ جو بھی اس کی تعریف کرے گا تو پھر اس کا انکار بھی کرے گا۔

فائدہ:۔ وجود مجازی کے فنا کرنے کے بعد ہی توحید حقیقی ذاتی نصیب ہو سکتی ہے۔ ہر شے اس کی توحید کا آئینہ ہے جیسا کہ کسی نے کہا ؎

ففی کل شئی لہ اٰیۃ
تدل علی انہ واحد

ترجمہ:۔ ہر شے اللہ تعالیٰ کی دلیل ہے جو دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر شے اپنی ہویت کے لحاظ سے یا اس کے جزء لا ینجزی تک پہنچنے کے لحاظ سے واحد ہے اس لیے اس کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہے ؎

تا دم زدی حافظ شوریدہ حال
خامۂ توحید کش بر ورق این و آن

ترجمہ:۔ اے حافظ شوریدہ حال اگر وحدت کا دم بھرتا ہے تو این و آں کے ورق پر توحید کا قلم کھینچ۔

فائدہ:۔ حضرت شیخ زروقی قدس سرہٗ نے شرح الاسماء میں لکھا کہ جو شخص سمجھتا ہے کہ اللہ واحد ہے تو وہ اپنا قلب صرف اسی کے لیے فارغ کر لیتا ہے۔ اس کے معنیٰ پر وہ بھی واحد ہو جائے گا۔

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ وتر اور وتر کو پسند کرتا ہے۔

فائدہ:۔ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ الوتر سے قلب منفرد مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ منفرد قلب کو پسند فرماتا ہے اس اسم کا خاصہ یہ ہے کہ یہ کونین کو قلب سے نکالتا ہے۔

وظیفہ:۔ جو اسے روزانہ ہزار بار پڑھے اس کے دل سے مخلوق کے تصورات مٹ جائیں گے اور مخلوق میں سے کسی شے کا خوف اس کے دل پر نہ ہوگا۔ دنیا و آخرت کی بلاؤں کی اصل یہی شے ہے۔

حدیث شریف:۔ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص سے سُنا کہ وہ پڑھ رہا تھا اللھم انی اسئالك باسمكَ اللّٰہُ الوَاحِدُ الاَحَدُ الفَردُ الصَّمَدُ

الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَ لَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ۔

ترجمہ:۔ اے اللہ میں تیرے اسم کے طفیل تجھ سے سوال کرتا ہوں تو اللہ واحد اَحد فرد صمد ہے وہ ہے جس نے نہیں جنا اور جنا نہیں گیا اور اس کا کوئی کفو نہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا یہ شخص اللہ تعالیٰ کے اسمِ اعظم کے واسطہ سے دُعا مانگ رہا ہے اسی لیے اس کی دُعا قبول ہوگی اور جو سوال کرے گا اسے دیا جائے گا۔ الاربعین الادریسیہ میں ہے یا واحد الباقی اول کل شئ و آخرہٗ۔ اے واحد باقی اور ہر شے کا اول و آخر۔

وظیفہ:۔ (۱) حضرت سہروردی نے فرمایا جس پر افکار ردیئہ کا بھرپور حملہ ہوتا ہے وہ اِسے بہت زیادہ پڑھے انشاء اللہ تعالیٰ افکار ردیئہ دفع ہو جائیں گے۔

(۲) جو شخص کسی حاکم وغیرہ سے خوفزدہ ہو تو اُسے چاہیئے کہ وہ اس اسم کو بعد نماز ظہر پانچسو (۵۰۰) بار پڑھے تو انشاء اللہ تعالیٰ اس کے خوف سے محفوظ ہو جائے گا اور اس کے دکھ دُور ہو جائیں گے اور دشمن دوست بن جائیں گے۔

تفسیر عالمانہ:۔ رب السمٰوٰت والارض وما بینہما۔ یہ اِنَّ کی دوسری خبر ہے یعنی اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں اور اُن کے اندر اور باہر رہنے والی چیزوں کا مالک و مربی ہے اور انھیں اپنے کمالات تک پہنچانے والا ہے۔ وَرَبُّ الْمَشَارِقِ۔ اور سورج کے مشارق کا رب ہے اور اس کے تین سو ساٹھ مشرق ہیں جن سے روزانہ ہر ایک میں طلوع کرتا ہے۔ اسی طرح اس کے مغارب کا حال ہے کہ غروب کے وقت روزانہ مختلف مقامات پر غروب کرتا ہے اسی لیے صرف مشارق پر اکتفا کیا گیا ہے یعنی جب اس کے مشارق تین سو ساٹھ ہیں تو ایسے ہی اس کے مغارب بھی تین سو ساٹھ ہیں اور رب المشرقین و رب المغربین۔ اس سے سرما و گرما کے مشارق و مغارب مجموعی طور مراد ہیں اور رب المشرق والمغرب سے مطلق جہت مشرق و مغرب مراد لی گئی ہے اور اسم رب کا اعادہ محض آثار ربوبیت کے اظہار کے لیے ہے کہ اس کا روزانہ کا تجدد اسی کی ربوبیت کی وجہ سے ہے جیسے ابھی مذکور ہوا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جمیع موجودات کا رب ہے اور اس کی ربوبیت ذاتی ہے اسے کسی نفع کی حاجت نہیں بخلاف مخلوق کی تربیت کے کہ اس میں مخلوق کو دوسرے کی تربیت میں اپنی منفعت بھی ملحوظ ہوتی ہے اور اس کی ربوبیت بمعنی مالکیت و خالقیت وغیرہ عام ہے بخلاف تربیت کے کہ وہ خاص ہے اور اسی کے نوع کے ساتھ خاص ہوگی جس کے ساتھ تربیت کا تعلق ہوگا وہی اجسام کا مربی ہے جنہیں طرح طرح کی نعمتوں سے نوازتا ہے اور ارواح کا مربی ہے کہ ان کی اپنے لطف و کرم سے تربیت

فرماتا ہے اور نفوس عابدین کی احکامِ شریعت اور قلوبِ مشتاقین کی آدابِ طریقت سے اور اسرارِ محبین کو انوارِ حقیقت سے تربیت فرماتا ہے۔ اسمِ رب دعاؤں کا عنوان ہے اسی لیے دعا مانگنے پر لازم ہے کہ وہ جیسے اسے زبان سے پکار رہا ہے ایسے ہی قلب کو بھی حاضر رکھے یہاں تک کہ اس کی دُعا مستجاب ہو۔ اے اللہ۔ اے ہمارے پروردگار بیشک تو ہی واحد لاشریک ہے تیری وحدت حقیقیہ ذاتیہ ہے اس میں کسی قسم کا انقسام نہیں ہماری توحید حقانی ذاتی سری بنا ہمیں توحید مجازی سے، کیا بیشک تو رب ہے کریم ہے رحیم ہے جیسے تو ہمارا رب اور خالق ہے ایسے ہی تو ہمارا امر بی اور مولیٰ ہے تو ہی ہمیں اپنی مختلف نعمتوں میں مشغول فرما اور اپنے غیر سے فارغ کردے اور ہم پر اپنی ہر خیر و بھلائی نازل فرما۔

تفسیر عالمانہ:- انا زینا السماء الدنیا۔ بیشک ہم نے آسمان سے سنوارا ہے جو تمھارے اور ذہن کے قریب ہے لیکن بہ نسبت عرش کے بعید ہے اور الدنیا ادنی کی تانیث بمعنی اقرب ہے۔

بزینۃ۔ ساتھ زینت عجیبہ بدیعہ کے۔ الکواکب۔ مجرور ہے اور زینت سے بدل ہے لیکن یہاں پر زینت سے اسم مراد ہے یعنی وہ شے جس سے کسی شے کو سنوارا جائے مصدری معنی مراد نہیں اس لیے کہ ستارے خود اور ان کی وضع اور ان کا ایک دوسرے کے ساتھ مل کر ہونا آسمان کے لیے ایک عجیب قسم کا سنگار ہیں۔

تفسیر صوفیانہ:- اس میں اشارہ ہے کہ زینت وہ شے ہے جسے ہر خاص و عام آنکھوں سے دیکھتا ہے نیز اس میں اسی خصوصی زینت کی طرف اشارہ بھی ہے جسے صرف خواص جانتے ہیں اور وہ ہے اس زینت کے احکام اور طریقے اور الکواکب (ستارے) آسمان سے ایسے معلق ہیں جیسے چھت میں قنادیل لٹکے ہوتے ہیں یا ان میں ایسے چھٹے ہوئے ہیں جیسے دروازوں اور صندوقوں میں میخیں گاڑی ہوئی ہیں اور کواکب کا آسمان دنیا کی زینت ہونے کا یہ معنیٰ نہیں کہ وہ واقعی آسمان میں مرکوز ہیں۔ ہمارے اس مقصد کے (ستاروں کا آسمان کے اُوپر یا دیگر آسمانوں میں ہونا) منافی نہیں اس لیے کہ آسمان سادے کے سارے صاف و شفاف ہیں اور ان کے اجرام آئینہ کی طرح ہیں اسی لیے اس میں کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ ستارے پہلے آسمان میں ہوں یا اُوپر والوں میں چونکہ وہ سب اسی پہلے آسمان میں ظاہر ہو کر چمکتے ہیں۔ اسی لیے انھیں صرف اسی کی زینت فرمایا گیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ تزیین کا تعلق چونکہ آنکھ سے ہے اسی لیے ہمیں اس سے غرض نہیں کہ زینت کے اصول آسمانِ دنیا میں ہوں یا دوسرے اور آسمانوں میں اور یہ قول اس مذہب پر ہے جو بعض اہلِ ہیئتہ کہتے ہیں کہ ثوابت آٹھویں آسمان میں مرکوز ہیں۔ اس کا حقیقی علم اللہ تعالیٰ کو ہے۔

تفسیر عالمانہ:- وحفظاً من کل شیطٰن مارد۔ حفظاً کا منصوب ہونا زینت پر عطف کی وجہ سے ہے اسی لیے کہ معنیٰ ایسا عطف جائز ہے گویا کہا گیا ہے کہ انا خلقنا

الکواکب زینت للسمآء وحفظاً بری اشھب (یعنی ہم نے کواکب کو ایک تو آسمان کی زینت کے طور پر پیدا فرمایا دوسرا اس سے چنگاری مارنے کا کام لیا جاتا ہے۔

من کل شیطان مارد۔ ہر شیطان ماردکو۔ ماردوہ ہے جو طاقت سے خارج اور ہر خیر و بھلائی سے خالی ہو اسی لیے اس درخت کو امرد کہا جاتا ہے جس کے پتے جھڑ جائیں اور بے ریش لڑکے کو امرد اسی لیے کہتے ہیں کہ اس کے چہرے وغیرہ پر بال نہیں ہوتے۔

تفسیر صوفیانہ: اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَآء الخ میں سر کی طرف اشارہ ہے کہ وہ انسان کے بدن کے لیے بمنزلہ آسمان کے اور مزین ہے۔

بزینۃ الکواکب۔ حواس سے مثلاً کان۔ آنکھ۔ ناک۔ زبان و دماغ وغیرہ وغیرہ۔ نیز یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ آسمان دنیا کو ستاروں سے اور اولیاء کرام کے قلوب کو معارف و احوال کے ستاروں سے سنوارا۔ پھر جیسے آسمانوں پر شیطانوں کو چنگاری مارنے کے لیے ستارے بنائے۔ ایسے ہی قلوب کو انوار توحید بخشا کہ جس وقت شیاطین ان کے قریب جلتے ہیں تو انھیں انوار معارف سے سنگسار کیا جاتا ہے۔ کما قال۔ وحفظا من کل شیطان مارد۔ یعنی شیاطین الانس سے قلوب عارفین کو محفوظ رکھا جاتا ہے۔

حکایت: منقول ہے کہ حضرت ابو سعید خراز قدس سرہٗ نے ابلیس کو خواب میں دیکھ کر ارادہ فرمایا کہ اسے ڈنڈا ماریں۔ ابلیس نے کہا کہ حضرت میں آپ کے ڈنڈے سے نہیں ڈرتا مجھے تو آپ کی معرفت کے سورج سے ڈر ہے کیونکہ ۔۔

ع بسوزد نور پاک اہل عرفان دیو ناری را

ترجمہ: اہل عرفان کا نور پاک ناری دیو کو جلا کر راکھ بنا دیتا ہے۔

تفسیر عالمانہ: لا یسمعون الی الملأ الاعلی۔ لا، الاعلیٰ کی باتیں نہیں سن سکتے تھے یسمعون دراصل یستمعون تھا۔ تا کو سین میں ادغام کیا گیا ہے۔ اسے الیٰ کے ساتھ متعدی کرنے میں اشارہ ہے کہ یہ بمعنی الاصغاء ہے الملاء اس جماعت کو کہتے ہیں جو ایک رائے پر مجتمع ہوں ان کے اس اتفاق کو دیکھ کر لوگوں پر ہیبت طاری ہو اور ظاہراً باطناً اس کے اس اجتماع و اتحاد سے مرعوب ہوں یہاں پر الملأ الاعلیٰ سے ملائکہ یا اُن کے برگزیدہ یا حفظہ فرشتے مراد ہیں اور انھیں الاعلیٰ اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ بلندی آسمان میں سکونت پذیر ہیں اور جن و انس کو الملاء الاسفل کہا جاتا ہے اس لیے کہ وہ زمین میں سکونت رکھتے ہیں اور یہ جملہ مستانفہ ہے اس میں ان کے حال کو بیان کیا گیا ہے جبکہ اس سے قبل ان کی حفاظت سمار کا بیان تھا پھر تنبیہ ہے کہ وہ آسمان میں کس طرح حفاظت کرتے ہیں یعنی شیاطین آسمان کے حالات سے

آگاہ نہیں ہوتے اور نہ ہی ملائکہ ملکوتیہ کے اسرار کی طرف جھانک کر دیکھ سکتے ہیں یعنی ان ملائکہ کے اسرار جو لوح محفوظ کی بعض باتیں ایک دوسرے کو سننے سناتے ہیں۔

ویقذفون۔ اور پھینکے جائیں گے۔

حل لغات:۔ القذف بمعنی الرمی البعید۔ اسی قذف بعید کو مدنظر رکھ کر کہا جاتا ہے۔ منزل قَذِفٌ و قذیفٌ منزل بعید اور کہا جاتا ہے قذفتہ بحجر۔ میں نے اس کی طرف پتھر پھینکا۔ اسی محاورہ سے ہے۔ قذفہ بالفجور۔ اس نے اس پر فجور کی تہمت لگائی۔ یعنی وہ شیاطین ہٹائے جائیں گے۔ من کل جانب آسمان کی ہر جانب سے جبکہ وہ شیاطین آسمان کی طرف چڑھنے کا ارادہ کریں گے۔ دحورا۔ یہ قذف کی علت ہے۔

حل لغات:۔ دحورا بمعنی طرد سے کہا جاتا ہے۔ دحرہ و دحورًا۔ یہ اُس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کو اپنے سے دور ہٹا دے۔

ولہم۔ اُن کے لیے آخرت میں) یہ اس عذاب کے علاوہ اور عذاب ہو گا جو انہیں دنیا میں چنگاریوں کی سزا سے دوچار کیا گیا۔ عذاب واصب۔ (دائمی عذاب جو کبھی منقطع نہ ہو گا۔)

حل لغات:۔ وصب الامر وصوبًا سے ہے بمعنی دائم (ہمیشہ رہا)۔ المفردات میں ہے الوصب بمعنی السقم اللازم (ہمیشگی کی بیماری)۔

الا من خطف الخطفۃ۔ گروہ جو اچانک حاصل کرے۔ یہ یسمعون کی واؤ جمع سے بدل ہے۔

حل لغات:۔ الخطف بمعنی جلدی سے جھپٹنا یہاں کلام کو جلدی سے حاصل کرنا مراد ہے یعنی فرشتوں کے کلام کو جلدی سے چرا لیتے ہیں۔ ہمارے اس معنیٰ کی تائید الخطفۃ کی الف لام سے ہوتی ہے یعنی ملاء الاعلیٰ کا کلام شیطانوں کی جماعت نہیں سن سکتی سوائے اس شیطان کے جو ایک بار جلدی سے کوئی ایک آدھ بات سن لے۔ فاتبعہ۔ تو اس کے پیچھے لگتا ہے۔

حل لغات:۔ ابن الکمال نے کہا کہ اتبعہ و تبعہ میں فرق یہ ہے کہ اتباع اس وقت بولتے ہیں جب دوسرا پہلے کے ساتھ ملنے کی طلب کرے اور تبعا تبعًا اُس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کو لے جائے اور وہ اس کے ساتھ چلے۔

شہاب۔ چنگاری۔

حل لغات:۔ القاموس میں ہے کہ الشہاب بروزن کتاب بمعنی آگ کا چمکنے والا شعلہ۔ اس سے مراد وہ روشنی ہے جو آسمان سے ٹوٹ کر نکلتی ہے۔ ثاقب۔ چمکدار۔ وہ روشنی جو جس پر گرے تو اُسے چیر دے یعنی اُس کی روشنی اتنی تیز ہے کہ گویا وہ خلا کو چیر دیتی ہے تو اسے چیر دے شیاطین کو سنگسار کیا جاتا ہے۔ جب

وہ ملائکہ کی باتیں چرانے کے لیے آسمان پر چڑھتے ہیں۔

حدیث شریف: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ہم حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پاک محفل میں بیٹھے تھے کہ اچانک ایک ستارا ٹوٹا تو روشنی پھیلی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے پوچھا تم اسے زمانۂ جاہلیت میں کیا کہا کرتے تھے۔ سب نے کہا کہ ہم سمجھتے کہ کوئی عظیم حادثہ ہوا ہے یا کوئی عظیم شخصیت فوت ہو گئی ہے یا کوئی عظیم المرتبت لڑکا پیدا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ ستارے نہ تو کسی کی موت پر ٹوٹتے ہیں نہ کسی کی حیات پر لیکن اللہ تعالیٰ جب کوئی فیصلہ فرماتا ہے تو عرش اور ساتوں آسمان والے تسبیح پڑھتے ہیں تو پھر ساتویں آسمان والے عرشیوں سے پوچھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیا فیصلہ فرمایا ہے وہ انھیں اس کی خبر دیتے ہیں اس کے بعد چھٹے آسمان والے ساتویں سے پوچھتے ہیں ایسے ہی ہر آسمان والا پوچھتا ہے یہاں تک کہ پہلے آسمان تک وہ خبر پہنچتی ہے تو اسے جنات سننے کی کوشش کرتے ہیں جس کی وجہ سے انھیں چنگاریوں کے ذریعے بھگایا جاتا ہے۔ ہاں جو خبر صحیح طور سن کر بیان کرتے ہیں تو وہ حق ہے لیکن اس میں جو جھوٹ مرچ کا اضافہ کرتے ہیں وہ قابلِ عمل نہیں۔ اس کے بعد جو ان کا صدق ظاہر ہوتا ہے وہ وہی ہے جو انہوں نے فرشتوں سے سنا اور وہ جو جھوٹ ظاہر ہوتا ہے وہ ان کا اپنا اضافہ ہوتا ہے۔

فائدہ: بعض نے کہا کہ یہ بات زمانۂ جاہلیت میں تھی لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے بعد اس کی ممانعت اور رکاوٹ میں سختی فرمائی گئی یہاں تک کہ آپ کی بعثت کے بعد وہی تھوڑی سی بات بھی نہیں سن سکتے۔

فائدہ: بعض نے کہا زمانۂ جاہلیت میں جنات کا آسمان سے سننے کا طریقہ یہ تھا کہ جن ایک دوسرے پر چڑھ کر آسمان تک پہنچ کر بات سنتے پھر وہ اپنے سے نیچے والے کو سناتے یہاں تک کہ وہی خبر کاہنوں کو بتلاتے۔ اس کے بعد انھیں ستاروں کو چنگاریوں کی طرح مارنے کا پروگرام بنایا گیا یہاں تک کہ ستاروں کی سنگساری میں خطا نہیں ہوتی۔ چنانچہ اس سنگساری سے بعض جنات مر جاتے ہیں بعض کے بعض اعضاء جل جاتے ہیں بعض کی عقل فاسد ہو جاتی ہے۔ بعض کو چنگاری آسمانی بات سننے سے پہلے گھیر لیتی ہے۔ بعض موقعہ پر وہ القاء کر دیتے ہیں تو پھر انھیں چنگاری پکڑ لیتی ہے یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات جنات چنگاریوں سے مارے جاتے اور بعض اوقات بچ نکلتے اسی لیے وہ آسمانی بات چرانے سے باز نہ رہتے جیسے دریائی سفر سے تجارت کرنے والا کبھی وہ موج میں گھر جاتا ہے اور کبھی بچ جاتا ہے اسی لیے سلامتی کی امید پر پھر دریائی سفر کرتا ہے۔

سوال ۷. شیاطین تو ناری ہیں پھر انھیں آگ کیسے جلاتی ہو گی۔

وہ صرف آگ سے پیدا نہیں جیسے انسان صرف مٹی سے پیدا نہیں کیا گیا بلکہ اس میں اور عناصر بھی

جواب:۔ ہیں اسی لیے جیسے انسان کو مٹی کا ڈھیلا ضرر پہنچاتا ہے ایسے ہی شیاطین کو آگ ضرر پہنچاتی ہے علاوہ ازیں جب آگ بہت زیادہ ہو تو کمزور آگ کو جلا کر راکھ بنا دیتی ہے۔

فائدہ :۔ شہاب سے وہ آگ کا شعلہ مراد ہے جو سورج سے نکلتا ہے یہ نہیں کہ وہ ستارہ خود گرتا ہے اس لیے کہ ستارہ تو آسمان میں ویسے ہی رہتا ہے جیسے پہلے تھا۔

فائدہ:۔ فلاسفہ نے کہا کہ شہاب ناری اجزا ہیں جو آسمان پر بخارات کے چڑھنے سے خلا میں حاصل ہوتے ہیں اور وہ آسمان کے متصل نہیں ہوتے بلکہ آگ سے ہوتے ہیں۔

فائدہ:۔ بعض مشائخ نے فرمایا کہ آسمان و زمین کے درمیان اثیر نہ ہوتے تو یہ حیوانات بچ سکتے نہ نباتات اور نہ ہی زمین میں کوئی خزانہ باقی رہتا اس لیے کہ آسمان دنیا میں بلا کی سردی ہے۔ یہی اثرات عالم دنیا کو گرم کر دیتی ہے تاکہ دنیا میں رہنے والے آسانی سے زندگی بسر کر سکیں اور یہ اثیر آگ کا رکن ہے جو ہوا کو متصل ہے اور ہوا حار اور رطب ہے اور چونکہ ہوا میں رطوبت ہے جب وہ اثیر کے متصل ہو کر اس میں اثر انداز ہوتی ہے اس لیے کہ اس کی حرکت سے ہوا کی رطوبت کے بعض حصے سے شعلہ اٹھتے ہیں ان سے ستاروں کے شکل کی چنگاریاں ظاہر ہوتی ہیں۔ دراصل وہ جلی ہوئی ہوا ہوتی ہے جسے ہم شعلے سمجھتے ہیں اور یہ بہت جلد مٹ جاتے ہیں اگر کسی کو اس کی تحقیق چاہیئے تو آگ پر پنکھا ہلاؤ تو اس سے تاگے کی تاروں کی طرح چنگاریاں اڑتی ہیں جنہیں ہم آنکھوں سے دیکھتے ہیں پھر تھوڑی دیر کے بعد وہ چنگاریاں بجھ جاتی ہیں یہی ستارے نظر آنے والے دراصل وہی چنگاریاں ہیں جن سے شیطانوں کو سنگسار کیا جاتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان فرمایا ہے۔

فلاسفہ اور حکمائے اسلام کے اقوال کی تطبیق

فائدہ :۔ بعض مشائخ نے فرمایا کہ آسمان پر چمکنے والی شے زمین والوں کو ستارہ معلوم ہوتی ہے وہ دو قسم ہے:۔

۱۔ وہ جو دائمی اور غیر منقطع ہو اس میں تغیر و فساد نہیں آتا یہی وہ ستارے ہیں جو افلاک میں مرکوز ہیں۔

۲۔ وہ جنہیں بقا نہیں بلکہ چند لمحات کے بعد ختم ہو جاتی ہے اور یہ روشنی ان بخارات سے پیدا ہوتی ہے جو زمین سے آسمان کی طرف اٹھتے ہیں جیسے فلاسفہ نے کہا یا سوائے اثیر کی تحریک اور ان کے شعلوں سے جیسے مشائخ اسلام نے فرمایا ہو سکتا ہے کہ یہی بخارات والی روشنی شیاطین کے رجوم ہوں۔

صاحب روح البیان کی تحقیق :۔ صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ مشائخ کی تحقیق سے معلوم ہوا کہ بخارات سے ستارے پیدا ہوتے ہیں یہی شیطان

کے رجوم بنتے ہیں یہ اس کے منافی نہیں کہ کہا جاتا ہے کہ ستارے افلاک میں مرکوز ہیں یا وہ ملائکہ کے ہاتھوں میں ایسے ہیں جیسے مساجد میں قنادیل یا آسمانوں میں سوراخ ہیں یا سورج کی کرنوں ہیں جیسا کہ اہلِ حقیقت و اہلِ ظواہر کا مذہب ہے۔

ستاروں کا کام: قتادہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ستاروں کو تین اُمور کے لیے پیدا فرمایا:
۱۔ زینت سماء۔
۲۔ رجوماً للشیطان۔
۳۔ ان کے ذریعے اہل دنیا راستے طے کر کے منزل مقصود تک پہنچیں۔ جو ان تین اُمور کے علاوہ کچھ اور بیان کرتا ہے تو جو کچھ کہتا ہے وہ اس کا اپنا نظریہ ہے۔

سبق: طالبِ حق پر لازم ہے کہ نور توحید و عرفان سے شیطان کو رجم کرے تا کہ شیطان اس کے دل کو نہ گھیرے پھر اسے ملاءِ اعلیٰ تک پرواز نصیب ہوگی ؎

گاہ گوئی اعوذ و گہ لاحول
فعلت بود مکذب قول

ترجمہ: کبھی اعوذ سے کبھی لاحول سے شیطان کو بھگاتا ہے لیکن افسوس کہ تیرا فعل تیرے قول کے خلاف ہے۔

بحقیقت بسوز شیطان را
ساز از نور حال درماں را

ترجمہ: حقیقی طور شیطان کو بھگاتا ہے نورِ حال سے اور اس طرح اپنا علاج کر۔

تفسیر عالمانہ: فاستفتہم۔ ان سے پوچھئے۔ یہ خطاب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور ضمیر مشرکین عرب کی طرف راجع ہے۔ استفتاء بمعنی فتویٰ پوچھنا۔

حل لغات: الیفتاء الفتوی بمعنی مشکل احکام کا جواب دینا مثلاً کہا جاتا ہے استفتیتہ فافتانی ھکذا۔ میں نے اس سے مشکل سوالات کیے تو اس نے مجھے ایسے ایسے جواب دیا۔ بعض نے کہا کہ فتویٰ کا جواب فتی ہے بمعنی قوی نوجوان اور فتوی کو اس لیے اس نام سے موسوم کرتے ہیں کہ مفتی واقعہ کا مضبوط جواب دیتا ہے۔ اس کی جمع فتاوی (بالفتح) آتی ہے یہاں پر استفتاء بمعنی استخبار ہے۔ جیسے اہل کہف کے واقعہ میں ہے وَلَا تَسْتَفْتِ فِيهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا۔ یہاں استفہامیہ سوال نہیں بلکہ انہیں توبیخ مطلوب ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین کو زجر و توبیخ کر کے بطور حجت سوال کیجئے۔

اھم اشد خلقاً ۔ کیا وہی زیادہ مضبوط ہیں تخلیق کے لحاظ سے یا خالق کائنات کما قال ام من ۔ یا وہ جو کہ خلقنا ۔ ہم نے پیدا کیے ملائکہ اور آسمان اور زمین اور جو اُن کے درمیان ہے اور مشارق و مغارب کواکب اور شہب ثاقب اور شیاطین سرکش۔

ذوی العقول کی تغلیب پر مَنْ لایا گیا ہے۔

فائدہ :۔ انا خلقنا ھم ۔ ہم نے اُن کے اصل کو یعنی آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور یہ اُن کی نسل سے ہیں من طین لازب ۔ دگارے سے جو چپکنے والا ہے) یعنی وہ مٹی جو ہاتھوں کو چمٹ جائے جس میں ریت نہ ہو المفردات میں ہے کہ اللازب بمعنی الثابت یعنی شدید الثبوت ۔ کبھی لازب بول کر واجب بھی مراد لیا جاتا ہے جیسے ضربۃ لازب بمعنی واجب ۔ باء میم سے بدل کر آئی ہے ۔ یہ دراصل لازم تھا جیسے مکہ اور بکہ (کشف الاسرار) اس سے معاد کا اثبات ہے اور وہ جو اسے محال سمجھتے ہیں ان کا رد کرنا مطلوب ہے۔

دلائل بعثت مرنے کے بعد :۔ اثبات کی تقریر یوں ہوگی کہ قیامت میں نہ اُٹھنے کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں :۔

۱۔ مادہ میں قابلیت نہ ہو ۔

۲۔ فاعل کو قدرت نہ ہو ۔

مادہ کی قابلیت موجود ہے اس لیے کہ ان کا مادہ طین لازب ہے اور وہ جزء مائی[1] کو جزء ارضی[2] کے ملانے سے حاصل ہوتا ہے اور وہ دونوں مادے موجود ہیں اور ان دونوں کو آپس میں ملنے کی قابلیت بھی پائی جاتی ہے اور فاعل کی قدرت کا بھی انکار نہیں کیا جا سکتا اور جو ذات ان سے بڑے بڑے کاموں کے ایجاد پر قادر ہے تو وہ بطریق اولیٰ قدرت رکھتی ہے کہ معمولی شے کو پیدا فرمائے مثلاً انسان کی تخلیق اور اس کا اعادہ ایسے ہی اسے طین لازب سے بنانا جب اسے وہ ابتداءً بنانے کی قدرت ہے تو لوٹانے پر بھی قدرت رکھتا ہے اور اس کی قدرت ذاتی ہے اسے کبھی تغیر نہیں ہوتا اس کی قدرت جملہ مخلوقات کے لیے برابر ہے جیسے سورج جب طلوع کرتا ہے تو اس کا نور جملہ موجودات کے ذرات پر برابر پڑتا ہے۔

ع کا نیک کہ ز عدم سوئے وجود آمدہ ایم

ترجمہ :۔ ہم جو عدم سے وجود میں آئے ہیں یہ اسی کی قدرت کا کرشمہ ہے۔

---

[1] پانی والی ۔

[2] مٹی والی ۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے

بامرش وجود از عدم نقش بست
کہ داند جز او کردن از نیست ہست

ترجمہ:۔ اس کے حکم سے وجود نے عدم کا وجود پایا۔ کون جانتا ہے اس کے سوا نیست سے ہست کرنا۔

دگر رہ بحستم عدم در برد
و از آنجا بصحرائے محشر برد

ترجمہ:۔ دوبارہ وہ عدم کے پردہ میں لے جائے گا وہاں سے محشر کے جنگل میں پہنچائے گا۔

تفسیر صوفیانہ:۔ آیت میں اشارہ ہے کہ انسان کے گارہ کا خاصا ہے کہ اس میں لذوب و لصوق ہے جو شے اس کے موافق ہوتی ہے اسے چمٹ جاتا ہے بعض کو دنیا راس آئی تو دنیا کو چمٹ گئے اور بعض کو آخرت تو وہ آخرت کو اور بعض کو نفحات الطاف حق سے اُنس ہوا تو وہ ان سے مانوس ہوئے اور ایسے کہ ان نفحات نے انھیں پگھلا کر رکھ دیا یہاں تک کہ اپنی ہویت سے انھیں اپنی انانیت سے فانی بنا دیا۔ جیسے سورج کی گرمی برف کو پگھلا کر اسے اپنی طرف کھینچ دیتی ہے۔ بڑا خوش قسمت ہے وہ انسان جو غیر اللہ سے متعلق نہ ہوا۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ہے

غلام ہمت آنم کہ زیر چرخ کبود
ز ہر چہ رنگ تعلق پذیرد آزادست

ترجمہ:۔ میں اس انسان کی ہمت پر قربان جو نیلے گنبد کے نیچے رہ کر ہر طرح کے تعلق سے آزاد ہے۔

تفسیر عالمانہ:۔ بل عجبت و یسخرون۔ بلکہ تعجب کرتے ہو اور وہ ٹھٹھا کرتے ہیں۔ سعدی مفتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ یہ امر استفتاء سے اعراض ہے یعنی ان سے سوال نہ کیجئے اس لیے کہ وہ معاند و مکابر ہیں۔ ان سے استفتاء کا کیا فائدہ۔ آپ میں اور ان میں بہت بڑا فرق ہے اس لیے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی جمیع مصنوعات و مخلوقات سے اس قدرت کا اقرار ہے اور انہیں قیامت کی حاضری کا انکار ہے بلکہ وہ مرنے کے بعد اُٹھنے کے اظہار عقیدہ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت پر یقین کرنے سے ہنستے اور ٹھٹھا مخول کرتے ہیں۔

شانِ نزول:۔ حضرت قتادہ نے فرمایا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نزول قرآن کے بعد کفار کے انکار سے تعجب ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم الشان نعمت عطا فرمائی ہے لیکن یہ بد قسمت اسے بجائے سینے سے لگانے کے انکار در انکار کر رہے ہیں۔ آپ اس خیال میں تھے کہ جو بھی قرآن سنے گا بمجرد سننے کے خوش ہوگا

لیکن جب مشرکین نے سُنا تو اُلٹا ہنسے اور ماننے سے انکار کر دیا اس سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تعجب ہُوا اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلی کے لیے فرمایا (بل عجبت ویسخرون)۔

حل لغات: السخریۃ بمعنی الاستہزاء ہے۔ العجب والتعجب وہ حالت جو کسی سبب سے انسان کو بوقت جہل عارض ہو۔ اسی لیے بعض حکماء نے فرمایا عجب وہ ہے جس کا سبب معلوم نہ ہو اسی لیے اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے لیے جائز نہیں کیونکہ وہ علام الغیوب ہے اس سے کوئی شے مخفی نہیں۔

ازالۂ وہم: اللہ تعالیٰ کے لیے عجب کا استعمال ہوا ہے تو وہاں یا تو بمعنی انکار شدید و مذمت ہے جیسا کہ ایک قرأۃ میں اسی آیت میں عجبتُ بضم التاء آیا ہے یا بمعنی استحسان و رضا کے آتا ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے، تمہارا پروردگار اس نوجوان سے تعجب کرتا ہے جس میں نہ بچپنہ ہے نہ تکبر و سرکشی۔

فائدہ: فتح الرحمٰن میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے تعجب کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ متعجب منہ کی تعظیم یا تحقیر ظاہر فرماتا ہے یہاں تک کہ لوگ اس سے تعجب کریں۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا جواب

حضرت جنید قدس سرہٗ سے اس آیت کا معنیٰ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موافقت میں فرمایا کما قال "وان تعجب فعجب قولہم" وہ بات ویسے ہی ہے جیسے آپ فرماتے ہیں۔

دیگر جواب: المفردات میں ہے کہ اے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ ان کے قیامت میں اُٹھنے کے انکار ... تعجب کرتے ہیں اس لیے کہ آپ کو اس کے وقوع کا تحقق ہے اور آپ کو اعلیٰ درجہ کا عرفان حاصل ہے اور وہ اپنی جہالت کے پیش نظر اس پر ٹھٹھا مخول کرتے ہیں۔

فائدہ: بعض قرأۃ میں بل عجبتُ بضم التاء آیا ہے اس میں اللہ تعالیٰ کے لیے تعجب کا حقیقی معنیٰ نہیں بلکہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جو کچھ میرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کہا جائے گا وہ عجیب ہے یا عجبتُ بمعنی انکرتُ ہے جیسے التعجب من امر اللہ۔ یہاں عجب بمعنی انکار ہے۔ (یعنی کیا تو نے امرِ الٰہی سے انکار کیا۔)

تفسیر عالمانہ: واذا ذکروا۔ اور اُن کی ہمیشہ عادت رہی ہے کہ انھیں جتنی بھی وعظ و نصیحت کی جائے لا یذکرون نہیں مانتے۔ اس میں اشارہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو مکمل طور پر بھلا دیا ہے کہ نہ خود یاد کرتے ہیں اور نہ ہی یاد لانے پر کچھ ان پر اثر پڑتا ہے۔ واذا راَوا ایۃ۔ اور جب وہ کوئی معجزہ دیکھتے ہیں جو قیامت میں اُٹھنے کے قائل کی تصدیق کرتا ہے۔ (یستسخرون) تو ٹھٹھے اُڑاتے ہیں۔

استسخار بمعنی استہزاء کرنا۔ اس کا سین اور تاء مبالغہ و تاکید کی ہے یعنی استہزاء اور ٹھٹھا

حل لغات:۔ مخول میں مبالغہ کرتے ہیں یا اپنے اصل پر طلب کے معنی میں ہے یعنی ایک دوسرے کو ملا کر ٹھٹھا مخول کرتے ہیں۔ وقالوا ان ھذا۔ اور کہتے ہیں نہیں ہے یہ۔ اِن نافیہ ہے بمعنی ما اور یہ لوگ آیات باہرہ دیکھ کر کہتے ہیں یہ نہیں جو ہم نے دیکھا۔ الا سحرٌ مبین۔ مگر جادو ظاہر یعنی یہ وہ شے ہے جس کا جادو ہونا ظاہر ہے۔

صوفیاء کے منکرین:۔ آیت میں اشارہ ہے کہ اہل انکار جب کسی اللہ والے کو دیکھتے ہیں (جو کہ وہ بھی آیت میں آیات اللہ ہوتا ہے) تو اس کے ساتھ ٹھٹھا مخول کرتے ہیں۔ اسے ماننے کے بجائے کہتے ہیں یہ کرامات جو ہمارے ہاں لایا ہے یہ تو جادو ہے۔ دراصل انکار اولیاء کی وجہ سے ان کی پہچاننے والی آنکھوں پر پردہ پڑ جاتا ہے اسی لیے وہ اُلٹا اسے گمراہ کہتے ہیں (جیسے وہابی نجدی اولیاء کرام کو کہتے ہیں) ؎

چوں نباشد چشم ویرا نور جان
گفتگوئے وجہ باقی شد خیال

ترجمہ:۔ جب اس کی آنکھ کی جان میں نور ہی نہیں تو ایسے تو گفتگو کرنا صرف خیالی بات ہے۔

تفسیر عالمانہ:۔ ائذا۔ کیا ہم مرنے کے بعد اُٹھیں گے جبکہ متنا۔ ہم مر جائیں گے وکنا ترابا۔ اور ہو جائیں گے مٹی۔ وعظاما۔ اور ہڈیاں بے گوشت و پوست یعنی ہمارے اجسام کے بعض اعضاء مٹی اور بعض اجزاء ہڈیاں ہو جائیں گے۔ ترابًا کی تقدیم اس لیے ہے کہ تمام گلے سڑے اجزاء مٹی ہو جاتے ہیں ائنا لمبعوثون۔ کیا ہم مرنے کے بعد اُٹھائے جائیں گے یعنی ہم نے مرنے کے بعد اُٹھنا ہی نہیں۔ یہ ہمزہ انکاری ہے اس سے نفی مراد ہے ظرف کی تقدیم بعث کے انکار کی تقویت کے لیے ہے تاکہ مکمل طور انکار ظاہر ہو۔ وَ اٰباءنا الاولون۔ اور ہمارے آباؤ اجداد جو پہلے گزرے۔ ہمزہ استفہامیہ ہے واؤ عاطفہ ہے اور اٰباء نا مرفوع علی الابتداء اور اس کی خبر محذوف ہے یہ سیبویہ کا مذہب ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہمارے آباؤ اجداد جو زمانہ سابقہ میں مر چکے ہیں کیا وہ بھی اُٹھائے جائیں گے۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ یہ امر بالکل بعید از قیاس ہے وہ یہ سمجھتے تھے کہ انھیں مرے ہوئے عرصہ گزرا اور قیامت کے وقوع کو بہت بڑی دیر ہے اسی لیے یہ اَمر محال ہے کہ وہ بھی قیامت میں اُٹھائے جائیں گے۔ قل۔ انھیں مسکت جواب دیجئے کہ نعم و انتم داخرون۔ ہاں یوں کہ ذلیل ہو کر۔

حل لغات:۔ نعم بفتحتین۔ اس استخبار کے جواب میں واقع ہے جو نفی سے خالی ہو اور اس کلام کے

اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ۝

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ۝ وَقِفُوْهُمْ

اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ ۝ مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ۝ بَلْ هُمُ الْيَوْمَ

مُسْتَسْلِمُوْنَ ۝ وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ۝ قَالُوْا

اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ۝ قَالُوْا بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا

مُؤْمِنِيْنَ ۝ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ بَلْ

كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ ۝ فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ اِنَّا لَذَآئِقُوْنَ ۝

فَاَغْوَيْنٰكُمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ ۝ فَاِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِى الْعَذَابِ

مُشْتَرِكُوْنَ ۝ اِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ۝ اِنَّهُمْ

كَانُوْآ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ وَيَقُوْلُوْنَ

اَئِنَّا لَتَارِكُوْآ اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ۝ بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ

الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ۝ وَمَا تُجْزَوْنَ

اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ

لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ۝ فَوَاكِهُ وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ ۝ فِىْ جَنّٰتِ

النَّعِيْمِ ۝ عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ۝ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ

مَّعِيْنٍ ۝ بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۝ لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا

يُنْزَفُوْنَ ۝ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ ۝ كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ

مَّكْنُوْنٌ ۝ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ۝ قَالَ

قَآئِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّىْ كَانَ لِىْ قَرِيْنٌ ۝ يَّقُوْلُ اَئِنَّكَ لَمِنَ

الْمُصَدِّقِيْنَ ۝ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا

لَمَدِيْنُوْنَ ۝ قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ ۝ فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ

فِيْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ○ قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ ○
وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ○ اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ ○
اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ○ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ
الْعَظِيْمُ ○ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ○ اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا
اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ○ اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ ○ اِنَّهَا
شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ ○ طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ ○
فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ○ ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا
لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ ○ ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ ○ اِنَّهُمْ
اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّيْنَ ○ فَهُمْ عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ ○
وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ ○ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ
مُّنْذِرِيْنَ ○ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ○
اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ○

ترجمہ:۔ ہانکو ظالموں اور اُن کے جوڑوں کو اور جو کچھ وہ پوجتے تھے۔ اللہ کے سوا ان سب کو ہانکو راہ دوزخ کی طرف اور انھیں ٹھہراؤ ان سے پوچھنا ہے تھیں کیا ہوا ایک دوسرے کی مدد کیوں نہیں کرتے بلکہ وہ آج گردن ڈالے ہیں اور ان میں ایک منہ دوسرے کی طرف منہ کیا آپس میں پوچھتے ہوئے بولے تم ہمارے داہنی طرف سے بہکانے آتے تھے۔ جواب دیں گے تم خود ہی ایمان نہ رکھتے تھے اور ہمارا تم پر کچھ قابو نہ تھا بلکہ تم سرکش لوگ تھے تو ثابت ہوگئی ہم پر ہمارے رب کی بات ہمیں ضرور چکھنا ہے تو ہم نے تمھیں گمراہ کیا کہ ہم خود گمراہ تھے تو اس دن وہ سب کے سب عذاب میں شریک ہیں۔ مجرموں کے ساتھ ہم ایسا ہی کرتے ہیں۔ بے شک جب ان سے کہا جاتا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہیں تو اونچی کھینچتے تھے اور کہتے تھے کیا ہم اپنے خداؤں کو چھوڑ دیں ایک دیوانہ شاعر کے کہنے سے بلکہ وہ تو حق لائے ہیں اور انہوں نے رسولوں کی تصدیق فرمائی۔ بیشک تمہیں ضرور دکھ کی مار چکھنی ہے تو تمہیں بدلا نہ ملے گا مگر اپنے کیے کا۔ مگر

جو اللہ کے چنے ہوئے بندے ہیں ان کے لیے وہ روزی ہے جو ہمارے علم میں ہے میوے
اور ان کی عزت ہوگی چین کے باغوں میں تختوں پر ہوں گے آمنے سامنے۔ ان پر دورہ ہو گا
نگاہ کے سامنے بہتی شراب کے جام کا۔ سفید رنگ پینے والوں کے لیے لذت۔ نہ اس میں خمار
ہے اور نہ اس سے ان کا سر پھرے اور ان کے پاس ہیں جو شوہروں کے سوا دوسری طرف
آنکھ اٹھا کر نہ دیکھے گا۔ بڑی آنکھوں والیاں گویا وہ انڈے ہیں پوشیدہ رکھے ہوئے۔
تو ان میں ایک نے دوسرے کی طرف منہ کیا پوچھتے ہوئے۔ ان میں سے کہنے والا بولا میرا
ایک ہم نشین تھا۔ مجھ سے کہا کرتا کیا تم اسے سچ مانتے ہو۔ کیا جب ہم مر کر مٹی اور ہڈیاں ہو
جائیں گے تو کیا ہمیں جزا سزا دی جائے گی۔ کہا کیا تم جھانک کر دیکھو گے پھر جھانکا تو اسے
بیچ بھڑکتی آگ میں دیکھا۔ کہا خدا کی قسم قریب تھا کہ تو مجھے ہلاک کر دے اور میرا رب فضل نہ کرے
تو ضرور میں بھی پکڑ کر حاضر کیا جاتا تو کیا ہمیں مرنا نہیں مگر ہماری پہلی موت اور ہم پر عذاب نہ ہو گا
بیشک یہی بڑی کامیابی ہے ایسی ہی بات کے لیے کامیوں کو کام کرنا چاہیئے تو یہ مہمانی بھلی یا تھوہر کا پیڑ
بیشک ہم نے اسے ظالموں کی جانچ کیا ہے۔ بے شک وہ ایک پیڑ ہے کہ جہنم کی جڑ میں نکلتا ہے
اس کا شگوفہ جیسے دیوؤں کے سر۔ پھر بیشک وہ اس میں سے کھائیں گے پھر اس سے پیٹ
بھریں گے پھر بیشک ان کے لیے اس پر کھولتے پانی کی ملونی ہے۔ پھر ان کی بازگشت ضرور
بھڑکتی آگ کی طرف ہے۔ بیشک انھوں نے باپ دادا گمراہ پائے تو وہ انہیں کے نشان قدم
پر دوڑے جاتے ہیں۔ اور بیشک ان سے پہلے بہت سے اگلے گمراہ ہوئے اور بیشک ہم نے ان
میں ڈر سنانے والے بھیجے تو دیکھو ڈرائے گیوں کا کیسا انجام ہوا مگر اللہ کے چنے ہوئے بندے۔

رد کے لیے جو حرف استفہام کے بعد ہو اور یہ خطاب تغلیباً کفار مکہ اور ان کے آباء کو ہے۔ الدخور
بمعنی بدترین ذلت و خواری مثلاً ادخرتہ فدخر۔ میں نے اسے ذلیل کیا تو وہ ذلیل و خوار ہوا۔ یہ جملہ فاعل سے
حال ہے جیسا کہ نعم سے معلوم ہوتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہے کہ اے کافرو! تم سب کے سب قیامت میں اٹھنے کا
حکم فرمائے گا تو ایک ہی جھڑک دے کر تمھیں اٹھائے گا۔ یا یہ کہ تم قیامت کے اٹھنے کو مشکل نہ سمجھو اس لیے کہ وہ
تو اللہ تعالیٰ کی ایک جھڑکی سے ہی قائم ہو جائے گی۔

الزجرۃ بمعنی الصیحۃ بہ۔ زجر الراعی غنمہ او ابلہ۔ سے ہے یہ اُس وقت بولتے ہیں
حل لغات:۔ جب چرواہا بکری یا اونٹ کو آواز دے کر جھڑکے یہ نفخہ ثانیہ کے وقت ہو گا۔ فاذا ھم
پس اچانک وہ۔ یہ اذا مفاجات کا ہے اور ضمیر مشرکین کی طرف ہے ہے۔ بعض تفاسیر میں ہے کہ یہ ضمیر جملہ

مخلوق کی طرف راجع ہے یعنی اچانک وہ اپنی قبروں میں زندہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوں گے۔ ینظرون حیران ہو کر دیکھتے رہیں گے یا اس انتظار میں ہوں گے کہ نامعلوم ان کے ساتھ کیا ہوگا۔ وقالوا یاویلنا اور کہیں گے ہائے ہائے۔

حل لغات:۔ الویل بمعنی الهلاک یعنی کہیں گے اے ہلاکت وتباہی حاضر ہو جا یہی تیری حاضری کا وقت ہے۔ کاشفی نے ترجمہ لکھا کہ افسوس ہمارے اُوپر هذا یوم الدین یہی جزا کا دن ہے۔ یہ اُن کی ہلاکت کے بلانے کی تعلیل ہے جسے جملہ مستانفہ کے طور بیان کیا گیا ہے یعنی یہ وہ دن ہے جس میں ہمارے اعمال کی ہمیں جزا وسزا دی جائے گی یہ اُس وقت ہے جب قیامت کا مشاہدہ کریں گے تو انہیں مابعد کے واقعات کا یقین ہو جائے گا۔ پھر انہیں زجر و توبیخ کرتے ہوئے فرشتے کہیں گے هذا الیوم الفصل)۔ یہ وہی فیصلہ کا دن ہے یا یہ وہی دن ہے جس میں ہدایت وگمراہی کا فرق ظاہر ہوگا۔ الذی کنتم بہ تکذبون۔ جس کی تم تکذیب کرتے اور کہتے تھے کہ وہ جھوٹ ہے اور اس کی کوئی اصل نہیں۔

تفسیر عالمانہ:۔

احشروا الذین ظلموا۔ جمع کرو انھیں جنہوں نے ظلم کیا۔

حل لغات:۔ الحشر، وا بمعنی البعث وبمعنی الجمع وبمعنی السوق۔ یہاں پر یہی معنی مراد ہے پہلا معنی مراد نہیں جیسا کہ مخفی نہیں۔ الظالمین سے مشرکین مراد ہیں یعنی اللہ تعالیٰ ملائکہ کرام سے فرمائے گا کہ جن لوگوں نے دنیا میں شرک کر کے اپنے نفسوں پر ظلم کیا انھیں جمع کر کے۔

وازواجہم:۔ اور ان جیسوں دیگر مشرکوں کافروں منافقوں مجرموں کو یعنی بت پرستوں کو بت پرستوں کے ساتھ اور ستارہ پرستوں کو ستارہ پرستوں کے ساتھ اور یہود کو یہودیوں کے ساتھ اور نصاریٰ کو نصاریٰ کے ساتھ اور مجوس کو مجوسیوں کے ساتھ وغیرہ۔ ہر اہل ملّت اپنی ملّت والوں کے ساتھ اُٹھیں گے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہاں ازواج سے اُن کی وہ عورتیں مراد ہوں جو اُن کی ہم ملّت تھیں یا اس سے وہ شیطان اور اُن کے ساتھی مراد ہیں اس لیے کہ ہر کافر اس کے ساتھ ایک ہی زنجیر میں جکڑا جائے گا۔

وماکانوا یعبدون من دون اللہ۔ اور وہ جو ماسوی اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ من دون اللہ سے بت وغیرہ مراد ہیں۔ انھیں بتوں کے ساتھ جہنم میں اس لیے ڈالا جائے گا تاکہ انھیں زیادہ حسرت اور بہت زیادہ رسوائی ہو۔

فاهدوهم الی صراط الجحیم۔ اور انھیں دوزخ کی طرف ہانکو۔ یہ ضمیر ظالموں کی طرف کا راستہ ان کی ازواج اور ان کے معبودوں کی طرف راجع ہے یعنی انھیں جہنم کا راستہ بتاؤ اور اس طرف متوجہ کرو اس میں ان کے ساتھ تہکم مطلوب ہے۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں پر ظالم سے ہر طرح کے ظالم مراد ہیں یعنی وہ جس نے اپنے نفس پر ظلم کیا یا نہ اس معنیٰ پر اب معنیٰ یہ ہوگا کہ ہر شرابی اپنے ساتھی شرابی کے ساتھ اور ہر زانی اپنے ساتھی زانی کے ساتھ اور ہر اہلِ ریاد اپنے ساتھی اہل ریاد کے ساتھ اُٹھے گا۔ ایسے ہر جنس کا مجرم اپنے مجرم ساتھی کے ساتھ۔

فائدہ:

حکایت: ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن مبارک قدس سرہٗ سے عرض کی کہ میں درزی ہوں کبھی ظالموں کے کپڑے سینے پڑتے ہیں کیا میں بھی ان ظالمین کے ساتھیوں میں شمار ہوں گا۔ آپ نے فرمایا نہ صرف تو بلکہ وہ لوگ جو ان کے کپڑوں کے لیے تاگے اور سوئی بتار کرتے ہیں وہ بھی قیامت میں ان کے ساتھ ہوں گے۔

مسئلہ: جوتے فروش (موچی) اور درزی کو مکروہ ہے کہ فاسقوں کی ساخت کا کام کر کے قیمت زیادہ وصول کریں اس لیے کہ یہ بھی معصیت پر اعانت میں شامل ہے۔

حکایت: منقول ہے کہ ایک بار حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کو جیل میں ڈالا گیا۔ ایک ظالم آپ کے پاس آیا اور عرض کہ مجھے قلم بنا دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر میں تجھے قلم بنا دوں تو اعانت پر معصیت ہوگی اور پھر میں قیامت میں کہیں احشروا الذین ظلموا وازواجہم میں شمار نہ ہو جاؤں۔ یہاں پر ازواج سے اتباع و اعوان واقران اور ان کے افعال میں اقتداء کرنے والے مراد ہیں۔

امراؤ القیس صاحب معلقہ اولیٰ کا حال

حدیث شریف میں ہے کہ قیامت میں جہنم کی طرف لواء الشعر کا قائد امرا القیس ہوگا (تذکرۃ القرطبی)

یار ظالم مباش تا نشوی
روز حشر از شمارۂ ایشاں

ترجمہ: ظالم کا یار نہ ہو تا کہ قیامت میں تجھے اس کے ساتھ نہ اٹھایا جائے۔

بد مذہب کے ساتھ دوستی کا انجام

منقول ہے کہ حضرت ابن المبارک قدس سرہٗ کو ان کے وصال کے بعد کسی نے خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ آپ کے ساتھ آپ کے پروردگار نے کیا کیا آپ نے فرمایا مجھے میرے رب تعالیٰ نے عتاب فرمایا ہے اور تین دن تک مجھے ٹھہرائے رکھا صرف اسی وجہ سے کہ میں نے ایک دن مبتدعؒ (بدمذہب) کی طرف نظر شفقت سے دیکھا تو

ؒ جس نے نیا عقیدہ گھڑا ہو جیسے قادیانی نے نبوت کا دعویٰ کیا یا اسمٰعیل دہلوی نے لکھا کہ نماز میں حضور علیہ السلام کا خیال مفر نماز اور گدھے کے خیال سے بدتر ہے۔ (اویسی غفرلہٗ)

اللہ تعالیٰ نے مجھے عتاب فرمایا کہ تو نے میرے دشمن سے اظہارِ عداوت کیوں نہ کی۔

سبق: ہمارے وہ عزیز غور فرمائیں جو بدمذہبوں کے ساتھ بیٹھتے اور میل جول رکھتے اور ان سے تعلق جوڑتے اور صلحکلی بنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظلمین ؁۔

مسئلہ: الروضہ میں ہے کہ فاسق کی دعوت قبول کرنی چاہیئے لیکن متقی کے لیے نامناسب ہے۔

مسئلہ: جو شخص مشہور و معروف اور لوگ اس کی اقتدا کرتے ہوں اسے اہلِ باطل کے ہاں آمد و رفت مکروہ ہے کہ لوگوں کے سامنے اس کی عظمت کا اظہار کرے۔ اگر ایسا کرے گا تو وہ بھی اس کی طرح مبتدع (بدمذہب) ہوگا اور اس کے عمل باطل کی ترویج میں اس کے ساتھ اس کا شریک کار ہوگا بلکہ جتنا لوگ اس بدمذہب کے بد اعتقاد اور عمل فاسد کی اقتدا کریں گے۔ اس کا اصل موجب یہی شخص ہوگا تو ان سب کا گناہ اس کے سر پر ہوگا۔ (اسی لیے ہم صلحکلی سُنیوں سے نالاں ہیں کہ وہ بدمذہبوں سے نفرت تو بجائے خود ان سے یارانہ اور دوستی کا دم بھرتے ہیں)۔ اویسی۔

تفسیر صوفیانہ: خلاصہ یہ کہ نفوس امارہ کی اتباع کرنے والے دنیا میں جہنم کے اسباب کی طرف رہبری کرتے رہے۔ اقوال میں بھی اور افعال میں بھی اور اخلاق میں بھی اسی لیے قیامت میں انہی اعمال پر اُٹھائے جائیں گے۔ ایسے ہی جو کسی کو کوئی بُری عادت میں اور غلط کاری میں اعانت کرے گا تو وہ اس کے ساتھ شریک کار رہے گا اور اسے برابر کی سزا ملے گی اور جیسے عمل کرنے والے کو بارگاہِ حق سے ہٹا کر اس کی اہانت ہو گی اس کی بھی جیسے ارواح کو جزا و سزا ملے گی ایسے ہی نفوس و اجسام کو بھی ہم اللہ تعالیٰ سے حسن خطاب کے مطابق عمل اور اپنی جناب کی طرف توجہ اور اپنی توفیق سے اپنی راہ پر چلنے اور اپنی ہدایت عطا فرمائے۔ وہی معین و مددگار ہے۔

تفسیر عالمانہ: وقفوھم۔ اور انہیں ٹھہراؤ۔

حل لغات: الوقف یقفہ وقفا بمعنی جلسہ (اسے روکا) سے ہے نہ کہ وَقَفَ وُقُوْفًا بمعنی دَامَ قَائِمًا پہلا متعدی اور دوسرا لازم ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے ملائکہ کرام مشرکوں کو صراط (پلصراط) کے نزدیک ٹھہراؤ۔ چنانچہ بطریق تعلیل فرمایا انھم مسئولون بیشک ان سے سوال ہوگا اس کے متعلق جو ان سے دنیا میں سرزد ہوا۔ مالکم۔ تمہیں کیا ہوا ہے لا تناصرون ایک دوسرے کی مدد کیوں نہیں کرتے۔ یہ فعل کے معنی سے حال ہے یعنی مالکم سے دراصل عبارت

؁ اضافہ اویسی غفرلہٗ ۱۲۔

یوں نفی ما تنصرون حال کو نکم غیر متناصرین. جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تمھارے ایک دوسرے کی مدد نہ کرنے کا سبب کیا ہے یعنی تم دنیا میں تو اس گمان میں تھے کہ ہم ایک دوسرے کو عذاب سے چھڑا لیں گے جیسا کہ ابوجہل نے بدر میں کہا نَحْنُ جَمِیْعٌ مُّنْتَصِرٌ. ہم ایک دوسرے کے مددگار ہیں اور حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ڈٹ کر مقابلہ کریں گے۔ قیامت میں انہیں کہا جائے گا کہ اتنا بہت بڑے دعاوی کے باوجود اب تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ ایک دوسرے کو عذاب سے نہیں چھڑاتے ہو۔

اس سوال کی تاخیر اس لیے ہے کہ عذاب کا وعدہ اسی وقت سے متعلق تھا چنانچہ جب واقع ہوگا اور اس کا اثر ان پر پڑے گا تو پھر ان سے مذکورہ سوال ہوگا۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ اس وقت انھیں نصرت و یاری کی ضرورت بھی ہوگی اور اُس وقت ہر طرف سے اُمیدیں منقطع کر چکے ہوں گے اور توبیخ و تقریع اس وقت ان پر زیادہ اثرانداز ہوگی۔

چار سوالات:- حدیث میں ہے کہ ابن آدم اللہ تعالیٰ کے حضور میں کھڑا رہے گا یہاں تک کہ اس سے چار باتوں کا سوال ہو:۔

۱۔ جوانی کو کہاں خرچ کیا۔
۲۔ عمر کن اُمور میں بسر ہوئی۔
۳۔ مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا۔
۴۔ دنیا میں کون سا عمل کیا۔

فائدہ:- مشائخ فرماتے ہیں کہ مقام سوال بہت سخت ہوگا بعض لوگوں سے سوال کرنے والے ملائکہ ہوں گے بعض سے خود اللہ تعالیٰ سوال کرے گا جن لوگوں سے ملائکہ سوال کریں گے ان کے بعض اعمال صالحہ ہوں گے جنھیں ظاہر کرنا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرنا مناسب ہوگا اور بعض لوگ ایسے ہوں گے جن کے اعمال کشف وعرض کی صلاحیت نہیں رکھیں گے۔

خاص بندے:- قیامت میں اللہ تعالیٰ کے خاص بندے دو قسم کے ہوں گے۔

۱۔ وہ بندے جن کے اعمال صالحہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھی مخلوق سے پوشیدہ رکھے اور آخرت میں بھی پوشیدہ رکھے گا۔

۲۔ بعض ایسے ہوں گے جن کی غلطیاں تو ہوں گی لیکن اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے انہیں پوشیدہ رکھے گا کسی پر ظاہر نہیں ہونے دے گا تاکہ وہ لوگ بندگان خدا کے سامنے رسوا نہ ہوں۔ ان کے ماسوا غیروں

اور بیگانوں کو کہا جائے گا آج تمہارا حساب تمہارے ہاتھ میں ہے اپنے اعمال تو دیکھو۔ جب وہ اپنے اعمال نامے پڑھیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا ایسے لوگوں کی سزا کیا ہے۔ عرض کریں گے جہنم۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اپنے فیصلہ پر جہنم میں جاؤ۔

حکایت فرعون:۔ ایک دفعہ حضرت جبریل علیہ السلام فرعون کے ہاں بشری لباس پہن کر تشریف لائے اور کہا کہ اس نوکر کی سزا کیا ہے جو اپنے مالک کی نافرمانی کرے اور اپنی برائی کا دم بھرے حالانکہ اس آقا نے اسے طرح طرح کی نعمتوں سے پالا ہو۔ فرعون نے جواب دیا کہ ایسے کی سزا پانی میں ڈبو کر مار دینا ہے۔ جبریل علیہ السلام نے فرمایا یہی جواب خود لکھ دے۔ فرعون نے لکھ دیا جب، فرعون کے غرق ہونے کا وقت قریب ہوا تو جبریل علیہ السلام نے وہی تحریر دکھا کر فرعون سے کہا اپنے فیصلہ کے مطابق غرق ہو جا۔

فائدہ:۔ مالکم لا تناصرون۔ بعض گھبراہٹ کے احوال میں بندوں کو کہا جاتا ہے مالکم لا تناصرون۔ تو پھر اسے حال سابق سے انقطاع حاصل ہو گا۔

فائدہ:۔ بحر العلوم میں ہے یہ آیت نص قطعی ہے کہ قیامت میں پلصراط سے گزرنا ہو گا اور پلصراط جہنم کی پشت پر بچھی ہوئی ہے جو بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہے جس پر اہل جنت گزریں گے اور بعافیت گزر جائیں گے لیکن جہنمی گر کر جہنم میں گر جائیں گے۔

مذہب معتزلہ:۔ معتزلہ پلصراط کے وجود کے منکر ہیں وہ کہتے ہیں کہ ایسی باریک پل پر گزرنا ناممکن ہے اگر ممکن ہو بھی تو اہل ایمان کو عذاب میں مبتلا کرنا ہے۔

جواب از اہلسنت:۔ اہلسنت نے ان کے مذہب کے رد میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ وہ بندوں کو اس پر گزار دے اور اہل ایمان پر آسان کر دے چنانچہ مروی ہے کہ بعض اہل ایمان اس پر تیز رفتار بجلی کی طرح گزر جائیں گے اور بعض تیز ہوا کی طرح اور بعض تیز رفتار گھوڑے کی طرح حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ نے سلسلۃ الذہب میں فرمایا ؎

لہ۔ اسی لیے امام اہل سنت و جماعت مولانا شاہ احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ نے بارگاہِ حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں عرض کیا ؎

پل سے گزارو کہ رہگزر کو خبر نہ ہو
جبریل پر بچھائیں تو پر کو خبر نہ ہو

ہر کہ باشد ز مومن و کافر
بر سر پل کنند شان حاضر

ترجمہ :۔ مومن ہو یا کافر ہر ایک کو پل پر لائیں گے۔

ہر کہ کافر بود چو نہد پائے
قعر دوزخ بود مرا ورا جائے

ترجمہ :۔ جو کافر ہوگا وہ جب پل صراط پر پاؤں رکھے گا تو دوزخ کے گڑھے میں گر جائے گا وہی اس کی ہمیشہ رہنے کی جگہ ہوگی۔

مومناں را ز حق رسد تائید
نیک بر قدر قوت توحید

ترجمہ :۔ اہل ایمان کو حق تعالیٰ سے تائید نصیب ہوگی لیکن جتنا قدر اس کا توحید میں مرتبہ ہوگا۔

ہر کرا بر طریقت نبوی
رہ نبودست غیر راست روی

ترجمہ :۔ جسے نبوی طریقہ نصیب ہوگا اس کا سوائے صحیح راستہ جانے کے کام نہ ہوگا۔

دوزخ از نور او کند پرہیز
بگذرد ہمچو برق خاطف تیز

ترجمہ :۔ اس کے نور سے دوزخ پرہیز کرے گی تیز بجلی کی طرح وہ دوزخ سے گزر جائے گا۔

یا چو مرغ پران و باد وزدن
یا چو چیزے دگر سبکتر ازاں

ترجمہ :۔ یا اڑنے والے پرندے اور تیز آندھی کی طرح یا جو شے بھی ان سے اور زیادہ تیز رفتار ہے۔

وانکہ ضعفی بود در ایمانش
نبود زان گزشتن آسانش

ترجمہ :۔ اور جس کے ایمان میں ضعف ہوگا اسے پلصراط سے گزرنا آسان نہ ہوگا۔

نیک یا بد خلاص آخر کار
گرچہ بیند مشقت بسیار

ترجمہ :۔ لیکن بالآخر اسے چھٹکارا ضرور ہوگا اگرچہ بہت بڑی مشکل دیکھے گا۔

بلکہ در رنج آں گزر کہ تنگ
باشد اورا بقدر ضعف درنگ

ترجمہ:۔ بلکہ تکلیف و رنج سے گزرے گا یہ اسے ایمان کی کمزوری سے ہوگا۔

علماء با عمل اور مدرسین علم دین کے فضائل

حدیث شریف میں ہے جب پلصراط پر عالم و عابد جمع ہوں گے تو عابد کو حکم ہوگا کہ بہشت میں چلا جا اور نعمتوں میں سے جو تیرا جی چاہے کھا پی اور اپنی عبادت کا بدلہ حاصل کرلے اور عالم کو حکم ہوگا کہ یہاں ٹھہر جا اور جس کے لیے تیرا جی چاہے اس کی شفاعت کرلے جس کی تو شفاعت کرے گا تو قبول ہوگی اس وقت عالم دین کو انبیاء علیہم السلام کا مقام حاصل ہوگا یعنی جیسے انبیاء علیہ السلام شفاعت کریں گے اور خود بھی بہت بڑے مراتب پر فائز ہوں گے ایسے ہی عالم کو بہت بڑے مراتب حاصل ہوں گے۔

مسئلہ:۔ دو شخص علم حاصل کرتے ہیں ایک ان میں پڑھ کر دوسروں کو پڑھاتا ہے دوسرا پڑھ کر عمل میں لگ جاتا ہے ان میں سے پہلا افضل ہے اس لیے کہ خلقِ خدا کو نفع پہنچانا اس میں زیادہ ہے۔ کیونکہ اس کا فائدہ متعدی ہے اسی بناء پر یہ افضل ہے اس سے کہ جس کی فضیلت لازم ہے یعنی دوسروں کو فائدہ نہیں پہنچاتا۔

حدیث شریف میں ہے کہ گھڑی بھر پڑھنا پڑھانا ساری رات کی عبادت سے بہتر ہے۔

فائدہ:۔ بالخصوص وہ علم جو عرفانِ حق سے متعلق ہو لیکن ایسے لوگ دورِ حاضرہ میں بہت کم ہیں آج کل جیسے قلب کا ذوق ختم ہے ایسے ہی زبان سے بھی مذاکرۂ علمی کی لذت اُٹھ گئی ہے اصل وجہ وہی ہے کہ بصیرت کی آنکھیں اندھی ہوگئیں (العیاذ باللہ)

بل هم اليوم مستسلمون ۔ بلکہ آج گردن جھکائے ہوئے ہیں۔

حل لغات:۔ استسلام ۔ گردن رکھنا کہا جاتا ہے ۔ استسلم للشئ ۔ یہ اُس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کے لیے سر جھکادے اور خشوع و خضوع کرے اس کا اصل معنیٰ طالب السلامۃ ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ آج کے دن وہ لوگ سرِ تسلیم خم کریں گے یعنی فرمانبردار بن جائیں گے ذلیل و خوار ہوں گے اور خشوع و خضوع دکھائیں گے لیکن یہ اُن کی اضطراری حالت ہوگی کیونکہ اس وقت وہ عاجز و ذلیل ہوں گے جب دیکھیں گے کہ ہر طرف سے ان کے حیلے حوالے سب ختم ہو گئے ہیں اسی لیے وہ ایک دوسرے کے سامنے سر جھکا کر بات کریں گے ان کی یہ عاجزی ذلت و خواری سے ہوگی اور یہ ضروری نہیں کہ ہر عاجز کی مدد بھی ہو۔ اس کی مثال ان لوگوں کی ہے جن کی دریا کے منجھدار میں کشتی ٹوٹ جائے اور وہ موت کے منہ میں ہوں اُس وقت ایک دوسرے کی مدد کریں تو کیا کریں اور کیسے کریں اور کس طرح کریں۔ اس لیے

کہ جب وہ خود کو نہیں بچا سکتے تو دوسروں کو کس طرح بچا سکیں گے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

یارِ مردان باش کہ در کشتئ نُوح

ہست خاکی کہ بآبے نخرد طوفان را

ترجمہ: مردانِ خدا کا یار ہو اس لیے کہ کشتیٔ نوح میں پانی کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ (یعنی اولیاء اللہ کا وسیلہ پکڑو ورنہ قیامت میں وہابیوں نجدیوں کی طرح بے یار و مددگار ہو کر جہنم میں جاؤ گے)۔ (اویسی)

تفسیرِ عالمانہ:

واقبل۔ اور ایک دوسرے کو منہ کیا۔

حل لغات: الاقبال بمعنی آگے آنا اور کسی کی طرف منہ کرنا مثلاً کہا جاتا ہے اقبل علیہ بوجہہ۔ فلاں اس کی طرف متوجہ ہوا۔ یہ ادبار کی نقیض ہے۔

بعضہم: ان سے مشرکین کے متبعین یا مطلقاً جملہ کفار مراد ہیں۔

علیٰ بعض۔ ان سے لیڈر یا متبعین مراد ہیں یعنی ان کے بعض دوسرے بعض کی طرف متوجہ ہوں گے درانحالیکہ۔ یتسأ لون۔ ایک دوسرے سے جھگڑا اور جنگ و جدال کرتے ہوئے زجر و توبیخ کرکے پوچھیں گے اسی لیے مفسرین نے اس کی تفسیر یتخاصمون سے کی ہے۔ سوال ہوا کہ وہ ایک دوسرے سے کس طرح کا سوال کریں گے جواب ملا کہ قالوا۔ متبعین (عوام) لیڈروں کو یا لیڈر عوام کو کہیں گے۔ انکم کنتم تأتوننا۔ بیشک تم ہی دنیا میں ہمارے ہاں آئے تھے۔ عن الیمین۔ قوت و اجبار سے یعنی تم ہمیں ضلالت و گمراہی پر مجبور کرتے تھے تو ہم تمہارے خوف سے تمہاری اتباع کرتے تھے کیونکہ تمہیں ہم پر غلبہ و تسلط حاصل تھا۔ تمہارے اسی غلبہ و تسلط سے ہم سے کفر و گمراہی سرزد ہوئی یا جس جہت میں حق تھا اس سے تم ہمیں پھیرتے تھے (المفردات) یا اس جہت کو ہم نے پناہ بنا رکھا تھا جہاں تم تھے اس لیے کہ تم قسمیں کھاتے تھے کہ ہم حق پر ہیں ہم نے تمہاری قسموں پر اعتبار کرکے تمہاری تصدیق کی اس معنیٰ پر تم نے ہی ہمیں گمراہ کیا۔ (فتح الرحمٰن) اس تقریر پر یمین بمعنی قسم ہوگا پہلا معنیٰ آنے والے جواب کے موافق تر ہے۔ (الارشاد)

فائدہ: صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ شیطان جس کو گمراہ کرتے وقت دائیں جانب آتا ہے اُسے دینی معاملات میں وسوسہ ڈالتا ہے اس کو حق و باطل میں امتیاز نہیں رہتا۔ اگر اسے بائیں جانب آتا ہے تو اسے شہوانی وسوسے ڈالتا ہے جسے آگے آتا ہے تو اسے قیامت کی تکذیب پر اکساتا ہے جسے پیچھے سے آتا ہے تو اسے فقر و فاقہ سے ڈراتا ہے اور اس سے ڈراتا ہے جو اس کی میراث کا حقدار بنے اسی لیے ایسا شخص نہ زکوٰۃ ادا کرتا ہے نہ صلہ رحمی کرتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: آیت سے دو مسئلے ثابت ہوئے ،۔
۱۔ اہل دنیا کا طریقہ یہ ہے کہ گناہ اپنے سے ٹال کر دوسروں پر ڈالتے ہیں اور اہل اللہ کا طریقہ ہے کہ وہ دوسروں کی غلطی کے تصور کے بجائے اپنا قصور سمجھتے ہیں چنانچہ عیسٰی علیہ السلام کا طریقہ تھا کہ جب کسی کو چوری کرتے دیکھتے تو اسے بعد کو فرماتے تو نے چوری کی وہ کہتا بخدا میں نے چوری نہیں کی عیسٰی علیہ السلام فرماتے تو پھر تو سچا ہے میں بھول گیا۔

۲۔ حقیقی مومن کو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا ہاں تقلیدی مومن کو اہل ہوٰی اور اہل بدعت (گمراہ فرقے) جلد تر گمراہ کر لیتے ہیں اور معمولی سے شبہ سے اس کے ایمان میں گڑبڑ ہو جاتی ہے جیسا کہ آنے والے میں نفی ایمان کا اشارہ ہے۔

تفسیر عالمانہ: قالوا۔ یہ جملہ مستانفہ بیانیہ ہے گویا سوال ہوا کہ ایڈر یا ان کے ساتھی کیا جواب دیں گے فرمایا کہیں گے بل لم تکونوا مؤمنین۔ بلکہ تم ایمان لانے والے نہیں تھے یعنی ہم نے تمھیں قوۃ اور قہر و جبر وغیرہ سے قبول ایمان سے نہیں روکا تھا بلکہ تم اپنے اختیار سے ایمان نہیں لائے اور باوجودیکہ تمھیں ایمان لانے کی قدرت حاصل تھی لیکن پھر بھی تم نے روگردانی کی اور کفر کو پسند کیا۔

وما کان لنا علیکم من سُلطٰن۔ اور ہمارا تم پر کچھ قابو نہ تھا۔

حل لغات: سلطان بمعنی قہر و تسلط۔ یعنی ہمارا تمھارے اوپر نہ تسلط تھا نہ غلبہ کہ جس سے ہم تمھارا ایمان چھین لیتے۔ السلاطۃ بمعنی قہر و غلبہ۔ سلطہ فسلط سے ہے یعنی فلاں نے اسے غلبہ کی قدرت دی تو وہ اس پر غالب ہوا اسی سے سلطان بمعنی غالب و قاہر ہے۔ بادشہ کو سلاطۃ سے مشتق کر کے اسے سلطان کہا جاتا ہے۔ آیت ہذا اور اس طرح کی دوسری آیات میں یہی معنٰی ہے۔

بل کنتم قوما طاغین۔ بلکہ تم نے طغیان کو حق اختیار کیا اور کفر پر اصرار کرتے تھے اور جرم میں حد سے بڑھ گئے تھے۔ فحق علینا۔ تو ہم پر لازم و ثابت ہوگیا۔ قول ربنا۔ ہمارے رب کا قول جسے آیت لاملأن جہنم منك وممن تبعك منہم اجمعین۔ ہم جہنم کو تجھ سے اور ان سے بھر دیں گے جو تیرے تابعدار ہوں گے۔ میں بیان کیا گیا ہے۔

انا لذائقون۔ بیشک ہم وہ عذاب جھیلیں گے جس پر وعید وارد ہوئی ہے۔

فاغوینٰکم۔ ہم نے تمھیں ضلالت و گمراہی کی دعوت دی تمھیں اس پر مجبور نہیں کیا تھا تم نے اسی دعوت کو اپنے اختیار سے ہدایت کے بجائے گمراہی کو اختیار کیا۔ انا کنا غٰوین (بیشک ہم گمراہ ہیں) یعنی ہم

گمراہی میں مضبوط ہیں یعنی ہم نے یہی چاہا تھا کہ تم بھی ہمارے جیسے ہو جاؤ کیونکہ مثل مشہور ہے جلی ہوئی کھایان دوسری کو بھی جلاتی ہیں ؎

من مستم و خواہم کہ تو ہم مست شوی

تا ہمچو من سوختہ ہمہ شب شوی

ترجمہ :۔ میں مست ہوں اور چاہتا ہوں کہ تم بھی میری طرح مست ہو جاؤ تاکہ تم بھی میری طرح جلے سڑے ہو جاؤ۔

یہاں پر لفظ سے بدل بنانا کفر کا ایہام ہے اس لیے کہ مخبر بالتوحید کے قصد اور عبارت کے درمیان منافات ہے[1]۔

ویقولون ائنا ۔ (اور کہتے ہیں کہ کیا ہم) لتارکو الہتنا ۔ اپنے معبود کی عبادت کو ترک کر دیں گے۔ لشاعر مجنون ۔ بوجہ ایک شاعر کے جس کے عقل پر جنون غالب ہے۔

فائدہ :۔ اس سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس مراد ہے اور یہ ہمزہ انکار کے لیے ہے یعنی ہم اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں۔ اس سے ان کے بت مراد ہیں۔

فائدہ :۔ کفار نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شاعر و مجنون کہہ کر آپ کی تکذیب کی حالانکہ انھیں یقین تھا کہ حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام لوگوں سے بہت زیادہ عقیل و فہیم اور رائے میں سب سے زیادہ مصیبت اور بات میں مضبوط ترین اور جملہ فضائل و کمالات اور مناقب کے جامع تھے اور جملہ علوم و معارف کے عالم و عارف تھے۔ اس کی دلیل وہ خطبہ ہے جو ابو طالب نے حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے بوقت نکاح بی بی خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پڑھا جس کا متن سورۃ آل عمران تحت آیۃ ولقد من اللہ علی المومنین الخ گذرا۔

بل جاء الحق ۔ وہ بات نہیں جو کافروں نے کہی کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شاعر و مجنون ہیں بلکہ آپ حق لے کر تشریف لائے ہیں۔ یہاں پر حق سے توحید مراد ہے۔

وصدق المرسلین :۔ اور آپ نے تشریف لاتے ہی تمام انبیاء و رسل علیہم السلام کی تصدیق فرمائی جس سے ثابت ہوا کہ جو کچھ آپ لائے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فانہم ۔ بیشک لیڈر اور اُن کے متبعین ۔ یومئذ ۔ اسی دن ۔ فی العذاب مشترکون ۔ فی العذاب مشترکون کے متعلق ہے یعنی

---

[1] ۔ اس کی مزید تحقیق فقیر کی شرح شرح جامی موسوم بہ نعم الحامی میں ہے ۱۲ ؛ اویسی غفرلہٗ ۔

جیسے وہ گمراہی میں شریک تھے۔ ایسے ہی وہ عذاب میں برابر کے شریک ہوں گے۔

انا کذا لک :۔ مثل اسی فعل عجیب کے کہ جسے حکمت تشریعیہ کا تقاضا ہے یعنی عذاب میں گمراہ کنندگان کو برابر کا شریک بنایا جائے گا۔

نفعل بالمجرمین۔ کرتے ہیں مجرمین کے ساتھ یعنی وہ لوگ جو جرائم و معاصی کی انتہا کو پہنچتے ہیں ان سے مشرکین مراد ہیں جیسا کہ آنے والی آیت کی تعلیل سے معلوم ہوتا ہے۔

انہم کانوا اذا قیل لہم :۔ جب انھیں بطریق دعوت و تلقین کے کہا جاتا کہ کہو لا الٰہ الا اللہ تو وہ یستکبرون۔ تکبر کرتے تھے اور قول حق سے نفرت کا اظہار کرتے۔

فائدہ :۔ قرآن مجید میں لا الٰہ الا اللہ دو مقام پہ واقع ہوا ایک اسی آیت میں دوسرا سورۃ قتال میں کما قال۔ فاعلم انہ لا الٰہ الا اللہ۔ ان دو کے علاوہ تیسرے کسی مقام پہ واقع نہیں ہوا۔

فائدہ :۔ تلویح میں ہے کہ استثناء یہاں پر اسم لا کے محل سے بدل ہے اس کی خبر محذوف ہے دراصل عبارت یوں تھی لا الٰہ موجود فی الوجود الا اللہ۔

فائدہ :۔ ہندی نے فرمایا کہ مستثنیٰ میں نصب علی الاستثناء جائز ہے لیکن یہ کسی عبارت میں ضعیف نہیں سوائے لا الٰہ الا اللہ کے اس لیے کہ اس میں ایک ممتنع وجہ کا وہم پڑتا ہے یعنی لفظ سے بدل بنانا۔

فائدہ :۔ عصام نے فرمایا کہ اس پر جملہ انبیاء و رسل علیہم السلام کا اتفاق ہے۔ کہاں شعر و جنون اور کہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفعت شان ؎

ہر کرا در عقل کل باشد کمال
نیست او مجنون ای شوریدہ حال

ترجمہ :۔ جس کی عقل مبارک میں جملہ کمالات موجود ہوں تو پھر اسے بیوقوف تم انھیں مجنون کیوں کہتے ہو۔

انکم :۔ بیشک تم اشتراک و تکذیب الرسول و استکبار کی وجہ سے۔ لذائقوا العذاب الالیم۔ دردناک عذاب چکھو گے۔ التفات الی الخطاب میں ان پر شدت غضب کا اظہار مطلوب ہے۔

وما تجزون الا ما کنتم تعملون۔ اور تم جزا نہیں دیئے جاؤ گے مگر ان اعمال (شرک و کفر و دیگر معاصی) کی وجہ سے۔

فائدہ :۔ حضرت ابن الشیخ نے فرمایا کہ یہ سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ جب اللہ کریم و رحیم اور نفع و ضرر سے پاک ہے تو پھر وہ اپنے بندوں کو عذاب میں کیوں مبتلا کرے گا اس کے جواب میں فرمایا

و ما تجزاون الا بما کنتم الخ ۔

کمیونسٹوں کا رد:۔ حکمت الٰہی کا تقاضا ہُوا کہ بندوں کو آمر برائے خیر و طاعت اور نہی از قبائح و معاصی کی جائے اور امر و نہی کا تقاضا یوں پورا ہوگا کہ انھیں ثواب کی ترغیب اور عذاب سے ڈرایا جائے اور اس کی خبر دی جا چکی اگر اسے پورا نہ کیا جاتا تو خلافِ واقعہ ہوتا اس سے کذب بر باری تعالیٰ لازم آتا ۔ اور وہ محال ہے اس لیے بُرے کی بُرائی کی سزا ہوگی اور نیک کو نیکی کی جزا نصیب ہوگی ۔

سبق:۔ عاقل پر لازم ہے کہ وہ قیامت اور اس کی جزو سزا سے ڈرتا رہے ۔ انکار کے بجائے اقرار کا شیوہ بنائے ۔ شک کو چھوڑ کر یقین کو اختیار کرے ۔ کبر کو چھوڑ کر تواضع کو دستور العمل بنائے ۔ باطل کو ترک کرکے حق کا دامن تھامے ۔ فانی سے روگردانی کرکے باقی کی طرف مائل ہو شرک سے دور بھاگے اور توحید کا عاشق بنے ریاء و سمعۃ کو دور کرے اور اخلاص کو عمل میں لائے ۔

مومن کی علامات:۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مومن کی چار نشانیاں ہیں :۔
۱۔ قلب کو تکبر و عداوت سے پاک کرے ۔
۲۔ کذب و غیبت سے زبان کو ستھرا رکھے ۔
۳۔ قلب کو ریاء و سمعۃ سے صاف رکھے ۔
۴۔ پیٹ کو حرام و شبہ سے بچائے ۔

فائدہ:۔ سب سے بڑا تکبر یہ ہے کہ لا الٰہ الا اللہ سے دل کو نفرت ہو حالانکہ یہی کلمہ ایمان کی بنیاد اور خیر الاذکار اور اخلاص کی اصل ہے ۔ اسی سے بندہ جمیع مراتب رفیعہ کی طرف ترقی کرتا ہے لیکن اس کے ساتھ شرائط و ارکان بھی ہیں ۔

سوال کا جواب:۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال ہوا کہ من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ کے متعلق آپ کا کیا جواب ہے آپ نے فرمایا یہ کلمہ کہہ کر وہ شخص بہشت میں جائے گا جو اس کی حد پہچانتا اور اس کے حقوق ادا کرتا ہے ۔ ؎

ہر کرا از خدا بود تائید
نشود کار او بجز توحید

ترجمہ :۔ جسے اللہ تعالیٰ کی تائید حاصل ہے اسے تائید کے سوا اور کوئی کام نہ ہوگا ۔

ذکر توحید مایۂ حالت
چوں ازاں بگذری ہمہ قالت

ترجمہ :۔ اس لیے کہ ذکر توحید حال کا سرمایہ ہے جو اس سے خالی ہے۔ وہ صرف قال کا بندہ ہے اور بس۔

الا عباد اللہ المخلصین :۔ یہ ذائقون کی ضمیر سے استثناء منقطع ہے اور ان کے مابین جملہ معترضہ ہے اسے اس لیے لایا گیا ہے تاکہ تحقیق حق میں جلدی ہو یعنی ظاہر کرنا مطلوب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے نہ اپنی طرف سے عذاب چکھیں گے نہ غیروں سے یعنی انہیں عذاب بالکل نہ ہوگا اس لیے کہ یہ استثناء منقطع اور الا بمعنی لکن ہے۔

کشف الاسرار میں ہے کہ کلام یہاں الا ما کنتم تعملون پر ختم ہو گیا تھا۔ اب معنیٰ یوں ہوگا

فائدہ :۔ کہ بیشک تم عذاب چکھو گے لیکن اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے عذاب نہیں چکھیں گے۔

المخلصون بفتح اللام (اخلصہ اللہ لدینہ وطاعتہ) سے ہے یعنی وہ بندے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے دین وطاعت کے لیے خالص فرمایا اور انہیں صرف اپنی جناب کے لیے چنا۔ چنانچہ دوسرے مقام پر فرمایا وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ یعنی انہیں اللہ تعالیٰ نے چنا اسی لیے ازل سے ابد تک سلامتی ہی سلامتی ہے اور المخلص بکسر اللام ہر وہ بندہ جو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے عبادت کرے اس کی عبادت میں کسی دوسرے کو شریک نہ ٹھہرائے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا واخلصوا دینہم للہ

مخلص (بالفتح و بالکسر) میں فرق یہ ہے کہ صادق اور مخلص (بالکسر) کا ایک معنیٰ ہے اور وہ شخص جو صفات نفسانیہ کے شائبہ سے خالص ہو اور صدیق مخلص (بالفتح) کا ایک معنیٰ ہے۔ ہر وہ شخص جو غیریت کے شائبہ سے خالی ہو دوسرا پہلے سے وسیع تر ہے اور ملنے کے لحاظ سے محیط تر ہے۔ پس ہر صدیق و مخلص (بالفتح) صادق و مخلص (بالکسر) ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حفص پر رحم فرمائے اس لیے کہ انہوں نے قرآن مجید میں ہر جگہ مخلص (بالفتح) پڑھا ہے۔

اولئک۔ جملہ مستانفہ اور سوال کا جواب ہے۔ گویا کسی نے سوال کیا کہ ان مخلصین کو کتنا اجر و ثواب ملے گا جواب ملا کہ قیامت میں دوسروں سے ہر مقام و مرتبہ کے لحاظ سے ممتاز ہوں گے۔

لھم۔ بوجہ عبودیت میں اخلاص کی وجہ سے ان کے لیے ہوگا رزق ایسا رزق جس کا کوئی رزق مقابلہ نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس کے وصف کا احاطہ ہو سکتا ہے جیسا کہ رزق کی تنکیر سے معلوم ہوتا ہے رزق ہر وہ شے جو اللہ تعالیٰ حیوان کو پہنچائے تاکہ وہ اسے کھائے۔

معلوم۔ اس کے خصائص معلوم نہیں یعنی منظر کے لحاظ سے حسین ترین اور ذائقہ کے لحاظ سے لذیذ ترین اور خوشبو کے لحاظ سے بہترین یعنی صفت کمالیہ کے لحاظ سے برتر اور اعلیٰ۔ اور ظاہر یہ ہے کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ رزق جس کا وجود قدر و حسن و لذت و خوشبو لئے اور ہر وقت اور ہر صبح و شام

اور دائماً اور جب چاہیں گے اس لیے کہ وہاں فارغ دل ہو جائیں گے اور دنیا میں لوگ رزق کے حصول میں اس لیے پریشان ہوتے ہیں کہ انھیں اپنا رزق معلوم نہیں ہوتا ہاں بہشت میں رزق معلوم ہوگا۔ ؎

تشنگاں را نماید اندر خواب

ہمہ عالم بچشم چشمۂ آب

ترجمہ:۔ پیاسوں کو خواب میں تمام جہاں پانی کا چشمہ نظر آتا ہے۔

ہر کرا چشمہ شد جدا لب او

کے بماند آنکہ در لب جو

ترجمہ:۔ جس کے لب سے چشمہ جدا ہو وہ اس کا مقابلہ کب کر سکتا ہے جس کے لبوں پر چشمۂ آب ہو۔

فواکہ:۔ یہ رزق سے بدل اور فاکہۃ کی جمع ہے وہ پھل وغیرہ خشک ہو یا تر جس سے تنعم (لذت) مطلوب ہو۔ فواکہ کی تخصیص اس لیے ہے کہ اہل جنت کا رزق فواکہ ہی ہوں گے یعنی جو کچھ کھائیں گے وہ لذت کے طور پر ہوگا۔ اس سے قوت کا حصول مطلوب نہیں ہوگا کیونکہ وہ اس وقت قوت وغیرہ کی ضرورت سے مستغنی ہوں گے اس لیے کہ انھیں بہشت میں اس طریق سے پیدا کیا جائے گا کہ وہ ہمیشہ رہ سکیں اور یہ زندگی محکم اور تحلل کی احتیاج سے محفوظ ہوگی اور تحلل میں ہی بدل کی ضرورت ہوتی ہے بخلاف اہلِ دنیا کی تخلیق کے کہ وہ ایسی حالت پر ہوتے ہیں جو فنا کی مقتضی ہے اور یہ حالت نہایت ضعیف اور کمزور ہے اسی لیے یہ قوام کے حصول کی محتاج ہے۔

ازالۂ وہم:۔ ہاں بعض حضرات جیسے انبیاء و اولیاء (علیٰ نبینا و علیہم السلام) کی تخلیق ایسے طریق سے ہوتی ہے جو دنیا و برزخ میں تحلل و تفسخ سے محفوظ ہوتی ہے۔

فائدہ:۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ فواکہ کی تخصیص اس لیے ہے کہ فواکہ جملہ اطعمہ کے اتباع سے ہے اسی لیے اس کا ذکر دوسرے اطعمہ کے ذکر سے مستغنی کر دیتا ہے۔ صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ فواکہ کا ذکر محض ترغیب و تشویق کے لیے ہے اس لیے کہ دیارِ عرب بالخصوص حجاز کے اکثر شہروں میں فواکہ کے انواع کی کمی ہے۔

وھم مکرمون ۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مکرم و معظم ہوں گے انہیں نہ ذلت ہوگی نہ خواری اہل اللہ کے نزدیک سب سے بڑا اجر و ثواب یہی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اعزاز و اکرام نصیب ہو۔

فائدہ:۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کے رزق کے خصائص کی تفصیل بتائی تو اب فرمایا کہ انھیں یہ رزق نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ نصیب ہوگا اس لیے کہ اعزاز و اکرام کے بغیر

تو رزق جانوروں کو بھی ملتا ہے۔

ربط:۔ ماکولات کے بعد اب ان کے مساکن کا بیان فرمایا کہ فی جناتِ النعیم۔ وہ جنات نعیم میں ہوں گے یہاں نعیم بمعنی نعمت ہے یعنی وہ ایسے باغات میں ہوں گے جہاں نعمتیں ہی نعمتیں ہوں گی اور یہ اضافہ اختصاص کے لیے ہے اور ظرف محل داکرام رزق کی تقریر کے لیے ہے یا یہ هُمْ کی دوسری خبر ہے جیسے علیٰ سرر متقابلین۔ ہم کی خبر دیگر ہے۔ سُرُر بمعنی تختہائے آراستہ۔ یہ سریر کی جمع ہے۔ ہر وہ شے جس پر بیٹھا جائے سرور سے ہے اس لیے کہ اہلِ نعمت کو سُرُر پر بیٹھنے سے سرور حاصل ہوتا ہے اور مردہ کے تختہ کو سریر محض صوری تشابہ کی وجہ سے کہا جاتا ہے یا بنیاں فانی کے طور کہ بندہ اب اپنے مولیٰ کو مل کر سرور پائے گا یا دنیا قید خانہ ہے چھوٹ جانے سے سرور پائے گا۔ چنانچہ حدیث شریف میں دنیا کو جیل خانہ فرمایا گیا ہے۔

الدنیا سجن المومن۔ اور یہ بھی ہے کہ علیٰ سرر متقابلین کے متعلق ہو یعنی درانحالیکہ وہ لوگ بہشت میں تختوں پر ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوں گے اور متقابلین علیٰ سرر کی ضمیر سے حال ہے۔ التقابل بمعنی ایک دوسرے کے چہرے کو دیکھنا چونکہ اس طرح کے تقابل سے مکمل طور سرور و انس حاصل ہوتا ہے اس لیے آیت میں متقابلین فرمایا گیا ہے۔

فائدہ:۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ وہ ایک دوسرے کی گُدی کو دیکھ نہیں سکیں گے۔ اس لیے کہ ان کے تختے یک وقت چکر کاٹتے رہیں گے۔

فائدہ:۔ صوفیائے کرام نے فرمایا کہ بہشت میں ایک دوسرے کو دیکھ کر مسرور ہونا ابرار کی صفت ہے لیکن اصرار (مخصوص) بندوں کو سرور نصیب ہوگا تو اپنے آقا و مولیٰ کے دیدار سے اور بس۔

لطیفہ:۔ حضرت معاذ بن یحییٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا گیا کہ کیا محبوب کو محبوب کے آمنے سامنے ہو کر دیکھ بھی سکے گا آپ نے فرمایا کیا محبوب محبوب سے منہ پھیر بھی سکے گا۔ وہ اس لیے کہ محبوب محبوب کا آئینہ ہوتا ہے۔

فائدہ:۔ اللہ تعالیٰ اپنے مقربین کو لحظہ بہ لحظہ دیدار سے نوازے گا جس کی وجہ سے انہیں باطنی اُنس حاصل ہوگا اگرچہ بظاہر بہشت کی نعمتوں میں مستغرق ہوں گے۔

حضرت کمال خجندی نے فرمایا ؎

دولت آں نیست   کہ یابم دو جہاں زیر نگین
دولت اینست و سعادت کہ ترا یافتہ   ام

ترجمہ:۔ میرے نزدیک دولت یہ نہیں کہ دونوں جہان میں اپنے قبضے میں سے لوں بلکہ دولت تو یہ ہے کہ میں نے تجھے پالیا۔

اہلِ بہشت کے طعام و قیام کے ذکر کے بعد اب ان کے پینے کی چیزوں کا بیان فرمایا کہ یطاف علیہم یہ جملہ

ربط:۔ مستنفہ ہے ان کی مجالس کے کمال اُنس کی حکایت پر مبنی ہے۔

الطواف:۔ شے کا پھرنا ایسے ہی۔ اطافۃ چنانچہ التہذیب میں ہے کہ الاطافۃ بمعنی شے کے گرد گھومنا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ بہشت کے ساقی اور خدام اُن کے ارد گرد پھیریں گے۔

بکاس۔ شراب کے پیالے۔

قاعدہ:۔ جب پیالہ میں شراب ہو اسے کاس سے تعبیر کرتے ہیں ورنہ اسے قدح و اِنا کہا جاتا ہے۔ من معین۔ یہ کاس کی صفت ہے یعنی وہ شراب ایسے پیالوں میں ہو گی جو آنکھوں کے سامنے ہوں گے یا ایسی نہروں سے جو بہشت کی ظاہر زمین پر جاری ہو گی۔ بہشت میں شراب کی نہریں جاری ہیں ایسے معلوم ہو گا کہ گویا وہ پانی کی نہریں ہیں۔

حل لغات:۔ المفردات میں ہے کہ معین معن الماء سے ہے بمعنی جری فھو معین۔ بعض نے کہا کہ یہ العین سے ہے اس پر میم زائد ہے۔

تفسیر صوفیانہ:۔ آیت میں اشارہ ہے کہ بعض ایسے ہیں جو شراب پئیں گے لیکن ان کا پینا پیالوں سے ہو گا بعض نہر سے پئیں گے اور وہ نہریں ہر ایک کو نظر آئیں گی اور شراب محبت میں مستغرق ہوں گے لیکن محبت پوشیدہ ہو گی جسے کوئی نہ دیکھ سکے گا بعض صرف محبوب کے دیدار میں مستغرق ہوں گے اور یہ راز تو اس سے بھی زیادہ مخفی ہو گا۔

نسیم الحب یحییکم
رحیق الحب یلہیکم

ترجمہ:۔ تمہیں محبت کی ہوا زندہ کرے گی تمہیں محبت کے پیالے مست رکھیں گے۔

من المحبوب یأتیکم
الی المحبوب نہیکم

ترجمہ:۔ وہ پیالے تمہیں محبوب سے ملیں گے اور محبوب کے ہاں پہنچائیں گے۔

تفسیر عالمانہ:۔ بیضاء۔ نہایت صاف شفاف ہوں گے جیسے دودھ اور شراب کے پیالے کے نہ دنیا میں دیکھا گیا اور نہ ہی بعد کو دیکھا جائے گا۔ اسی کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا مالا عین رأت ولا اذن سمعت۔ بیضاء ابیض کی تانیث اور کاس کی صفت ہے۔ لذۃ للشاربین بھی کاس کی صفت ہے جو بھی ان سے پئے گا بہت بڑی لذت پائے گا۔

کأس کو لذت سے موصوف کرنے میں مبالغہ مطلوب ہے یعنی وہ پیالے لذیذ اور میٹھے مزیدار اور ٹھنڈے میٹھے خوش گوار ہوں گے گویا وہ خود لذت ہی ہیں یا اللذ کی تانیث ہے بمعنی اللذیذ اور اسے لذت سے موصوف کرنے میں اشارہ ہے کہ وہ شراب اس دنیوی شراب سے نرالی ہوگی اس لیے کہ دنیوی شراب کی لذت بالکل منقطع ہو جاتی بخلاف بہشت کے شراب کے کہ اس کی لذات غیر منقطع اور دائمی ہوگی۔

لا فیہا غول۔ اس میں کسی قسم کی خرابی نہ ہوگی بخلاف دنیوی شراب کے کہ اس کے پینے سے بسیار خرابی لاحق ہوتی ہے مثلاً درد سر درد شکم عقل کی کمزوری اور گناہ۔ یہ قصر المسند الیہ علی المسند کے قبیل سے ہے یعنی عدم الغول۔ اتصاف بہ بہشت میں ہونے پر مقصود ہے کیونکہ بہشت کے خمور میں عدم غول سے تجاوز نہیں کرتے بخلاف خمور دنیا کہ ان میں غول ہی غول ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ بہشت کی شراب کوئی آفت اور بیماری نہیں جیسے دنیا کے شراب میں ہوتا ہے کہ اس میں فساد حال اور ذہاب عقل و درد سر اور نیند بسیار وغیرہ ہوتی ہے۔ یہ بھی کأس کی صفت ہے اور عمل لا کا باطل ہوگیا مگر اسی لیے ہے کہ اس کی خبر اس پر مقدم ہے۔

الغول۔ اسم الغائلہ کے معنی میں ہے ہر وہ شے جس میں اذیت و مضرۃ ہو اسے غول کہتے ہیں۔ المفردات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بہشت کے شراب کی صفت بتائی کہ **لا فیہا غول**۔ تاکہ **واثمہما اکبر من نفعہما** میں اور **رجس من عمل الشیطان** سے پیدا شدہ شراب کی مذمت کا ازالہ ہو یعنی ان دونوں آیتوں میں شراب کی مذمت کی گئی ہے تو کسی کو وہم ہوا کہ ممکن ہے کہ بہشت کی شراب بھی اس میں شامل ہو تو اس کے ازالہ میں فرمایا کہ بہشت کی شراب اس مذمت سے پاک بلکہ وہ بہت بڑے بہترین اوصاف کے ساتھ موصوف ہے۔ یہ **غالہ الشئی** سے ہے۔ یہ اُس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کو اپنی گرفت میں اس طریق لے کہ اسے کوئی خبر نہ رہے بلکہ ایسا تباہ کر ڈالے کہ اسے کوئی شے محسوس نہ ہو اسی لیے **السعلاۃ** بھوت کو غول (بالضم) سے تعبیر کرتے ہیں۔ السعلات جنات کے جادوگروں کو کہتے ہیں جیسا کہ سورۃ الحجر میں گزرا۔

فائدہ: بحر العلوم میں ہے کہ غول وہ بلا ہے جسے بعض لوگ جنگلوں میں دیکھتے ہیں اس کا سوائے معتزلہ کے کسی فرقہ نے انکار نہیں کیا وہ کہتے ہیں کہ یہ عرب کے توہمات میں سے ہے۔ معتزلہ کو غلط فہمی ہے اس لیے کہ غول کے وجود کی تصدیق حدیث شریف سے ہوتی ہے حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ **اذا تغولت الغیلان فنادوا بالاذان**۔ جب تمہیں غول ستائیں تو اذانیں پڑھو۔

فائدہ: ابن الملک نے حدیث **لا عدوی ولا طیرۃ ولا غول** کی شرح کرتے ہوئے لکھا کہ غول

غیلان کی جمع ہے یہ جنوں کی ایک قسم ہے جن کے متعلق اہل عرب کا عقیدہ تھا کہ جنگل میں رہتے ہیں اور رہنے میں تصرف کر کے لوگوں کو مختلف شکلوں میں دکھائی دیتے ہیں وہ لوگوں کو راستے بھلاتے بلکہ بسا اوقات انھیں ہلاک بھی کر دیتے ہیں۔

سوال: ایک حدیث شریف غول کی نفی پھر دوسری میں اس کا ثبوت اور پھر ان کے دفعیہ کے لیے اذان کہنے کا علاج بھی بتایا اس کی کیا وجہ۔

جواب: ابتداء اسلام میں ایسا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے ان بلاؤں کو دور دفع فرما دیا۔ یا یہ کہ غول کے وجود کی نفی مطلوب نہیں بلکہ اہل عرب کے غلط عقیدہ کی نفی مقصود ہے یعنی یہ عقیدہ مت رکھو کہ وہ اپنے تصرف کر کے ایسے ایسے کرتے ہیں یعنی اس تصور میں نہ رہو کہ وہ مختلف شکلیں اختیار کر کے راستہ بھلاتے یا ہلاک کرتے ہیں۔

فائدہ: الغول کا اطلاق ہر اس شے پر بھی ہوتا ہے جو کسی دوسری شے کو ہلاک کر ڈالے۔
مثنوی شریف میں ہے

ع ذکر حق کن بانگ غولاں را بسوز

ترجمہ: ذکر حق سے غول کی آواز کو تباہ و برباد کر دے۔

فائدہ: مولانا نے ذکر حق اذان سے سمجھا ہے اور غیلان وہ شے مراد ہے جو انسان کو راستہ بھلا دے اس کے قوت حافظہ کی کمزوری یا کوئی اور شے۔

ولا ھم. اور نہ ان مخلصین کو عنہما بہشتی شرابوں سے ینزفون عقل میں فتور آئے گا۔ یہ نزف الشارب فھو نزیف و منزوف سے ہے یہ اُس وقت بولتے ہیں جب کسی کی نشے سے عقل چلی جائے و بالکسر انزف الرجل سے ہے یہ اُس وقت بولتے ہیں جب نشے کا غلبہ ہو تو پھر عقل چلی جائے یا اس میں شراب کا اثر ہو۔ المفردات میں ہے نزف الماء بہ۔ یہ اُس وقت بولتے ہیں جب کوئیں سے تھوڑا تھوڑا کر کے پانی نکالا جائے اور کہتے ہیں نزف دمہ و دمعہ۔ یہ اُس وقت بولتے ہیں جب خون یا آنسو مکمل طور نکل جائیں۔ بعض نے کہا سکران نزف اسی سے ہے۔ یہ اُس وقت کہتے ہیں جب کسی کے منہ سے شراب نکلے۔

فائدہ: بعض قراء نے تنزفون (بالکسر) پڑھا یہ انزف القوم الخ سے ہے۔ یہ اُس وقت بولتے ہیں کہ کسی کے کنوئیں کے پانی میں نکل جائے۔

نکتہ: اگرچہ ضمناً اس کا ذکر لا فیہا غول میں ہو چکا ہے لیکن چونکہ یہ بڑے مفاسد کو حاوی ہے اسی لیے اسے علیحدہ ذکر کیا گیا ہے گویا یہ ایک علیحدہ مستقل باب ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ بہشت کے

شراب میں کسی قسم کے مفاسد نہیں ہوں گے۔ اس کے پینے سے نہ پیٹ کا درد نہ سر کا درد نہ بخار نہ ساتھیوں سے لڑنا جھگڑنا اور ہلڑ بازی وغیرہ۔

عربدہ بمعنی ساتھی سے بدخلقی سے پیش آنا۔ المعربد بمعنی نشے میں ساتھی کو ستانا۔ قاموس میں ہے کہ بہشت کے شراب سے نہ لغو باتیں نہ گناہ کرنا اور نہ ہی نشہ کی وجہ سے عقل و نافہم ہو جائیں گے۔

شراب کی خرابیاں: بحر العلوم میں ہے کہ دنیا کے شراب میں کئی خرابیاں ہوتی ہیں مثلاً نشے سے عقل کا چلا جانا۔ بغض و عداوت کا پیدا ہو جانا۔ دردسر۔ دین و دنیا کا خسارہ یہانتک کہ شرابی کو بت پرست سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اس کے پینے سے بسا اوقات قے آجاتی ہے شرابی کو پیشاب بکثرت آتا ہے۔ بسا اوقات آپس میں لڑائی جھگڑا پیدا ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ خون و کشت تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ اس سے زنا کا ہونا تو معمولی بات ہے۔ بارہا کا مشاہدہ ہے کہ شرابی نشہ میں ناجائز کسی کو قتل کر دیتا ہے لیکن بہشت کی شراب میں مذکورہ بالا خرابیوں میں سے ایک بھی نہ ہوگی۔

تفسیر صوفیانہ: ہمارے بعض مشائخ نے فرمایا کہ جملہ بلائیں اور جمیع تکالیف و امراض ہماری کثافت کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ اگر ہمارے اندر کثافت نہ ہوتی تو ہمیں یہ امراض و عوارض لاحق نہ ہوتے اور ہمارے سے وہ امور سرزد نہ ہوتے جو ہمارے عقول و اوضاع کے منافی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آخرت میں کسی قسم کا مرض نہ ہوگا اور نہ ہی کوئی ایسی شے ہوگی جو کثافت سے متعلق ہو لیکن کثافت میں ہی معرفتِ الٰہی مضمر ہے۔ اگر یہ نہ ہوتی تو ہم کبھی ترقی نہ کر سکتے۔ کثافت سے ترقی و تنزل ہوتا ہے یعنی اگر ہم کثافت کو ہٹائیں تو ترقی ملتی ہے اگر کثافت کو بڑھائیں تو تنزل۔ یہی وجہ ہے کہ ملائکہ کو کوئی ترقی نہیں وہ دائمی اپنی خلقت و جبلت پر رہتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ: وعندھم۔ اور ان مخلصین کے ہاں قاصرات الطرف۔ القصر بمعنی الحبس والمنع اور الطرف سے آنکھوں کی پلکیں اور کبھی پلکیں مارنا بھی مراد ہوتی ہے یہاں پر نظر کرنا مراد ہے اس لیے پلکیں مارنے کو دیکھنا لازم ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ان کے ہاں حوریں ہوں گی جو اپنے شوہروں کے سامنے آنکھیں نیچے رکھ کر حیاء و شرم کی تصویر بن کر حاضر رہیں گی اور غیروں کی طرف ہرگز نہیں دیکھیں گی اور نہ ہی کسی اور برائی کا ارتکاب کریں گی بوجہ اپنی پاک دامنی کے۔

بعض تفاسیر: عاین۔ موصوف کی یہ دوسری صفت ہے۔ موصوف کا ذکر اس لیے ترک کیا گیا ہے کہ اس کا علم سب کو ہے۔ عَیْنٌ عیناء کی جمع ہے بمعنی بڑی آنکھوں والی۔ لفظ عین دراصل بضم العین تھا۔ عین کو مکسور کیا گیا ہے بوجہ یاء کے کہ اس کا ماقبل مکسور ہوتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ

اُن کی آنکھیں حسین اور بڑی ہوں گی۔

المفردات میں ہے کہ وحشی گائے کو عیناء و اعین اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اس کی آنکھیں حسین ہوتی ہیں اور جس انسان کی آنکھیں حسین ہوں اسے بھی وحشی گائے سے اسی لیے تشبیہہ دی جاتی ہے۔

کافرحسن۔ آنکھیں نیچے رکھنے والی ایسی ہیں گویا وہ۔

بیض۔ بفتح الباء بیضہ کی جمع ہے انڈا اور انڈے کو سفیدی کی وجہ سے بیضہ کہا جاتا ہے یہاں پر شترمرغ کا انڈہ مراد ہے۔

مکنون۔ اگرچہ اسے مؤنث کے صیغے پر لانا چاہیئے تھا کیونکہ اس کا موصوف صیغہ جمع ہے لیکن اس کے لفظ کا اعتبار کر کے اس کی صفت واحد لائی گئی ہے۔ مکنون بمعنی مستور یا کنہ سے ہے بمعنی جعلتہ فی کن۔ یعنی میں نے اسے پردے میں دے چھپایا۔ انھیں شترمرغ کے انڈے سے اس لیے تشبیہہ دی گئی ہے کہ جیسے وہ گرد و غبار سے محفوظ ہوتا ہے۔ حوریں بھی ہر طرح کی آلائش سے محفوظ ہوں گی پھر جیسے وہ صاف و شفاف ہوتا ہے ایسے ہی وہ صاف و شفاف ہوں گی۔ یہاں پر وہ سفیدی مراد ہے جس میں معمولی سے پیلے رنگ کی ملاوٹ ہو اس لیے کہ یہ بدن کے لیے بہترین رنگت سمجھی جاتی ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ وہ ہاتھوں کے لگنے سے محفوظ ہیں اس لیے کہ جس شے پر ہاتھ لگتے رہیں وہ شے میلی ہو جاتی ہے۔ طبری نے فرمایا کہ بہتر یہ ہے کہ بیض سے وہ جھلی مراد ہو جو چھلکے کے نیچے چھپی ہوئی ہوتی ہے لیکن قبل اس کے کہ اسے کوئی شے مس کرے کیونکہ وہ جھلی چھپی ہوئی ہوتی ہے۔ یعنی یہ جھلی وہ ہے جس سے پہلے چھلکا اُترتا ہے۔

صاحبِ روح البیان کی تحقیق: صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ان آیات میں ان چیزوں کا ذکر ہے جو جسم و روح ہر دونوں کی لذت کا موجب ہیں:۔

(۱) جسم کی لذت کی اشیاء یہ ہیں:۔

۱۔ تنعم بالفواکہ ۲۔ قسم قسم کی نعمتیں ۳۔ شراب جو اہلِ عرب کو اس سے اور کوئی شے محبوب ترین نہ تھی۔ ۴۔ خوب صورت عورتیں۔

(۲) رُوح کی لذت کی اشیاء یہ ہیں:۔

۱۔ وہ سرور جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعزاز و اکرام سے حاصل ہوگا۔

۲۔ وہ انس جو دوستوں کی صحبت و سنگت سے ملے گا۔

۳۔ وہ فرحت جو حسین اور خوبصورت چہروں کے دیکھنے سے حاصل ہوگی۔

آنکھوں کی بینائی تیز ہوگی

حدیث شریف میں ہے کہ تین چیزوں سے آنکھ کی بینائی میں اضافہ ہوتا ہے :۔

۱۔ سبز رنگ والی چیزوں کا دیکھنا ۔

۲۔ جاری پانی کو دیکھنا ۔

۳۔ خوب صورت چہروں کو دیکھنا ۔ دلیکن غیر محرم اور بے ریش لڑکوں کو نہیں جن کے دیکھنے سے شہوت اُبھرے ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جونہی سونے سے پہلے آنکھوں میں سرمہ لگاتے تو کہتے ہم اللہ تعالیٰ سے اس کا دیدار و مشاہدہ چاہتے ہیں اور اس سے اس کے فضل وجود کا سوال ہے ؎

دارم اندک روشنائی در بصر
بے جمال او ولی فیہ النظر

ترجمہ :۔ تھوڑی سی روشنی آنکھوں میں رکھتا ہوں ۔ اس کے جمال کے بغیر لیکن اس میں اس کی نظر ہے ۔

صوفیاء کرام عارفین انڈہ نہیں کھاتے

بعض عارفین فرماتے ہیں کہ اگرچہ انڈہ حلال اور پر لطف ہے لیکن اہل تصوف نہیں کھاتے اس لیے کہ وہ ناقص ہے اس کا کمال مرغی میں ہے ۔ اسی طرح اس سے مکمل سیر بھی نہیں ہوتی ۔ نیز عمارت ایسے ہی اس میں شوربا نہیں اور مرغی میں شوربا ہے جس سے عمارت بدن کی تکمیل ہوتی ہے ۔ علاوہ ازیں اس کی عدم طہارت کا شبہ ہے لیکن اس کے متعلق نقل کی ضرورت ہے ۔ یاد رہے کہ فاکہہ اہل ارادہ کو نصیب ہوں گے ۔ ہم کو اللہ تعالیٰ اسباب سعادت تک پہنچائے ۔

تفسیر عالمانہ :۔ فاقبل بعضہم علیٰ بعض یتسآءلون ۔ اس کا عطف یطاف پر ہے یعنی بہشت میں اللہ کے مخلص بندے شراب پیتے ہوئے ایک دوسرے سے گفتگو کریں گے جیساکہ دنیا میں اجتماعی صورت میں پانی پیتے ایک دوسرے سے گفتگو کرتے تھے اور گفتگو کے وقت ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوں گے ۔ اُس وقت وہ معارف و فضائل اور گزشتہ حالات پر تبصرہ کریں گے ۔ صیغہ ماضی سے تعبیر کرنے میں تاکید اور تحقیق وقوع پر دلالت مطلوب ہے ۔

تفسیر صوفیانہ :۔ آیت میں اشارہ ہے کہ بعض اہل جنت وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف مکمل طور متوجہ نہیں ہوں گے ۔ اگرچہ وہ مومن موحد ہوں گے ورنہ یہ مقربین کے ساتھ مقعد

صدق میں مستقر ہوتے۔ قال قائل منہم۔ اثنائے گفتگو بات بڑھاتے ہوئے ان میں ایک بولے گا کہ
انی کان لی قرین۔ بیشک دنیا میں میرا ایک دوست اور ہم نشین تھا۔
یقول۔ وہ مجھے زجر و توبیخ کرتے ہوئے کہتا تھا اور اس کی زجر و توبیخ صرف اسی لیے تھی کہ میں مومن اور
قیامت اُٹھنے کی تصدیق کرتا تھا۔ أئِنَّكَ۔ کیا تو لمن المصدقین۔ قیامت میں اُٹھنے والوں کی تصدیق کرنے
والوں میں سے ہے کیا تیرا یہی عقیدہ تھا کہ مرنے کے بعد اُٹھنا ہوگا۔
ائذ متنا۔ کیا جب ہم مرجائیں گے و کنا ترابًا و عظامًا اور مٹی اور ہڈیاں ہوجائیں گے۔
ائنا لمدینون۔ مدین کی جمع ہے بمعنی دین یعنی جزا۔ اسی سے ہے۔
کما تدین تدان۔ (جیسی کرنی ویسی بھرنی) یعنی کیا بیشک ہم مرنے کے بعد اُٹھ کر حساب دیں گے اور
اس پر ہمیں جزا و سزا ملے گی۔ اس کا عقیدہ تھا کہ مرنے کے بعد نہ اُٹھنا ہے اور نہ کوئی جزا نہ سزا۔
قال۔ وہ دنیا دالے ہم نشین کی کہانی سنا کر پھر وہی بولنے والا اپنے بہشت کے ساتھی سے کہے گا۔ ھل
انتم مطلعون۔ کیا تم مطلع ہو یعنی تم اہل نار کو دیکھ سکتے ہو تاکہ میں بھی اسی ہم نشین ساتھی کو دیکھوں جو
قیامت کے وقوع کا منکر بلکہ مکذب تھا اسی سے اس کا مقصد یہ تھا کہ جو کچھ میں نے کہا تھا اس کی تصدیق
کروں اسے بہشت کا ساتھی جواب دیا گیا کہ تو ہم سے زیادہ واقف ہے فلہذا تو ہی خود جہنم میں جھانک کر
دیکھ لے۔ فاطلع۔ پھر وہ جہنمیوں کو جھانک کر دیکھے گا۔ فرآہ فی سواء الجحیم تو اسے دنیا کا ہم نشین
دوزخ کے درمیانی حصہ میں نظر آئے گا۔

شے کے وسط کو سواء سے اس لیے تعبیر کرتے ہیں کہ اسے جمیع جوانب سے مسافت برابر ہوتی۔
فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ بہشت میں ایک دریچہ ہوگا جس سے اہلِ جنت
دوزخیوں کو دیکھیں گے اور دوزخی بہشتیوں کو پھر وہ آپس میں گفتگو کریں گے اس سے اہل جنت کو لذت
و سرور حاصل ہوگا۔ جب وہ دوزخیوں کو زجر و توبیخ کریں گے کہ تم کیا کہتے تھے اب کیا دیکھ رہے ہو۔

فائدہ: فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ ظاہر ہے کہ بہشت بلندی پر اور دوزخ نہایت
پستی میں اور پھر بہشتیوں کا دوزخیوں کو دیکھنا بھی حق ہے جیسے اُوپر کے بالاخانہ پر بیٹھنے والے
نیچے والوں کو دیکھتے ہیں لیکن ان کا دوزخیوں کو زجر و توبیخ کرکے مسرور ہونا اور اس سے لذت پانا اسی
لیے کہ قیامت میں اسم منتقم و قہار کا ظہور ہوگا پھر وہ جیسے دنیا میں اہلِ ایمان پر راحم اور کفار پر سخت
تر تھے ایسے ہی بہشت میں بھی اعدائے دین پر رحم نہیں کریں گے جیسے خود اللہ تعالیٰ ان پر رحم نہیں فرمائیگا
اسی لیے کہ اگر ان پر رحم فرماتا تو انھیں دوزخ میں داخل نہ فرماتا بلکہ بہشت عطا فرماتا۔ ہم اللہ تعالیٰ

سے ثواب اور جنت کا سوال کرتے ہیں۔

قال۔ بہشت والا ساتھی اپنے دوزخ والے دنیوی ہم نشین کو زجر و توبیخ کر کے کہے گا جب اسے دوزخ میں قبیح صورت میں دیکھے گا۔

تاﷲ بخدا۔ ان کدت۔ تحقیق شان یہ ہے کہ نزدیک تھا کہ تردین تو مجھے ہلاک اور تباہ کر ڈالتا یعنی گمراہ کر کے تو مجھے ہلاک کر دیتا۔

حل لغات:۔ تردی بمعنی الھلاک والارداد بمعنی الاہلاک دراصل عبارت لتردینی تھی یا متکلم کو حذف کر کے کسرہ پر اکتفا کیا گیا ہے۔ ولولا نعمۃ ربی۔ اگر مجھے میرے پروردگار کی نعمت یعنی حفاظت وعصمت و ہدایت نصیب نہ ہوتی۔ لکنت من المحضرین۔ تو میں حاضر کیے ہوئے لوگوں سے ہوتا۔ احضار شر میں ہی مستعمل ہوتا ہے۔ (کشف الاسرار) یعنی میں بھی منجملہ ان لوگوں سے ہوتا جو عذاب کے لیے حاضر کیے جاتے ہیں جیسے تجھے اور تیرے جیسے اور لوگوں کو عذاب کے لیے حاضر کیا گیا ہے۔

تفسیر صوفیانہ:۔ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یہاں پر نعمت سے مراد حفاظت وعصمت و ہدایت مراد ہے۔ لکنت من المحضرین یعنی میں منجملہ ان لوگوں کے ہوتا جو ابتدائی امر میں گمراہ ہوتے یا جس حال میں تم عذاب الٰہی کے علاوہ بُعد و فراق میں ہو اور یہ تمہاری انتہائی سزا ہے اللہ تعالیٰ نے قبل از وقوع ان حالات کی اس لیے خبر دی ہے تاکہ معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں حضور و غیبت ہر دونوں برابر ہیں۔ شے کا حضور اللہ تعالیٰ کے علم میں اضافہ نہیں کرتا اور نہ ہی کسی شے کا غیب ہونا اس کے علم میں کمی کرتا ہے۔ اس کے علم میں شے کا وجود وعدم برابر ہے اور معدومات اس کے علم میں بمنزلہ موجود ہیں ؎

بر و علم یک ذرہ پوشیدہ نیست
کہ پیدا و پنہاں بنزدش یکیست

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں کوئی شے پوشیدہ نہیں اس لیے کہ ظاہر اور پوشیدہ اس کے نزدیک برابر ہے۔

افما نحن بمیتین۔ تو کیا ہم مرنے والے نہیں۔ اس گفتگو کی طرف رجوع ہے جو بہشت میں ایک دوسرے سے گفتگو کریں گے جب کہ دنیوی ساتھی کے ساتھ گفتگو ختم کر لیں گے تو پھر وہی گفتگو شروع فرمائی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کو یاد کر کے سرور ظاہر کریں گے اس لیے کہ بہشت میں دائمی زندگی کی یاد میں لذت و سرور ہوگا اور ہمزہ تقریر کے لیے ہے۔ اس میں تعجب کا معنی اور فاء کا مقدر پر عطف ہے جیسے نظم کلام کا تقاضا ہے یعنی کیا ہم ہمیشہ رہیں گے اور کیا ہمیں اس طرح کی نعمتیں ملتی رہیں گی کیا ہم پر موت نہیں آئے گی حالانکہ ہماری شان یہ ہے کہ ہم پر موت واقع ہو۔ الا موتتنا الاولیٰ۔ ہماری پہلی موت جو ہمیں دنیا میں

آئی یہ اس کو بھی شامل ہے جو قبر میں زندہ کر کے سوال کا جواب دیا جائے گا۔ یہ اس کی تصدیق ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔
لا یذوقون فیها الموت الا الموتة الاولیٰ۔ ہم جنت میں بالکل مریں گے ہی نہیں سوائے اسی موت کے کہ جو ہمیں دنیا میں آئی۔ اس کا منصوب ہونا علی المصدریۃ (مفعول مطلق) کے ہے یعنی یہ اسم فاعل سے مفعول مطلق ہے یعنی وہ مستثنیٰ مفرغ معرب ہے اور علیٰ حسب العوامل میتین کی وجہ سے منصوب ہے اس کا منصوب ہونا فعل مذکور سے ہے جو اس سے پہلے ہے جیسے ما ضربت الا ضربۃ واحدۃ۔ گویا یوں کہا گیا ہم پر موت نہیں آئے گی مگر وہی پہلی موت۔ بعض نے کہا کہ یہ استثناء منقطع بمعنی لکن ہے یعنی لکن الموتة الاولیٰ قد قانت الانبیاء۔ بعض نے کہا کہ یہاں پر بمعنی بعد وسوی ہے۔ و ما نحن بمعذبین اور ہم کافروں کی طرح عذاب نہیں دیئے جائیں گے اس لیے کہ عذاب سے نجات پانا بھی نعمت جلیلہ ہے اور ایسی نعمت تحدیث کا موجب ہے جیسا کہ عذاب محنت عظیم ہے اور وہ ہر لحظہ موت کی تمنا کا موجب ہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ موت ماقبل کے اوقات کے لحاظ سے اشد اور مابعد کے لحاظ سے آسان ہے۔

فائدہ:

تفسیر صوفیانہ: آیت میں اشارہ ہے کہ موتۂ اولیٰ سے ارادی موت ہے وہ یہ کہ انسان اپنے صفات نفسانیہ حیوانیہ کو ختم کر دے تو ایسے شخص کو حیاتِ روحانیہ ربانیہ عطا ہو گی۔ پھر اس شخص کو کبھی موت نہیں آئے گی اور ایسا مومن ایک دار یعنی دنیا سے منتقل ہو کر دار دیگر یعنی جوارِ حق میں پہنچے گا اور ایسے شخص کو نارِ ہجر و فراق اور آفت حرمان سے عذاب نہیں دیا جائے گا۔ ؎

ہر کہ فانی شد از ارادت خویش
زندگی یافت از جہت خویش

ترجمہ:۔ جو اپنے ارادوں سے فانی ہوا اس نے زندگی پائی اور اپنی اچھی قسمت سے۔

از عذاب و الم مسلم گشت
در جوار خدا منعم گشت

ترجمہ:۔ عذاب اور درد سے فارغ ہو گیا۔ خدا کے حضور میں نعمت والا ہوا۔

ان ھذا۔ بیشک جس حال میں ہم ہیں کہ ہمیں نعمت سے نوازا گیا اور یہاں بہشت میں ہمیشہ رہنے کا وعدہ فرمایا اور عذاب سے امن نصیب ہوا۔ یہ۔ ھو الفوز العظیم۔ بیشک وہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ الفوز۔ حصول سعادت کے ساتھ کامیابی۔ یعنی یہاں بہشت میں سعادت اور ہر مراد کے حصول کی کامیابی ہے۔ یہ اس لیے کہیں گے کہ وہاں دنیا اور دنیا کی ہر شے ایسی حقیر نظر آئے گی جیسے بحرِ محیط کے

مقابلہ میں قطرہ یا اناج کے ڈھیر کے سامنے ایک دانہ حقیر نظر آتا ہے۔

لمثل هذا فليعمل العاملون۔ ایسے مقصد عظیم کے حصول کے لیے ہر بندے پر واجب ہے کہ نیک عمل کرے اور ہر ممکن جدوجہد کرے۔ اس دنیوی حظوظ کی جدوجہد بیکار ہے کہ بہت جلد ختم ہو جائے گی اور پھر اس میں ہزاروں درد و آلام اور بلائیں اور سر دردیاں سوار ہیں۔

فائدہ:- کاشفی نے لکھا کہ ایسی نعمتوں کے حصول کے لیے عمل کیا جائے نہ کہ دنیوی مال و جاہ کے لیے کہ یہ تو زوال پذیر اور ہاتھ سے نکل جانے والے ہیں ؎

گر بار کشتی بار نکاری باری
ور کار کنی برائے یاری باری

ترجمہ:-

و روئے بخا کراہی خواہی بالید
بر خاک رہ طرفہ سواری باری

ترجمہ:-

فائدہ:- ممکن ہے کہ ان هذا الخ کی طرف سے ہو اس معنیٰ پر حصول ثواب اور عمل طاعت کی ترغیب ہے۔ مفسرین نے اس کا معنیٰ فليحتمل المحتملون الاذى بھی کیا ہے یعنی چاہیئے کہ اذیتوں اور تکالیف کو سر پر اٹھائیں یہ معنیٰ اس لیے کیا ہے کہ بحیثیت تکالیف اور مشقتوں میں گری ہوئی ہے اور دوزخ شہوات سے۔

حضرت مولانا جلال الدین رومی قدس سرہٗ نے فرمایا:- ؎

حفت الجنت بمکرو ہاتنا
حفت النیران من شهواتنا

ترجمہ:- بہشت مکروہات یعنی تکالیف کے گھیرے میں ہے اور دوزخ شہوات کے گھیرے میں ہے۔

یعنی بہشت کا حصول ان اشیاء پر موقوف ہے جن پر عمل کرنے سے ہمیں تکلیف محسوس ہوتی ہے اور دوزخ میں ان اعمال سے جانا ہو گا جو ہمارے نفوس کو مرغوب و محبوب ہیں۔ انسان اور بہشت کے درمیان مکارہ (تکالیف وغیرہا) کا حجاب ہے جس کا پھاڑنا نہایت سخت ہے اور دوزخ اور بندے کے درمیان کوئی حجاب نہیں بلکہ خود شہوات نفسانی اس کے حجابات ہیں لیکن یہ حجاب کوئی شے نہیں بلکہ اسے پھاڑ اجائے تو نہایت آسانی سے اسے پھاڑا جا سکتا ہے ہم شہوات کی رغبت اور بہشت کی کرامات و انعامات کی روگردانی سے پناہ مانگتے ہیں۔

سبق:- کشف الاسرار میں لکھا ہے کہ عارفین پر لازم ہے کہ دیدار جلال احدیت اور حقائق قربت اور صبح وصال

الٰہی کی اُمید پر دل وجان کو متوجہ کریں بلکہ اس بشارت میں جان ودوان کو قربان کردیں۔ نفحات حق جو جنبات القدس سے چلتے ہیں کی اگر خوشبو پائے یا نسیم قرب کی خوشبو سونگھے یا حقائق میں سے کوئی حصہ نصیب ہو یا وصال الٰہی سے بہرہ ور ہو تو عارف پر لازم ہے کہ کہے ان ھذا لھو الفوز العظیم۔ بیشک یہ بہت بڑی کامیابی ہے بلکہ اس کے لیے لائق ہے کہ دوسروں کو بھی کہے لمثل ھذا فلیعمل العاملون۔ اس جیسی کے لیے علم والے عمل کریں۔ بلکہ ہم تو کہتے ہیں کہ ان کے حصول میں ارواح قربان کیے جائیں اور اجسام فدا ہو جائیں۔ چنانچہ کسی شاعر نے کہا ہے

علی مثل لیلیٰ یقتل المرء نفسه
و ان بات من سلمی علی الیأس طاویا

ترجمہ: لیلیٰ کے دیدار کے لیے عاشق کو جان دینا ضروری ہے اگرچہ سلمی کے دیدار سے ناامید ہو کر رات گزارے۔

تفسیر صوفیانہ:- آیت میں عابدین وعارفین کا حصہ ہے اسی لیے بعض اولیائے کرام کی عادت تھی کہ اشراق کی سو رکعت پڑھا کرتے اور فرماتے ہم اسی لیے بیدار ہوئے اور اسی کا ہمیں حکم ہے قریب ہے اولیاء اللہ کو اس کا اجر ملے اور اس پر ان کی تعریف ہو یعنی ان کے مجاہدات وریاضیات پر انہیں بہت بڑا اجر ہو۔ یہاں تک کہ بعض اولیاء کرام بوقت سکرات الموت پڑھتے تھے فلیعمل العاملون الخ اس مشاہدہ کی وجہ سے جو انہیں اس وقت حاصل ہوا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دنیا میں قلب سلیم اور آخرت میں نعیم مقیم کا سوال کرتے ہیں اس کے الطافِ کریمانہ کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا۔

حکایت موسیٰ علیہ السلام:- حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ بہشت میں سب سے ادنیٰ مرتبہ کس کا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ شخص جو بہشت میں سب سے بعد کو داخل ہوگا لیکن جب اسے کہا جائے گا کہ بہشت میں جا تو وہ عرض کرے گا یا اللہ میں کہاں جاؤں جبکہ سب نے تو بہشت کی جگہیں لے لی ہیں اسے فرمایا جائے گا کیا اس سے خوش ہوگا کہ تجھے بہشت میں اتنی جگہ ملے جتنی کہ دنیا کے کسی ایک بادشاہ کو ملی ہو۔ عرض کرے گا جی ہاں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا جا تجھے اتنا قدر ملے گا پھر اس سے دوہرا پھر اس سے سہ گنا یہاں تک کہ پانچ گنا۔ عرض کرے گا یا اللہ میں اس سے راضی ہوں اللہ تعالیٰ فرمائیگا اس کے علاوہ دس گنا اور بلکہ تیرے لیے بہشت میں وہی ہوگا جو تیرا جی چاہے گا جس سے تیری آنکھیں لذت پائیں گی عرض کریگا یا اللہ راضی ہوں۔ پھر موسیٰ علیہ السلام عرض کریں گے یا اللہ بہشت سب سے بڑا مرتبہ کس کا ہوگا اللہ تعالیٰ فرمائے گا وہ لوگ جن کیلئے میں نے کرامت کے باغات خود بوئے ہیں اور پھر ان پر مہر لگادی ہے کہ جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ ہی اس کا کسی کو تصور آسکتا ہے۔ یہی کامیابی ہے اور سب سے بڑی کامیابی اسے ہے جو اعلیٰ مراتب

پر فائز ہوا جیسے رعیت اور بادشاہ کا ایک مرتبہ نہیں ہو سکتا اس لیے کہ رعیت گدڑیوں میں گزارتی ہے اور بادشاہوں کی قالینیں ہوتی ہیں۔ رعایا کی جھونپڑیاں ہوتی ہیں بادشاہوں کے محلات رعایا کو سوکھے ٹکڑے اور بادشاہوں کے شاہی کھانے جیسے دنیا میں امیر و غریب کا فرق ہے اور مختلف اغراض و مقاصد ہیں ایسے ہی آخرت میں مختلف مراتب اور اعمال کے مطابق مختلف اجر و ثواب۔ جس نے اللہ تعالیٰ کو پایا اسے بہشت ملے گی اور اس کی جملہ نعمتیں بھی اور جسے بہشت اور اس کی نعمتیں ملیں ضروری نہیں کہ اسے خدائے تعالیٰ بھی ملے اور نہ ہی اس سے انس و محبت پائے اور نہ ہی جمیع اوقات میں اس کے دیدار و مشاہدہ سے بہرہ ور ہو۔

سبق: انسان پر لازم ہے کہ ہمت بلند رکھے اس لیے کہ علو ہمتی ایمان کی علامت ہے اور ایمان کی غایت احسان میں ہے اور احسان کی غایت مشاہدۂ رحمٰن میں ہے۔

تفسیر عالمانہ: اذٰلك خیر نزلا ام شجرۃ الزقوم۔ تو یہ مہمانی بھلی یا تھوہڑ کا پیڑ۔ ہمزہ تقریری ہے اس سے کفار سے جہنم کے عذاب کے متعلق اقرار کرانا مقصود ہے ذٰلك کا اشارہ نعیم جنت کی طرف ہے خیر علی سبیل التہکم والاستہزاء وارد ہوا ہے۔ نزلاً کا منصوب علی الحالیۃ ہے۔ نزل ہر وہ طعام جو آنے والے کے لیے تیار کیا جائے۔ لشکر (فوج) وغیرہ کو جو دو زینہ دیا جاتا ہے اسے انزال اسی لیے کہتے ہیں۔

الزقوم۔ چھوٹے پتوں والے درخت کا نام ہے نہایت کڑوا اور سخت گندا بدبودار درخت ہے تہامہ میں ہوتا ہے اسے مشرکین خوب جانتے تھے۔

المفردات میں ہے کہ الزقوم سے وہ غذائیں مراد ہیں جو اہل نار کو جہنم میں دی جائیں گی اسی سے استعارہ کر کے کہا جاتا ہے۔

زقم فلان وتزقم۔ یہ اُس شخص کے لیے بولتے ہیں جو کسی شے کو جبراً و کرہاً نگلے۔ اَب معنیٰ یہ ہوا کہ اہل جنت کی نعمتیں اور ان کا رزق تو معلوم ہو چکا کہ بہشت میں انھیں ایسا بہترین رزق ملے گا جس کی نظیر نہیں ملتی لیکن اہل نار کو زقوم جیسی غذا ملے گی خلاصہ یہ کہ اہل جنت کی مہمانی رزق معلوم اور اہل نار کی غذا زقوم ہوگی۔

فائدہ: زقوم سے اس کا ثمر مراد ہے۔ اب اے ناریو! اندازہ کر کہ رزق معلوم اچھا یا زقوم۔

فائدہ: اس کے ذکر میں ایک لطیف اشارہ ہے کہ اہل جنت کو تو بہشت میں جاتے ہی مہمانی کے طور پر رزق معلوم ملے گا پھر اس کے بعد کی نعمتوں کو خدا جانے لیکن جہنمی جاتے ہی زقوم کھلائے جائیں گے جس سے ان کے عذاب کا آغاز ہوگا۔

حل لغات: نزل دراصل زائد شے کو کہا جاتا ہے اسی لیے اہل عرب کہتے ہیں اا۔۔۔ل لیس من انزال

الارض ۔ شہد زمین کے فضول مواد سے نہیں ۔ اب استعارہ کے طور شے سے حاصل شدہ چیز کو کہا جاتا ہے اس معنیٰ پر نزلا کا منصوب ہونا علی التمیز ہوگا ۔ اب معنیٰ یوں ہوا وہ رزق معلوم کہ جس سے لذت و سرور حاصل ہوگا وہی بہتر ہے یا شجرۂ زقوم کہ جس سے غم والم لاحق ہوگا ۔

اناجعلناھا فتنة للظالمین ۔ بیشک ہم نے اسے آخرت میں کافروں کے لیے فتنہ یعنی دکھ درد اور عذاب بنایا ہے ۔

حل لغات: ۔ الفتنه لغت میں بمعنی الاحتراق ہے یا اس سے دنیوی آزمائش و ابتلاء مراد ہے کہ اسی کے سبب سے دنیا میں گمراہ ہو کر فتنہ میں پڑے اسی لیے کہ کبھی فاتن کا لفظ مضل عن الحق پر مستعمل ہوتا ہے ۔ اس لیے کہ جب کافروں نے زقوم کی سزا کا سنا تو فتنہ و آزمائش میں مبتلا ہو گئے ہیں یہی دین اسلام اور قرآن اور نبی آخر الزمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر طعن و تشنیع کا سبب بنا جسے کفر و شرک میں اور بڑھے وہ اس لیے کہ جہنم میں آگ ہے اور آگ میں درخت کیسے انہیں یہ یاد نہ رہا کہ وہ خالق جو ایک جانور کو آگ میں پیدا کر کے اسی میں ہی اسے زندہ رکھ سکتا ہے بلکہ اس جانور کو آگ سے لذت محسوس ہوتی ہے تو پھر وہ قادر ہے کہ آگ میں درخت پیدا کر کے اسے جلنے سے محفوظ رکھے ۔ **انہا شجرۃ تخرج فی اصل الجحیم** ۔ بیشک وہ ایسا درخت ہے جو جہنم کی جڑ سے نکلتا ہے ۔ یعنی جہنم کی گہرائی میں سے نکلتا ہے اس کی جڑیں جہنم کی گہرائی میں ہیں اور اس کی ٹہنیاں جہنم کے درکات تک پہنچتی ہیں پھر چونکہ اس کا اصل اور مادہ آگ ہے اسی لیے اسے آگ نہیں جلاتی جیسے دوسرے درختوں کو جلا کر راکھ بنا دیتی ہے جیسے مچھلی چونکہ پانی میں پیدا ہوتی ہے اس لیے وہ پانی میں نہیں ڈوبتی بخلاف دوسرے حیوانات کے کہ وہ پانی میں ڈوب کر مر جاتے ہیں ۔

شانِ نزول ۔ یہ آیت زبعری و دیگر قریش کے لیڈروں کے رد اور اُن کی جہالت کے اظہار کے لیے نازل ہوئی جبکہ انہیں زبعری نے کہا کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیں زقوم سے ڈراتے ہیں اور زقوم تو اعلیٰ غذا ہے اس لیے کہ بربر کی بعث میں اس کا معنیٰ ہے کھجور اور مکھن ۔ ابوجہل زبعری کی تاویل سے خوش ہو کر اسے گھر لے گیا اور لونڈی سے کہا کہ **یا جاریة زقمینا** ۔ اے فلانی ہمیں زقوم کھلا چنانچہ وہ کھجور اور مکھن لائی اسے استہزاءً کہا **تزقموا** ۔ زقوم کھاؤ ۔ یہ وہی شے جس سے ہمیں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہا شجرۃ تخرج فی اصل الجحیم سنا کر ڈراتے ہیں ۔ حالانکہ ان بیوقوفوں نے نہ سمجھا کہ وہ زقوم اور ہے جو انہیں جہنم میں کھلایا جائے گا ۔ **طلعھا** ۔ اس کے شگوفے اور ثمرات جو اس سے نکلتے اور نکلیں گے یہ طلع النخل سے مستعار ہے بوجہ ہم شکل ہونے کے ۔ **الطلع** ۔ ہر وہ جو کھجور سے جوتے کی شکل میں نکلتا ہے اور حمل وہ جو گچھے دار اس کے اندر ہوتا ہے ۔

كانه رؤس الشياطين ۔ قبح وہولناکی میں ایسے ہیں گویا وہ دیوؤں کے سر ہیں اس لیے کہ دیو کی شکل وصورت لوگوں کے نزدیک قبیح ترین اور بہت بڑی ہولناک ہے اسی سے مشرکین عرب کا عقیدہ بھی تھا کہ دیو سے قبیح اور ہولناک ترین اور کوئی شے نہیں ۔ جب وہ کسی کو قبیح اور ہولناک سے موصوف کرتے تو کہتے کانہ شیطان اگرچہ انہوں نے اسے دیکھا بھی نہیں تھا ۔ طلع کو راسی شیطان سے تشبیہ دینا خیالی تشبیہ ہوگی جیسے حسین ترین انسان کو فرشتہ سے تشبیہ دی جاتی ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے حکایۃً فرمایا **ما هذا بشرا ان هذا الا ملك كريم** ۔ نہیں ہے یہ بشر نہیں ہے یہ کہ مگر مکرم فرشتہ ۔ اس میں اشارہ ہے کہ جسے آج شیاطین کے صفات کی قباحت معلوم ہے اور وہ بدعملی سے باز نہیں آتا تو قیامت میں اُس کے اعمال کی سزا اسی قبیح صورت شیطانی کے ساتھ دی جائے گی ۔

فانهم لآكلون منها ۔ تو وہ اس درخت زقوم یا اس ثمرات سے کھائیں گے ۔ تانیث مضاف الیہ کی وجہ سے ۔ **فمالئون منها البطون** ۔ تو بھوک یا کھانے کی خواہش مٹانے کے لیے پیٹ کو بھر دیں گے اگرچہ انہیں اس سے کراہت ہوگی ۔ یہ بھی اُن کے لیے ایک قسم کا عذاب ہوگا ۔

فائدہ : اس میں اشارہ ہے کہ انھیں آخرت میں وہی ملے گا جو اُنہوں نے دنیا میں بویا تھا اس لیے کہ انسان جو کچھ بوتا ہے وہی اُٹھاتا ہے ۔

حل لغات : المالئ اسم فاعل از ملأ الاناء ماء ملؤہ فهو مالئ ومملوء اور **البطون** بطن کی جمع ہے الظہر (پیٹھ وغیرہ) کی نقیض ۔

ثم ان لهم عليها ۔ ھا کی ضمیر الشجرة کی طرف راجع ہے جس سے وہ اپنا پیٹ بھریں گے جب اُن کے پیٹ بھر جائیں گے تو انہیں پیاس ستائے گی اور پیاس میں کافی وقت گزر جائے گا جیسا کہ لفظ ثم سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ لفظ زمانی تراخی کے لیے مستعمل ہوتا ہے اور اب اسے تراخی رتبی کے لیے بنایا جائے تو بھی جائز ہے ۱ھ اس لیے کہ جب انھیں زقوم کے کھانے اور پیٹ بھر جانے سے طبیعت بگڑے گی تو پانی کی خواہش کریں گے لیکن طعام کی بہ نسبت پینے کی شے میں زیادہ کراہت ہوگی ۔ اس معنیٰ پر ان کے پینے کی شے کا رتبہ بعید تر ہوگا اس اعتبار سے ان کا طعام ہوگا تو بے مزہ اور پانی بھی بے مزہ ۔

لشوبا من حميم ۔ کھولتے پانی کی ملونی ہے ۔

حل لغات : **الشوب** بمعنی الخلط الحميم بمعنی الماء الحار یعنی وہ گرم پانی جس کی گرمی انتہا کو پہنچ جائے یعنی ان کا پینے کی اشیاء خون سے ہوں گی یا سیاہ پیپ یا پیپ جس میں انتہا درجہ کا گرم پانی ملا ہوا ہوگا جس سے پیتے ہی اُن کی آنتیں کٹ جائیں گی ۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہوگا کہ پھر ان کے لیے کھانے کے بعد گرم کھولتا

ہوا پانی ملے گا۔

ثم ان مرجعهم ۔ پھر الکار رجوع ۔ لِاِلی الجحیم ۔ جہنم کے درکات یا جہنم کی طرف ہوگا تو زقوم انھیں بطور مہمانی پیش ہوگا اور یہ مہمانی انھیں جہنم کے داخل ہونے سے پہلے پیش کی جائے گی۔ اسی لیے بعض مفسرین نے کہا کہ جحیم دوزخ سے باہر ہے جیسا کہ آیت هذه جهنم التی یکذب بها المجرمون یطوفون بینها و بین حمیم آن۔ سے معلوم ہوتا ہے۔ انھیں جحیم میں رہنے کے مقامات و منازل سے لے جاکر زقوم کھلایا جائے گا جس سے اُن کے پیٹ پھول جائیں گے۔ پھر انھیں کھولتا ہوا گرم پانی پلا کر پھر جحیم کی طرف لایا جائے گا اور انھیں اس طرح ہانکا جائے گا جیسے پیاسے اُونٹ کو پانی پلا کر پانی کے گھاٹ سے ہٹایا جاتا ہے۔ اس تقریر کی تائید حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرأت ثم ان منقلبهم پھر انھیں اپنی جگہ پر لوٹنا ہوگا۔ سے بھی ہوتی ہے۔

حدیث شریف:۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو! مسلمان ہو کر مرو اس لیے کہ دوزخ کے زقوم کا ایک قطرہ اگر زمین پر گرایا جائے تو ان کی تمام معیشت کڑوی ہو جائے پھر ان بیچاروں کا کیا حال ہوگا جو اسے طعام کے طور کھائیں گے اور اسی سے اپنی پیاس بجھائیں گے اسی لیے کہ وہاں ان کی سوائے اس کے اور کوئی غذا نہ ہوگی۔

انهم الفوا اٰباءهم ضالین ۔ بیشک انھوں نے باپ دادا گمراہ پائے۔ دینی اُمور میں آباد کی تقلید میں کہ اُنھیں اور اُن کے آباد نے سوائے اسی غلط طریقے کے اور کوئی کام نہ کیا تو اسی طرح کے مختلف عذاب میں مبتلا ہوئے اسی لیے ان کے استحقاق عذاب کی تعلیل بیان فرمائی۔

حل لغات:۔ الالفاء بالفاء بمعنی الوجدان یعنی پانا ضالین الفو کا مفعول ثانی ہے الفوا بمعنی وَجَدُوْا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ یعنی اُنھوں نے اپنے آباؤ اجداد کو ہدایت سے بھٹکا ہوا اور طلب حق سے کوسوں دُور پایا۔ فهم ۔ تو وہ کافر ظالم۔ علیٰ اٰثارهم ۔ انہی نشان قدم پر۔ آثار اَثر کی جمع ہے بمعنی نقوش یعنی اپنے آباؤ اجداد کے نقوش پر ۔ یهرعون ۔ تیزی سے دوڑتے رہے ذرّہ برابر بھی تامل نہ کیا کہ وہ جس راہ پر چل رہے ہیں یہ بالکل باطل اور حق سے کوسوں دُور ہے اگر تھوڑا سا غور و فکر کرتے تو ان پر حقیقت واضح ہو جاتی۔ الاهراع بمعنی الاسراع الشدید گویا وہ اپنے آباؤ اجداد کے نقوش پہ چلنے کے سخت پابند تھے کہ ان سے بال برابر بھی ہٹنا گوارا نہ کرتے تھے۔

لے وہ جہنم جس کی مجرم تکذیب کرتے ہیں پھریں گے ان کے درمیان کھولتا پانی ۱۲ء

ولقد۔ بخدا بیشک۔ ضلّ۔ گمراہ ہوئے۔ قبلھم۔ جو قریش مکہ سے پہلے گزرے ہیں۔ اکثر الاولین سابقہ امتوں کے اکثر لوگ۔ انہیں ابلیس نے گمراہ کیا۔ یہاں ابلیس کے اضلال کا ذکر اسی لیے نہیں ہوا کہ اس کا گمراہ کرنا ایسا واضح ہے کہ دلیل کی ضرورت نہیں اسی لیے یہاں اشارہ پر اکتفا فرمایا۔ ولقد ارسلنا فیھم منذرین۔ بخدا ہم نے ان امم سابقہ کے لوگوں میں بھیجے ڈرانے والے انبیاء علیہم السلام جو بہت بڑی عزت وشان والے تھے جنھوں نے آکر انہیں ان کے عقائد کا بطلان ظاہر فرمایا اور فرمایا کہ جس دین پر تم ہو اس کا انجام بُرا ہے۔ فانظر کیف کان عاقبۃ المنذرین۔ دیکھئے ان منذرین کا انجام کیسے برباد ہوا حالانکہ انھیں قیامت کے عذاب سے خوب ڈرایا دھمکایا گیا لیکن وہ ذرہ برابر بھی متوجہ نہ ہوئے اور نہ ہی سر اٹھا کر انبیاء علیہم السلام کی بات سُنی۔ فانظر۔ تو دیکھ یہ۔ خطاب یا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے یا ہر اُس شخص کو جس نے ان لوگوں کے آثار ونشانات کو دیکھے یا ان کے حالات سُنے۔ اب معنی یہ ہوا کہ وہ لوگ ذلیل وخوار ہو کر تباہ وبرباد ہوئے۔

الا عباد اللہ المخلصین۔ مگر اللہ تعالیٰ کے وہ بندے جنہیں اللہ تعالیٰ نے مخلص بنایا کہ انہیں ایمان اور ان اعمال کی توفیق بخشی جو انذار کے مطابق تھے یعنی اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے اس عذاب سے نجات پاگئے جس عذاب میں امم سابقہ کے کفار تباہ وبرباد ہوئے۔

فائدہ: آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جارہی ہے کہ آپ سے پہلے امم سابقہ کی طرف رسل کرام تشریف لائے اور انہیں عذابِ الٰہی سے ڈرایا اور کفر کے بدانجام کی خبر دی اور گمراہی سے دور رہنے کی تلقین فرمائی لیکن ان بدبختوں نے ان انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی اور برائیوں اور کفر وشرک سے باز نہ آئے بلکہ اپنے کفر وضلال پر ڈٹ گئے اور رسل کرام نے ان کی اذیتوں اور تکلیفوں پر صبر فرمایا اور دعوتِ حق برابر دیتے رہے فلھذا آپ کی قوم کفر وشرک پر اصرار کررہی ہے تو ان کا انجام بھی برباد ہوگا۔ اور آپ کو صبر پر کامیابی۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ اعمال صالحہ میں اخلاص پیدا کرے اور قلب کے تصفیہ میں جد وجہد کرے۔

عبودیت کا دار ومدار: حضرت واسطی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ عبودیت کے چھ گر ہیں:
۱۔ تعظیم ۲۔ حیاء ۳۔ خوف ۴۔ رجاء
۵۔ محبت ۶۔ ہیبت۔

۱۔ تعظیم سے اخلاص پیدا ہوتا ہے۔

۲۔ حیاء سے بندے کو قلب کی نگرانی نصیب ہوتی ہے۔
۳۔ خوف سے گناہوں سے توبہ کی توفیق اور ہلاکت سے امان ملتی ہے۔
۴۔ اُمید سے طاعات کی طرف رغبت ہوتی ہے۔
۵۔ محبتہ سے اعمال خالص کا موقع میسر آتا ہے۔
۶۔ ہیبتہ سے اپنا اختیار اور طاقت کا تصور مٹتا ہے اس کا ارادہ ارادۂ الٰہی کے تابع ہو جاتا ہے اور پھر وہ ہر وقت کہتا ہے سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا۔ ہم نے سنا اور اطاعت کی۔

حکایت:۔ ذوالقرنین جب ظلمات میں پہنچے تو اپنے لشکر کو فرمایا کہ اپنے گھوڑوں کے قدموں کے نیچے سے جتنا پتھر اُٹھاؤ گے وہ جواہر اور موتی ہوں گے جنہوں نے آپ کا حکم مان کر پتھر اُٹھائے تو وہ واقعی جواہر اور موتی تھے اور جنھوں نے نافرمانی کی وہ بعد کو افسوس کے ہاتھ ملتے تھے۔

کاش کہ بہر امتحان باری
کردی نان ذخیرہ مقداری

ترجمہ:۔ کاش میں امتحان باری تعالیٰ کے وقت روزی کا بہت وافر حصہ جمع کر لیتا۔

تا کنون نقد وقت من گشتی
وقتم انیسنان بمقت نگذشتے

ترجمہ:۔ تاکہ آج ہمیں نقد صورت میں کام آتا۔ میرا وقت دکھ درد میں نہ گزرتا۔

کاش کے کز گہر بکردم بار
بر سکندر نکردمی انکار

ترجمہ:۔ کاش میں موتیوں کی جھولی بھر لیتا سکندر کے سامنے پریشانی ظاہر نہ کرتا۔

تا نیفتادمی ازاں تقصیر
در حجاب و خجالت تشویر

ترجمہ:۔ کاش مجھے اس میں کوتاہی نہ ہوتی حجاب و خجالت میں پریشانی نہ ہوتی۔

ایں بود حال کافر و مسلم
کاو دریں تنگ موطن و مظلم

ترجمہ:۔ یہی کافر و مسلم کا حال ہوگا جو وہ اس تاریکی کے ملک میں کر رہے ہیں۔

وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ○ وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ
مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ○ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ○
وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِى الْاٰخِرِيْنَ ○ سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِى الْعٰلَمِيْنَ ○
اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ○ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ○
ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ○ وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ○ اِذْ
جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ○ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا
تَعْبُدُوْنَ ○ اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ○ فَمَا ظَنُّكُمْ
بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ فَنَظَرَ نَظْرَةً فِى النُّجُوْمِ ○ فَقَالَ اِنِّىْ سَقِيْمٌ ○
فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ ○ فَرَاغَ اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ○
مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ○ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ ○ فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ
يَزِفُّوْنَ ○ قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ○ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا
تَعْمَلُوْنَ ○ قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِى الْجَحِيْمِ ○
فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ ○ وَقَالَ اِنِّىْ ذَاهِبٌ
اِلٰى رَبِّىْ سَيَهْدِيْنِ ○ رَبِّ هَبْ لِىْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ
حَلِيْمٍ ○ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْىَ قَالَ يٰبُنَىَّ اِنِّىْٓ اَرٰى فِى الْمَنَامِ اَنِّىْ
اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ؕ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِىْٓ اِنْ
شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ○ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ○ وَنَادَيْنٰهُ
اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ○
اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ○ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ○ وَتَرَكْنَا
عَلَيْهِ فِى الْاٰخِرِيْنَ ○ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ○ كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ○

إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ۝ وَبَشَّرْنَٰهُ بِإِسْحَٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصَّٰلِحِينَ
وَبَٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلَىٰٓ إِسْحَٰقَ ۚ وَمِن ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَظَالِمٌ
لِّنَفْسِهِۦ مُبِينٌ ۝

ترجمہ:۔ اور بیشک ہمیں نوح نے پکارا تو ہم کیا ہی اچھے قبول فرمانے والے اور ہم نے اُسے اور اُس کے گھر والوں کو بڑی تکلیف سے نجات دی اور ہم نے اُسی کی اولاد باقی رکھی اور ہم نے پچھلوں میں اس کی تعریف باقی رکھی۔ نوح پر سلام ہو جہان والوں میں۔ بے شک ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں نیکوں کو۔ بیشک وہ ہمارے اعلیٰ درجہ کے کامل الایمان بندوں میں ہے۔ پھر ہم نے دوسروں کو ڈبو دیا اور بیشک اسی کے گروہ سے ابراہیم ہے جبکہ اپنے رب کے پاس حاضر ہوا غیر سے سلامت دل لے کر۔ جب اس کے اپنے باپ اور قوم سے فرمایا تم کیا پوجتے ہو کیا بہتان سے اللہ کے سوا اور اور خدا چاہتے ہو تو تمہارا کیا گمان ہے رب العالمین پر۔ پھر اس نے ایک نگاہ ستاروں کو دیکھا پھر کہا میں بیمار ہونے والا ہوں تو وہ اس سے پیٹھ دے کر پھر گئے۔ پھر ان کے خداؤں کی طرف چھپ کر چلا تو کہا کیا تم نہیں کھاتے۔ تمہیں کیا ہوا کہ نہیں بولتے تو لوگوں کی نظر بچا کر انہیں داہنے ہاتھ سے مارنے لگا تو کافر اس کی طرف جلدی کرتے آئے۔ فرمایا کیا اپنے ہاتھ کے تراشوں کو پوجتے ہو اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے اعمال کو۔ بولے اس کے لیے ایک عمارت چنو۔ پھر اسے بھڑکتی آگ میں ڈال دو۔ تو اُنہوں نے اس پر داؤں چلنا چاہا ہم نے انہیں نیچا دکھایا اور کہا میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں اب وہ مجھے راہ دے گا۔ الٰہی مجھ کو لائق اولاد دے تو ہم نے اُسے خوشخبری سنائی ایک عقل مند لڑکے کی۔ پھر جب وہ اس کے ساتھ کام کے قابل ہو گیا کہا اے میرے بیٹے میں نے خواب دیکھا میں تجھے ذبح کرتا ہوں۔ اب تو دیکھ تیری کیا رائے ہے۔ کہا اے میرے باپ کیجئے جس بات کا آپ کو حکم ہوتا ہے۔ خدا نے چاہا تو قریب ہے کہ آپ مجھے صابر پائیں گے۔ تو جب ان دونوں نے ہمارے حکم پر گردن رکھی اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹایا اُس وقت کا حال نہ پوچھ۔ اور ہم نے ندا فرمائی کہ اے ابراہیم بیشک تو نے خواب سچ کر دکھائی ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں نیکوں کو۔ بیشک یہ روشن جانچ تھی۔ اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے فدیہ میں دے کر اسے بچا لیا اور ہم نے پچھلوں میں اس کی تعریف باقی

رکھی۔ سلام ہو ابراہیم پر ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں نیکوں کو۔ بیشک وہ ہمارے اعلیٰ درجہ کے کامل الایمان بندوں میں ہیں اور ہم نے اُسے خوشخبری دی اسحٰق کی غیب کی خبریں بتانے والا نبی ہمارا قرب خاص کے سزاواروں میں۔ اور ہم نے برکت اُتاری اس پر اور اسحاق پر اور ان کی اولاد میں کوئی اچھا کام کرنے والا اور کوئی اپنی جان پر صریح ظلم کرنے والا۔

بقیہ صـ ۲۰۷

چوں رسید از خدا کتاب و رسول
آں برو پیش رفت ایں بقبول

ترجمہ:۔ جب اللہ تعالیٰ سے کتاب و رسول تشریف لائے کافر نے پس پشت ڈال دیا اور مومن نے قبول کر دیا۔

نزد از سر فساد و غلو
کافراں جز در عناد و عتو

ترجمہ:۔ فساد و سرکشی سے کافروں نے عناد و سرکشی کے سوا اور کوئی کام نہ کیا۔

مؤمناں کردہ در پیمبر روئے
ہم سمعنا و ہم اطعنا گوئے

ترجمہ:۔ اہل ایمان نے رسول کی طرف منہ کر لیا سمعنا و اطعنا (ہم نے سنا اور مانا) کہا۔

شد بلایا نہایت انکار
شد عطایا نہایت اقرار

ترجمہ:۔ بلاؤں کی انتہا (کافروں پر) انکار کی وجہ سے ہوئی اور عطایا کی انتہا (مسلمانوں کو) اقرار کی وجہ سے ہوئی۔

اور اللہ تعالیٰ سے از راہ تحقیق توفیق نصیب ہوتی ہے۔

تفسیر عالمانہ:۔ ولقد نادٰنا نوح۔ اور بیشک ہمیں نوح علیہ السلام نے پکارا۔
ربط:۔ ان آیات سے منذرین (بالکسر) کے حسن انجام اور منذرین (بالفتح) کے بدانجام کی مختصر سی تفصیل شروع فرمائی۔

حل لغات: النداء بمعنی الدعاء جیساکہ فلنعم المجیبون کا قرینہ بتاتا ہے۔ اَب معنیٰ یہ ہوا کہ بندا ہم نے نوح علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی۔ نوح علیہ السلام اول المرسلین ہیں۔ جب وہ اپنی قوم سے مایوس ہوئے باوجودیکہ کئی سال تک انہیں دعوت دیتے رہے اور اُنہوں نے دعوت قبول کرنے کے بجائے اظہار نفرت کیا تو ہم نے اُن کی دعا مستجاب فرمائی کہ ہم نے اُن کی مراد پوری فرمائی اور انہیں دشمنوں پر مکمل فتح د نصرت ہوئی اور ان سے پوری طرح بدلہ لیا۔ فلنعم المجیبون۔ ہم بہتر دعا قبول کرنے والے ہیں۔ مذکور پر بھروسہ کر کے نحن کو محذوف کیا گیا ہے جمع کا صیغہ ذات باری تعالیٰ کی جلالت شان کی وجہ سے ہے۔ ونجیناہ اور اسے ہم نے نجات دی۔ تنجیتہ سے ہے بمعنی نجات دینا۔ و اھلہ۔ اور آپ کے اہل دعیال کو من الکرب العظیم۔ بہت بڑے اندوہ وغم سے یعنی پانی کے غرق ہونے اور قوم کے عرصہ دراز کی گالی اور اذیتوں وتکلیفوں سے۔

حل لغات: الکرب بمعنی الغم الشدید۔ الکربۃ بروزن وبمعنی الغمۃ۔ یہ کرب الارض سے ہے بمعنی زمین کو کھود کر الٹنا اور چونکہ غم انسان کو خوب الٹتا ہے اسی لیے اسے کرب سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ کربت الشمس سے ہو۔ یہ اُس وقت بولتے ہیں جب سورج ڈوبنے کے قریب ہو۔

وَجعلنا ذریتھم الباقین۔ اور ہم نے اُن کی اولاد کو ہی باقی رکھا یعنی نوح علیہ السلام کی دعا یہ دعا کی:۔

"رب لا تذر علی الارض من الکافرین۔ اے پروردگار زمین پر کسی کافر کا جھونپڑا نہ چھوڑ۔"

دعا قبول کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے تمام کفار کو تباہ وبرباد کر دیا۔

فائدہ: بعض مفسرین نے فرمایا کہ نوح علیہ السلام کے ساتھ جتنے لوگ سوار ہوئے تھے وہ بعد کو سب مر گئے باقی صرف آپ کی اولاد بچ گئی جن سے سلسلہ نسل آدم چلا اور قیامت تک چلتا رہے گا۔

فائدہ: قتادہ نے فرمایا کہ کشتی میں بھی صرف وہی تھے جو آپ کی اولاد سے تھے اور آپ کے تین صاحبزادے تھے:۔

۱. سام　　　　۲. حام　　　　۳. یافث

ابو العرب و فارس والروم والیہود والنصاریٰ سام تھے ابو السودان از مشرق تا مغرب جملہ سندھ و ہند نوبہ۔ زنج۔ حبشہ۔ قبط۔ بربر وغیرہم حام کی اولاد ہیں۔

ترک۔ خزر۔ یاجوج ماجوج وغیرہ ہم یافث کی اولاد ہیں۔

اولاد یافث: کشف الاسرار میں ہے کہ یافث کے سات فرزند تھے:۔

۱. ترک　۲. خزر　۳. مقلاب　۴. تاریس　۵. منسلک

۶۔ کساری ۷۔ صین۔

ان کا مسکن مشرق اور شمال کے درمیان میں ہے۔ ان علاقوں میں انہی سات بھائیوں کی اولاد ہے۔

اولادِ حام:۔ حام کے بھی سات صاحبزادے تھے:۔

۱۔ سند ۲۔ ہند ۳۔ زنج ۴۔ قبط

۵۔ حبش ۶۔ نوب ۷۔ کنعان۔

ان کا مسکن جنوب و دبور و صبا کے درمیان ہے سیاہ رنگ کے جملہ اولاد اپنی سات بھائیوں کی اولاد ہے۔

اولادِ سام:۔ ان کے پانچ لڑکے بتائے جاتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ یہ بھی سات تھے:۔

۱۔ ارم ۲۔ ارفخشد ۳۔ عالم ۴۔ یفر

۵۔ اسود ۶۔ تارخ ۷۔ تورخ۔

ارم عاد و ثمود کا اور ارفخشد عرب کا باپ تھا۔ اسی فالخ و قحطان ہیں۔ فالخ ابراہیم علیہ السلام کا جد تھا اور قحطان یمن کا اور عالم خراساں کا۔ اسود فارس کا اور یفر روم کا اور تورخ ارمین کا یعنی صاحب ارمینیہ اور تارخ کرمان کا باپ تھا ہفت اقلیم انہی ساتوں پر منقسم اور ان کے نام مشہور ہے۔ نوح علیہ السلام کے وصال کے بعد ان کا خلیفہ سام مقرر ہوا کہ نوح علیہ السلام کی اولاد پر شاہی کرتا تھا اس کا مسکن عراق تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ گرمیوں میں خورخ میں اور سردیوں میں موصل میں رہتا تھا۔ نوح علیہ السلام کا چوتھا فرزند اور سام تھا جو طوفان میں غرق ہوا اس کی کوئی اور اولاد نہیں تھی۔

وترکنا علیہ فی الاخرین۔ اور پچھلوں میں ہم نے ان کی تعریف باقی رکھی۔

سلٰم علی نوح۔ سلام ہو نوح علیہ السلام پر۔ بعینہٖ یہ کلام اور وہ علی الحکایت وارد ہے جیسے تم کہتے ہو۔ قرأت سورۃ انا انزلنا ھا۔ اسی لیے **سلٰم علی نوح فی العٰلمین**۔ سلام کو منصوب نہیں پڑھا گیا اس لیے کہ حکایت کو اپنے حال پر رکھا جاتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ نوح علیہ السلام پر سلام آنے والی نسلیں سلام پڑھتی رہیں گی اور ہمیشہ ان کے لیے دعا مانگتے رہیں گے۔

فی العٰلمین۔ یہ آخرین سے بدل ہے اس لیے کہ یہ شمول و استغراق کے لحاظ سے زیادہ دلالت کرتا ہے اور ملائکہ و ثقلین کے دخول کے اعتبار سے زیادہ موزون ہے۔ اور دعا سے مراد یہ ہے کہ یہی دعا نوح علیہ السلام کے لیے ہمیشہ رہے گی۔

سانپ اور بچھو سے بچنے کا وظیفہ اور حکایت

تفسیر قرطبی میں ہے کہ سانپ اور بچھو حضرت نوح علیہ السلام کے ہاں حاضر ہوئے کہ ہمیں بھی کشتی میں بٹھایئے۔

---

[1] یہ تفصیل فقیر نے سیرت حبیب کبریا کے مقدمہ میں لکھی ہے۔ اویسی غفرلہٗ۔

آپ نے فرمایا کہ تمھیں کشتی میں کیسے بٹھاؤں جبکہ تم دونوں ضرر رساں اور موذی ہو۔ انہوں نے عرض کیا ہم ضمانت دیتے ہیں کہ ہم اسے کوئی ضرر نہیں پہنچائیں گے جو بھی آپ کا ذکر کرے گا اُسے ان کی ضرر رسانی سے حفاظت رہے گی۔ (ذکرہ القشیری)

تفسیر صوفیانہ :- تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ سلام حق کا مستحق نوح یعنی روح انسانی ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے عالمین میں سوائے انسان کے اور کسی کو سلام سے نہیں نوازا۔ چنانچہ شب معراج فرمایا السلام علیك ایها النبی و رحمة الله و برکاته السلام علینا و علی عباد الله الصالحین۔ اس کے بعد یا پہلے یہ نہیں فرمایا وعلی ملائکتك المقربین۔

نکتہ :- عالمین میں سلام حق کی تخصیص صرف انسان کے لیے یوں ہے کہ حامل امانت الٰہی صرف انسان ہے حالانکہ وہ تمام کو پیش کی گئی تو سب نے انکار کیا سوائے انسان کے اسی لیے سلام کا مستحق بھی صرف وہی ہے اور وہ اس کا محتاج بھی ہے کہ امانت کا بوجھ اس کے اُٹھانے کا نہ تھا جب تک رحمت حق شامل نہ ہوئی اسی لیے امانت کو پلصراط کہا جائے تو بجا ہے کہ وہ بال سے باریک اور تلوار سے تیز تر ہے اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پلصراط سے گزرتے ہوئے انبیاء علیہما السلام سلّم سلّم کہیں گے اور ظاہر ہے کہ پلصراط سے صرف انسان ہی گزرے گا۔ جب صرف وہی پلصراط سے گزرے گا تاکہ اس پر گزر کر اللہ تعالیٰ کی امانت ادا کرے تو اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والی یہی پلصراط ہوگی۔

انا کذالك نجزی المحسنین ۔ بیشک ہم ایسے ہی محسنین کو جزا دیتے ہیں۔ کاف اپنے مابعد کے متعلق ہے یعنی اسی جزائے کامل (یعنی اجابت دعا اور ذریۃ کا ابقاء اور ذکر جمیل اور عالمین کا ہمیشہ سلام عرض کرنا) کی طرح ہم کاملین فی الاحسان کو جزا دیتے ہیں نوح علیہ السلام کو جو انعام و اکرام عطا ہوئے اس میں اس کی علت بیان کی گئی ہے کہ اگر اُنھوں نے نیک کام کیے تو انھیں بھی بہتر جزا سے نوازا گیا۔

اِنہ من عبادنا المومنین ۔ بیشک وہ ہمارے مومن بندوں سے ہیں۔ اس میں نوح علیہ السلام کے محسنین میں سے ہونے کی علت بتائی گئی ہے کہ اُنھوں نے عبودیت اور کمال ایمان میں اخلاص کیا اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مومن بندے تھے۔

فائدہ :- آیت میں ایمان قدر و منزل اور اس کے جلال کا اظہار ہے اور بتایا گیا کہ یہ جملہ اعمال کا سرتاج ہے اس کے تحصیل کی ترغیب اور اس پر ثابت قدم رہنے کی تلقین کی گئی ہے۔

لے موذی بھی نبیوں کو مانتے ہیں لیکن بعض موذی انسان نہیں مانتے۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ آیت میں ایمان کی تخصیص کس لیے ہے حالانکہ نبوت کے شرف کا اظہار ضروری تھا تاکہ اہل ایمان کا شرف معلوم ہو جائے کہ مومنین کی شرافت کا اظہار ہی یہاں مطلوب ہے نہ کہ صرف نوح علیہ السلام کی شرافت من بنی هاشم یعنی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بنو ہاشم سے ہیں۔

مسئلہ: حضرت عباس بن عطاء نے فرمایا کہ منازل مرسلین کا ادنیٰ درجہ انبیاء علیہم السلام کا اعلیٰ درجہ ہوتا ہے اور صدیقین کا اعلیٰ درجہ انبیاء علیہم السلام کا ادنیٰ درجہ ہوتا ہے اور مومنین کا اعلیٰ مرتبہ صدیقین کا ادنیٰ درجہ ہوتا ہے۔

ثم اغرقنا الاٰخرین۔ پھر ہم نے انہیں غرق کیا جو نوح علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کے مغایر تھے یعنی قوم کافرین۔

الاغراق بمعنی غرق کرنا یعنی نوح علیہ السلام اور آپ کے اہل کے مخالفین کو ہم نے دریا میں غرق کیا اس کا عطف نجیناہ پر ہے۔ ثمّ کا عطف تراخی کا نہیں بلکہ ان کے مابین تفاوت مراتب کی وجہ سے ہے ایسے ہی ترکنا کا عطف قیاس کیجئے اس لیے کہ اخبار وانقاد اغراق کے بعد ہوئے اگر ثم تراخی کا مانا جائے تو واقعہ کے خلاف ہوگا۔

وان من شیعتہ۔ وہ لوگ جو نوح علیہ السلام کے اصول و عقائد میں تابع ہوئے ان میں سے ایک "ابراھیم" حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی تھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ابراھیم علیہ السلام کے عقائد اور اکثر مسائل فرعیہ نوح علیہ السلام کے عقائد و مسائل کے موافق تھے۔ ممکن ہے کلی طور پر متفق ہوں۔

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام نوح علیہ السلام کے دین اور ان کے طریقہ پر تھے یا ان میں سے تھے جو دین حق پر سختی سے پابندی کرتے اور مکذبین کی تکذیب پر صبر کرنے والے ہوتے ہیں اور ان دونوں کے درمیان دو نبی صرف (حضرت ہود و حضرت صالح علیہما السلام) گزرے تھے اور نوح و ابراھیم علیہما السلام کے درمیان دو ہزار چھ سو چالیس سال کا فاصلہ تھا۔

شانِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

بعض تفاسیر میں ہے کہ شیعتہ کی ضمیر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے اگرچہ آپ کا ذکر گرامی یہاں نہیں لیکن معناً ضرور ہے اس لیے کہ ابراہیم علیہ السلام اگرچہ بظاہر حضور علیہ السلام سے سابق تھے لیکن حقیقتاً وہ آپ کے تابع تھے اسی لیے ابراھیم علیہ السلام کو آپ کی فضیلت کا

اعتراف تھا اور آپ کے دین کی بڑی تعریف فرماتے تھے اور آپ کے حق میں دُعا مانگی۔ ربنا و ابعث فیھم رسولا منھم۔ (الآیۃ) ؎

پیش آمدند بے انبیاء ز تو
گر آخر آمدی ہمہ را پیشوا شدی

ترجمہ: آپ سے پہلے بے شمار انبیاء گزرے آپ آخر میں آئے لیکن آپ سب کے پیشوا ہیں۔

خوان خلیل ہست نمکدان خوان تو
بر خوان اصطفا نمک انبیاء توی

ترجمہ: ابراھیم علیہ السلام کا دستر خوان آپ کے لنگر کا نمک دان ہے اور ہر نبی کو آپ سے فیض ملا۔

تفسیر عالمانہ

اذ جاء ربہ۔ یہ اذکر محذوف سے منصوب ہے یاد کیجئے جبکہ لائے اپنے پروردگار کے ہاں۔

بقلب سلیم۔ بار تعدیہ کی ہے وہ دل جو قلوب آفات بلکہ من دون اللہ کے تعلقات یعنی کونین کے کے تعلق سے پاک اور صحیح سالم تھی اس سے ان کا اخلاص کے ساتھ رب تعالیٰ کے سامنے رہنا مراد ہے یعنی وہ خاص و مخلص اللہ تعالیٰ کے تھے اور اسے تمثیل کے طریق سے بیان کیا گیا ہے ورنہ دل ایک جگہ سے دوسری جگہ پہ منتقل ہونے کی نہیں کہ اسے لایا جائے۔

اذ قال الخ یہ پہلے اذ قال سے بدل ہے یعنی یاد کیجئے جب فرمایا ابراہیم علیہ السلام نے۔ لابیہ اپنے باپ یعنی چچا کو جو کہ آذر بن باعر بن ناحوار بن فالغ بن مسالح بن ارفخشد بن سام بن نوح علیہ السلام تھا۔

وقومہ:۔ اور اپنی قوم کو جو بت پرست تھی۔

ماذا تعبدون۔ استفہام انکاری اور توبیخ کے لیے ہے یعنی کون سی شے کی عبادت کرتے ہو۔

ائفکا الھتہ دون اللہ ترایدون۔ الافلاک بمعنی اسوء الکذب یعنی بدترین جھوٹ۔ اب معنی یہ ہوا کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کے ماسوا کا ارادہ رکھتے ہو بدترین جھوٹ کے لیے۔ مفعول بہ کو فعل پر مقدم کیا گیا۔ تخصیص کے لیے پھر مفعول لہٗ مفعول بہ پر اس کی اہمیت کے اظہار کے لیے اس لیے کہ یہ اہم معاملہ ہے کہ وہ کتنا بیوقوف ہے کہ جھوٹے معبودوں کی عبادت اور بالکل شرک میں سرمست ہیں۔

فما ظنکم۔ ما بتداء اور ظنکم اس کی خبر ہے یعنی تو پھر کون سا ہے تمھارا گمان۔

برب العالمین۔ رب العالمین پر جبکہ تم اس کے ہاں حاضری دو گے حالانکہ تم اس کے غیر کی پرستش کرتے ہو وہ تمھارے کرتوتوں سے غافل نہیں یا وہ تمھارے اعمال کا مواخذہ نہیں فرمائے گا۔ یعنی

جب تمہارا گمان ہی نامکمل ہے پھر قطعی معاملہ کیسا۔

کابط: کشف الاسرار میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل میں خیال گزرا کہ کوئی ایسی تدبیر بنائی جائے کہ جس سے ان کے بتوں کو رسوا کر کے ان کافروں پر حجت قائم کی جائے اور واضح کیا جائے کہ یہ تمہارے بت پرستش کے لائق نہیں ہیں۔ ایک دن ان کے چچا آذر اور دوسرے لوگوں (کافروں) نے ابراہیم علیہ السلام کو کہا کہ چلیے جنگل میں تاکہ جشن منائیں۔ فنظر تو ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا۔ نظرۃ فی النجوم۔ تو دیکھا ستاروں کو۔

حل لغات: نجوم نجم کی جمع ہے یعنی ستارے کا طالع یعنی نجوم کے علم وحساب میں۔ یہاں پر صرف ستاروں کو دیکھنا مراد نہیں۔ اگر ایسے ہوتا تو فی النجوم کے بجائے الی النجوم ہوتا اور چونکہ آپ کی قوم علم نجوم کی قائل اور عام معاملات اسی کے مطابق عمل میں لاتے اسی لیے آپ نے ان سے وہی معاملہ کیا تاکہ آپ کی بات سے انکار نہ کریں تاکہ اس طرح سے ان کے ساتھ جنگل میں جشن کے لیے نہ جائیں۔

فقال انی سقیم۔ تو فرمایا میں بیمار ہوں۔ المفردات میں ہے کہ السقم بمعنی مرض۔

شیعہ[1] کے تقیہ کے جوابات

جواب[1]: مرض دو قسم ہوتا ہے:

۱۔ بدن میں۔ نفس میں۔

۲۔ نفس میں یہاں انہوں نے دوسرا معنیٰ مراد لیا ہے۔

جواب[2]: یہ تعریض کے قبیل سے ہے۔ تعریض کی تفصیل حاشیہ پر دیکھیے۔

جواب[3]: اپنی زمانہ ماضی یا مستقبل کی بیماری کی طرف اشارہ فرمایا یعنی میں کسی زمانہ میں بیمار تھا یا یہ کہ میں بیمار ہوں گا۔

جواب[4]: ہر انسان کو ہر وقت کوئی نہ کوئی تکلیف ضرور ہوتی ہے اگرچہ بظاہر بیماری محسوس نہ ہو اسی قبیل سے ہے جو اہل کہتے ہیں۔ مکان سقیم۔ یہ اس مکان کے لیے بولتے ہیں جو بظاہر تو بہتر ہو لیکن اس میں

---

[1] شیعہ کا تقیہ عمداً جھوٹ بولنا جان کا خطرہ ہو یا نہ اہلسنت کے نزدیک تقیہ حرام ہے ہاں اگر جان کا خطرہ ہو تو جائز ہے بشرطیکہ ایسے الفاظ استعمال کیے جائیں جو ذو معنی ہوں کہ سننے والا کچھ سمجھے اور بولنے والے کی مراد کچھ اور اور جیسے ابراہیم علیہ السلام نے کیا۔ اس کی تفصیل آدپر دیکھئے۔ اویسی غفرلہ،

سے خوف آتا ہو۔

جواب(۵): میں تمہاری مخالفت اور بت پرستی سے بیمار ہوں۔

جواب(۶): موت کی بیماری کا بیمار ہوں اس لیے کہ اس سے کون اور زیادہ بیمار ہوگا جس کے گلے میں موت کا پھندہ ہو۔ اہل عرب میں یہ محاورہ مشہور ہے چنانچہ ایک شخص اچانک بیہوش ہوگیا کسی نے کہا مرگیا ہے حالانکہ اس سے قبل تو وہ تندرست تھا۔ اعرابی نے کہا اسے کیسے تندرست کہتے ہو اس کے گلے میں موت کا پھندہ جو تھا وہی سب سے بڑا مرض تھا۔

جواب(۷): یہ آیت مودل ہے عارف باللہ۔ دین کی ہتک گوارہ نہیں کرتے پھر اسے دور کرنے کے لیے ہر طرح کا طریقہ استعمال کرتے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم پر الزام لگایا پھر اتمام للحجۃ کو ضروری سمجھتے ہوئے تاویلات کو مدنظر رکھ کر فرمایا۔ انی سقیم۔

جواب(۸): حضرت عزالدین بن عبدالسلام نے فرمایا کہ کلام مقاصد کا وسیلہ ہے اگر مقصد صحیح ہو تو اسے صدق و کذب کے بغیر نہ ہو سکتی ہو تو وہاں کذب مباح ہے اگر وہ اس مقصد کو حاصل کرنا مباح ہو تو اگر واجب ہو تو کذب واجب یہ ایک قاعدہ کلیہ ہے۔

الاسئلۃ المقحمہ میں لکھا ہے کہ اسی لیے بعض مشائخ نے چند مقامات پر جھوٹ بولنا جائز فرمایا:

۱۔ جنگ میں اس لیے کہ جنگ سوائے مکرو دھوکہ کے کام نہیں چلتا۔

۲۔ عورت کو راضی کرنے کے لیے۔

۳۔ دو لڑنے والوں اور مخالفت رکھنے والوں کے لیے۔

۴۔ آپس میں ناراض رہنے والوں کے لیے۔

۵۔ صلح و صفائی کے لیے۔

لیکن صحیح تر یہ ہے کہ ایسے مقامات پہ بھی جھوٹ بولنا حرام ہے اس لیے کہ جھوٹ آخر جھوٹ ہے قبیح کبھی حسین نہیں ہو سکتا ہاں اگر تاویل کے طور تعریفی کلام کرے تو جائز ہے مثلاً اپنی اسی عورت کو کہے کہ جس سے اس کی محبت نہیں کہ میں تیرے ساتھ محبت کیوں نہ کروں جبکہ تو میرے لیے حلال اور میری منکوحہ ہے اور عرصہ دراز سے تو میری رفیقۂ حیات ہے وغیرہ وغیرہ لیکن صراحتہً یوں نہ کہے کہ میں تیرے ساتھ محبت کرتا ہوں حالانکہ دل میں اس کے ساتھ بغض رکھتا ہے اور یہ کذب خالص ہوگا اور وہ حرام ہے۔

حدیث شریف: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب دائیں جانب کے دشمن پر حملہ کرنے کا ارادہ

فرماتے تو بائیں جانب کے متعلق باتیں کرتے تاکہ دشمن کو خیال ہو کہ وہ ہمارے متعلق ارادہ نہیں رکھتے ہاں اگر اسی جانب کا ارادہ ظاہر کرکے صراحۃً فرماتے کہ میں فلاں جانب لڑنے جاؤں گا تو وہ جھوٹ میں داخل ہوتا۔

ربط:۔ ابراھیم علیہ السلام کی برادری کے لوگ بیمار کو بُری فال سمجھتے جب سُنا کہ ابراھیم علیہ السلام بیمار ہیں تو انھیں بتکدہ میں تنہا چھوڑ گئے اور فوراً جنگل کی طرف جشن کے لیے پہنچے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا فتولوا عنہ۔ تو منہ پھیرا اور ابراھیم علیہ السلام سے جدا ہوئے۔

مدبرین۔ بعض نے فرمایا کہ سقم سے طاعون کی بیماری مراد ہے کیونکہ وہی سب سے زیادہ پھیلتا ہے اور عموماً متعدی یہی ہوتا ہے۔

فائدہ:۔ صاحب رُوحُ البیان نے فرمایا کہ اس سے طاعون مراد ہے ہوسکتا اس لیے کہ یہ صرف بنی اسرائیل میں واقع ہوا۔ ان سے قبل کسی قوم پر نہیں آیا تھا ہاں ایک روایت میں ہے کہ طاعون بنی اسرائیل یا ان سے پہلے والے لوگوں پر بطور عذاب واقع ہُوا۔

فراغ الی آلھتھم:۔ چپکے سے اُن کے بتوں کی طرف گئے۔

حل لغات:۔ یہ دراصل روغ بمعنی المیل بحیلۃ سے ہے یعنی کسی شے کی طرف جھکنا۔ یہ راوغۃ الثعلب سے لیا گیا ہے بمعنی حیلے کے ساتھ چھپ کر جانا۔

القاموس میں ہے راغ الرجل والثعلب راوغا وراوغانا بمعنی مال وحاد عن الشئ اور تاج المصادر میں ہے الروغ والروغان بمعنی روباہی کرنا اور الراوغ بمعنی چھپ کر کسی شے کی طرف جانا التہذیب میں ہے الراوغ والراوغان بمعنی مکر کرنا۔

فقال۔ تو بتوں سے استہزاء کرتے ہوئے فرمایا اس لیے کہ آپ نے بتوں کو آراستہ پایا تو طعام کا دسترخوان ان کے سامنے رکھ کر فرمایا الا تاکلون۔ کیا تم کھاتے نہیں ہو۔ اور مشرکوں کی عادت تھی کہ حصول برکت کے ارادہ پر بتوں کے سامنے کھانا پکاتے تھے۔

مالکم لا تنطقون۔ تمھیں کیا ہے کہ تم میرے سوال پر جواب دیتے ہوئے بولتے نہیں ہو۔

فراغ علیھم۔ تو لوگوں سے نظر بچا کر ان کو ضربًا بالیمین دائیں ہاتھ سے مارتے تھے۔ ضربًا یا مفعول مطلق ہے اور اس کا فعل محذوف ہے۔ دراصل عبارت ضرب ضربًا بالیمین تھی یا حال ہے۔ عبارت ضاربًا بالیمین ہوگی اُس وقت مصدر بمعنی اسم فاعل ہوگا اور دائیں ہاتھ کی قید اس لیے ہے کہ اس سے ضرب سخت تر ہوتی ہے کیونکہ یہ قوی تر اور شدید تر ہے اور قاعدہ ہے کہ آلہ شدید ہو تو فعل بھی شدید ہوتا ہے۔ بعض نے یمین بمعنی قوۃ ومتانت کہا ہے اور قسم کا دارومدار بھی لفظ یمین پر ہے اس لیے کہ

کلام اسی سے قوت پاتا اور مؤکد ہوتا ہے۔ بعض نے کہا کہ باء سببیہ اور یمین بمعنی قسم ہے یعنی بتوں کو مارا بسبب اسی قسم کے کہ اس سے قبل آپ نے فرمایا تھا وما اللّٰہ لا کیدن اصناکم۔ بخدا تمہارے بتوں کے ساتھ کوئی کارروائی ضرور کروں گا۔

ربط:۔ جب جنگل سے کفار و مشرکین واپس لوٹے تو دیکھا کہ ان کے بُت بُت خانہ میں ٹکڑے ٹکڑے ہوئے پڑے ہیں۔ ایک دوسرے سے ٹکڑے ٹکڑے کرنے والا کا نام پوچھا تو اپنے گمان سے کہا کہ یہ کام ابراھیم علیہ السلام کا ہو گا فلہذا چلیے ان سے پوچھ لیں چنانچہ ابراھیم علیہ السلام کے ہاں حاضر ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ فاقبلوا۔ وہ مشرکین جنہیں ابراھیم علیہ السلام کے ہاں حاضری کا حکم تھا متوجہ ہوئے۔ الیہ ابراھیم علیہ السلام کی طرف۔ الیہ کا متعلق ماقبل یا مابعد ہر دونوں جائز ہے (کذا قال ابن الشیخ) الیہ کا مرجع ابراھیم علیہ السلام نہیں۔ یزفون۔ دوڑتے تھے۔ یہ اقبلوا کی ضمیر سے حال ہے بمعنی یسرعون۔

حل لغات:۔ زفیف النعام سے ہے یہ اُس وقت بولتے ہیں جب شترمرغ دوڑنے کی ابتداء کرے۔

المفردات میں ہے کہ زفیف ہوا کے چلنے اور شترمرغ کے دوڑنے کو کہا جاتا ہے جس میں کچھ اُڑنا شامل ہو اور زف زف النعام اُس وقت بولتے ہیں جب شترمرغ تیزی کرے۔ اسی سے زاف العروس کا استعارہ ہے نہ بایں معنی کہ وہ دوڑتی ہے بلکہ بایں معنی کہ اسے شترمرغ کے گھر لے جانے میں جلدی کی جاتی ہے نیز اس کے لے جانے میں ایک قسم کا سرور بھی حاصل ہوتا ہے۔

قال۔ جب ابراھیم علیہ السلام کو محفل میں لایا گیا اور اُن کے ساتھ جو گفتگو ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اسے یوں بیان فرمایا کہ قالوا انت فعلت ھذا بآلھتنا یا ابراھیم۔ کہا کہ یہ تو نے کیا ہے اے ابراھیم۔ اس گفتگو کے بعد ابراھیم علیہ السلام نے کافروں کو فرمایا اتعبدون ہمزہ استفہام انکار کا ہے کیا تم پرستش کرتے ہو ما تنحتون۔ ان بتوں کی جنہیں تم اپنے ہاتھوں سے خود بناتے ہو۔ یہ ماموصولہ ہے۔ النحت۔ دراصل درخت لکڑی و دیگر جسم والی چیزوں کے چھیلنے کو کہا جاتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ پتھر اور لکڑی کو تراش کر اپنے ہاتھوں سے بت بنا کر پھر ان کی پرستش کرتے ہو۔ واللّٰہ خلقکم حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں پیدا فرمایا۔ یہ تعبدون سے حال ہے انکار و توبیخ کی تاکید کے لیے ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ خالق تمہارا تو اللہ تعالیٰ ہے پھر غیر کی پرستش کیوں جبکہ عبادت کا مستحق کو خالق کو ہونا چاہیئے نہ کہ مخلوق کو۔ وما تعملون۔ اور تمہارے اعمال کو بھی اس سے پیدا فرمایا یعنی یہ بت جو تم اپنے ہاتھ

سے بتاتے ہو یہ بھی اسی کے پیدا کردہ ہیں یعنی بتوں کے جواہر و مواد کا خالق وہی ہے اگرچہ تم نے انھیں خاص شکل وصورت میں بنایا ہے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت سے ورنہ اگر اس نے تمھارے اندر اس قدرت کے اسباب وغیرہ پیدا نہ فرماتا تو تم کب بت بنا سکتے تھے۔

مسئلہ: آیت سے ثابت ہوا کہ جملہ افعال کا خالق اللہ تعالیٰ اور اُن کا سبب (بنانے والا) بندہ ہے یہی اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے اور ثواب و عذاب کا ترتب اسی کسب کی وجہ سے ہے۔

حضرت جامی قدس سرہ نے فرمایا ؎

فعل ما خواہ زشت وخواہ نکو
یک بیک ہست آفریدۂ اُو

ترجمہ: ارے نیک یا بُرے جملہ افعال اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ ہیں۔

نیک و بد گرچہ مقتضائے قضاست
ایں خلاف رضا و آں برضاست

ترجمہ: نیکی اور بُرائی اگرچہ قضاؤ قدر الہٰی سے ہے لیکن بُرائی میں اس کی رضا نہیں نیکی میں اس کی رضا ہے۔

قالوا ۔ نمرود اور اُس کے خواص نے کہا ۔ اسہیلی نے التعریف میں لکھا کہ طبری میں ہے کہ اس کے مقالے کا قائل ہیزن تھا۔ وہ فارس کا اعرابی تھا۔ اس کے بارے میں حدیث شریف وارد ہے کہ ایک شخص مخصوص پوشاک پہن کر متکبرانہ طور چل رہا تھا تو زمین میں دھنسا گیا جو قیامت تک زمین میں دھنستا چلا جائے گا۔

ابنوا له بنيانا ۔ ابراھیم علیہ السلام کے جلانے کے لیے کوئی تعمیر تیار کرو۔

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس نے کہا کہ پتھروں سے ایک ایسی دیوار تیار کرو جس کی لمبائی آسمان کی طرف تیس گز اور چوڑائی بیس گز ہو اس کے درمیان کو لکڑی سے بھر دیا جائے پھر آگ جلائی جائے پھر ابراھیم علیہ السلام کو آگ میں ڈال دیا جائے (جیسا کہ کہا) **فالقوه فى الجحيم** ۔ پھر انہیں جلتی ہوئی آگ میں ڈالا۔

حل لغات: الجحیم ۔ الجحمہ سے ہے بمعنی سخت شعلہ مارنا ۔ لام مضاف الیہ کا عوض ہے یعنی اس چار دیواری کی سخت شعلوں والی دیوار میں ڈال دو۔

فارادوبه كيدا ۔ تو اُنھوں نے ابراھیم علیہ السلام کے لیے شر کا ارادہ کیا۔ وہ یہی کہ انھیں آگ میں جلا دیں جبکہ آپ نے ان پر دلائل قاہرہ قائم کرکے انہیں چنے چبا دیئے۔ اَب اُنھوں نے ابراھیم علیہ السلام

کے ساتھ مکر و فریب سے ان کو جان سے ختم کرنا چاہتے تھے جیسا کہ انہوں نے ان کے بتوں کو تباہ و برباد کیا مکر و فریب کر کے جان سے ختم کرنے کا منصوبہ بنایا کہ عوام کے سامنے ان کا عجز کا اظہار نہ ہو۔ کید حیلہ و فریب کی ایک قسم ہے۔ (المفردات)

فجعلناھم الاسفلین۔ تو ہم نے ان کے مکر و فریب کو نیچا دکھا کر انہیں ذلیل و خوار کیا اور ابراھیم علیہ السلام کے دلائل و براہین کو مضبوط و مستحکم کر کے ان کی شان و عزت اور قدر و منزلت بڑھادی مثلاً ان پر نار گلزار ہوئی جیسا کہ سورۂ انبیاء میں اس کی تفصیل گزری ہے۔

سوال:۔ اللہ تعالیٰ نے ابراھیم علیہ السلام کی آزمائش آگ سے کیوں کی۔

جواب:۔ انسان صفت قہر سے طبعاً گھبراتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا **ولا تخف سنعیدھا سیرتھا الاولی۔** خوف نہ کیجئے ہم اسے پہلی حالت پر لائیں گے۔ اسی لیے ابراھیم علیہ السلام کو تسلی دلائی کہ آگ میرے حکم کے بغیر کسی کو کچھ نہیں کہہ سکتی۔ اگرچہ وہ بظاہر صورۃ قہر میں ہو۔ ایسے ہی اجتماع نقیضین کو جمع فرمادیا کہ اس آگ میں سردی بھی تھی اور سلامتی بھی اس میں ابراھیم علیہ السلام کا بہت بڑا معجزہ ظاہر ہوا کیونکہ کفار آگ اور سورج اور ستاروں کی پرستش اس لیے کرتے تھے کہ ان کا اعتقاد تھا کہ ان کی ربوبیت کی صفت ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ آگ ہو یا کوئی اور شے وہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

نمرود کی قربانی

فائدہ:۔ مروی ہے کہ جب نمرود نے دیکھا کہ ابراھیم علیہ السلام پر نار گلزار ہو گئی ہے تو عرض کی کہ اے ابراھیم بیشک آپ کا رب بڑا ہے۔ اب میں اس کے حضور میں قربانی پیش کرتا ہوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے تقرب کے لیے ہزاروں جانور ذبح کیے لیکن ایک بھی قبول نہ ہوا اس لیے کہ وہ اپنے برے اعتقاد سے تائب نہ ہوا اور نہ ہی ان برے اعمال و احوال سے باز رہا۔ حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

یافت ناگاہ آن حکیمک راہ
پیش جمعی ز اولیاء اللہ

ترجمہ:۔ اچانک ایک حکیم نے یہ قصہ معلوم کیا اولیاء اللہ کی ایک بڑی جماعت کے آگے۔

فصل دی بود و منقلی آتش
شعلہ میزد میان ایشان خوش

ترجمہ: فصل بہار میں آگ کا ایک بہت بڑا آتش کدہ شعلہ زن تھا ان کے درمیان ۔

شد بتقریب آتش و منقل
از خلیلی بری ز نقص

ترجمہ: آتش و آتش کدہ کو دیکھ کر ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ سامنے آیا کہ آپ ہر نقص سے پاک تھے اسی لیے آپ پر آتش نے اثر نہ کیا)۔

ذکر آں قصہ کہن بتمام
کہ برو نار گشت بردو سلام

ترجمہ: اس قصے پرانے کا ذکر مکمل طور پر سنایا گیا کہ ابراہیم علیہ السلام پر نار گلزار ہو گئی تھی ۔

آں حکیمک زجہل و استکبار
گفت بالطبع محرق آمد نار

ترجمہ: وہ حکیم جہالت و تکبر سے کہا کہ آگ کی طبیعت تو جلانا ہے ۔ (ان پر کیسے گلزار ہو گئی ۔)

آنچہ بالطبع محرقست کجا
گردد از مقتضای طبع جُدا

ترجمہ: جس کی طبیعت جلانا ہے وہ اپنی طبیعت سے کیسے جدا ہو سکتی ہے ۔

یکی از حاضران ز غیرت دین
گفت ہین دامنت بیار و بین

ترجمہ: حاضرین (اولیاء) میں سے ایک نے دین کی غیرت سے کہا ابھی دامن لاؤ اور ابھی دیکھ لے ۔

منقل آتشش بداماں ریخت
آتش خجلتش ز جان آنگیخت

ترجمہ: اس نے یہ کہہ کر آتش کدہ کو دامن پر انڈیل دیا ۔ آتش سے شرمساری سے منہ چھپا لیا ۔

گفت در کن میان آتش دست
ہیچ گرمی ببیں آتش ہست

ترجمہ: جب نہ دامن جلانہ ہاتھ ۔ جہالت گئی اور اس پر مسئلہ واضح ہو گیا ۔

چوں نہ دستش بسوخت نی دامن
شد ازاں جہل او برو روشن

ترجمہ:۔ جب نہ دامن جلا نہ ہاتھ۔ جہالت گئی اور اس پر مسئلہ واضح ہوگیا۔

طبع را ہم مسخر حق دید
جانش از تیرگی عقل رہید

ترجمہ:۔ طبیعت (ناری) کو حق کے تابع پایا اس کی روح نے عقل کی تاریکی سے نجات پائی۔

اگر آں علم او یقین بودی
قصہ او کی ایں چنیں بودی

ترجمہ:۔ اگر اس حکیم کو علمِ یقین حاصل ہوتا تو اس کا قصہ قبل ازیں ایسے نہ ہوتا۔

علم کامد یقین زہیم زوال
بیقین ایمن است در ہمہ حال

ترجمہ:۔ علم کو یقین کا مرتبہ حاصل ہو تو یقین ہر حال میں بے غم ہے۔

تفسیر عالمانہ:۔ وقال۔ جب ابراہیم علیہ السلام نے آگ سے نجات پائی تو اپنی قوم کے ان لوگوں کو فرمایا جو آپ کے دین کے منکر ہوئے انہیں زجر و توبیخ کے طور پر فرمایا یا ان لوگوں کو جو ہجرت کرکے آپ کے ساتھ چلے۔ اس معنیٰ پر انہیں ترغیب کے طور پر فرمایا۔

الی ذاھب الی ربی۔ میں اپنے رب تعالیٰ کی طرف جاتا ہوں) آپ نے حران یا بابل بصرہ و کوفہ کی کسی بستی کی طرف ہجرت فرمائی۔ اس بستی کو ہرمز بجیرہ کہا جاتا ہے اور ہجرت بحکم الٰہی ہوئی اور شام کے ملک کی طرف ہجرت کا حکم ہوا۔ یا یہ کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا ہے کہ میں کسی تنہا مقام پر اس کی عبادت میں مصروف ہو جاؤں۔ یہ معنیٰ اس اس لیے کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف جانا محال ہے کیونکہ وہ مکان و زمان کی قید سے پاک ہے اور نہ ہی اس کے لیے جہت ہے۔

فائدہ:۔ بحر العلوم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کفار پر فتح و نصرت کے بعد ہجرت کا حکم فرمایا ہوگا کہ وہ اسی دار الکفر کو چھوڑ کر کہیں چلے جائیں یا اسی صخرۃ کی طرف چلے جائیں جو ان کی عبادت کا قبلہ گاہ تھا یا حکم فرمایا کہ بیت اللہ یعنی کعبہ معظمہ کی تعمیر فرمائیں یا اسی بستی کی طرف جہاں آپ مدفون ہوئے جیسے ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ معظمہ چھوڑ کر مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کا حکم ہوا تھا۔

فائدہ:۔ بعض تواریخ میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام فلسطین میں مدفون ہیں۔ فلسطین بکسر الفاد و فتح اللام و سکون السین المھملہ۔ وہ بلاد جو شام و مصر کے درمیان واقع رملہ۔ غزہ۔ عسقلان وغیرہا فلسطین کے حدود میں ہیں۔

سیہدین ۔ اپنے مقصد کی میری رہبری فرمائے گا یعنی شام میں یا اس شہر میں جہاں میرے دین کی بہتری ہوگی یہ پورے اعتماد و وثوق سے اس لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا وعدہ فرمایا تھا۔ یا اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے بھروسہ پر کہ وہ آپ کے ارادہ کو پورا فرما دیتا تھا لیکن یہ قول موسیٰ علیہ السلام کے قول عسیٰ[1] ربی ان یہدینی سواء السبیل کی طرح نہیں ہے اسی لیے اسے صیغۂ توقع سے لایا گیا ہے۔

قاعدہ:۔ ہجرت کے حکم کے ثبوت کے لیے یہی آیت اصل ہے کہ دار الکفر سے ہجرت کر کے دار الاسلام چلا جانا چاہیئے تاکہ وہاں دینی اُمور و طاعت الٰہی آسانی سے سرانجام پذیر ہوسکیں۔

فائدہ:۔ سب سے پہلے اس طرح کی ہجرت حضرت ابراھیم علیہ السلام نے کی کہ وہ لوط علیہ السلام کو لے کر ارض مقدسہ کی طرف ہجرت کر گئے۔

تفسیر صوفیانہ: کشف الاسرار میں ہے کہ انی ذاھب الی ربی میں اشارہ ہے کہ بندے پر انقطاع کلی ضروری ہے۔ انقطاع کلی یہ ہے کہ بندہ ابتداء امر میں اللہ تعالیٰ کے لیے خلقِ خدا سے بالکل منقطع ہو جائے اور انتہاء میں اپنے مال و جان کو راہِ حق میں صرف کرے اور زبان پر ذکر حق جاری رکھے اور خلقِ خدا کے حقوق کی رعایت کرے اور انانیت سے فارغ اور تعلقاتِ دنیویہ سے بالکل دور ہو جائے۔ ؎

وصل میسر نشود جز بقطع
قطع نخست از ہمہ ببرید نست

ترجمہ:۔ قطع تعلق کے بغیر وصال حق حاصل نہ ہوگا اسی لیے پہلے سب سے قطع تعلق ضروری ہے اور لازمی ہے۔

نسخہ روحانی: جب تک ذرّہ برابر بھی عالم ملک و ملکوت کا تصور دل پر ہوگا عرفان الٰہی نصیب نہ ہوگا اور نہ ہی اسے عالمِ حقیقت کا داخلہ نصیب ہوگا نہ مشاہدہ کے لیے راہ ملے گی۔

حبیب و خلیل کا فرق: حضرت واسطی نے فرمایا کہ خلیل علیہ السلام خلق سے حق کی طرف راجع ہوئے لیکن حبیب علیہ السلام حق سے خلق کی طرف تشریف لائے۔ قاعدہ ہے کہ جو حق سے خلق کی طرف تشریف لائے تو وہ دلیل کو حق سے

---

[1] اُمید ہے عنقریب مجھے میرا اللہ سیدھا راستہ دکھائے گا۔

جانتا ہے۔

ولادت حضرت اسمٰعیل علیہ السلام

مروی ہے کہ جب حضرت ابراھیم علیہ السلام پر نار گلزار ہوئی اور آپ نے اعدائے دین پر فتح و نصرت پائی تو آپ کا نکاح بی بی سارہ سے ہوا۔ بی بی صاحبہ اپنے زمانہ کی عورتوں میں حسین ترین اور حسن میں بی بی حوا کے مشابہ تھیں۔ نکاح کے بعد ابراھیم علیہ السلام نے شام کے ملک کی طرف جانے کا پروگرام بنایا جب آپ شام کے ملک کو جا رہے تھے تو بی بی سارہ کے ذریعہ آپ کو بی بی ہاجرہ سے نکاح کا موقع میسر آیا چونکہ بی بی ہاجرہ ملک یمین کی حیثیت سے حاصل ہوئیں۔ اسی لیے ان کے لیے اولاد کی دعا مانگی۔

تفسیر عالمانہ: رب۔ اے میرے پروردگار هب لی من الصٰلحین۔ مجھے صالح اور نیک بخت بچہ عطا فرما۔ ایسے صاحبزادے کی استدعا فرمائی کہ وہ صلاح دین میں کامل اور عظیم الشان ہو کہ وہ دعوت حق میں میری مدد فرمائے اور طاعت الٰہی میں میرا حامی ہو اور مسافری میں میرا مانوس ہو۔

فائدہ: لفظ ہبہ اگر علی الاطلاق مستعمل ہو تو وہاں بیٹا مراد ہوتا ہے اگرچہ مقید ہو کر بھائی کے لیے بھی مستعمل ہوتا ہے چنانچہ ہارون علیہ السلام کے لیے فرمایا۔ ووھبنا لہ من رحمتنا اخاہ ھارون نبیا۔ اور ہم نے اپنی رحمت سے اسے اس کا بھائی ہارون نبی عطا کیا اور فبشرنٰہ بغلٰم حلیم۔ تو ہم نے اسے حلیم بچہ کی خوشخبری دی۔ سے بھی واضح ہے کہ یہاں پر انہوں نے فرزند کے حصول کے لیے دُعا مانگی اور غلام نوجوان کو کہا جاتا ہے۔ الکھل اس کی نقیض ہے یا پیدائش سے لے کر چڑھتی جوانی تک اسے غلام کہا جاتا ہے۔ (القاموس) بعض اہلِ لغت کہتے ہیں کہ جو دس سال سے متجاوز ہو وہ غلام ہے اس سے کم عمر والے کو صبی کہا جاتا ہے۔

الحلیم وہ جو معاملات میں عجلت نہ کرے اور مشقتوں اور تکلیفوں پر حوصلہ کرے اور دکھ درد کے وقوع پر مضطرب نہ ہو۔ بہت جلد غصہ میں نہ آئے یعنی ہم نے انہیں ایک ایسے صاحبزادے کی خوشخبری سنائی کہ وہ جوان ہو کر باحوصلہ ہوگا۔

فائدہ: آیت میں تین بشارتوں کا ذکر ہے:

۱۔ بچہ پیدا ہوگا۔
۲۔ وہ جوانی کو پہنچے گا۔

۴ وہ باحوصلہ ہو گا۔ یہ اس کے لیے صبی کو باحوصلہ نہیں کہا جا سکتا۔ اور ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کونسا حوصلہ ہو گا کہ جب انہیں والدگرامی نے فرمایا کہ میں تجھے ذبح کرتا ہوں تو سر تسلیم خم کر دیا حالانکہ وہ اُس وقت مراہق یعنی چڑھتی جوانی والے۔

فائدہ کاشفی نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو بی بی ہاجرہ سے اسمٰعیل عطا فرمایا پھر بحکم الٰہی ہاجرہ کو اسمٰعیل علیہ السلام کے ساتھ لے کر مکہ معظمہ میں پہنچا دیا جہاں اسمٰعیل علیہ السلام نے تربیت پائی اور جوان ہوئے۔

فلما بلغ معه السعی۔ پس جب وہ اس کے ساتھ پہنچا قوت۔ فاء فصیحہ اور فعل مقدر پر اس کا عطف ہے کہ اصل عبارت فوهبنا له فنشا فلما بلغ الخ یعنی ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو بچہ عطا فرمایا اور تربیت پائی پھر جب وہ جوان ہوئے یعنی ایسے حال کو پہنچے تو ان کے اُمور میں ان کا ہاتھ بٹاتے اور حوائج ضروریات پورے کرنے میں ان کی مدد کرتے۔

معه۔ سعی سے متعلق ہے اور یہ جائز ہے اس لیے کہ معه ظرف ہے اور ظرف، کو عامل کی صرف بُو کافی ہے یعنی اس کے عمل کے لیے دور و نزدیک کا کوئی فرق نہیں اور اسے بلغ کے متعلق کرنا مناسب نہیں اس لیے کہ اگر بلغ کے متعلق کیا جائے تو ان دونوں کا اکٹھے سعی کو پہنچنا ضروری ہے حالانکہ یہ واقعہ کے خلاف ہے (بحر العلوم)

فائدہ: اس کی تخصیص اس لیے ہے کہ اُدب اسی میں ہے کہ بچہ خدمت کرنے کے وقت کو پہنچ جائے ورنہ قبل از وقت بچے سے کام نہیں لیا جاتا اور یہ بچہ عطا بھی اسی لیے ہوا تھا کہ وہ اپنے بوڑھے باپ کے کاروبار میں ہاتھ بٹائے۔ جب یہ واقعہ پیش آیا تو اسماعیل علیہ السلام تیرہ سال کے تھے۔

قال۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا یبنی۔ اے میرے بیٹے۔ یہ تصغیر شفقت کی ہے۔ انی ارٰی فی المنام انی اذبحك۔ بیشک میں تجھے خواب میں دیکھ رہا تھا کہ میں تجھے اللہ تعالیٰ کے لیے ذبح کر رہا ہوں یعنی میں بعینہٖ اس طرح دیکھ رہا ہوں کہ گویا میں تجھے ذبح کر رہا ہوں یا اس طرح کی کوئی اور بات دیکھی جس کی تاویل یونہی ہو سکتی تھی کہ اسماعیل السلام کو ذبح کیا جائے۔

فائدہ: مروی ہے کہ اُنہوں نے آٹھویں ذوالحجہ کی رات کو خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا تھا کہ اپنے اسی بیٹے کو ذبح کیجئے جب صبح کو اُٹھے تو سارا دن اسی شش و پنج میں گزرا کہ نامعلوم کہ یہ حکم واقعی منجانب اللہ ہے یا وسوسہ ہے۔ اسی لیے اس دن کا نام ترویہ ہے۔ پھر یونہی نو ذوالحج کو خواب میں اسی طرح کا حکم سُنا تو صبح کو اُٹھے تو یقین کیا کہ واقعی یہ حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اسی لیے

اس دن کا نام یوم عرفہ ہے پھر یہی خواب دسویں ذوالحجہ کی شب کو دیکھا تو صبح کو اُٹھ کر عزم بالجزم کیا کہ صاحبزادے کو ضرور ذبح کروں گا اسی لیے اس دن کا نام یوم النحر رکھا گیا۔

فانظر ماذا۔ یہ منصوب ہے تری سے یہ رائی سے ہے۔ اے اسمٰعیل (علیہ السلام) بیٹے تم اپنی مانے بتاؤ اور غور کرو اس میں تمہاری رائے کیا چاہتی ہے۔ یہ سوال اس لیے کیا کہ معلوم کریں کہ اسمٰعیل علیہ السلام ذبح ہونے کو چاہتے ہیں یا اس پر توقف کرتے ہیں۔

فائدہ:۔ تری رائی سے ہے یعنی وہ خیال جو دل پر آئے رؤیتہ سے نہیں بمعنی آنکھ سے دیکھا اور یہ مشورہ اس لیے پیش کیا تاکہ اسمٰعیل علیہ السلام کے متعلق معلوم ہو جائے کہ کیا اللہ کی تقدیر کے سامنے سر جھکاتے ہیں یا جزع فزع کر کے پس و پیش کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں سنت مشاورہ کا اجرا بھی مطلوب تھا۔ اسی لیے بزرگان دین فرماتے ہیں کہ اگر آدم علیہ السلام گندم دانہ کے متعلق ملائکہ سے مشورہ کر لیتے تو نوبت یہاں تک نہ پہنچتی۔

قال یا ابت۔ اسمٰعیل علیہ السلام نے عرض کی اباجی کیجئے ما تؤمرُ وہ جو آپ کو حکم ہوا ہے۔ قاعدہ مشہور کے مطابق یہاں پر حرف جار اور عائد محذوف ہوئے ہیں۔ دراصل ما تؤمر بہ تھا اور یہ عائد اسم موصول یعنی ما کی طرف راجع ہے حذف یوں ہوا کہ پہلے حرف جارہ حذف کر کے ضمیر کو منصوب بنایا گیا یا یکبارگی دونوں محذوف ہوئے یا اس کا معنیٰ ہے افعل امرك مصدر اپنے مفعول کی طرف حذف ہے۔ یہاں پر مامور بہ کو امر کا نام دیا گیا ہے اور صیغہ مضارع لایا گیا ہے حالانکہ ما اُمرت کہنا تھا تاکہ معلوم ہو کہ یہ امر ہونا ہے اور تا ادائیگی یہ امر مستمر ہے اور اسمٰعیل علیہ السلام نے والد گرامی کے ارشاد کے فحوائے کلام سے سمجھا کہ یہ امر الٰہی ہے اسی لیے ما تؤمر کہا۔

مسئلہ:۔ اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی خواب وحی ہوتی ہے اس میں جو حکم ہوتا ہے وہ منجانب اللہ ہوتا ہے۔

فائدہ:۔ یہ حکم بیداری کے بجائے خواب میں اس لیے کہا گیا کہ اس کی اہمیت معلوم ہو اور فرمان بجالانے میں تاخیر نہ ہو ورنہ تمام احکام بذریعہ وحی بیداری میں نازل ہوتے ہیں نیز اس طرح سے ابراهیم علیہ السلام کی خواب حق کا اظہار بھی مطلوب تھا۔

مسئلہ:۔ انبیاء علیہم السلام کی خواب حق اور وہ بھی وحی ربانی ہوتی ہے اگرچہ وحی بیداری میں آتی ہے لیکن انبیاء علیہم السلام کے قلوب بھی تو بیدار ہوتے ہیں اور یہ امر ان کے لیے دائمی ہے اور ان کے نفوس مقدسہ طیب و طاہر ہوتے ہیں، شیطانی شرارت کو ان سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

سوال:۔ اسئلۃ الحکم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراهیم علیہ السلام کو ان کے صاحبزادے کے ذبح کا کیوں حکم فرمایا حالانکہ قتل ناحق حرام ہے۔

جواب:۔ چونکہ صرف امتحان مطلوب تھا اسی لیے ایسا حکم تو ہوا لیکن اُسے پورا کرنا مطلوب نہیں اور نہ ہی پورا ہوا۔

نکتہ:۔ خواب میں حکم ذبح اسمٰعیل علیہ السلام کا اسی لیے ہوا تاکہ معلوم ہو کہ قتل انسان اللہ تعالیٰ کے ہاں مبغوض ترین فعل ہے ورنہ اس کا حکم بیداری میں ہونا چاہیئے تھا۔

ستجدنی۔ ابا جی مجھے یقیناً پاؤ گے۔ یہ کہہ کر اللہ تعالیٰ سے اپنے وعدہ پر پورا اُترنے اور صبر کرنے کی مدد چاہی اسی لیے استثنا کہا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا۔

فائدہ:۔ جو شخص اپنے اُمور کو اللہ تعالیٰ کی مشیت کی طرف منسوب کرے وہ اپنے معاملات میں نقصان نہیں اُٹھائے گا۔

من الصابرین۔ ذبح اور قضائے الٰہی کے سامنے سر جھکانے میں صبر کرنے والوں میں سے۔

کلیم و ذبیح میں فرق:۔ اسمٰعیل علیہ السلام نے صبر میں خود کو دوسروں میں شامل فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے انھیں آزاد فرما دیا اور موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام کے سامنے صرف تنہا اپنا نام لیا مثلاً کہا ستجدنی[1] انشاء اللہ صابراً۔ اسی لیے انہیں خضر علیہ السلام کی صحبت سے جدا کر لیا حالانکہ اپنے ساتھ دوسروں کو شامل کرنا تنہا اپنے نام لینے سے بہتر بلکہ حصول مقصد کے لیے موافق تر ہے چونکہ اسمٰعیل علیہ السلام مقام تفویض و تسلیم میں تھے اسی لیے توقف اور صبر کیا اور چونکہ موسیٰ علیہ السلام اُس وقت طالب علم تھے اور طالب علم کا کام ہے کہ جو شے سمجھ میں نہ آئے تو وہ اپنے اُستاد سے سمجھے اسی لیے صبر نہ کیا اور بار بار سوال کرتے رہے۔ بعض مشائخ نے فرمایا کہ اگرچہ موسیٰ علیہ السلام بظاہر سوال کے درپے رہے لیکن باطناً تسلیم و رضا میں تھے اور اُن کے وہ سوال بھی شریعت کی غیرت پر مبنی تھے۔

فلما اسلما۔ جب حضرت ابراھیم اور اُس کے صاحبزادے حضرت اسمٰعیل علیہما السلام نے حکم خداوندی کے سامنے سر جھکا یا۔

حل لغات:۔ سَلَمَ و اَسْلَمَ و اَسْتَسْلَمَ لِاَمْرِ اللہ کا ایک معنیٰ ہے اور ہر تینوں صیغوں کے ساتھ قرآت وارد ہیں یہ سلم ھذا الفلان سے ماخوذ ہیں۔ یہ اُس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کے لیے خالص ہو جائے جس کا معنیٰ یہ ہے کہ اُس نے اپنے جھگڑے سے سلامتی میں رکھا یہی مقصد اَسْلَمَ و اَسْتَسْلَمَ کا ہے ان کا بھی یہی معنیٰ ہے کہ اس نے اپنے آپ کو خالص اللہ تعالیٰ

[1] مجھے پاؤ گے انشاء اللہ صابر

کے لیے بنایا اسی لیے قتادہ سے اسلما کا معنیٰ اسلم ابراھیم ابنہ و اسماعیل نفسہ منقول ہے، یعنی ابراہیم علیہ السلام اپنے صاحبزادہ کو اور اسمٰعیل علیہ السلام نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا۔

وتلّہ للجبین ۔ اور اُسے ماتھے کے بل لٹایا۔

حل لغات: القاموس میں ہے کہ تلّہ بمعنی صرعہ و القاہ علی عنقہ وخدہ یعنی اُس نے اسے گردن اور چہرے کے بل لٹایا۔ الجبین۔ پیشانی کی ایک جانب کو کہا جاتا ہے اس معنیٰ پر کان کی لو کے اُوپر سے چہرے کی دو جبینیں ہوئیں۔ ایک پیشانی کے دائیں جانب دوسرا بائیں جانب۔ امام راغب نے لکھا کہ تلّ دراصل مکان مرتفع (اُونچے) کو کہا جاتا ہے۔

التلیل بمعنی العنق (گردن) اب معنیٰ یہ ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام نے اسمٰعیل علیہ السلام کو گردن کے بل لٹایا۔ امام راغب کے غیر نے لکھا کہ ابراہیم علیہ السلام نے اسمٰعیل علیہ السلام کو ہونٹوں کے بل گرایا اس اعتبار سے اسمٰعیل علیہ السلام کی پیشانی گرائی گئی اس طرح سے امر حق کی اتباع مکمل طور ہوتی اور اسمٰعیل علیہ السلام کے صبر و استقامت کا پورے طور اظہار ہوتا ہے۔ یہ طریقہ اس لیے اختیار کیا گیا تاکہ رب رحمٰن راضی اور شیطان ابلیس کو غم زدہ کریں۔ یہ قربانی منیٰ میں یا مسجد منیٰ کی وہ جگہ جو اونچی ہے۔ میں واقع ہوئی یا وہاں واقع ہوئی جہاں آج کل لوگ منیٰ میں اپنی قربانیاں قربان کرتے ہیں۔

کنکریاں مارنے کا آغاز

مروی ہے کہ ابلیس حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جمرہ عقبہ میں ملا تو آپ نے ابلیس کو سات کنکریاں ماریں تو وہ بھاگا پھر جمرہ عقبیٰ کبریٰ میں دوبارہ ابلیس حاضر ہوا تو ابراہیم علیہ السلام نے انہیں وہاں بھی سات کنکریاں ماریں تو ابلیس بھاگا اس کے بعد ابراہیم علیہ السلام چل پڑے اور اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ اُسی وقت سے حج میں کنکریاں مارنے کا آغاز ہوا اور یہ حج میں واجبات سے ہے جو انہیں ترک کردے تو اس پر فدیہ واجب ہے اور اس پر جملہ ائمہ کا اتفاق ہے۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے دقۃ النظر اس میں ہے کہ حق ربوبیت کی حفاظت اداب ربوبیت کی رعایت میں ہے۔ قصہ اسمٰعیل میں ہے کہ اسمٰعیل علیہ السلام نے ابراہیم علیہ السلام سے عرض کی کہ اباجی ذبح سے پہلے میرے ہاتھ پاؤں باندھ دینا تاکہ جب میں ذبح کے وقت اچھلوں کودوں تو آپ کی بے اُدبی و گستاخی نہ ہو جائے۔ جب ان کے ہاتھ پاؤں باندھ کر ابراہیم علیہ السلام نے ذبح کرنے کا ارادہ کیا تو پھر اسمٰعیل علیہ السلام نے عرض کی اباجی میرے ہاتھ پاؤں چھوڑ دیجئے تاکہ مجھے

میرا مولیٰ عتاب نہ کرے کہ یہ میرے اس محبوب ابراھیم علیہ السلام کے ہاتھوں باندھا ہوا ہے جو مہبری الطاعت ہیں مصروف رہتا ہے ؎

و لو بید الحبیب سقیت سما
لکان اسم من یداہ یطیب

ترجمہ:۔ اگر میں اپنے محبوب سے زہر پیوں تو محبوب کے ہاتھ کی زہر شہد و شیریں ہے۔

اسی لیے کہا گیا ع

ضرب الحبیب یطیب

ترجمہ:۔ محبوب کا مارنا ہر میٹھے سے میٹھا ہے۔

؎ از دست تو مشت بر دہان خوردن
خوشتر کہ بدست خویش نان خوردن

ترجمہ:۔ تیرے ہاتھ سے مکّے کھانا اس روٹی کھانے سے بہتر ہے جو اپنے ہاتھ سے کھائی جائے۔

وناديناہ ان۔ یہ اَن مفسرہ ہے نادیناہ مقدر کی تفسیر کرتا ہے۔ یعنی ہم نے اسے ان الفاظ یا ابراھیم قد صدقت الرؤیا۔ سے پکارا۔ اے ابراھیم علیہ السلام آپ نے اپنا خواب سچا کر دکھایا۔ اگرچہ ابراہیم علیہ السلام نے خواب کے مطابق اسمٰعیل علیہ السلام کے گلے پر چھری نہیں چلائی لیکن چونکہ اُنہوں نے اپنے ارادہ کی پختگی دکھائی اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ صدقت الرؤیا۔

عارف جامی قدس سرہٗ نے شرح الفصوص میں لکھا کہ قد صدقت بمعنی حقیقت الصورۃ المرئیۃ (میں نے صورت مرئیہ کو حقیقت کر دکھایا۔ آپ نے صورت مرئیہ کو محقق فرمایا اور ذبح پر اقدام کر کے اس کے مقدمات کے لیے معترض ہو کر اسے صورت حسیّہ خارجیہ کو صادق اور مطابق بنایا۔

چھری نہ چل سکی

مروی ہے کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام نے چھری اسمٰعیل علیہ السلام کے حلق پر بڑے زور سے چلائی لیکن چھری نہ چل سکی پھر چھری گدی پر چلائی لیکن چھری اُلٹ گئی ؎

آں توکل تو خلیلا نہ ترا
تا نبرد تیغت اسمٰعیل را

ترجمہ:۔ خلیل علیہ السلام والا توکل پیدا کرتا کہ تیری تلوار اسمٰعیل کو ذبح نہ کرے۔

جب چھری نہ چل سکی تو یہی ندا آئی۔

جبریل علیہ السلام کی پرواز کی تفصیل:۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ کو بھی کبھی مشقت اور تکلیف پہنچی ہے جب کہ آپ آسمانوں سے زمین تک تیز رفتاری سے آتے ہیں عرض کی ہاں مجھے چار مواقع پر تکلیف پہنچی۔

(۱) جب ابراھیم علیہ السلام کو نمرود نے آگ میں ڈالا تو میں اس وقت عرش کے نیچے تھا اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا ادرک عبدی۔ میرے عبد کو بچایئے میں نے بحکم خداوندی انہیں اپنے ہاتھ میں لے کر عرض کی آپ کو کوئی ضرورت ہو تو فرمایئے انہوں نے فرمایا ہے تو سہی لیکن تیرے کہنے کی نہیں۔

(۲) جب ابراھیم علیہ السلام نے چھری اسمٰعیل علیہ السلام کی گردن پر رکھی تو بھی میں عرش کے نیچے کھڑا تھا مجھے حکم ہوا کہ میرے بندے کو بچایئے میں نے آنکھ جھپکنے سے پہلے اسمٰعیل علیہ السلام کی گردن سے چھری کو الٹ دیا۔

(۳) جب احد میں آپ کو کفار نے زخمی کیا اور آپ کے دندان مبارک کو شہید کردیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خون مبارک کو اٹھا لیجئے اس لیے کہ اگر آپ کے خون مبارک کا ایک قطرہ زمین پر گر پڑا تو زمین قیامت تک نہ انگوری دے گی اور نہ ہی درخت پیدا ہوں گے اس وقت میں نے آپ کا خون مبارک ہاتھ میں لیا اور اسے ہوا میں اڑا دیا۔

(۴) جب یوسف علیہ السلام کو بھائیوں نے کنوئیں میں ڈالا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا میرے بندے یوسف کو بچایئے میں نے انھیں کنوئیں میں پہنچنے سے قبل اٹھا لیا بلکہ میں کنوئیں کی تہ سے پتھر اٹھا کر پانی کے اوپر رکھ دیا جس پر یوسف علیہ السلام کو بٹھا دیا۔

فائدہ:۔ آیت میں لمّا کا جواب محذوف ہے تاکہ معلوم ہو کہ تعبیر خواب تفصیل کے ساتھ مکمل نہ ہوئی پھر قرآن مجید میں وہی کہا جو مذکور ہوا جس کے متعلق ہمارے جیسے بیان نہیں کر سکتے یعنی ہر دونوں کو خوشخبریاں سنائی گئیں اور ان کی کارگزاری کی مدح کی گئی اور ان کے کردار پر ان کو ثواب کا مژدہ سنایا اور انھیں جو انعام عطا فرمایا اس کا اظہار کیا مثلاً بلائیں دور فرمائیں باوجودیکہ وہ بلاؤں کا نشانہ ہو چکے تھے اور انھیں ایسی توفیق بخشی جو پہلے کسی کو نصیب نہ ہوئی اور ظاہر فرمایا کہ تم اور تمھاری اولاد جملہ عالمین سے افضل ہے باوجود ایں ہمہ اجر و ثواب سے بھی نوازے گئے۔

نکتہ:۔ چونکہ انسان اولاد کی محبت میں بہت زیادہ منہمک ہوتا ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ابراھیم علیہ السلام

سے محبوب ترین شے مانگی وہ اس لیے کہ خلّت الٰہی کو غیرت آئی کہ اس کے ساتھ محبت غیر نہ ہو بلکہ قلب سے غیر کی محبت منقطع ہو جائے اسی لیے انھیں حکم فرمایا کہ صاحبزادے کو ذبح کریں اس طرح سے ان کا امتحان ہوا جس میں وہ محبوب ترین شے قربان کردی اس میں توقف بھی نہ کیا اور فوراً صاحبزادہ کو ذبح کرنے کیلئے تیار ہو گئے اس سے ملائکہ کرام کو دکھایا گیا کہ یہ حقیقی خلیل اللہ ہیں کہ انکے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت و خلّت کے سوا اور کچھ ہے نہیں ورنہ آپ سے بچے کو ذبح کرانا مطلوب تھا بلکہ ایسی راز کو ظاہر کرنا مقصود تھا جو اوپر مذکور ہوا نیز بتایا گیا کہ اللہ والے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں اپنی طبیعت کے خلاف کیا کرتے ہیں۔

نکتہ:۔ حضرت عارف جامی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام کے قلب پر محبت الٰہی کا غلبہ تھا کہ اس میں غیر کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا یہاں تک کہ اول میں اپنے باپ یعنی آذر اور اس کی قوم سے بیزاری کا اظہار کیا اور پھر راہِ حق میں بیٹا قربان کرنے کے لیے تیار ہو گئے بلکہ اپنا جملہ مال و متاع اللہ تعالیٰ کی راہ میں لٹا دیا اور مال بھی معمولی نہیں تھا بلکہ آپ کی کثرت مالداری اس دور میں مشہور عالم تھی۔

حضرت ابراھیم علیہ السلام کی مالداری کا بیان

مروی ہے کہ آپ کی بکریوں کے پانچ ہزار ریوڑ تھے اسے دیکھ کر متعجب ہوئے اور کہا کہ یہ کیسے خلیل ہیں کہ مالداری میں اول نمبر پر ہیں۔ ایک دن آپ اپنی بکریاں لے کر جنگل میں چلے آپ کی بکریوں کے نگھبان کتوں کے گلے میں سونے کے طوق تھے اسی وقت ایک فرشتہ آدمی کی صورت میں حاضر ہوا اور تین بار پڑھا سبوح قدوس رب الملائکۃ والروح۔ جب خلیل علیہ السلام نے فرشتے کی تسبیح سُنی تو انہیں شوق ہوا اور اس تسبیح سے متعجب ہوئے اور کہا اے انسان اس تسبیح کو دوبارہ سُنائیے کیونکہ اس میں میرے رب کا ذکر ہے اگر تو دوبارہ یہی تسبیح سُنائے گا تو تجھے اپنا نصف مال دوں گا۔ اگر تو میرے خالق کا ذکر بار بار سنائے گا تو اپنا جملہ مال دے دوں گا یعنی یہی بکریاں جو تمھیں نظر آرہی ہیں یہ سب کی سب تمھیں دے دی جائیں گی بلکہ ان کے ساتھ جملہ خدام بھی تمھیں بخش دوں گا۔ وہ خدام پانچ ہزار تھے۔ حضرت ابراھیم علیہ السلام کی یہ جانثاری دیکھ کر فرشتے مان گئے کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام واقعی اللہ کے خلیل ہیں انھیں ان کی خلّت کا اسی طرح اقرار کرنا پڑا جیسے آدم علیہ السلام کی خلافت کا اقرار کیا تھا۔

فائدہ:۔ یہی وہ اسرار ہے جس کی وجہ سے ابراھیم علیہ السلام کو اَبِ ثانی کہا گیا۔

شیخ کی تقریر:۔ حضرت اسمٰعیل حقّی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ میرے شیخ فرماتے تھے کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام نے توحید کے جملہ مراتب کو جمع فرما لیا تھا اس لیے کہ توحید کے تین مرتبے ہیں:۔

۱۔ افعال　　　۲۔ صفات　　　۳۔ ذات

وہ اس لیے کہ حجابات بھی تین ہیں ۔

۱۔ مال　　　۲۔ اولاد　　　۳۔ بدن

۱۔ توحید افعال مال سے حاصل ہوتی ہے۔
۲۔ توحید صفات اولاد سے حاصل ہوتی ہے۔
۳۔ توحید ذات جسم و روح سے فنا کے بعد حاصل ہوتی ہے۔

حضرت ابراھیم علیہ السلام نے مال کو خرچ کر کے توحید افعال کو حاصل کیا۔ اور فرزند ارجمند کے ذبح کے عزم سے توحید صفات کو پایا اور اپنے جسم کو نارِ نمرود میں ڈال کر توحید ذات حاصل کی۔ ان دلائل سے واضح ہوا کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام نے ان امور سے فنا فی اللہ اور بقاء باللہ کا مرتبہ پایا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حقیقی توحید سے نوازے اور ہم سب کو سرِ تجرید و تفرید سے سرفراز فرمائے (آمین)

انا کذلک نجزی المحسنین ۔ ہم ایسے ہی نیکو کاروں کو جزا دیتے ہیں۔ یہ ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کو رنج و بلا سے نجات دے کر احسان و انعام سے نوازنے کی تعلیل ہے۔

قاعدۂ نسخ:۔ اس آیت سے دلیل پکڑی ہے اہلِ حق نے کہ حکم پر عمل کرنے سے پہلے منسوخ واقع ہو جاتا ہے اس لیے کہ ابراھیم علیہ السلام اپنے فرزند ارجمند کو ذبح کرنے پر مامور ہوئے لیکن ابھی صاحبزادے کو ذبح کرنے کا وقت نہ ملا تو حکم منسوخ ہو گیا۔

معتزلہ کا ردّ:۔ یہاں سے معتزلہ کی تردید ہو گئی اس لیے کہ آیت میں دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کبھی ایسے امر کا حکم فرماتا ہے جس کے متعلق بندے سے ادائیگی کا اسے ارادہ نہیں ہوتا کیونکہ ابراھیم علیہ السلام کے لیے حکم تو فرمایا کہ فرزند ارجمند کو ذبح کیجئے لیکن اس سے اس کا ارادہ نہیں تھا اس لیے کہ اگر ارادہ ہوتا تو اسمٰعیل علیہ السلام کو ضرور ذبح کیا جاتا۔ اور معتزلہ کا مذہب ہے کہ امر اور ارادہ کبھی مختلف نہیں ہوتے۔ (اسئلۃ المقحمہ)

ان ھذا لھو البلاء المبین ۔ بیشک یہ امر ابراھیم علیہ السلام کے لیے کھلی آزمائش تھی یعنی وہ آزمائش جس سے مخلص و غیر مخلص کا امتیاز کیا جاتا ہے یا وہ ایسی سخت آزمائش تھی کہ اس سے بڑھ کر اور کوئی آزمائش نہ ہوگی۔

تفسیر صوفیانہ:۔ حضرت امام بقلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی بظاہر تو آزمائش فرمائی لیکن درحقیقت آزمائش نہ تھی بلکہ آپ کی منزلیں طے ہوئیں اس لیے کہ ان امور میں انہیں مشاہدات حق اور شہود اسرار حقائق مکاشفات سے نوازا گیا اِسے

اصطلاحِ تصوف میں قربات کے بہت بڑے مراتب میں شمار کیا جاتا ہے اور حقیقی آزمائش تو اُس کے لیے ہے جس کے لیے مشاہدہ حق سے حجابات لٹکائے جائیں اگرچہ ایک آن کے لیے سہی۔

فائدہ: حضرت حریری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آزمائش تین قسم ہے:

۱۔ مخالفین کے لیے عذاب وعقوبات۔

۲۔ سابقین یعنی سالکین کے لیے کفارۂ ذنوب۔

۳۔ اولیاء و صدیقین کے عشق کے درد میں اضافہ۔

یاد رہے اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوبوں کے درمیان کوئی آزمائش ہوتی ہی نہیں جسے ہم آزمائش کہتے ہیں وہ ان کے لیے نعمت وراحت ہوتی ہے ؎

جامیا دل بغم و درد بہ اندر رہ عشق
کہ نشد مرد رہ آنکس کہ نہ ایں درد نشید

ترجمہ: اے جامی (رحمۃ اللہ علیہ) عشق کے درد میں دل لگا دیجئے اس لیے کہ جس نے یہ درد نہیں کھینچا وہ مرد راہ نہیں ہوسکا۔

وفدیناہ بذبح: اور ہم نے اسمٰعیل علیہ السلام کے فدیہ میں ہر وہ شے دی جو ان کے بدلے میں ذبح کی گئی اور ان کو ذبح سے بچا لیا گیا۔ فدیہ دینے والے دراصل تو ابراھیم علیہ السلام تھے لیکن مجازاً اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اس لیے منسوب فرمایا کہ وہی فدیہ کی چیز عطا کرنے والا اور وہی اس کا حکم دینے والا ہے۔

عظیم ۔عظیم الجثہ یعنی موٹی قربانی۔ اسی لیے قربانی میں اسی قسم کا جانور قربان کرنا سنت ہے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی قربانیوں کو موٹا کرو وہی پلصراط پر تمھاری سواریاں ہوں گی یا اس سے عظیم القدر مراد ہے وہ اس لیے کہ انہی کی نسل سے عظیم الشان سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے ظہور پذیر ہوئے۔

تفسیر صوفیانہ:

ذبح کو اس لیے عظیم کہا گیا کہ وہ دو بڑے نبیوں کا فدیہ بنا یعنی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام و حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ وہ اس لیے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی پشت مبارک میں تھے۔

سوال: اسئلۃ الحکم میں ہے کہ ذبح کو عظیم کیوں کہا حالانکہ دوسرے جانور مثلاً گائے اونٹ دنبے عظیم تر ہیں اور پھر دنبہ صرف ایک طرف سے ہوتا ہے اور ان میں سات

افراد شامل ہوتے ہیں۔

جواب: دنبے اور نفس مسلمہ فانی فی اللہ کو آپس میں مناسبت تامہ ہے اس لیے کہ وہ صرف ذبح کے لیے ہی پیدا کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آخرت میں موت کو دنبے کی شکل میں پل صراط پر کھڑا کر کے ذبح کیا جائے گا۔ ایسے ہی نفس مسلمہ فنا کلی اور تسلیم و انقیاد کے لیے سر خم کر دیتا ہے۔ اسی معنیٰ پر اسے اللہ تعالیٰ نے عظیم کہا اور ظاہر ہے کہ ہر شے کی فضیلت صورت کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کے معنیٰ کی وجہ سے ہوتی ہے کیونکہ صورت کی فضیلت معنیٰ کے تابع ہوا کرتی ہے اور دنبے کے علاوہ دوسری قربانیاں مثلاً گائے۔ اونٹ وغیرہ ہمارے مقصود صرف ذبح نہیں بلکہ ان سے اور کام بھی لیا جاتا ہے مثلاً ان پر سوار ہونا اور بوجھ لادنا بلکہ یہی ان سے اصلی مقصود ہے۔

فائدہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ یہ دنبہ بہشت سے لایا گیا تھا۔

اعجوبہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا یہ دنبہ وہی تھا جسے ہابیل نے قربانی کے لیے بارگاہ ایزدی میں پیش کیا تو وہ اللہ تعالیٰ نے قبول فرما کر اسے بہشت میں اٹھوا لیا اور وہ وہیں پر تربیت پاتا رہا یہاں تک کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا فدیہ بنا۔ اگرچہ دورِ سابق کی قربانیوں کو آگ جلا دیتی تھی لیکن اس قربانی کو آگ نے بحکم خداوندی جلانے کے بجائے اٹھا کر بہشت میں پہنچا دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ غلطی پر ہیں جو سمجھتے ہیں کہ اس دنبے کو بھی آگ نے جلا دیا تھا۔ (انسان العیون)

تطبیق الاقوال: یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ معانی متجسم ہو کر باقی رہ جاتے ہیں ایسے ہی رُوح بھی متجسم ہو کر باقی رہ جاتا ہے۔ اس معنیٰ پر بعض لوگوں کا قول بھی صحیح ہو جاتا ہے کہ اس دنبے کو اگرچہ بظاہر آگ نے جلا دیا لیکن اس دنبے کی روح متجسم ہو کر بہشت میں تربیت پاتی رہی یہاں تک کہ ابراھیم علیہ السلام نے اسے دوبارہ ذبح فرمایا۔

فائدہ: مروی ہے کہ یہ دنبہ ابراھیم علیہ السلام سے پہلی بار بھاگ کر جمرہ کے قریب پہنچا جسے ابراھیم علیہ السلام نے سات کنکریاں ماریں پھر پکڑ کر اسے ذبح کر دیا اسی لیے آج تک کنکریاں مارنے کی سنت باقی ہے۔

فائدہ: مروی ہے کہ جب ابراھیم علیہ السلام نے پڑھا لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر۔ حضرت ابراھیم علیہ السلام نے کہا اللہ اکبر و للہ الحمد۔ اسی ذبح کے وقت یہی کلمات پڑھنا سنت ہو گئے جو قیامت تک جاری رہیں گے۔

ذبح تین:۔ ذبح تین ہیں:۔
۱۔ ذبح ہابیل ۲۔ ذبح ابراھیم ۳۔ قیامت کے دن موت کو دنبے کی صورت میں ذبح کیا جائے گا۔

فداء بھی تین:۔ ۱۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا فدیہ ہابیل کا دنبہ ہوا۔
۲۔ قیامت میں ہر اہل ایمان کا فدیہ کافر ہوگا کہ ہر مومن کافر کو اپنے فدیہ کے طور پر اس کی پیشانی سے پکڑ کر جہنم میں ڈالے گا۔
۳۔ اللہ تعالیٰ حیاتِ ابدیہ عطا کرنے کے لیے موت کو دنبے کی شکل میں لاکر پل صراط پر ذبح کرائے گا۔ پھر اسے جہنم میں پھینک دینے کا حکم فرمائے گا اس سے اہل بہشت کو بہشت دائمی رہائش کی خوشخبری اور اہل نار کو دائمی عذاب کی اطلاع دی جائے گی۔

مراتب توحید:۔ اس میں توحید کے مراتب کی طرف اشارہ ہے کہ ذبح ہابیل میں توحید افعال کی طرف اور ذبح یحیٰی علیہ السلام میں توحید صفات کی طرف اور ذبح اسمٰعیل میں توحید ذات کی طرف اشارہ ہے اور ذبح ابراھیم علیہ السلام کو توحید ذات کا درجہ اس لیے ملا کہ وہ توحید ذات اور فناء کلی فی ذات الکلی کا مرتبہ رکھتے ہیں اس لیے ان کی ذبح تمام ذبائح سے افضل اور ان کا فدیہ تمام فدیوں سے اکمل ہے۔

نکتہ:۔ قاعدہ شرعیہ ہے کہ جس حاجی پر دم واجب ہو جائے اس سے بغیر ادائیگی ساقط نہیں ہوتی چونکہ یہ قربانی حضرت ابراھیم علیہ السلام پر واجب ہو چکی تھی اسی لیے دنبہ فدیہ کے طور پر ذبح کیا گیا۔

مسئلہ عجیبہ:۔ کسی نے منت مانی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے فرزند کو ذبح کرے گا تو احناف فرماتے ہیں کہ اسے بکری ذبح کرنی چاہیئے۔

فائدہ:۔ اللہ تعالیٰ نے ابراھیم علیہ السلام کو فرزند ذبح کرنے کا حکم فرمایا تو گویا فرزند ابراھیم علیہ السلام (مطلقاً) دنبہ کی صورت میں ہوا یہی وجہ ہے کہ قیامت میں اسی دنبہ کو ولد ابراھیم علیہ السلام کی حیثیت سے بہشت میں لایا جائے گا اور حکم ہوگا کہ جس دروازے سے چاہے بہشت میں جائے پھر اسی دنبہ کی شکل کو تو ذبح کر دیا جائے گا لیکن اسی کو ولد ابراھیم علیہ السلام کی صورت عطا ہوگی جو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بہشت میں رہے گا۔

نکتہ:۔ اسی لیے حکم ہے کہ ہر انسان اپنے عقیقہ میں گروی ہے اگر اللہ تعالیٰ ابراھیم علیہ السلام کی طرف

ـ ے دنبہ فدیہ نہ بنتا تو قیامت تک حکم ہوتا کہ ہر شخص اپنی اولاد میں سے ایک فرزند راہِ خدا میں ذبح کرے۔

عجیب تقریر: اس مقام پر تحقیق یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں دنبہ فرزند کی شکل میں ذبح کرتا ہوا دکھایا گیا اور دنبے کی مناسبت کی وجہ سے ہم پہلے لکھ چکے ہیں اور وہ ہے سرِ تسلیم خم اور فرمانبرداری۔ اس معنیٰ پر خواب میں ذبح کے حکم سے یہی دنبہ مراد تھی نہ کہ فرزند ابراہیم علیہ السلام۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ذبح سے وہی دنبہ مراد تھا جو فرزند ابراہیم علیہ السلام کی صورت میں دکھایا گیا اسی لیے فرمایا کہ اسمٰعیل علیہ السلام کے بدلے میں ذبح عظیم فدیہ بنا۔ اس تقریر کو عقل بھی مانتی ہے وہ اس لیے کہ خواب میں علم دودھ کی صورت میں نظر آتا ہے خواب میں دودھ دیکھنا واقعی وہ دودھ نہیں ہوتا بلکہ شکل میں دودھ ہوتا ہے لیکن درحقیقت وہ علم ہوتا ہے۔

نکتہ: اگر ابراہیم علیہ السلام خواب میں بیٹے کے ذبح سے دنبہ مراد لے کر بیٹے کو قربانی میں پیش کرتے تو اہلِ دنیا کو ان کے کمال فناء اور سرِ تسلیم خم کرنے کا بلند مرتبہ ایسے ہی ان کے صاحبزادے کا قربانی کے لیے تیار ہو جانے کا کمال کیسے معلوم ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے خود یہی اہتمام فرمایا تاکہ لوگوں کو ان کا سرِ تسلیم خم کرنا اور امرِ الٰہی کے سامنے جھک جانے کا کمال معلوم ہو اسی لیے ابراہیم علیہ السلام سے تعبیر خواب مخفی رکھی گئی اور خواب کے اصلی مقصد کو اس وقت پوشیدہ رکھا گیا جب تک کہ خواب کو سچا کر کے نہ دکھایا اور یہ تمام سرگزشت صرف حکمت ایزدی کے تحت ہوئی تھی۔

ردِّ عیسائیت: علماء کا اختلاف ہے کہ یہاں پر ذبح ہونے والے اسمٰعیل علیہ السلام تھے یا اسحاق علیہ السلام صحیح تر یہی ہے کہ ذبح ہونے والے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تھے۔ یہی اکثر مفسرین کی رائے ہے اس لیے کہ بلکہ اسمٰعیل علیہ السلام کے فدیہ دینے والے دنبے کے دو سینگ کعبہ میں لٹکے رہے یہاں تک کہ حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ اور حجاج ظالم کے لڑائی کے دوران جب حجاج ظالم نے کعبہ کو جلایا تو وہ دونوں سینگ بھی جل گئے۔ اور ظاہر ہے کہ اسحاق علیہ السلام اس واقعہ کے لیے کعبہ معظمہ میں نہیں تھے۔

دُنبے کے سینگ کہاں؟: فضائل القدس میں ہے کہ بیت المقدس کے پتھر پر قبہ خاص کے درمیان ایک بیش بہا قیمتی موتی اور کبش ابراہیم علیہ السلام کے دونوں سینگ اور کسریٰ کا تاج عبدالملک بن مروان کے دورِ حکومت تک موجود رہے جب حکومت بنو ہاشم کی طرف منتقل ہوئی تو انہوں نے یہ چیزیں کعبہ معظمہ میں رکھوادیں۔

سوال: تم پہلے قاعدہ لکھ آئے ہو کہ اُمم سابقہ کی قربانیوں کو آگ جلا دیتی تھی اب کہتے ہو کہ دنبے کے سینگ موجود رہے۔

جواب: ہم پہلے بھی لکھ آئے ہیں کہ قاعدہ اپنے مقام پر صحیح ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اُمت کے

سوا باقی تمام اُمتوں کے لیے یہی حکم تھا جو مذکور ہوا لیکن اس کے متعلق کچھ ہم لکھ چکے ہیں کچھ اب لکھتے ہیں اس کے بہت سے وجوہ ہیں:

(۱) کسی شے کے جل جانے سے ضروری نہیں کہ وہ شے قابل انتفاع ہی نہ رہے اسی لیے لازم نہیں کہ وہ شے دونوں سینگ بالکل جل گئے تھے۔

(۲) وہ آگ قربانی کے جملہ جسم کو راکھ نہیں بنا دیتی تھی بلکہ وہ صرف گوشت اور چربی کو کھا جاتی تھی بقایا ویسے ہی چھوڑ جاتی تھی چنانچہ مروی ہے کہ بنی اسرائیل جب قربانی کرتے تو اس کا گوشت اور چربی ایک جگہ رکھ کر اپنے وقت کے نبی علیہ السّلام کو بلا کر اس کی قبولیت کی دعا کراتے یہاں تک کہ وہ آگ آکر کھا جاتی۔ اس سے ثابت ہوا کہ قربانی کے جملہ اجزاء نہیں کھا جاتے اور نہ ہی آگ میں جملہ اعضاء جل جاتے۔

(۳) یہاں پر صرف آگ کا قربان کو مس کرنا مراد ہے جیسا کہ ہابیل کی قربانی میں تصریح موجود ہے۔

سوال: تمہارا مذکورہ کلیہ مندرجہ ذیل واقعہ سے ٹوٹتا ہے وہ یہ کہ مروی ہے کہ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے منت مانی کہ ہمیں چاہِ زمزم پر آگاہی نصیب ہو اور ہم اسے کھود کر اس سے نفع اُٹھائیں اور میرے دس بچے ہوں تو ان سے میں ایک راہِ خدا میں قربان کروں گا۔ چنانچہ حضرت عبدالمطلب کی مراد پوری ہوئی تو اُنہوں نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد گرامی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ننھیال نے اس ارادہ سے روک کر فدیہ کا مشورہ دیا چنانچہ اُونٹ کے طور ذبح کیے گئے جسے آگ نے نہیں جلایا بلکہ سب نے مل کر وہ گوشت کھایا۔

جواب: ظاہر ہے کہ وہ دور جاہلیت تھا اور ہم نے اس دور کے لیے کلیہ لکھا ہے جس میں وقت کا کوئی نبی علیہ السلام موجود ہو کیونکہ وہ دُعا فرماتے تو قربانی قبول ہو جاتی جسے آگ جلا جاتی۔ لیکن یہ جواب اِسے سمجھ آئے گا جسے علم تفسیر سے حظِ وافر نصیب ہو گا۔

تطبیق: بعض مشائخ نے فرمایا کہ ذبیح سے حضرت اسمٰعیل و اسحٰق دونوں مراد ہیں وہ اس لیے کہ صورت ذبح پہلے اسمٰعیل علیہ السلام میں ظاہر ہوئی پھر اسحٰق علیہ السلام میں اس لیے کہ ان دونوں کو حضرت ابراھیم علیہ السلام کی وراثت حاصل تھی یعنی وراثت تفویض و انقیاد جو ذبح کی شکل میں ظاہر ہوئی یہی وجہ ہے کہ بشارت الٰہیہ میں دونوں مشترک ہیں کما قال اسمٰعیل علیہ السلام **وبشرناہ بغلامٍ حلیم** اور اسحٰق علیہ السّلام کے لیے فرمایا **وبشرناہ باسحاق**۔ اس سے واضح ہوا کہ اسمٰعیل و اسحاق دو صورتیں تھیں لیکن معنی و حقیقت ہر دونوں کی ایک تھی۔ اس سے ثابت ہوا کہ ذبیح اسمٰعیل علیہ السلام کو کہا جائے

تو بھی کوئی حرج نہیں۔ اگر اسحٰق علیہ السلام کو کہا جائے تو بھی اس لیے کہ ہر دونوں ابراہیم علیہ السلام کا راز تھے جن کی صورت علیٰحدہ لیکن معنی ہر دونوں کا ایک تھا۔ (یہ صوفیانہ مفہوم ہے جسے مخالفین نصاریٰ نہ مانیں تو وہ مجبور ہیں۔ تفصیل فقیر کی تفسیر اویسی میں ہے۔)

تفسیر عالمانہ: وتركنا عليه فی الآخرين۔ اور ہم نے آنے والی نسلوں کے لیے ابراہیم علیہ السلام کی تعریف باقی رکھی۔ سلام على ابراهيم۔ وہ تعریف یہی ہے کہ انہیں کہا جائے سلام علیٰ ابراھیم۔ ابراہیم علیہ السلام پر سلام ہو۔ اس کی مختصر تشریح سلام علیٰ نوح فی العلمین میں گزری ہے۔

كذالك نجزى المحسنين۔ یہ کاف مابعد سے متعلق اور ذلك کا اشارہ آنے والی نسلوں میں ابراہیم علیہ السلام کے ذکر جمیل باقی رہنے کی طرف ہے۔ اس کی طرف اشارہ نہیں جو مضمون سابق ہے ہماری اس تقریر سے ثابت ہوا کہ کلام میں تکرار نہیں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اسی جزا رکامل کی طرح ہم نیکوکاروں کو نیک جزا سے نوازتے ہیں۔ اس کا معنیٰ یہ نہیں کہ ان کی جزا دوسرے محسنین سے ادنیٰ درجہ کی تھی بلکہ مطلب یہ ہے کہ ہم نے جو کچھ ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ کیا وہ اس کے لائق ومستحق تھے اس لیے کہ ایسے نیکوکاروں کو ہم ایسی ہی کامل جزا دیا کرتے ہیں۔ انه من عبادنا المؤمنين۔ بیشک وہ ہمارے ان بندوں سے تھے جو علیٰ درجہ الایقان والاطمینان راسخ الایمان ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ المؤمنین سے المخلصین مراد ہیں یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے بندے جو ایمان میں اخلاص رکھتے ہیں حالانکہ ان کے اخلاص میں نہ دنیا کی بو ہے نہ خواہشاتِ نفسانی کی ملاوٹ بلکہ وہ ماسوی اللہ سے بالکل فارغ ہوتے ہیں

تفسیر عالمانہ: وبشرنٰه۔ اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو خوشخبری دی۔

حل لغات:۔ التبشير بمعنی ایسی خبر دینا جو مخبر بہ میں سرور کا اظہار ہو۔ تباشیر الصبح۔ اسی سے ہے۔ صبح کی وہ روشنی جو رات کے اختتام کے بعد فوراً معرض وجود میں آتی ہے۔ باسحٰق۔ اسحٰق علیہ السلام کے متعلق جو بی بی سارہ رضی اللہ عنہا سے پیدا ہوئے نبیا من الصّٰلحين۔ جو نبی ہونے والے تھے یعنی اُن کے مقدر کا تقاضا تھا کہ وہ نبی ہوں گے اور اُن کے مقدر میں تھا کہ وہ صالحین سے ہوں گے یہ دونوں حال ہیں اسی لیے بشارت کے وقت مبشر بہ کے اظہار کی ضرورت نہیں۔ میں نے دوالحال کا ہونا ضروری نہیں ہاں فعل کے متعلق کا مقارن ہونا ضروری ہے تاکہ حال کا معنیٰ حاصل ہو سکے۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ نبی سے وہ مراد ہے جسے منجانب اللہ الہام ہو۔ ایسے لوگوں سے منقول ہے کہ حدثنی قلبی عن ربی۔ یعنی میرے دل نے اللہ تعالیٰ سے بات بیان کی۔ اور الصالحین سے وہ لوگ مراد ہیں جو بلا واسطہ فیض الٰہی کے قبول کرنے کی استعداد رکھتے ہوں۔

نکتہ: نبوت کے بعد صالحیت کا ذکر محض ان کی شان قدر کی عظمت کے لیے ہے نیز اشارہ ہے کہ نبوت کی غایت صالحیت ہے اس لیے کہ صالحیت میں علی الاطلاق کمال و تکمیل کا معنیٰ بالفعل پایا جاتا ہے۔

فائدہ: اواخر سورۃ یوسف میں اسے ہم نے مفصل طور پر بیان کیا ہے۔ **و بارکنا علیہ** ۔ اور ہم نے ابراھیم علیہ السلام کو اولاد کے بارے میں برکتیں عطا فرمائی ہیں۔

و علی اسحٰق ۔ اور اسحاق علیہ السلام کو بھی بایں طور کہ ان کی اولاد سے انبیاء علیہم السلام پیدا ہوئے بنی اسرائیل کے انبیاء ورسل کے علاوہ بھی جیسے ایوب اور شعیب علیہما السلام یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ہم نے انہیں دنیا و آخرت کی برکات سے فیضیاب فرمایا۔ **ومن ذریتہما محسن** ۔ اور ان کی اولاد میں سے بعض نیکوکار تھے یعنی اعمال صالحہ والے تھے اور ایمان و طاعت میں بھی کامل و مکمل تھے۔ **وظالم لنفسہ** اور بعض ان میں کفر و معاصی کے ارتکاب سے اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے تھے۔ **مبین** ۔ ان کا ظلم ظاہر تھا۔

ازالۂ وہم: اس میں اشارہ ہے کہ اولاد کا کافر و مجرم ہونا ان کے لیے عیب و نقص کا موجب نہیں ہے اس لیے کہ انسان کو اپنے کیے کی جزا و سزا ملتی ہے۔ دوسرے کی جزا و سزا سے اسے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ کما قال اللہ تعالیٰ ولا تزر وازرۃ وزر اُخریٰ[1]۔

مسئلہ: صلاح و فساد میں اور طاعت و معصیت میں نسب کو کوئی تعلق نہیں کبھی نیک سے بد اور مومن سے کافر کبھی اس کے برعکس پیدا ہوتے ہیں جس کی جو فطرت ہے وہ اسی کے مطابق ہوگا اپنی فطرت سے نہ کوئی بدل سکتا ہے نہ اس میں تغیر آسکتا ہے۔ اس میں یہود کے طمع کی جڑ کاٹنا مقصود ہے کہ وہ فخر کرتے ہوئے کہتے کہ ہم انبیاء علیہم السلام کی اولاد ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا بنی ھاشم لا یاتینی الناس

---

[1] کوئی دوسرے کا بوجھ اٹھائے گا ۱۲

باعمالہم وتاتونی بانسابکم ۔ وتاتونی میں واو صرف کی ہے اسی لیے منسوب ہے اس کا نون جمع محذوف ہے اور یہ نون وقایہ کا ہے یعنی لوگوں کے اعمال اور تمہارے انساب جمع نہیں ہوسکیں گے فاہذا تم میرے ہاں اعمال صالحہ لے کر آنا۔

فائدہ:۔ اس میں ان کی تقبیح مقصود ہے کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاں انساب کا فخر کرتے تھے حالانکہ مقصود اعمال صالحہ تھے ؎

افتخر باتصالك من علی
واصل البولة الماء القراح

ترجمہ:۔ کیا تجھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اتصال کا فخر ہے پیشاب بھی خالص پانی سے بگڑتا ہے۔

ولیس نبافع نسب زکی
تدنسه صنائعك القباح

ترجمہ:۔ نسب زکی کوئی نفع نہیں دیتا اس لیے کہ تیرے اعمال تیری نسب کو برباد کر دیتے ہیں۔

کسی شاعر نے فرمایا ؎

وما ینفع الاصل من هاشم
اذا کانت النفس من باهله

ترجمہ:۔ ہاشم کی تقدیر ہونا کوئی نفع نہیں دے گا جب عادت باہلہ قبیلہ کی ہو۔

فائدہ:۔ باہلہ قبیلہ اپنی ونادت (خساست) میں اس لیے مشہور ہے کہ وہ طعام بچا کر دوبارہ اسی کو کھاتے اور مردار ہڈیوں کو صاف ستھرا کر کے کھا جاتے تھے ؎

گر بنگری باصل ہمہ بنی آدم اند
زاں اعتبار جملہ عزیز و مکرم اند

ترجمہ:۔ غور سے دیکھو تو تمام بنو آدم ہیں اور اسی اعتبار سے عزیز و مکرم ہیں۔

بیش اند ناس صورت نسناس سیرتان
خلق کہ آدمند بخلق و کرم کنند

ترجمہ:۔ بہت سے انسانی صورت لیکن نسناس سیرت ہیں آدمی خلق کا نام ہے اور کرم سے گرویدہ کر سکتا ہے۔

مثال مشہور ہے ذهب الناس وما بقي الا النسناس ۔ لوگ چلے گئے نسناس رہ گئے۔ نسناس وہ ہیں وہ جو انسان کے مشابہ ہیں حالانکہ وہ انسان نہیں۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ○ وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا
مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ○ وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ○
وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ○ وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ
الْمُسْتَقِيْمَ ○ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِى الْاٰخِرِيْنَ ○ سَلٰمٌ عَلٰى
مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ○ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ○ اِنَّهُمَا مِنْ
عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ○ وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ○ اِذْ
قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَلَا تَتَّقُوْنَ ○ اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ
الْخٰلِقِيْنَ ○ اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ○
فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ○ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ
وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِى الْاٰخِرِيْنَ ○ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ ○
اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ○ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ○
وَاِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ○ اِذْ نَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ○
اِلَّا عَجُوْزًا فِى الْغٰبِرِيْنَ ○ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ○ وَاِنَّكُمْ
لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ ○ وَبِالَّيْلِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○

ترجمہ :۔ اور بیشک ہم نے موسیٰ اور ہارون پر احسان فرمایا اور انھیں ان کی قوم کی بڑی سختی سے نجات بخشی اور اُن کی ہم نے مدد فرمائی تو وہی غالب ہوئے اور ہم نے ان دونوں کو روشن کتاب عطا فرمائی اور ان کو سیدھی راہ دکھائی اور پچھلوں میں ان کی تعریف باقی رکھی۔ سلام ہو موسیٰ اور ہارون پر۔ بیشک ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں نیکوں کو۔ بیشک وہ دونوں ہمارے اعلیٰ درجہ کے کامل الایمان بندوں میں ہیں۔ اور بیشک الیاس پیغمبروں سے ہے۔ جب اُس نے اپنی قوم سے فرمایا کیا تم ڈرتے نہیں کیا بعل کو پوجتے ہو اور چھوڑتے ہو سب سے اچھا پیدا کرنے والے اللہ کو جو رب ہے

تمھارا اور تمھارے اگلے باپ دادا کا۔ پھر انہوں نے اسے جھٹلایا تو وہ ضرور پکڑے آئیں گے مگر چنے ہوئے بندے اور ہم نے پچھلوں میں اس کی ثنا باقی رکھی۔ سلام ہو الیاس پر بیشک ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں نیکوں کو۔ بیشک وہ ہمارے اعلیٰ درجہ کے کامل الایمان بندوں میں ہے اور بیشک لوط پیغمبروں میں ہے جبکہ ہم نے اسے اور اس کے سب گھر والوں کو نجات بخشی۔ مگر ایک بڑھیا کہ رہ جانے والوں میں ہوئی۔ پھر دوسروں کو ہم نے ہلاک فرمادیا۔ اور بیشک تم ان پر گزرتے ہو صبح کو اور رات میں تو کیا تمھیں عقل نہیں۔

بقیہ صـ ۲۴۰

کسی شاعر نے کہا ہے

اصل را اعتبار چنداں نیست
روئی ہمچو ورد خنداں نیست

ترجمہ:۔ اصل کا چنداں اعتبار نہیں منہ گلاب کی طرح خنداں نہیں۔

می زغورہ شود شکر از نے
عسل از نحل حاملت بقی

ترجمہ:۔ شراب انگور کے غورہ سے اور شکر کماد سے شہد مکھی کی قے سے حاصل ہوتی ہے۔

عاقل وہ ہے جو نسب وحسب سے دھوکہ نہیں کھاتا اور یوم حساب کے لیے عمل صالح نافع میں جدوجہد

سبق:۔ کرتا ہے۔ سید نا زین العابدین رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے اللہ میں اس طریق کار سے پناہ مانگتا ہوں جو لوگوں کی نظروں میں تو میرے اعمال نیک نظر آئیں لیکن میرا باطن قبیح ترین ہو۔ اللہ تعالیٰ سے نیکی کی توفیق چاہتا ہوں۔

تفسیر عالمانہ:۔ ولقد مننا علی موسیٰ وھارون۔ بیشک ہم نے منت لگائی موسیٰ و ہارون پر۔

حل لغات:۔ المنان۔ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے وہ ذات جو ابتداءً کسی بدلہ کی طلب کے بغیر عطا فرمائے مثلاً کہا جاتا ہے من علیہ منا۔ یہ اس وقت بولتے ہیں۔ جب کوئی کسی کو کوئی شے عطا فرمائے اور کہا جاتا ہے من علیہ منۃ۔ یہ اُس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کو اپنا احسان جتلائے ایسے ہی امتن۔

مسئلہ: اپنا احسان جتلانا مخلوق کے لیے ناجائز ہے اور خالق جتلائے تو وہ مالک ہے کما قال بل اللہ یمن علیکم ۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ بخدا ہم نے موسیٰ وہارون علیہما السلام پر نبوت و دیگر دینی و دنیوی نعمتوں سے مالا مال فرما کر احسان کیا۔ ونجینٰھما و قومھما اور انھیں اور ان کی قوم یعنی بنی اسرائیل کو نجات بخشی من الکرب العظیم بڑی سختی سے یعنی فرعون کے عذاب اور قبطیوں کے ایذا رسے اسی سورۃ کے ابتدار میں کرب کا معنیٰ تفصیل سے گزرا ہے۔

کابطہ: جبکہ کرب وغیرہ سے نجات دلانا ان سے غلبہ کا معنیٰ ثابت نہیں ہوتا اسی لیے اسے علیحدہ بیان فرمایا کہ ونصرنٰھم اور ہم نے موسیٰ وہارون علیہما السلام اور ان کی قوم کی مدد فرمائی۔ فکانوا۔ تو اسی سبب سے ۔ ھم الغٰلبون ۔ صرف وہی اپنے دشمنوں یعنی فرعون اور اس کی قوم پر غالب تھے اور انھیں ایسا غلبہ نصیب ہوا کہ اس کی کوئی انتہا نہیں حالانکہ موسیٰ وہارون علیہما السلام کی قوم سخت مصائب میں گھری ہوئی تھی مثلاً فرعون کی قید اور غلامی میں گرفتار اور ان کے قبضے میں رہ کر ہر طرح کی صعوبتوں کو برداشت کرتی تھی۔

تفسیر صوفیانہ: اس میں اشارہ ہے کہ موسیٰ یعنی قلب اور ہارون یعنی بہتر کو بحر دنیا اور اس کی شہوات کے پانی سے نجات بخشی۔ اور ان کی مدد کا یہ مطلب ہے کہ روح و سر کے صفات کو فرعون یعنی نفس اور اس کی صفات پر غلبہ بخشا اس سے مجاہدین کو تنبیہہ ہے کہ وہ بلیات پر صبر کریں یہانتک کہ آثار ولایت کا ظہور ہو اس لیے کہ رات ختم ہوتی ہے تو دن آتا ہے اور سرما کے اختتام پر ہی پھول کھلتے ہیں۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

چہ جو رہا کہ کشیدند بلبلان اذی
ببوئے آنکہ دگر نو بہار آمد

ترجمہ:۔ بلبلیں اس امید پر دکھ سر پر رکھتی ہیں کہ آخر دوبارہ بہار آئے گی۔

تفسیر عالمانہ: وآتینٰھما۔ اس نتیجہ مذکورہ کے بعد ہم نے موسیٰ وہارون علیہما السلام کو عطا فرمائی۔ الکتاب المبین۔ وہ کتاب جو سراسر بلاغت اور نہایت درجہ کی واضح تھی کہ اس میں ہر شے کی تفصیل تھی اس سے تورات مراد ہے اور وہ ان علوم پر مشتمل تھی جو ان کی دینی و دنیوی ضروریات کی کفالت کرتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا انا انزلنا التورٰۃ فیھا ھدی ونور بیشک ہم نے تورات وانجیل نازل کی کہ ان میں ہدایت ونور تھا۔

حل لغات:۔ اَستبان بَان کا مبالغہ ہے بمعنی ظہر وضح اور کتاب کو مستبین سے موصوف کرنے میں اشارہ ہے کہ وہ احکام اور حلال وحرام کی تمیز میں کامل تھی گویا اس سے جب ایسی باتوں کی طلب کی جاتی تو وہ فوراً انہیں بیان کر دیتی۔ اس معنیٰ پر یہ سین طلبیہ ہوگا۔ بعض کے نزدیک یہ سین یستعجلون کے سین کی طرح ہے اس لیے کہ بان واستبان اور تبین کا عجل واستعجل وتعجل کی طرح ایک معنیٰ ہے۔ اب الکتاب المتبین بمعنی الکتاب المبین ہوگا۔ وھدینٰھم اور ہم نے اس کتاب کے ذریعے انھیں راہ دکھائی۔ الصراط المستقیم۔ وہ سیدھی راہ جو حق وصواب کی طرف پہنچانے والی تھی اس لیے کہ اس میں شرائع کی تفصیل اور احکام کی مکمل تشریح تھی۔

کشف الاسرار میں ہے کہ ہم نے انھیں دینِ اسلام کی رہبری کی اور اس پر انہیں ثابت قدم رکھا۔

فائدہ:۔ الصراط المستقیم۔ اپنے حقیقی معنی الصراط السوی سے ہے یعنی مستعار ہے وہ راہ جو دین کے لیے سیدھی ہے یعنی اس سے دینِ حق یعنی ملت الاسلام نصیب ہوتا ہے اور یہ عقلاً بھی امر محقق ہے اس لیے کہ یہ معنی معلوم کے لیے منقول ہے یعنی اس کی شان یہ ہے کہ اس پر معنی منصوص اور اس کی طرف عقلی اشارہ کیا جائے اس معنیٰ کے تحقق کے لحاظ سے اس کا استعارہ حقیقیہ نام رکھا گیا ہے۔

تفسیر صوفیانہ:۔ اس میں اشارہ ہے کہ انہیں ایسے علوم حقیقیہ والہامات ربانیہ اور ہدایت نصیب ہوئی جو انھیں حضرت واحدیہ واحدیہ کی موصل تھی۔

تفسیر عالمانہ:۔ وترکنا علیہما فی الاٰخرین سلٰم علی موسیٰ وھارون۔ اور ہم نے آنے والی نسلوں میں ان کا ذکر جمیل وثنائے جلیل چھوڑی اسی لیے وہ ان پر سلام پڑھتے ہیں یعنی کہتے ہیں سلٰم علی موسیٰ وھارون۔ اور موسیٰ وہارون پر سلام ہو۔ اور قیامت کے ان کے لیے دعا کرتے رہیں گے۔ انا کذٰلک نجزی المحسنین۔ ہم ایسی جزاء کامل کی طرح محسنین کو جزا دیتے ہیں اور یہ بھی ان محسنین سے تھے۔ انھما من عبادنا المؤمنین۔ بیشک وہ ہمارے مومن بندے تھے

تفسیر صوفیانہ:۔ اس میں اشارہ ہے کہ احسان ایمان سے ہی نصیب ہوتا ہے اس لیے کہ ایمان مرتبۂ غیب اور احسان مرتبۂ مشاہدہ کا نام ہے اور ایمان کا اصل معرفت الٰہی ہے اس لیے کہ ہمارے نزدیک انسان کا اصل مقصد معرفت الٰہی ہے۔

فائدہ:۔ انسان اس حیثیت سے کہ وہ غذا کھاتا ہے اسے بنات (انگوری) کہا جائے اور اس حیثیت سے کہ وہ غذا کھاتا ہے دیکھتا ہے اسے حیوان کہا جائے اور اپنے قد وقامت کے لحاظ سے

دیوار ہے لیکن اسے فضیلت نصیب ہوئی ہے تو نطق اور علم وفہم و دیگر کمالات بشریہ کی وجہ سے۔

حدیث شریف:۔ تم پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ روزے اور نماز کی وجہ سے فضیلت نہیں پا گئے بلکہ اس مخفی بھید اور قلبی قرار سے جو ان کے دل میں ہے۔

فائدہ:۔ ہم اہل سنت اسے عشق مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہی روایت کتب شیعہ میں بھی ہے۔ تفصیل فقیر اویسی غفرلہٗ کی کتاب شرح آئینہ نما میں دیکھئے۔

دلائل خلافت بلافصل برائے ابوبکر رضی اللہ عنہ

اس مخفی بھید کی برکت تھی کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ بوقت وصال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ثابت قدم رہے ورنہ دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کا حال تغیر پذیر ہوگیا کہ بعض مدہوش تھے بعض متفکر تھے کہ اب کیا بنے گا لیکن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے جنہوں نے منبر پر کھڑے ہو کر پڑھا وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل۔ اس سے ثابت ہوا کہ آپ ایمان میں قوی تر اور ثابت قدمی میں اکمل اور مشاہدہ میں بلند قدر تھے۔

تفسیر عالمانہ:۔ وان الیاس لمن المرسلین۔ اور حضرت الیاس علیہ السلام رسولوں میں سے تھے انہیں بھی بنی اسرائیل کا رسول بنا کر بھیجا گیا۔

الیاس علیہ السلام کا نسب نامہ:۔ الیاس بن یاسین بن شیر بن فخاص بن الیفرار بن ہارون بن عمران یعنی الیاس حضرت ہارون علیہما السلام کی اولاد سے تھے وہ ہارون جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی تھے اور الیاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد نبی بن کر تشریف لائے تھے یہی قول مشہور ہے اور یہی جمہور کا مذہب ہے۔

فائدہ:۔ روایات میں ہے کہ اُس وقت اپنے ابدان ظاہرہ دنیویہ عنصریہ میں چار پیغمبر زندہ موجود ہیں دو آسمانوں میں یعنی ادریس و عیسیٰ علیہما السلام من حیث الھویۃ والتشخص دو ہیں اور من حیث الحقیقت ایک۔ ایک جماعت علماء (ان میں حضرت امام احمد بن حنبل بھی ہیں) کا کہنا ہے کہ الیاس علیہ السلام وہی ادریس علیہ السلام ہیں جن کا اسم گرامی اخنوخ ابن متوشلخ بن لمک ہے اور وہ نوح علیہ السلام سے پہلے تھے۔

نام دو حقیقت ایک:۔ پانچ انبیاء علیہم السلام ایسے ہیں جن کے دو دو نام مشہور ہیں الیاس جن کا دوسرا نام ادریس اور یعقوب جن کا دوسرا نام اسرائیل اور ذوالنون جن کا دوسرا نام یونس اور عیسیٰ جن کا دوسرا نام مسیح اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم جن کا دوسرا اسم گرامی احمد ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔

فائدہ:۔ حضرت امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب بعض اہل مکاشفہ کے موافق ہے۔

تفسیر صوفیانہ:۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ حضرت ادریس علیہ السلام اپنی ہویت کے ساتھ آسمان میں ہیں اور اسی صورت میں آسمان پر رونق افروز ہیں لیکن الیاس علیہ السلام کی شکل وصورت میں زمین پر تا حال باقی ہیں اس معنی پر وہ اپنی حقیقت و عینت کے لحاظ سے ایک اور کیثیت شکل و تعین کے دو ہیں۔

یوں سمجھیئے:۔ شرعی قاعدہ کے موافق عام مشہور ہے کہ حضرت جبریل و میکائیل و اسرافیل و عزرائیل علیہم السلام آن واحد میں لاکھوں مقامات پر بیک وقت موجود ہوتے ہیں اور شکلیں بھی مختلف ہوتی ہیں باوجود ایں ہمہ اپنی اصلی صورتوں میں بھی قائم ہوتے ہیں۔

نبی علیہ السلام حاضر و ناظر:۔ یہی اہلسنت کہتے ہیں کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جملہ ملکوت کے امام و مقتدا ہیں انہیں ان کے صدقے یہ کمالات و اختیارات نصیب ہوئے وہ کیوں نہ جملہ عالم کائنات میں حاضر و ناظر نہ ہوں۔ مزید تفصیل فقیر اویسی غفرلہ' کی کتاب "حاضر و ناظر" میں پڑھیئے اور بحمدہ تعالیٰ یہی مسلک اسلاف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ کا ہے چنانچہ صاحب روح البیان قدس سرہ' مذکورہ بالا تقریر لکھ کر اولیاء کرام کے لیے یوں رقم طراز ہیں:۔

وكذلك ارواح الكمل كما يروى عن القضيب البان الموصلى قدس سره انه كان يرى فى زمان واحد فى مجالس متعددة مشتغلا فى كل بامر غيرها فى الاخرة[1]

ترجمہ:۔ اور ایسے ہی کاملین کی ارواح جیسے قضیب البان موصلی قدس سرہ' کے لیے مروی ہے کہ آپ ایک ہی وقت میں متعدد مجلسوں میں دیکھے جاتے جو ہر مجلس میں مختلف اُمور میں مشغول ہوتے تھے۔

روح البیان صفحہ ۲۴۱ جلد ۷۔ اس مسئلہ کی تحقیق فقیر کے رسالہ "ولی کی پرواز" اور رسالہ "الانجلاء فی تطور الاولیاء" میں دیکھئے۔ (اویسی غفرلہ')

ردِّ تناسخ:۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ ادریس علیہ السلام صورت ادریسیہ سے نکل کر صورت الیاس میں داخل ہو گئے یہ تو تناسخ ہے اور اسلام اس کا مخالف ہے۔

---

[1] ۔ اس کی نظیر سیدنا بلال رضی اللہ عنہ ہے کہ شب معراج میں بیک وقت بہشت میں تھے اور زمین پر (مکہ معظمہ) میں بھی تھے۔ اویسی عفی عنہ

تفسیر عالمانہ:۔ اذ قال۔ یاد کیجئے جب کہا الیاس علیہ السلام نے لقومہ اپنی قوم کو کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں ڈرتے اتدعون بعلاً۔ کیا تم بعل کو پوجتے ہو یعنی نہ بعل کو پوجو اور نہ ہی اس سے خیر و بھلائی طلب کرو۔

حل لغات:۔ دراصل بعل مادہ کے نر کو کہا جاتا ہے چونکہ نر کو مادہ پر غلبہ اور اس کے جملہ امور اسی کو سپرد ہیں اسی لیے جس کے لیے استعلاء و غلبہ کا معنیٰ مطلوب ہو اسے بعل سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اہل عرب بھی اسی لیے اس بت کو پوجتے ہوئے تصور کرتے تھے کہ اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں غلبہ حاصل ہے کہ وہ جس طرح چاہتا ہے اللہ تعالیٰ سے منوا لیتا ہے اس معنیٰ پر اسے بعل سے تعبیر کیا گیا۔

بعل کا تعارف:۔ بعل ایک بت کا نام تھا جسے بک کے باشندے پوجتے تھے اور بک شام کے ایک شہر کا نام ہے جو بعد بعلبک کے نام سے مشہور ہوا اور وہ بت سونے کا تھا جس کا طول بیس گز اور اس کے چار منہ تھے اور اس کی آنکھوں کو یاقوت کبریت سے بھر دیا گیا تھا وہ اسی کی پرستش میں گرفتار تھے اور اس کی بہت زیادہ تعظیم و تکریم کرتے تھے اس کی خدمت کے لیے چار سو خدام مقرر تھے جنہیں وہ اسی خدا کے پیغمبر تصور کرتے تھے شیطان اسی بت میں گھس جاتا اور شیطانی باتیں بولتا جسے وہی خدام یاد کر کے لوگوں کو سناتے۔

وتذرون احسن الخالقین۔ اور احسن الخالقین کی عبادت کو چھوڑتے ہو۔ اللہ ربکم و رب آبائکم الاولین۔ وہ اللہ جو تمہارا اور تمہارے آباؤ اجداد کا رب ہے اللہ ربکم احسن الخالقین سے بدل ہے اسی لیے اسے منصوب پڑھا گیا ہے۔ یہاں پر ربوبیت کے ذکر میں ان کے اعتقاد باطل کی تردید مطلوب ہے ان کا عقیدہ تھا کہ انہیں ان کے بُت پالتے ہیں۔

ازالۂ وہم:۔ خلق کا حقیقی معنیٰ اختراع و انشاء و ابداع ہے اور تقدیر و تصویر کے معنیٰ میں بھی مستعمل ہوتا ہے اور یہاں پر یہی دوسرا معنیٰ مراد ہے اس لیے کہ اختراع و انشاء ذات باری تعالیٰ کے سوا دوسروں کے لیے ممتنع ہے۔ جب ممتنع ہے تو پھر ان سے اللہ تعالیٰ کے لیے احسن کا کیا معنیٰ اسی لیے دوسرے معنیٰ کے لحاظ سے احسن ضروری ہے۔

سوال:۔ یہ قرآن کی دوسری آیت کے معنیٰ کے خلاف ہے اس لیے کہ فتبارک اللہ احسن الخالقین میں اللہ تعالیٰ نے خود خلق بمعنی اختراع و انشاء کا معنیٰ متعین فرمایا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ غیر اللہ کو بھی خالق از خلق بمعنی اختراع و انشاء کہنا جائز ہے۔

جواب:۔ وہاں بھی خالقین بمعنی مقدرین ہے یا اس سے کفار و مشرکین کی تردید مطلوب ہے اس لیے کہ کفار

جن کی پرستش کرتے تھے ان کے متعلق یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ ان کے معبودوں کو اختراع و انشاء کی قدرت و اختیار بھی ہے اس معنیٰ پر خالقین بمعنی مخترعین موجدین ہے اسی اعتبار سے اللہ تعالیٰ ان کی ایجاد کے لحاظ سے احسن ہوا یعنی انہی کے اعتقاد کے مطابق احسن الخالقین کہا گیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کو فرمایا خلقوا کخلقہ فتشابہ الخلق۔

تفسیر صوفیانہ: صوفیاء کرام کے نزدیک عبدالخالق وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی مراد کے مطابق اشیاء کو مقدر کر سکے۔ اس لیے وصف خلق وتقدیر الٰہی کی تجلیات سے اسے نوازا گیا ہے اسی لیے وہ وہی کر دکھاتا ہے جو تقدیر حق میں ہوتا ہے اسی لیے امام غزالی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ جب بندہ بطریق ریاضت مجاہدہ کر کے اپنے نفس اور مخلوق کی سیاست میں کمال حاصل کرتا ہے تو وہ ایسے اُمور کے استنباط پر قدرت پا جاتا ہے جو اس سے پہلے دوسروں کو کم نصیب ہوئی بلکہ ان اُمور کو کر دکھانے کی قدرت رکھتا ہے اس معنیٰ پر گویا وہ انہی اُمور کا مخترع ہوا اس لیے کہ اس نے ایسے اُمور کر دکھائے ہیں جن کا وجود پہلے نہیں تھا اس کی مثال شطرنج کے واضع جیسی ہے کہ اس نے اس فعل کو جب وضع کیا تو گویا اس نے اسے ایجاد و اختراع کیا کیونکہ اس سے قبل ایسی وضع و انشاء نہیں تھی۔

ابدال کا کمال: فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کامل بندے بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنی صورت و شکل کو اپنے مکان میں چھوڑ کر آن واحد میں متعدد مقامات پر تشریف لے جاتے ہیں جیسا کہ حضرت قضیب البان قدس سرہ کے بارے میں ہم نے پہلے لکھا ہے وہ بھی اسی مقام کے اسرار سے ہے انہیں یہ طاقت اُس وقت ملتی ہے جب اسم خالق کے کامل مظہر بنتے اور اس کے ہاں واصل ہوتے ہیں۔ اس تقریر کو خوب سمجھ اور اپنے ہاں محفوظ فرما پورے طور یاد رکھ لے کام آئے گی۔[1]

فکذبوہ: تو الیاس علیہ السلام کی اُنھوں نے تکذیب کی۔ **فانھم** تو پھر بوجہ تکذیب کے وہ جہنم میں داخل ہو کر ہمیشہ کیلئے اس میں رہینگے ایک لمحہ کے لیے بھی وہ عذاب سے دور نہیں کیے جائیں گے اور نہ ہی ان سے عذاب کی تخفیف ہو گی۔ کما قال اللہ تعالیٰ وما ھم بمخرجین۔ اور وہ نکالے جائیں گے۔

قاعدہ: احضار مطلق کا اطلاق عرف میں شر پر ہوتا ہے **الا عباد اللہ المخلصین**۔ مگر اللہ کے مخلص بندے۔ یہ کذبوہ کے فاعل سے استثناء متصل ہے۔

---

[1] ورنہ وہابیت نجدیت کا بھوت چھٹ جائے گا کیونکہ سرے سے ابدال کے وجود کے منکر ہیں۔ فقیر کی کتاب "الکمال فی الابدال" کا مطالعہ کیجئے۔ اویسی غفرلہٗ۔

فائدہ:۔ اس سے معلوم ہُوا کہ الیاس علیہ السلام کی قوم کے بعض نے تکذیب نہیں کی اسی لیے وہ جہنم میں ہمیشہ نہیں رہیں گے اسی سے وہ لوگ مراد ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ایمان کی توفیق بخشی اور سا الیاس علیہ السلام کی دعوت وارشاد کے مطابق عمل صالح کیا۔

وترکنا علیہ فی الآخرین۔ اور ہم نے آنے والی نسلوں میں ان کا ذکر خیر باقی رکھا اور ذکر خیر سے سلام علی الیاسین۔ یعنی سلام ہو الیاس علیہ السلام پر۔ مراد ہے یعنی بعینہٖ اسی طرح ان کے لیے دعائیں کہیں گے اور قیامت تک ان کی تعریف کرتے رہیں گے۔

تحقیق الیاسین:۔ الیاس کی دوسری لغت الیاسین ہے جیسے سیناء کو سینین کہا جاتا ہے اس لیے کہ طور سیناء اور طور سینین کا ایک ہی معنیٰ ہے اس لیے کہ اس میں یاء اور اور نون زائد کیا گیا ہے۔ ایک قرأت میں آل کو یاسین کی طرف مضاف کر کے پڑھا گیا ہے کیونکہ مصحف میں ہر دونوں علیٰحدہ علیٰحدہ لکھے گئے ہیں اسی معنیٰ پر یسین۔ الیاس کے والد گرامی کا نام ہوگا اور آل سے خود الیاس علیہ السلام مراد ہوں گے۔

اناکذلک نجزی المحسنین۔ ایسی جزا کامل کی طرح ہم محسنین کو جزا دیتے ہیں ان میں سے الیاس علیہ السلام بھی تھے۔ انّہ۔ یہ ضمیر الیاس علیہ السلام کی طرف لوٹتی ہے اس سے ثابت ہے ہے کہ الیاس اور الیاسین ایک ہی شخص کا نام تھا۔ اس کی ایک اور دلیل بھی ہے کہ سابق عبارات میں ایک ہی شخص پر سلام کہا گیا مثلاً سلام علی ابراھیم۔ سلام علیٰ نوح فی العالمین۔ سلام علیٰ موسیٰ و ھارون۔

من عبادنا المومنین۔ وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔

فائدہ:۔ کاشفی نے لکھا کہ ایمان جمیع کمالات صوری و معنوی اور تشریف خاص برائے اہل اختصاص کی بندگی کا نام ہے۔ ؎

اگر بندۂ خویش خوانی مرا
بہ از مملکت جاودانی مرا

ترجمہ:۔ اگر مجھے اپنا بندہ بنا لو تو میرے نزدیک ہمیشہ کی شاہی سے بہتر ہے۔

شہانی کہ بابخت فرخندہ اند
ہمہ بندگان ترا بندہ اند

ترجمہ:۔ تو مبارک بخت بادشاہ ہے اور تمام مخلوق تیری غلام ہے۔

الیاس علیہ السّلام کی بعثت کا مکمل قصّہ

مروی ہے موسیٰ علیہ السلام کے بعد یوشع بن نون نبی مبعوث ہوئے ان کے بعد کالب بن یوقنا ان کے بعد حزقیل علیہ السلام تشریف لائے۔ ان کے بعد بنی اسرائیل میں بہت بڑی خرابیاں پیدا ہو گئیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیا ہوا وعدہ بھول کر بُت پرستی میں لگ گئے اور موسیٰ علیہ السلام کے بعد جو نبی علیہ السلام تشریف لاتا وہ صرف بنی اسرائیل کو بھولا ہوا سبق یاد دلاتا اور تورات کے احکام کی تجدید کرتا اور اس دور میں بنی اسرائیل متفرق علاقوں میں بسنے لگے ان کا ایک گروہ شام کے ملک میں بعلبک اور اسکے گرد و نواح میں مقیم تھا اس گروہ میں الیاس علیہ السلام جب قوم نے شرک کیا اور بعل بت کی پرستش کی اور تورات کے احکام کو پس پشت ڈال دیا ان کے لیے الیاس علیہ السلام کو نبی مقرر فرمایا۔ ان کی یسع بن خطوب نے اتباع کی اور ان پر ایمان لائے اس گروہ کا بادشاہ اجب نامی تھا۔ اس کی عورت ازبیل نامی تھی۔ جب وہ کہیں باہر جاتا تو اپنی عورت کو اپنا جانشین مقرر کرتا۔ وہ اپنے شوہر کی عدم موجودگی میں کھلم کھلا کچہری میں آتی اور لوگوں کے فیصلے کرتی لیکن انبیاء و صالحین کی دشمن تھی جہاں کہیں کسی نبی علیہ السلام یا کسی ولی کا نام سنتی اسے شہید کرا دیتی۔ یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کو بھی غالباً اسی نے شہید کرایا تھا اور وہ بنی اسرائیل کے تقریباً سات بادشاہوں سے نکاح کر چکی تھی اور سب کو اچانک قتل کرا چکی تھی۔ سن رسیدہ تھی تقریباً ستر بچوں کی ماں تھی۔

ولی اللہ کی گستاخی کی سزا:۔ اجب بادشاہ کا ایک ہمسایہ ولی اللہ تھا جنکا مزدکی نام تھا۔ اس کی ایک جنینہ تھی جس سے وہ اپنی وجہ معاش پوری فرماتے تھے۔ اس کے بارے میں بادشاہ کی ظالمہ بیوی کو حسد ہوا۔ بادشاہ ایک طویل سفر کے لیے روانہ ہوا تو حسب دستور اپنی بیوی کو اپنا جانشین مقرر کیا اس ظالمہ نے ولی اللہ کو شہید کرنے کے منصوبہ بنانے کے لیے بہت سے لوگوں کو جمع کر کے طے کیا کہ وہ گواہی دیں کہ مزدکی (ولی اللہ) نے بادشاہ کو گالی دی ہے اور اس وقت قانون تھا کہ جو بھی بادشاہ کو گالی دے اور گواہوں سے واقعہ ثابت ہو جائے تو گالی دینے والے کو قتل کر دیا جائے چنانچہ منصوبہ کے بعد حضرت مزدکی کو بلایا کہ آپ نے بادشاہ کو گالی دی ہے۔ آپ نے صاف انکار فرمایا لیکن اس نے گواہ بلوا کر اپنی بات ثابت کر دکھائی جس پر حضرت مزدکی کو قتل واجب ہو گیا۔ اور جب آپ کو وہ شہید کر چکی تو آپ کے وارثوں سے جنینہ چھین لی۔ جب بادشاہ سفر سے واپس لوٹا تو اللہ تعالیٰ نے الیاس علیہ السلام کے ہاں وحی بھیجی کہ بادشاہ اور اس کی بیوی کو کہہ دو کہ تم نے میرے پیارے ولی مزدکی کو ظلماً قتل کیا ہے اسی لیے ان پر اللہ تعالیٰ سخت ناراض ہے اور جب تک اپنی غلطی سے

خلوص قلب سے توبہ کر کے حضرت مزدکی کے درثار کو جنیلنہ واپس نہیں کریں گے اللہ تعالیٰ ان پر ناراض رہے گا اور بادشاہ اور اس کی بیوی جنیلنہ کے پیٹ میں مار کر پھر انہیں مردار کر کے چھوڑے گا یہاں تک کہ ان کا گوشت ہڈیوں سے جدا ہو جائے گا۔

حضرت الیاس علیہ السلام کا رفع الی السماء

جب بادشاہ اور اُس کی بیوی نے یہ حکم ربانی سُنا تو بجائے توبہ کرنے کے حضرت الیاس علیہ السلام پر سخت ناراض ہوئے اور اب الیاس علیہ السلام کی مخالفت پر تل گئے اور بادشاہ نے تہیہ کر لیا کہ الیاس علیہ السلام کو مختلف عذاب میں مبتلا کر کے انہیں شہید کر ڈالے۔ جب الیاس علیہ السلام کو بادشاہ کے تیور بدلے محسوس ہوئے تو وہاں سے ہجرت فرمائی اور انبیاء علیہم السلام کا طریقہ تھا کہ جب قوم سے مایوس ہوتے تو وہاں سے ہجرت کر جاتے چنانچہ الیاس علیہ السلام ایک پہاڑ پر جا گزیں ہوئے اس پہاڑ پر چڑھنا نہایت دشوار تھا لیکن پھر بھی اس کی ایک غار میں چھپ گئے تقریباً اسی غار میں سات سال چھپے رہے۔ جڑی بوٹیوں اور پھل وغیرہ پر گزارہ فرمایا قوم نے آپ کو بہت تلاش کیا اسی غار کے ارد گرد بھی گھومتے رہے لیکن اللہ تعالیٰ نے انھیں ان کی آنکھوں سے ایسے اوجھل رکھا جیسے اصحابِ کہف کو دشمنوں سے۔ جب الیاس علیہ السلام نے قوم کی نافرمانی حد سے زائد دیکھی تو ان کے لیے قحط سالی کی بددُعا فرمائی۔ آپ کی بددعا سے یہ لوگ سات سال تک قحط میں مبتلا رہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے الیاس علیہ السلام مجھے اپنی مخلوق پر بہت زیادہ رحم آتا ہے اگر چہ وہ ظالمین ہیں لیکن آپ اپنے مقصد کو تین سالوں میں پالیا اور وہ سات سال کے قحط سال میں مبتلا ہونے کے باوجود شرک سے باز نہیں آئے فلہٰذا ان کیلئے مزید بددعا کرنے سے باز آجائیے حضرت الیاس علیہ السلام نے جب یقین کر لیا کہ یہ بدقسمت ہیں تو اللہ تعالیٰ سے دُعا کی کہ انھیں ان سے نجات عطا فرمائے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ کل فلاں دن آپ فلاں جگہ پہ جائیے جو شے آپ کو ملے آپ اس پر سوار ہو جانا اس سے ڈرنا نہیں۔ حضرت الیاس علیہ السلام اپنے خادم الیسع علیہ السلام کے ساتھ جب اسی مقام معلوم پر پہنچے تو آپ کو آگ کا گھوڑا ملا جس کے جملہ آلات بھی آگ کے تھے یہاں تک کہ وہ گھوڑا آپ کے سامنے کھڑا ہو گیا تھا۔ آپ اس پر سوار ہو گئے اور وہ گھوڑا آپ کو آسمان پر اُٹھا کر لے گیا نیچے سے آپ کو آپ کے خادم الیسع علیہ السلام نے عرض کی کہ میرے لیے کیا حکم ہے آپ نے اس کے لیے ایک کسا پھینکی اس سے اشارہ فرمایا کہ میں نے آپ کو بنی اسرائیل کا خلیفہ مقرر کیا۔ الیاس علیہ السلام قوم کے سامنے آسمان پر اُٹھائے گئے اور کھانے پینے کی لذت سے آزاد ہو گئے اور آپ کو پَر لگائے گئے۔ اس طرح آپ اِنسی مَلکی بھی ہوئے اور ارضی و سماوی بھی۔

الیاس جنگلوں میں: بعض علماء نے فرمایا کہ حضرت الیاس علیہ السلام بیمار ہو گئے۔ جب آپ کو محسوس ہوا کہ اب موت آئے گی تو رو دئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیوں رو تے ہو کیا ابھی دنیا میں رہنے کی خواہش ہے یا موت سے ڈرے ہوئے ہو یا آگ سے ڈرتے ہو۔ الیاس علیہ السلام نے عرض کی کوئی خوف و خطر نہیں اور نہ ہی دنیا میں رہنے کی خواہش ہے تیری عزت و جلال کی قسم مجھے رونا اس لیے ہے کہ میرے بعد لوگ تیری حمد اور تیرا ذکر کریں گے اور میں محروم رہوں گا کیونکہ موت کے بعد حمد و ذکر کہاں اور لوگ روزہ رکھیں گے اور نماز پڑھیں گے اور میں موت کے بعد نہ نماز پڑھ سکوں گا اور نہ روزہ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے الیاس میں تمھیں اُس وقت تک مہلت دیتا ہوں جب میرا ذکر کرنے والا کوئی نہ ہوگا یعنی قیامت تک تم زندہ رہو گے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم پر دشمنوں کو مسلّط کر دیا جس کا انھیں علم بھی نہ ہوا۔ قوم کو دشمنوں نے تباہ و برباد کیا اور اجب بادشاہ اور اُس کی بیوی ازبیل حضرت مزدکی کی جنبنہ سے قتل کر دیئے گئے ان کے جسم مردار ہو کر ان کے پیٹ میں پڑے رہے یہاں تک کہ ان کے گوشت گل سڑ گئے اور ہڈیاں باہر پھینکی گئیں۔ الیاس علیہ السلام کے بعد الیسع علیہ السلام نبی ہوئے اور انھیں بنی اسرائیل میں بھیجا گیا۔ بنی اسرائیل نے ان کی تائید کی اور ایمان لائے اور ان کی تعظیم و تکریم کی اور اطاعت کے لیے سر جھکایا۔ اللہ تعالیٰ کے دین کا راج قائم ہوا یہاں تک کہ حضرت الیسع علیہ السلام کا وصال ہو گیا۔

الیاس و خضر کی موت: مروی ہے کہ حضرت الیاس اور خضر علیہما السلام بیت المقدس میں پہنچ کر روزہ رکھتے ہیں اور مل کر کعبۃ اللہ میں حاضر ہو کر حج ادا کرتے ہیں۔ آدم علیہ السلام کی اولاد سب سے آخر میں ان دونوں پر موت واقع ہو گی۔

بعض مفسرین نے لکھا کہ حضرت الیاس علیہ السلام جنگلوں میں اور حضرت خضر علیہ السلام دریاؤں میں رہتے ہیں۔

فائدہ: الفیافی فیفاۃ کی جمع ہے بمعنی جنگل۔

خضر و الیاس علیہما السلام کے الوداعی کلمات

مروی ہے کہ جب یہ دونوں بیت اللہ کے حج سے فراغت پا کر مندرجہ ذیل کلمات پڑھتے ہوئے ایک دوسرے سے جُدا ہوتے ہیں:

ما شاء اللہ ما شاء اللہ لا یسوق الخیر الا اللہ ما شاء اللہ لا یصرف السوء الا اللہ ما شاء اللہ ما شاء اللہ ما یکون من نعمۃ فمن اللہ ما شاء

اللہ ما شاء اللہ توکلنا علی اللہ حسبنا اللہ و نعم الوکیل۔

ترجمہ:۔ وہ جو اللہ چاہے بھلائی کو اللہ تعالیٰ ہی چلاتا ہے وہ جو اللہ چاہے بُرائی کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں ہٹاتا جو اللہ تعالیٰ چاہے ہر نعمت اللہ تعالیٰ سے ہے وہ جو اللہ تعالیٰ چاہے ہم نے اللہ تعالیٰ پر توکل کیا ہمیں کافی ہے اللہ اور وہی اچھا وکیل ہے۔

خضر و الیاس علیہما السّلام سے ایک ولی اللہ کی ملاقات

حضرت محمد بن احمد العابد فرماتے ہیں کہ میں جمعہ کے دن عصر کی نماز کے بعد بیت المقدس میں بیٹھا تھا کہ دو بزرگ نظر آئے ایک تو ہماری قدر و قامت کے تھے دوسرے طویل القامت اور جسیم پیشانی فراخ اور سینہ چوڑا اور دونوں بازو بھی لمبے تھے۔ اس صفت کا بزرگ میرے سے دور تھا اور جو ہماری صفت و صورت پر تھا اس نے ہمارے قریب آکر سلام کہا میں نے سلام کا جواب دیا۔ میں نے پوچھا آپ پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے آپ کون ہیں اور دوسرے بزرگ جو میرے سے دور بیٹھے ہیں وہ کون ہیں فرمایا میں خضر ہوں اور وہ میرے بھائی الیاس ہیں (علیہما السلام) ان سے مجھے خوف و ہراس پیدا ہوا اور کانپنے لگا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا مت گھبرایئے ہم آپ سے محبت کرتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ جو شخص جمعہ کی نماز عصر کے بعد رو بقبلہ ہو کر کہے **یا اللہ یا رحمٰن** ۔ یہاں تک سورج ڈوب جائے تو اللہ تعالیٰ اُس کی دعا قبول فرمائے گا پھر فرمایا کہ تو ہمارے ساتھ مانوس ہوئے اللہ تعالیٰ تیرے ساتھ محبت فرمائے گا۔ میں نے عرض کی میں آپ کو مہمانی دوں تو آپ کیا کھائیں گے فرمایا اگر فہ اور کماۃ (کھمبی) میں نے عرض کی تو الیاس علیہ السلام کیا کھائیں گے اُنہوں نے فرمایا دو روٹیاں اور یہ طعام ہیں روزہ کے افطار کے وقت دینا۔ میں نے کہا الیاس علیہ السلام کو کہاں تلاش کروں آپ نے فرمایا جزائر ہیں۔ میں نے عرض کی کہ آپ ہر دونوں کب اور کہاں اکٹھے ہو جاتے ہیں فرمایا کہ مندرجہ ذیل مقامات میں:۔

(۱) جب کسی ولی اللہ کا وصال ہوتا ہے تو ہم دونوں جمع ہو کر اس کی نماز جنازہ پڑھنے کے لیے آتے ہیں

(۲) موسم حج میں عرفات میں۔

(۳) حج کی فراغت کے بعد میں ان کے بال تراشتا ہوں وہ میرے۔

میں نے عرض کی آپ جملہ اولیاء اللہ کو پہچانتے ہیں فرمایا چند مخصوص اولیاء کو پہچانتا ہوں اور فرمایا کہ جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رخصت ہوئے تو زمین روئی کہ یا اللہ اب میرے اُوپر کوئی نبی چلنے والا نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں تجھ پر چند ایسے بندے پیدا فرماؤں گا کہ جن کے دل

انبیاء کے دلوں کے مطابق ہوں گے۔ جب خضر علیہ السلام روانہ ہونے لگے تو میں نے عرض کی کہ میں بھی آپ کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں فرمایا کہ تو میرے ساتھ کیوں گزار سکتا ہے جبکہ میں ہر صبح کی نماز مکہ معظمہ میں مسجد حرام میں ادا کرتا ہوں پھر رکن شامی کے نزدیک طلوع شمس تک بیٹھ جاتا ہوں۔ پھر طواف کعبہ کر کے مقام ابراھیم کے پیچھے دوگانہ پڑھتا ہوں پھر ظہر کی نماز حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر مدینہ میں مسجد نبوی میں پڑھتا ہوں۔ شام کی نماز طور سینا میں ادا کرتا ہوں۔ نماز عشاء سد سکندری میں پھر تمام رات وہیں گزارتا ہوں پھر صبح صادق سے وہاں سے روانہ ہو کر فجر کی نماز مسجد حرام میں پڑھتا ہوں۔

تفسیر عالمانہ

و ان لوطاً۔ لوط بن ہاران ابراھیم علیہ السلام کے بھائی کا نام ہاران تھا۔

لمن المرسلین۔ بیشک لوط علیہ السلام اپنی قوم کے ہاں رسول بنا کر بھیجے گئے اور اس سے اہل سدوم مراد ہیں۔

فائدہ: سدوم بالدال المہملہ ان لوگوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی تکذیب کی اور آپ کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا تو انہوں نے دعا مانگی کہ "اے اللہ مجھے ان سے نجات دے"۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اور ان کے اہل و عیال کو ان لوگوں سے نجات بخشی۔ اذ نجینا ہ۔ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یاد کیجئے جبکہ ہم نے لوط علیہ السلام کو نجات بخشی۔ اس کا ماقبل سے کوئی تعلق نہیں اس لیے کہ لوط علیہ السلام بوقت نجات نبی بن کر مبعوث نہیں ہوئے تھے

و اھلہ اجمعین۔ اور آپ کے جملہ اہل بیت یعنی آپ کی صاحبزادیوں وغیرھما کو الا عجوزا مگر ایک بڑھیا جو نہایت درجہ کی خائنہ تھی لوط علیہ السلام کی اہلیہ کافرہ تھی ان کی شریعت میں وثنیہ عورتوں سے نکاح اور ان کے ساتھ زندگی بسر کرنا جائز تھا۔

فائدہ: بوڑھی عورت کو عجوز اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ بہت سے امور کی سرانجامی سے عاجز ہوتی ہے۔ (المفردات)

فی الغٰبرین۔ یہ عجوزا کی صفت ہے یعنی وہ بڑھیا کہ جس کے لیے غبور مقدر تھا اس لیے کہ اس کا غبور اس وقت مقدر نہیں تھا جب لوط علیہ السلام کو نجات ملی۔

الغٰبرین بمعنی الباقین یعنی وہ عذاب میں باقی رہنے والوں سے تھی۔ باقی کو غابر اس لیے کہتے ہیں کہ جیسے دوڑنے والے کو غبار پیچھے رہ جاتی ہے ایسے ہی باقی گویا گزر جانے والوں کے پیچھے رہ گیا۔ یا غابرین بمعنی ماضیین و ھالکین ہے یا غابر اس لیے کہ زمین پر گزرنے والے زمین کے قطرات جو غبار کے اڑنے سے رہ گئے ایسے ہی غابر۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ مگر بڑھیا کہ وہ زمین عذاب میں مبتلا ہونے والوں کے ساتھ رہ گئی۔ لوط علیہ السلام کے ساتھ نہ گئی۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

با بداں یار گشت ہمسر لوط
خاندان نبوتش گم شد

ترجمہ:۔ لوط علیہ السلام کی اہلیہ بردن کے ساتھ بیٹھی تو اس کا نبوت کے خاندان سے تعلق ختم ہو گیا۔

سگ اصحاب کہف روزے چند
پے نیکاں گرفت و مردم شد

ترجمہ:۔ اصحابِ کہف کے ساتھ کتنے نیک لوگوں کی محبت حاصل کی تو آدمیوں میں سے ہو گیا۔

ثم دمرنا الاخرین۔ پھر ہم نے دوسروں کو تباہ کر دیا۔

حل لغات:۔ **التدمیر**۔ ہلاکت کو کسی شے پر داخل کرنا یعنی ہم نے دوسروں کو ہلاک وتباہ کر دیا اور ہم نے پتھر پھینکے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مہلت بھی نہیں دی کہ ان پر پتھر برسا دیئے گئے یعنی لوط علیہ السلام کی قوم کے باغی لوگوں کو ہم نے تباہ و برباد کیا یعنی ان کو تہہ و بالا کر دیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ دیکھنے کا تھا اس سے ثابت کر دکھایا کہ لوط علیہ السلام رسولوں سے ہیں ان کا قصہ سورہ لوط و حجر میں تفصیل کے ساتھ گزرا ہے۔

وانکم لتمرون علیہم۔ اے اہل مکہ تم لوط علیہ السلام کی قوم تباہ و برباد شدہ لوگوں سے گزرتے ہو اور شام کے علاقوں میں تجارت کے لیے جاتے ہوئے ان کی منزلوں کو دیکھتے ہو اور ان کی ہلاکت کے نشانات ملاحظہ فرماتے ہو۔ یہ اس لیے کہ سدوم شام کو جاتے ہوئے راستہ پر واقع پڑتا تھا کما قال وانہا لبسبیل مقیم۔ **مصبحین**۔ تمرون کے فاعل سے حال ہے درانحالیکہ صبح کے وقت جاتے تھے۔

وباللیل۔ اور درانحالیکہ تم رات کے وقت جاتے ہو۔ ممکن ہے کہ یہ ایسے مقام پر واقع ہو جہاں سے یہ لوگ صبح کو جاتے ہوں تو بھی راستہ پر پڑتا ہو۔ ایسے ہی شام کے وقت واپسی کے وقت یا چونکہ اسی راستہ سے آنے جانے والوں کا ہر وقت تانتا باندھا رہتا ہو۔ یعنی صبح اور شام سے رات اور دن کے جملہ اوقات مراد ہیں۔

افلا تعقلون۔ تو کیا ان کی منازل کو دیکھ کر پھر کچھ سمجھتے نہیں ہو تا کہ تمھیں عبرت نصیب ہو اور اس سے ڈرو کہ جیسے ان پر عذاب واقع ہوا تم پر واقع نہ ہو اس لیے کہ اہل سدوم کی تکذیب و کفر کی وجہ سے ان پر عذاب واقع ہوا تو جو ذات ان پر عذاب نازل کرنے پر قادر ہے تم پر بھی واقع کر دے تو اس کے لیے مشکل نہیں فلہذا تم اس کے عذاب سے ڈرو کہ تم بھی تکذیب و کفر میں کچھ کم نہیں ہو بلکہ ان سے بڑھے ہوئے ہو کما قال تعالیٰ اکفارکم خیر من اولئکم۔ کیا تمھارے کفار ان سے اچھے ہیں۔

ابوجہل فرعون سے زیادہ سرکش تھا: حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ فرعون سے ابوجہل زیادہ سرکش ہے۔

سبق: دانا پر لازم ہے کہ وہ دوسروں سے عبرت حاصل کرے اور وحدانیتِ حق پر ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور رحمت کے ابواب کی طرف رجوع کرے۔ اپنی عجوز یعنی نفس امارہ کی گوشمالی کرے اور اسے سرِ تسلیم خم کرنے پر مجبور کرکے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کا عادی بنائے تاکہ قہر و جلال والوں کی طرح تباہ و برباد نہ ہو۔

تفسیر صوفیانہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ طریق اہل اللہ کے داخلی امر کی نصرت ضروری ہے جب حاصل ہوجائے پھر سالک کو دیکھنا ہوگا کہ کیا وہ حال اول کی طرف رجوع رکھتا ہے اور عبادت اور اجتہاد میں پورا مشغول ہے ایسے سالک پر عنایت الٰہیہ ہے۔ اگر پہلی حالت کی طرف رجوع نہیں تو ایسا انسان کبھی فلاح نہیں پائے گا یعنی اسے یوں سمجھو کہ وہ ابتداءً و انتہاءً گناہوں پہ اصرار کرتا رہا۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ نے انسان میں عقل اسی لیے رکھی ہے کہ وہ اپنے اندر غور و فکر کرے اور ان اُمور کو عمل میں لائے جس میں اس کی اصلاح و فلاح اور وہ انجام کے لحاظ سے بہمہ وجوہ افضل و اعلیٰ ہو۔ اگرچہ ابتداءً ایسے امر کے حصول میں نفس کو گراں گزرتا ہے اور خواہشاتِ نفسانی تو سلوک کے سراسر منافی ہیں۔ ان کے دفعیہ سے روحانیت کے ایذارساں اُمور خود بخود زائل ہوجاتے ہیں اگرچہ خواہشاتِ نفسانی کے مرتکب کو بدانجامی کا علم نہیں ہوتا اس کی مثال اس بچے کی ہے جسے آنکھوں کی تکلیف پر طبیب ہلیلہ کھلائے یا پچھنے لگوائے پھر وہ بچہ میٹھی چیزیں کھائے یا دھوپ پہ بیٹھے تو اُلٹا نقصان ہوگا اس کو ہلیلہ اور پچھنے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہشت کو تکالیف اور مشقتیں گھیرے ہوئے ہیں اور دوزخ کے گرد شہوات ہیں ؎

تو بر کرۂ توسنی در کمر
نگہ تا نہ پیچد از حکم تو سر

ترجمہ: تو سرکش گھوڑے پر سوار ہے خیال رکھنا کہیں تیرے حکم سے سر نہ پھیرے۔

اگر پالہنگ از کفت در گسیخت
تن خویشتن کشت و خونت بریخت

ترجمہ: اگر اس کی لگام تیرے ہاتھ سے نکل گئی تو اپنی جان بھی برباد کرے گا اور تجھے بھی۔

فائدہ: اس میں انجام کے فکر کی طرف اشارہ ہے۔

حکایت: مشہور ہے کہ بھڑ نے دیکھا کہ چیونٹی نے بہزار حیلہ دانہ اُٹھا کر بڑی تکلیف سے اسے گھر لے

وَإِنَّ يُونُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ○ إِذْ أَبَقَ إِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ
فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ ○ فَالْتَقَمَهُ الْحُوتُ وَهُوَ
مُلِيمٌ ○ فَلَوْلَا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِينَ ○ لَلَبِثَ فِي بَطْنِهِ
إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ○ فَنَبَذْنَاهُ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ سَقِيمٌ ○ وَأَنْبَتْنَا
عَلَيْهِ شَجَرَةً مِنْ يَقْطِينٍ ○ وَأَرْسَلْنَاهُ إِلَىٰ مِائَةِ أَلْفٍ أَوْ يَزِيدُونَ
فَآمَنُوا فَمَتَّعْنَاهُمْ إِلَىٰ حِينٍ ○ فَاسْتَفْتِهِمْ أَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ
الْبَنُونَ ○ أَمْ خَلَقْنَا الْمَلَائِكَةَ إِنَاثًا وَهُمْ شَاهِدُونَ ○ أَلَا إِنَّهُمْ
مِنْ إِفْكِهِمْ لَيَقُولُونَ ○ وَلَدَ اللَّهُ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ○ أَصْطَفَى
الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِينَ ○ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ○ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ
أَمْ لَكُمْ سُلْطَانٌ مُبِينٌ ○ فَأْتُوا بِكِتَابِكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ○
وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ط وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ إِنَّهُمْ
إِنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ ○ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يَصِفُونَ ○ إِلَّا
عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ○ فَإِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ ○ مَا أَنْتُمْ
عَلَيْهِ بِفَاتِنِينَ ○ إِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيمِ ○ وَمَا مِنَّا إِلَّا لَهُ
مَقَامٌ مَعْلُومٌ ○ وَإِنَّا لَنَحْنُ الصَّافُّونَ ○ وَإِنَّا لَنَحْنُ
الْمُسَبِّحُونَ ○ وَإِنْ كَانُوا لَيَقُولُونَ ○ لَوْ أَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا
مِنَ الْأَوَّلِينَ ○ لَكُنَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ○ فَكَفَرُوا بِهِ
فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ○ وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ○

إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ○ وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ○
فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ○ وَّأَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ○
أَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ○ فَإِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ
صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ ○ وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ○ وَّأَبْصِرْ
فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ○ سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○
وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

ترجمہ:۔ اور بیشک یونس پیغمبروں سے ہے جب کہ بھری کشتی کی طرف نکل گیا تو قرعہ ڈالا تو ڈھکیلے ہوؤں میں ہوا۔ پھر اسے مچھلی نے نگل لیا اور وہ اپنے آپ کو ملامت کرتا تھا۔ تو اگر وہ تسبیح کرنے والا نہ ہوتا ضرور اس کے پیٹ میں رہتا جس دن تک لوگ اٹھائے جائیں گے پھر ہم نے اسے میدان پر ڈال دیا اور وہ بیمار تھا اور ہم نے اس پر کدو کا پیڑ اگایا۔ اور ہم نے اسے لاکھ آدمیوں کی طرف بھیجا بلکہ زیادہ۔ تو وہ ایمان لے آئے تو ہم نے انہیں ایک وقت تک برتنے دیا تو ان سے پوچھو کیا تمھارے رب کے لیے بیٹیاں ہیں اور ان کے بیٹے یا ہم نے ملائکہ کو عورتیں پیدا کیا اور وہ حاضر تھے سنتے ہو بیشک وہ اپنے بہتان سے کہتے ہیں کہ اللہ کی اولاد ہے اور بیشک ضرور وہ جھوٹے ہیں کیا اس نے بیٹیاں پسند کیں بیٹے چھوڑ کر۔ تمہیں کیا ہے کیسا حکم لگاتے ہو تو کیا دھیان نہیں کرتے یا تمھارے لیے کوئی کھلی سند ہے تو اپنی کتاب لاؤ اگر تم سچے ہو اور اس میں اور جنوں میں رشتہ ٹھہرایا۔ اور بیشک جنوں کو معلوم ہے کہ وہ ضرور حاضر لائے جائیں گے۔ پاکی ہے اللہ کو ان باتوں سے کہ یہ بتاتے ہیں مگر اللہ کے چنے ہوئے بندے تو تم اور جو کچھ تم اللہ کے سوا پوجتے ہو۔ تم اس کے خلاف کسی کو بہکانے والے نہیں۔ مگر اسے جو بھڑکتی آگ میں جانے والا ہے اور فرشتے کہتے ہیں ہم میں ہر ایک کا ایک مقام معلوم ہے اور بیشک ہم پر پھیلائے حکم کے منتظر ہیں اور بیشک ہم اس کی تسبیح کرنے والے ہیں اور بیشک وہ کہتے تھے اگر ہمارے پاس اگلوں کی کوئی نصیحت ہوتی تو ضرور ہم اللہ کے چنے ہوئے بندے ہوتے تو اس کے منکر ہوئے تو عنقریب جان لیں گے اور بیشک ہمارا کلام گزر چکا ہے۔ ہمارے بھیجے ہوئے بندوں کے لیے کہ بیشک

انہیں کی مدد ہو گی اور بیشک ہمارا ہی لشکر غالب آئے گا تو ایک وقت تم ان سے منہ پھیر لو اور انہیں دیکھتے رہو کہ عنقریب وہ دیکھیں گے۔ تو کیا ہمارے عذاب کی جلدی کرتے ہیں۔ پھر جب اُترے گا ان کے آنگن میں تو ڈرائے گیوں کی کیا ہی بُری صبح ہو گی۔ اور ایک وقت تک ان سے منہ پھیر لو۔ اور انتظار کرو کہ وہ عنقریب دیکھیں گے۔ پاکی ہے تمہارے عزت والے رب کو اُن کی باتوں سے اور سلام ہے پیغمبروں پر اور سب خوبیاں اللہ کو جو سارے جہان کا رب ہے۔

بقیہ صفحہ ۲۵۶

گئی۔ بھڑ نے چیونٹی سے کہا کہ تو نے اتنا دکھ درد سر پر کیوں اُٹھا رکھا ہوا ہے۔ ذرا میرے عیش و عشرت کو بھی دیکھ لے کہ میں جو کچھ لذیذ طعام چاہتا ہوں کھاتا ہوں جو مزے میں لوٹ رہا ہوں بادشاہوں کے نصیب کہاں۔ جہاں سے جیسے جس طرح چاہوں کھا پی لیتا ہوں۔ یہ کہہ کر قصاب کی دکان پر گوشت کی بوٹی توڑنے لگا قصاب کے ہاتھ میں چھری تھی بھڑ پر مار کر اسکے دو ٹکڑے کر دیئے۔ زمین پر درد و کرب سے کراہنے والے بھڑ سے چیونٹی نے ٹانگ کھینچ کر کہا کہ پل بھر کی شہوت رانی زندگی بھر کے غم و الم اور پریشانی و اضطراب میں ڈال دیتی ہے۔ بھڑ نے چیونٹی سے کہا مجھے کھینچ کر وہاں لے جا جہاں میں شہوت رانی کا ارادہ نہ کر سکوں چیونٹی نے کہا کہ شہوت پرست جہاں بھی ہو وہ اپنی عادت سے باز نہیں آئے گا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں طبیعت اور نفس کی اصلاح کی توفیق بخشے اور آج کا دن کل کے دن سے بہتر بنائے اور اپنی جناب کی طرف توجہ کی توفیق بخشے اور اپنے دروازہ کی طرف رجوع دلائے وہی اوقاتِ جامعہ کی طرف قلوب راحصہ کو ہدایت بخشتا ہے۔ ہر قوم کو ہر یوم اسی سے مدد نصیب ہوئی ہے۔

تفسیر عالمانہ:۔ وان یونس۔ بن متی باتشدید متیٰ یونس علیہ السلام کے والد یا والدہ کا نام ہے اور کشف الاسرار میں ہے متی آپ کے والد کا نام ہے۔ آپ کی والدہ کا نام تنجیس ہے اور یونس ہود علیہما السلام کی اولاد سے ہیں (انوار المشارق) آپ ذوالنون و صاحب الحوت ہیں اس لیے کہ آپ کو مچھلی نے لقمہ بنا لیا تھا۔

ذوالنون مصری کی وجہ تسمیہ

حضرت ذوالنون مصری حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے ایک ولی کامل ہو گزرے ہیں

اور انہیں ذوالنون اس لیے کہا جاتا ہے کہ ایک روز آپ کشتی پہ سوار ہوئے۔ کشتی والوں میں سے کسی کا یاقوت گم ہو گیا ہے۔ سب نے کہا کہ اسی مسافر یعنی ذوالنون مصری نے چرایا ہے آپ نے انہیں جتنا اعتماد دلایا نہ مانے آپ نے قسم کھائی تب بھی نہ مانے بلکہ کہا کہ اس نے اپنے منہ میں دبا رکھا ہے۔ آپ لوگوں کی اس روش سے مضطرب ہوئے اور تھوڑی سی دیر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے تو دریا کی تمام مچھلیاں دریا سے نمودار ہوئیں اور ہر ایک کے منہ میں بہترین قیمتی یاقوت تھے کشتی والوں نے آپ کی کرامت دیکھ کر معذرت کی۔ آپ نے ان کی معذرت قبول کر کے دریا میں چھلانگ لگادی لیکن دریا میں ڈوبنے کے بجائے پانی پر چلتے رہے۔ اسی روز سے آپ کا نام ذوالنون پڑ گیا۔

لمن المرسلین۔ بقایا ثمود کی طرف نبی بن کر مبعوث ہوئے۔ یہ بقایا ثمود نینویٰ میں رہتے تھے۔

فائدہ: نینویٰ بالکسر النون الاولی وفتح الثانیۃ۔ بعض اس دوسرے نون کو بالضم پڑھا۔ یہ ایک گاؤں ہے جو اس ارض موصل میں دریائے دجلہ کے کنارے پر واقع ہے۔

فائدہ: حضرت شیخ اکبر قدس سرہ الاطہر نے فرمایا کہ میں یونس علیہ السلام کی قوم کے ایک مرد کو ۵۸۵ھ میں اندلس میں ملا جبکہ میں وہیں پر مقیم تھا اس کے قدم کے طول کا نشان جو زمین پر پڑا تھا پونے چار انگل تھا۔

یونس علیہ السلام کا قصہ: حضرت یونس علیہ السلام جب مبعوث ہوئے تو اپنی قوم کو چالیس سال مسلسل پیغام توحید پہنچایا اور وہ بت پرست تھے اُنہوں نے یونس علیہ السلام کی تکذیب کی اور اپنی غلطیوں سے باز رہنے کے بجائے اصرار کیا یونس علیہ السلام ان سے ناراض ہو کر فرما گئے کہ تم پر تین یا چالیس دونوں کے بعد عذاب نازل ہوگا۔ جب قوم کو عذاب کے نشانات محسوس ہوئے کہ آسمان پر کالے بادل منڈلانے لگے اور سیاہ دھواں نیچے کو اُترنا شروع ہو گیا یہاں تک کہ ان کے شہر کو گھیر لیا اور عذاب کو ان تک پہنچنے میں صرف ایک میل کا فاصلہ رہ گیا اُس وقت مخلصانہ طور پر عجز و انکساری سے دُعا مانگنے لگے۔ بچوں کو ماؤں نے جدا کر دیا نہ صرف انسان بلکہ جانوروں میں بھی عجز و نیاز کا طریقہ اختیار کیا مثلاً گدھیوں اور گایوں اور اونٹنیوں اور بھیڑوں اور گھوڑوں سے بچوں سے جدا کر دیا اور موٹے خود پہن کر جنگلوں میں دھاڑیں مار کر روئے اور بکثرت استغفار کی جب ان کی چیخ و پکار حد سے بڑھی تو اللہ تعالیٰ نے عذاب اُٹھا لیا اور ان کی توبہ قبول فرمالی۔ ادھر یونس علیہ السلام ان کی تباہی و بربادی کا انتظار کر رہے تھے۔ جب شام ہوئی تو قوم کا ایک آدمی یونس علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو آپ نے قوم کا حال پوچھا تو اُس نے کہا تمام ٹھیک ٹھاک اور خیر و عافیت سے ہیں اور ان کے عجز و الحاح کا تمام قصہ سنایا۔ یونس علیہ السلام نے فرمایا میں تو اب ان کے ہاں نہیں جاؤں گا کیونکہ اُنہوں نے

میری تکذیب کی اور پھر بچ گئے تو میں ان سے شرمسار ہوں اب کیسے انہیں منہ دکھاؤں۔ وحی کے انتظار کیے بغیر دریا کی طرف چل پڑے کما قال اذ ابق جب وہ نکل کر تشریف لے گئے یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یونس علیہ السلام گھر سے نکل کر باہر جانے کو یاد فرمایئے۔

حل لغات:۔ الاباق بمعنی اپنے آقا سے غلام کا بھاگنا۔ چونکہ یونس علیہ السلام اذنِ الٰہی کے بغیر چلے گئے اسی لیے مجازاً آپ پر اباق کا اطلاق کیا گیا تاکہ معلوم ہو کہ وہ کام شانِ نبوت کے خلاف تھا اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پیارے بندے ہو کر اجازت کے بغیر کیوں چلے گئے لیکن وہ جاتے بھی کہاں جبکہ اللہ تعالیٰ ہر شے کو محیط ہے۔

مسئلہ:۔ غلام کے فرائض و نوافل قبول نہیں ہوتے جب تک آقا کے ہاں واپس نہ لوٹے۔

فائدہ:۔ جب یہ ادنیٰ غلام کا حکم ہے تو اعلیٰ کا کیا حال ہوگا۔

الی الفلک المشحون بھری ہوئی کشتی کی طرف۔ وہ کشتی انسانوں اور جانوروں و دیگر مال و متاع سے پُر تھی۔

حل لغات:۔ اہلِ عرب المجہز اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنے سا فارغ ذوی شحن السفینۃ۔ اس وقت بولتے ہیں جب کشتی سامان سے بھر جائے۔ (القاموس)

فائدہ:۔ مروی ہے کہ جب یونس علیہ السلام کشتی میں سوار ہوئے تو وہی کشتی دریا کے درمیان میں ٹھہر گئی اور اس کے ٹھہرنے کا بظاہر کوئی سبب نہ تھا ملاحوں نے کہا اپنے آقا سے کوئی بھاگا ہوا غلام کشتی میں ہے اس لیے کہ کشتی دریا کے درمیان میں اُس وقت ٹھہر جاتی ہے جب ایسا واقعہ ہو۔ حضرت امام (فخر الدین رازی) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ ملاحوں نے اعلان کیا کہ تم میں کوئی اپنے آقا کا بے فرمان بندہ ہے اس لیے کشتی ٹھہر گئی ہے۔ اس کے ٹھہرنے کا سبب باد مخالف ہوا اور وہ بھی نہیں اور کوئی دیگر سبب بھی بظاہر معلوم نہیں ہوتا اور ہم نے بارہا آزمایا ہے کہ کشتی ٹھہرتی ہے تو اس وقت کوئی غلام بے فرمان ضرور اس میں ہوتا ہے اب ہم قرعہ اندازی کرتے ہیں جس کے نام قرعہ نکلا اسے دریا میں پھینکا جائے گا۔ اس لیے کہ اس کا ڈوبنا بہتر ہے اس سے کہ ہم سب ڈوب جائیں۔ تین بار قرعہ ڈالا گیا تو یونس علیہ السلام کے نام نکلا کما قال اللہ تعالیٰ فساھم۔ تو قرعہ ڈالا۔

حل لغات:۔ المساھمۃ بمعنی المقارعۃ یعنی قرعہ اندازی اور السھم۔ وہ تیر جو کمان سے پھینکا جائے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ آبق اور اہل فلک کے درمیان قرعہ اندازی ہوئی یعنی قرعہ اندازی کے طور پر تیر پھینکے۔

تفسیر کاشفی میں ہے بظاہر ایسے ہے کہ یہ ضمیر یونس علیہ السلام کی طرف راجع ہے یعنی یونس علیہ السلام

فائدہ:۔ نے اہل کشتی کے ساتھ تین بار قرعہ ڈالا۔ فکان من المدحضین۔ تو مغلوبوں سے ہو گئے۔

دراصل المدحض اس شخص کو کہا جاتا ہے جو فتح و نصرت سے ڈگمگا جائے۔ القاموس میں

حل لغات:۔ ہے کہ دحضت برجلہ بمعنی زلقت۔ اس کا پاؤں پھسلا۔ اور کہا جاتا ہے دحضت الشمس بمعنی زالت یعنی سورج ڈھل گیا اور کہا جاتا ہے دحضت الحجۃ دحوضًا بطلت یعنی دلیل باطل ہو گئی۔ اور ادحاض بمعنی حجت کا باطل کرنا یعنی جب یونس علیہ السلام کے نام قرعہ نکلا تو فرمایا وہی بھاگا ہوا غلام میں ہی ہوں۔ یا یوں کہا کہ اے لوگو بخدا وہی بھاگا ہوا غلام میں ہی ہوں۔ اس کے بعد آپ نے ایک کمبل لپیٹا اور کشتی پر کھڑے ہو کر دریا میں چھلانگ لگا دی۔ فالتقمہ الحوت۔ تو اسے مچھلی نے لقمہ بنا لیا۔

حل لغات:۔ الالتقام بمعنی الابتلاع یعنی لقمہ کرنا اور نگلنا کہا جاتا ہے لقمت اللقمۃ والتمتہا۔ یہ اُس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی شے کو نگل لے یعنی یونس علیہ السلام کو بہت بڑی مچھلی نے نگل لیا۔

فائدہ:۔ کاشفی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم دیا کہ وہ کشتی کے قریب ہو کر یونس علیہ السلام کو نگل لے کشف الاسرار میں لکھا ہے کہ یونس علیہ السلام کو مچھلی نے دائیں جانب سے آکر نگلا اور دریا کی تہ تک لے گئی یہاں تک کہ آپ نے کنکریوں کی تسبیح سُن لی۔

وھو ملیم۔ اور وہ ملامت والوں میں سے تھے۔ فالتقمہ کے مفعول سے حال ہے یعنی ملامت میں داخل ہونے والے۔ دخول فی الملامۃ کا مطلب یہ ہے کہ وہ ملامت کے لائق ہونا خواہ وہ مستحق ہو یا نہ ایسا عمل کیا جس پر ملامت کی جا سکتی تھی۔ اس تقریر پر ملیم بمعنی وہ شخص جو ملامت کا مستحق ہو خواہ اسے ملامت کی جائے یا نہ مثلاً کہا جاتا ہے الام الرجل یہ اُس وقت بولتے ہیں جو ایسا عمل کرے جس پر ملامت کی جا سکے یا اپنے آپ کو ملامت کرے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ یونس علیہ السلام اپنے آپ کو ملامت کرنے والے تھے کہ میں اپنی قوم سے کیوں بھاگا۔ اس معنیٰ پر ملیم کا ہمزہ تعدیہ کا ہو گا بخلاف پہلے دو معنوں کے کہ ان میں ہمزہ تعدیہ کا نہ ہو گا۔

یونس علیہ السلام کے ساتھ مراعات

مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو فرمایا کہ میں نے تجھے یونس علیہ السلام غذا کے طور پر نہیں دیا بلکہ اس

لیے دیا ہے تاکہ تو اس کی حفاظت کرے خبردار نہ تو ان کی ہڈیاں ٹوٹیں اور نہ ہی ان کے جسم پر خراش آئے حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں چالیس دن ٹھہرے رہے جیسا کہ ان کا دریا کے ساحل پر پھینکے جانے سے معلوم ہوتا ہے۔

فائدہ:- کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ تین یا سات روز لیکن مشہور یہی ہے کہ چالیس روز تک ٹھہرے رہے اور آپ کو اس مچھلی نے سات دریا پھرائے اور آپ کا گوشت و پوست شیشہ کی طرح صاف و شفاف ہو گیا اندریں اثنا حضرت یونس علیہ السلام نے دریا کے بڑے بڑے عجائبات دیکھے اور ذکر حق میں مشغول رہے۔

فلولا انه کان۔ اگر وہ نہ ہوتے من المسبحین بطن حوت میں تسبیح کرنے والوں میں سے ان کی تسبیح لا اله الا انت سبحانك انی کنت من الظلمین تھی۔ بعض نے المسبحین بمعنی الذاکرین لکھا ہے یعنی اگر مدۃ العمر اللہ تعالیٰ کا ذکر تسبیح سے کرنے والوں میں سے نہ ہوتے اور حضرت سہل نے بمعنی القائمین لکھا ہے یعنی ابتلاء سے پہلے اگر یونس علیہ السلام کے حقوق ذکر و صلوٰۃ وغیرہ سے ادا کرنے والوں میں سے نہ ہوتے للبث تو زندہ یا مردہ ہو کر ٹھہرے رہتے فی بطنه۔ مچھلی کے پیٹ میں الی یوم یبعثون اُس روز تک کہ مخلوق قبروں سے اٹھائی جاتی۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ اس کے تین وجوہ ہیں:

(۱) یونس علیہ السلام اور مچھلی قیامت تک زندہ رہتے۔

(۲) مچھلی مر جاتی اور آپ زندہ رہتے۔

(۳) دونوں فوت ہو جاتے اور یونس علیہ السلام قیامت میں اسی مچھلی کے پیٹ سے اٹھائے جاتے یہی بطن حوت آپ کے لیے بمنزلہ قبر کے ہوتی لیکن اس میں نہ ٹھہرے اس لیے کہ تسبیح کرنے والوں میں سے تھے۔

تفسیر صوفیانہ:- اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں بڑی برکت ہے اور تنبیہ ہے کہ یونس نبی علیہ السلام کی بھی شان بہت بڑی ہے نیز اس میں اشارہ ہے کہ یونس یعنی قلب کو جب مچھلی یعنی نفس نگل لے تو اس سے نجات صرف ذکر الٰہی سے نصیب ہو سکتی ہے نیز اس میں اشارہ ہے کہ ذکر حق پر مداومت سے دکھ درد ٹلتے ہیں۔ اگر واقع ہوں تو جلد اور باعزت طریق سے نجات نصیب ہوتی ہے نیز ثابت ہوا کہ عمل صالح سے انسان کے درجات بلند ہوتے ہیں اگر کسی دنیوی مصائب میں پھنس جاتا ہے تو اعمال صالحہ کی برکت سے چھٹکارا نصیب ہوتا ہے۔

فائدہ:- الوسیط میں ہے کہ یونس علیہ السلام چونکہ صالح اور ذاکر و شاکر انسان تھے اسی لیے جب بطن حوت میں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف فرمائی کہ فلولا انه کان من المسبحین اور چونکہ فرعون اللہ تعالیٰ کا نافرمان

بندہ اور سرکش اور اللہ تعالیٰ کو بھولنے والا تھا اسی لیے فرق ہوا تو اب کہنے لگا امنت بالذی امنت بہ بنو اسرائیل۔ اللہ تعالیٰ نے اسے فرمایا الآن وقد عصیت قبل۔

طاعون و وباء کا روحانی علاج:۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب طاعون و وباء عام ہو جائے تو تسبیح حق بہت زیادہ پڑھ کر بیماروں پر دم کیا جائے کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ عقوبت و عذاب ٹالتا ہے کما قال فلولا انہ کان من المسبحین۔ حضرت کعب نے فرمایا کہ سبحان اللہ کا وظیفہ عذاب کو ٹالتا ہے۔

حکایت:۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مجرم کو کوڑے مارنے کا حکم فرمایا اس نے پہلے کوڑے لگنے پر کہا سبحان اللہ۔ آپ نے فرمایا اسے چھوڑ دو اس لیے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھی ہے ؎

ذکر حق شافع بود درگاہ را
راضی و خوشنود کند اللہ را

ترجمہ:۔ ذکر الٰہی درگاہِ حق میں سفارش کرتا اور اللہ تعالیٰ راضی اور خوش کرتا ہے۔

فائدہ:۔ کشف الاسرار میں ہے کہ جب یونس علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مچھلی کے پیٹ میں پہنچایا تو اللہ تعالیٰ کا ذکر ان کی ظلمت کا چراغ ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے یونس علیہ السلام کو انس و محبت نصیب ہوتا تھا بظاہر مچھلی کا پیٹ یونس علیہ السلام کے لیے بلاؤ محنت تھی اور درحقیقت انہیں بارگاہِ حق کی خلوت گاہ نصیب ہوئی اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ انہیں غیروں سے اوجھل رکھ کر راز و نیاز کی باتیں سنائے اس کی مثال حضرت خلیل علیہ السلام کی ہے کہ جیسے انہیں نارِ نمرود میں راز و نیاز کا موقعہ ہوا ایسے ہی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے لیے سمجھئے کہ غارِ ثور میں سید کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ راز و نیاز کے حصول کا موقعہ نصیب ہوا کیونکہ غارِ ثور میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر انوار و تجلیات ربانی کا نزول ہوا جس سے امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بہرہ ور ہوئے۔

حضرت یونس علیہ السلام پر محبوبانہ عتاب

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت یونس علیہ السلام نے بطن حوت میں تسبیح پڑھی جسے آسمان پر ملائکہ نے سنا تو اللہ تعالیٰ سے عرض کی یا اللہ ایک کمزور آواز ایک ویران جگہ سے سنائی دیتی ہے یہ کس کی آواز ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ میرے بندے یونس علیہ السلام کی آواز ہے اُنہوں نے میری مرضی کے خلاف کام کیا جس پر میں نے انہیں بطن حوت میں بند کر دیا ملائکہ نے عرض کی وہی تیرا بندہ

جس کے شب و روز نیک عمل تیرے حضور میں حاضر ہوتے تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہاں وہی۔ ملائکہ کرام نے ان کی آزادی کی بارگاہِ حق میں درخواست کی جسے اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا اور مچھلی کو حکم فرمایا کہ انہیں دریا کے کنارے پر پھینک دے چنانچہ مچھلی نے آپ کو نصیبین کے شہر کے قریب دریا کے کنارے پر باہر پھینکا۔

کما قال اللہ تعالیٰ فنبذ ناہ بالعراء۔ توہم نے میدان میں پھینکا۔

حل لغات:۔ النبذ بمعنی الطرح یعنی کسی شے کو غیر معتبر سمجھ کر پھینکنا۔ العراء وہ خالی مکان جو کسی شے سے ڈھکا ہوا نہ ہو یہ التعری سے ہے وہ خالی فضا (میدان) جس پر نہ کوئی مکان ہو اور نہ سایہ دار درخت۔ اسے بھی العراء اسی لیے کہتے ہیں کہ کوئی شے ایسی نہیں ہوتی جس سے اس کے اہل اپنے آپ کو چھپا سکیں ایسے ہی انسان کے وہ اعضا جن کے لیے لائق ہے کہ انہیں نہ ڈھانپا جائے جیسے ہاتھ۔ پاؤں اور چہرہ ان کو بھی معادی اسی لیے کہتے ہیں کہ انہیں کسی شے سے چھپایا نہیں جاتا فنبذ ناہ میں فعل کا اسناد اللہ تعالیٰ کی طرف ہے حالانکہ مچھلی نے پھینکا تو یہ اسناد الفعل الی السبب الحامل علی الفعل کے قبیل سے ہے دراصل عبارت فحملنا الحوت الخ یعنی ہم نے ہی مچھلی کو برانگیختہ فرمایا کہ وہ یونس علیہ السلام کو ایسی خالی جگہ پر پھینک دے جہاں پر نہ درخت ہوں نہ انگوری۔

تفسیر عالمانہ:۔

وھو سقیم۔ اور بدن کے لحاظ سے نہایت علیل تھے اس لیے کہ بدن کو بطن حوت میں ضعف اور کمزوری پہنچی تھی اور ایسے کمزور تھے جیسے نومولود بچہ جو نیا پیدا ہوتا ہے تو اس کا بدن نہایت ہی کمزور ہوتا ہے۔ جسے کسی قسم کی قوت نہیں ہوتی یا آپ کے جسم سے گوشت ختم ہو گیا اور بال جھڑ گئے تھے جیسے چوزہ کہ جس پر نہ بال ہوتے ہیں نہ پر۔ اور ہڈیاں ایسی کمزور اور رقیق ہو گئی تھیں کہ جن میں نہ دھوپ کی برداشت تھی اور نہ ہوا کے جھونکوں کی تاب۔

تفسیر صوفیانہ:۔

اس میں اشارہ ہے کہ قلب اگرچہ نفس کے قید خانہ اور بحر دنیا سے نجات پا جائے تب بھی صحبت نفس اور اس کی طبیعت سے ساتھ رہنے کی وجہ سے اس کا اپنا قلبی مزاج منحرف ہو کر بیمار سا معلوم ہوتا ہے۔

تفسیر عالمانہ:۔

وانبتنا علیہ۔ اور ہم نے اس کے اوپر سایہ کے طور اگایا۔ شجرۃ من یقطین۔ کدو کا پودا۔

حل لغات:۔ یقطین بروزن یفعیل۔ قطن بالمکان سے مشتق ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی اسی مکان میں مقیم ہو جائے۔ اس کا اشتقاق ینبوع کی طرح ہے کہ جیسے وہ نبع سے مشتق ہے ایسے ہی یہ قطن سے مشتق ہے یہ مفہوم کلی کے لیے وضع کیا گیا ہے جو کدو۔ بطیخ۔ قثا

تو اد. حنظل اور دیگر وہ درخت جن کے پتے زمین پر پھیلے ہوں اور اس کی پنڈلی نہ ہو اس کا واحد یقطینة
آ تا ہے۔ القاموس میں ہے الیقطین وہ انگوری وغیرہ کہ پنڈلی نہ ہو اور یا۔ کے ساتھ ہو تو ترکدو کو کہا جاتا
- ہے۔ یہاں پر صرف کدو مراد ہے۔ اہل عرب کے نزدیک عام لفظ سے اس کے بعض جزئیات مراد لینا
ج جائز ہے یہ اسی قبیل سے ہے۔

فائدہ: ابن الشیخ نے فرمایا کہ غالباً یقطین سے صرف کدو مراد لیا گیا حالانکہ شجر کا لفظ ہر اس درخت وغیرہ کو کہا جاتا ہے جس کی پنڈلی ہو اور وہ زمین پر نہ پھیلے اس کی وجہ یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے یونس علیہ السلام پر ایک ایسا درخت اگایا جو ان کی چھت کا کام دے سکے لیکن اس کے نیچے کدو بھی پیدا فرمایا پھر وہ اس درخت پر ایسا غالب آگیا کہ اس کی جملہ ٹہنیوں پر پھیل گیا پھر وہ درخت ایسے محسوس ہوتا کہ گویا وہ کدو کا درخت ہے اور یونس علیہ السلام کے معجزات میں سے ہے کہ ان کے لیے اس طرح کا عجیب الشان درخت پیدا ہوا۔ غرضیکہ اس درخت کے سایہ کے نیچے آرام فرمایا اور مکھیوں سے بچنے کے لیے اس کے پتے اپنے تمام جسم پر لپیٹ لیے اس لیے کہ کدو کے پتوں پر مکھی نہیں بیٹھتی بخلاف دوسرے درختوں کے کہ ان کے پتوں پر مکھیاں بیٹھتی ہیں چونکہ جب یونس علیہ السلام دریا سے باہر تشریف لائے تو آپ کا جسم نہایت لطیف تھا جو مکھیوں کے بیٹھنے سے ایذاء پاتا تھا اسی لیے آپ نے کدو کے پتوں سے اپنے جسم مبارک کو ڈھانپا۔

کدو سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آپ کدو سے کیوں محبت فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ میرے بھائی یونس علیہ السلام کا درخت ہے۔

کدو کا بے ادب کافر ہے: حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے سوال ہوا کہ اگر کسی سے کہا جائے کہ کدو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مرغوب تھا اور وہ شخص کہے کہ مجھے تو وہ ناپسند ہے تو یہ شخص کافر ہو گیا لیکن شرط یہ ہے کہ قائل تحقیر و استخفاف کے ارادہ پر کہے اگر ایسا ارادہ نہ ہو تو کافر نہیں یہی متاخرین کا مذہب ہے۔

فائدہ: مروی ہے کہ آپ کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک پہاڑی بکری مقرر فرمائی جو صبح و شام آپ کے سامنے حاضر ہو کر دودھ پیش کرتی جسے آپ نوش فرماتے یہاں تک کہ آپ کا گوشت پختہ ہو گیا اور بال اُگ آئے اور آپ کی سابقہ قوت عود کر آئی۔

وارسلناہ الی مأۃ الف ۔ اور ہم نے انھیں ایک لاکھ کے ہاں رسول بنا کر بھیجا اس سے وہ ... نی
قوم مراد ہے جس سے آپ نے راہ فرار اختیار فرمایا اور ارسال سے وہی سابق مراد ہے یعنی قبل از فرار جس ... طرح
رسول تھے ۔ اب اسی رسالت پر تشریف لائے یا یہ معنیٰ ہے کہ پہلے آپ کو علی الاطلاق رسول بنانے کی خبر ... ر دی
گئی ۔ اب پھر فرمایا گیا کہ آپ ایک لاکھ کے ہاں رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں ۔ ان دونوں رسالت کی خبر ... رکے
درمیان راہ فرار اختیار کرنے اور مچھلی کے لقمہ کرنے کو اس لیے لایا گیا ہے کہ بسبب معلوم ہو یعنی آگاہی ... ہو کہ
انھوں نے قوم کو عذاب الٰہی سے ڈرایا اور نزول عذاب کا وقت بھی بتایا اور ان پر عذاب کے آثار سا... نے آگئے
اور وہ آہ وزاری سے بچ گئے اور دوسری وجہ یہ کہ چونکہ ان کے ایمان کا ذکر بعد کو ہوگا تو معلوم ہو کہ و... ہ یونس
علیہ السلام کے رسول مبعوث ہونے کے فوراً بعد ایمان نہیں لائے بلکہ واقعہ مذکور کے بعد ایمان ... قبول کیا ۔
چنانچہ **فآمنوا** کی فاء تعقیبیہ سے ظاہر ہے ۔ **اویزیدون** ۔ یوں محسوس ہوتا کہ وہ لاکھ افراد ... سے بھی
زائد ہیں ۔ یعنی دیکھنے والا محسوس کرتا کہ شاید یہ لوگ لاکھ سے بیس[٢٠] یا تیس[٣٠] یا ستر ہزار مزید ہیں ... ۔ آدمیوں
ناظرین کے شک کی وجہ سے ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کو شک کیسا اس کے لیے تو شک محال ہے اس سے ان ... کی کثرت
کا اظہار مطلوب ہے ۔

قاعدہ : یہی جواب ہر جگہ کام آئے گا یعنی جہاں اللہ تعالیٰ کے کلام میں لفظ **او** واقع ہو وہاں مخاطبی... ن کا شک
مراد ہوگا مثلاً عذراً اونذراً = اور **لعلہ یذکر او یخشی** اور **لعلھم یتقون او یحدث لھم**
ذکری وغیرہ وغیرہ ۔

فآمنوا ۔ حلول عذاب کے جب علامات دیکھے تو پُرخلوص ہو کر ایمان لائے ۔

فمتعناھم ۔ تو ہم نے انہیں حیات دنیا میں متمتع فرمایا اور ایک عرصہ تک دنیوی زندگی ... بسر کی ۔
الی حین اتنا عرصہ تک جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقدر فرمایا ۔ اس میں اشارہ ہے کہ جب ... ب ان سے
عذاب ٹل گیا اور جس سزا کے وہ مستحق تھے اس سے بچ گئے ۔

معجزۂ یونس علیہ السلام : حضرت یونس علیہ السلام ایک درخت کے نیچے آرام فرما کر بیدا... ر ہوئے تو
وہی درخت خشک ہوگیا ۔ آپ وہاں سے نینویٰ شہر کی طرف ... چل پڑے
اس کے کنارے ایک نوجوان بکریاں چراتا تھا اسے فرمایا تو کون ہے عرض کی میں یونس علیہ السلام ... کی قوم کا ایک
فرد ہوں فرمایا جب تم واپس لوٹو تو انہیں میرا سلام کہہ دینا میں ہی یونس (علیہ السلام) ہوں ۔ ا... ور انھیں صاف
کہہ دینا کہ میں یونس علیہ السلام سے ملا ہوں اور انھیں بچشم خود دیکھا ہے ۔ عرض کی آپ کو معلو... م ہے کہ ہماری
قوم کا قانون ہے کہ جو کوئی بات کہے اور گواہ نہ لائے تو اسے قتل کر دیا جاتا ہے ۔ آپ فرمائیے ... میں اگر آپ

کو سلام کہوں اور آپ کی ملاقات کا ذکر کروں تو پھر گواہ کہاں سے لاؤں۔ یونس علیہ السلام نے فرمایا کہ تیرے گواہ یہی درخت اور یہی جگہ ہو گی عرض کی آپ انھیں فرمادیں۔ آپ نے دونوں کو فرمایا کہ جب تمھیں یہ گواہی دینے کے لیے کہے تو تم گواہی دے دینا۔ انہوں نے عرض کی ہاں ضرور گواہی دیں گے وہ غلام لوٹ کر قوم کے بادشاہ کے ہاں پہنچا اور کہا کہ میں یونس علیہ السلام سے ملا ہوں اور وہ آپ کو سلام کہہ رہے ہیں۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اسے قتل کر دو اس نے عرض کی میرے ہاں گواہ ہیں آپ میرے ساتھ ایک جماعت بھیجئے بادشاہ نے اس کے ساتھ ایک جماعت بھیجی جو گواہوں کی بات کانوں سے سنیں چنانچہ جب اس درخت اور جگہ پر پہنچے تو غلام نے کہا میں خدا تعالیٰ کی قسم دے کر تم سے پوچھتا ہوں کہ تمھیں یونس علیہ السلام نے میری گواہی کا فرمایا تھا۔ دونوں بولے ہاں ہم گواہی دیتے ہیں کہ اس کے بارے میں ہمیں یونس علیہ السلام نے گواہ بنایا تھا درخت اور جگہ کی بات سن کر جماعت گھبرا کر بادشاہ کو آنکھوں دیکھا تمام حال سنایا تو بادشاہ نے اس غلام کا ہاتھ پکڑ کر تخت شاہی پر بٹھا دیا اور کہا کہ اب اس تخت کے لائق بھی تو ہے چنانچہ وہ غلام چالیس سال تک تخت نشین رہا۔

فائدہ: بعض تفاسیر میں مروی ہے کہ یونس علیہ السلام پر جب قوم ایمان لائی تو عرض کی کہ آپ ہمارے ہاں تشریف لائیں۔ آپ نے انکار کرتے ہوئے فرمایا کہ نبی علیہ السلام جس جگہ سے ہجرت کر کے چلا جائے وہاں پھر سکونت کرنے کے لیے نہیں لوٹتا۔

خالق کو مخلوق سے پیار: مروی ہے کہ جب یونس علیہ السلام بیدار ہوئے تو درخت کو خشک پایا آپ کو دھوپ سے تکلیف محسوس ہوئی۔ آپ درخت خشک ہونے سے مغموم و محزون ہوئے تو رونے لگے اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو بھیج کر فرمایا کہ اے یونس علیہ السلام تم اس درخت کو خشک دیکھ کر مغموم ہو رہے ہو جسے نہ تو تم نے پیدا کیا اور نہ ہی اسے اگایا اور نہ ہی اس کی پرورش کی۔ میں نے جو ایک لاکھ سے زائد بندے پیدا کر کے انہیں پالا۔ جوان کیا آپ تو ایک لحہ میں ان سب کی جڑ کاٹنے کے لیے تیار ہو گئے تھے حالانکہ انہوں نے بعد کو توبہ کی اور میں نے ان کی توبہ قبول کر لی۔ میری رحمت کتنی وسیع ہے اور تمھیں معلوم ہے کہ میں ارحم الراحمین ہوں۔

فائدہ: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا خوب فرمایا اس سے آپ کی مراد یہی ہے کہ بندے کو ترغیب ہو کہ وہ کس لیے پیدا کیا گیا اور اسے شوق پیدا ہوا کہ وہ اس ظاہری ڈھانچہ کو جب تک نہ مٹائے گا ترقی نہیں ہو گی اور اس ڈھانچے کو ڈھانا بھی بحکم خداوندی ہے اور اس سے بندے کو ترقی نصیب ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہوتا ہے اور بندے کو ترقی درجات کے ساتھ درجۂ شہادت نصیب ہوتا ہے اور

اور حضور علیہ السلام کی وہ ارشاد گرامی یہ ہے ۔

حدیث شریف:۔ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمھیں ایسے عمل کی خبر نہ دوں جو اعدائے دین کے لیے میدان جنگ میں اُترنے اور ان کی گردن اڑانے اور تمھارے شہید ہونے سے بہتر اور افضل ہے ۔ فرمایا وہ عمل ذکر الٰہی ہے ۔

فائدہ:۔ اس ظاہری ڈھانچے کو باقی رکھنے سے اس کا مٹانا افضل ہے ۔

برتن ساز برتن توڑ دے:۔ کشف الاسرار میں ہے کہ جب حضرت یونس علیہ السلام لبطن حوت کی ظلمات پاکر واپس قوم کے ہاں پہنچے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے وحی بھیجی کہ آپ فلاں برتن ساز سے فرمایئے کہ اس سال جتنا برتن تیار کیے ہیں سب کو توڑ ڈالے ۔ یونس علیہ السلام کو اس برتن ساز کی محنت پر رحم آیا بارگاہِ حق میں عرض کی یا اللہ مجھے اس بیچارے برتن ساز کے حال پر رحم آتا ہے کہ اس غریب نے کتنی محنت کی اور تو ایک سیکنڈ میں اس کا نقصان کر رہا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے یونس (علیہ السلام) تم ایک بندے کی ایک سال کی محنت کا غم کر رہا ہے اور ان لاکھ انسانوں پر رحم نہیں فرماتا کہ وہ میرے پیدا کردہ بہترین مخلوق ہیں جنہیں ایک کرن میں دعا مانگ کر تباہ و برباد کرنا چاہتے ہو اے یونس (علیہ السلام) اگر تو انھیں پیدا کرتا تو تجھے ان پر ضرور رحم آتا ۔

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کی کہانی:۔ بعد از وفات بشر حافی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو کسی نے خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا کیا آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے عتاب فرمایا کہ اے بشر حافی دنیا میں تو مجھ سے بہت زیادہ کیوں خوفزدہ تھا کیا تمھیں معلوم نہیں کہ رحمت اور لطف وکرم میری صفت ہے ۔

شفاعتی لاہل الکبائر:۔ حضور سرور کائنات محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ یا اللہ مجھے ان لوگوں کے متعلق شفاعت کی اجازت بخشئے جنہوں نے دنیا میں کوئی ایک نیکی بھی نہ کی ہو ۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے محبوب محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم یہ شان تو میری ہے اور ایسے بندوں کو تو میں خود بخشوں گا ۔ اُس وقت اعلان ہوگا کہ دوزخ سے ان لوگوں کو نکال لو جنہوں نے صرف ایک بار اللہ تعالیٰ کو یاد کیا ہو ۔

سبق:۔ اللہ تعالیٰ کی یہ وہ رحمت ہے جس کی انتہا نہیں کہ جہاں عقل وفہم دنگ اور فہم وفراست گم ہو جاتا ہے یہ وہ فضل باری ہے جہاں حد وحساب ختم یہ وہ کرم ہے جہاں حیرانی کے سوا کچھ حاصل نہیں ۔ گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے بندے اگر تو فرمانبرداری میں زندگی بسر کرے گا تو قبول کرنا میرا کام ۔ اگر

کچھ مانگے گا تو میری عطا میں کمی نہیں۔ اگر تیرے گناہ صادر ہوں تو معاف کرنا میرا طریقہ ہے رحمت کا پانی میرے ہاں راحت میرے کوچہ میں میری تلاش میں فرحت ہی فرحت ہے۔ کیونکہ اس کا نصیب ہوتا ہے تو میرے جمال سے۔ میری بقاء میں ہی سرور ہے اور میرے دیدار میں شادمانی ہی شادمانی ہے۔

تفسیر صوفیانہ: جناب کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ فمتعناھم الیٰ حین۔ ہم نے ایک وقت مقرر تک انھیں بہرہ ور فرمایا پھر اجل کے تقاضا پر ان کے ہاں امانت رکھی ہوئی ہے کو واپس بلایا اسے بڑی سے بڑی طاقت بھی نہیں روک سکتی اور نہ ہی بہت بڑے مال خرچ کرنے سے رُوح کی واپسی کو منع کیا جا سکتا ہے۔ ؎

روزے کہ اجل دست کشاید بستیز
و ز بہر ہلاک برکشد خنجر تیز

ترجمہ:۔ جب دست اجل نے جنگ کے ہاتھ کھولے۔ جب اس نے تیرے مٹانے کے لیے خنجر کھولا۔

نہ وقت جدل بود نہ ہنگام دخیل
نہ روئے مقاومت نہ یارائے عزیز

ترجمہ:۔ اُس وقت نہ لڑنے سے تیری جان چھوٹے گی اور نہ ہی کچھ خرچ کرنے سے: مقابلہ کی گنجائش اور نہ ہی کسی عزیز دوست کی امداد کام دے گی۔

فائدہ: پیغمبروں میں حضرت یونس علیہ السلام میں وہی آخری قصہ ہے جس میں اذیت و تکلیف برداشت نہ کرنے اور راہ فرار اختیار کرنے کا بیان ہے ایسے ہی منصور حلاج کے مناقب تمام اولیاء کے مناقب کے آخر میں مذکور ہوتے ہیں اس لیے کہ اُنہوں نے انا الحق کا دعویٰ علی الاطلاق کھلم کھلا کیا۔

فائدہ: حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت یونس علیہ السلام ہر دونوں کے قصّوں کو سلام پر ختم نہ کرنے میں بھی یہی نکتہ ہے حالانکہ اس سورۃ میں ہر نبی علیہ السلام کے قصّہ کو سلام پر ختم کیا جاتا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ معلوم ہو کہ انبیاء علیہم السلام بحیثیت مراتب کے مختلف درجات رکھتے ہیں۔ بعض ان میں صاحب شریعت اولوالعزم ہیں جن کے قصوں پر سلام کا ذکر ہے وہ صاحب شرائع اور اولوالعزم ہیں اور جن کے ذکر میں سلام نہیں وہ صاحبِ شریعت اور اولوالعزم نہیں ہیں یہی قاضی بیضاوی نے فرمایا اور یہی شیخ رشید الدین نے کشف الاسرار میں لکھا اور اس تقریر کو مولانا ابو السعود نے اپنی تفسیر میں بصیغۂ تمریض بیان فرمایا ہے۔

صاحب روح البیان کی تقریر: صاحب رُوح قدس سرہٗ نے لکھا کہ ایاس و یونس علیہما السلام ہر دونوں برابر ہیں کہ وہ دونوں اگرچہ صاحبِ شریعت تھے

اور نہ اولوالعزم لیکن ان پر بھی من وجہ خصوصیت سے سلام کہا گیا ہے اور وہ خصوصیت سورۃ کے آخر میں مذکور ہے اگرچہ مجموعی طور جس میں یہ دونوں نبی علیہما السلام شامل ہیں لیکن بہتر یہ ہے کہ کہا جائے کہ ان انبیاء علیہم السلام کے قصوں کے آخر میں سلام کے ذکر کے علاوہ بقایا کے لیے سورۃ کے آخر میں **سلام** علی المرسلین کہا گیا ہے اگرچہ پھر عمومی لحاظ سے مذکورہ حضرات بھی شامل ہو گئے۔

فاستفتہم۔ تو ان سے پوچھیے جب اللہ تعالیٰ صفاتِ کمالیہ اور عظمت و جلال سے موصوف اور تخلیق و ربوبیت میں منفرد ہے اور جمیع انبیاء علیہم السلام اس کی عبودیت کے مقر اور اس کے بندوں کو توحید و حقیقت تنزیہ کی دعوت دینے والے ہیں تو کافروں کو زجر و توبیخ اور قریش مکہ کے جہل کا اظہار کر کے ان سے پوچھئے۔

شانِ نزول:۔ عرب کے بعض گروہ جہینہ و بنو سلمہ و خزاعہ و بنی ملیح کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے جنات سے نکاح کیا ہے۔ ان سے ملائکہ پیدا ہوئے ہیں۔ اسی لیے ملائکہ اللہ تعالیٰ کی لڑکیاں ہیں یہی وجہ ہے کہ انھیں اللہ تعالیٰ لوگوں کی آنکھوں سے مخفی رکھتا ہے اس طرح سے انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اولاد اور ملائکہ کے لیے انوثت ثابت کی اور بھونڈی تقسیم کی کہ لڑکیاں اللہ تعالیٰ کی ہیں اور لڑکے اپنے لیے اور پھر اولاد نرینہ پر فخر و مباہات کے اظہار کرتے لیکن لڑکیوں سے سخت متنفر تھے بلکہ انھیں زندہ درگور کر دیتے تھے کما قال اللہ تعالیٰ **واذا بشر احدھم بالانثی ظل وجہہ مسودا وھو کظیم** جب ان کے ایک بچی کی خبر سنائی جاتی ہے تو اس کا منہ کالا سیاہ ہو جاتا ہے۔

تعبیر خواب:۔ مذکورہ آیت سے مفسرین نے استدلال کیا ہے کہ جس نے خواب میں دیکھا کہ اس کا چہرہ سیاہ ہو گیا تو اس کے ہاں لڑکی پیدا ہو گی۔ پھر جس سے مخلوق کو نفرت ہو وہ اللہ تعالیٰ کے لیے کس طرح ثابت کی جا سکتی ہے کما قال **الربك البنات**۔ کیا تمھارے رب تعالیٰ کے لیے لڑکیاں جو تمھاری نظروں میں ذلیل جنس ہیں۔ **ولھم البنون**۔ اور کافروں کے لیے لڑکے جو ارفع جنس سے ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ خود کو اللہ تعالیٰ پر فضیلت دیتے تھے اور ایسا تو کم عقل انسان بھی نہیں کہہ سکتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **الکم الذکر ولہ الانثی تلك اذا قسمۃ ضیزی**۔ یہ تقسیم جو کافروں نے کر رکھی ہے یہ سراسر ظلم ہے اس میں ذرّہ برابر بھی انصاف نہیں۔

فائدہ:۔ اس میں اشارہ ہے کہ بعض انسان کتنے جاہل اور حد درجہ کے گمراہ ہیں خود کو نفس کمینے نفس کے سپرد کر دیتے ہیں اور اسے اس کی طبیعت کے موافق عمل کرنے کی کھلی چھٹی دے دیتے ہیں۔ پھر ان بدبختوں کو دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ کو ایسے نقائص و عیوب کا مستحق سمجھتے ہیں جس کا معمولی سے معمولی انسان بھی مستحق نہیں بلکہ اہل دنیا

گھٹیا انسان بھی ایسے نقائص وعیوب اپنے لیے نہیں چاہے گا چہ جائیکہ خالق کائنات ؎

بری ذاتش از تہمت ضد و جنس
غنی ذاتش از تہمت جنّ و انس

ترجمہ:۔ اس کی ذات تہمت ضد و جنس سے بری ہے اس کی ذات تہمت جنس و انس سے غنی ہے۔

نہ مستغنی ز طاعتش پشت کس
نہ برف حرف او جائے انگشت کس

ترجمہ:۔ اسے نہ کسی عبادت کی ضرورت ہے نہ ہی اس کے حرف پر کسی کو انگشت ہوسکتی ہے۔

دوسری تبکیت یوں فرمائی کہ ام خلقنا الملائکۃ اناثا۔ کیا ہم نے ملائکہ کو لڑکیاں بنایا۔

حل لغات:۔ الاناث بروزن کتاب اُنثیٰ کی جمع ہے یعنی کیا ہم نے ان ملائکہ کو جو اشرف الخلائق اور اجسام کی صفات اور ذائل طبائع سے بعید ترہیں عورتیں بنا کر پیدا فرمایا اور انوثت حیوانات کی خسیس ترین صفات سے ہے۔

لطیفہ:۔ اگر کسی اَدنیٰ انسان کو کہا جائے کہ تو عورت ہے تو وہ سیخ پا ہو کر اپنے سے باہر ہو جائے گا یعنی سخت ناراض ہو جائے گا اور کہنے والے کو کوسے گا۔

مسئلہ:۔ ملائکہ کو عورتیں کہنا ان کی سخت توہین ہے اور ملائکہ کی توہین کفر ہے۔

وھم شاھدون۔ اور وہ اس پر گواہ ہیں۔ یہ خلقنا کے فاعل سے حال ہے استہزاء و تجہیل کا فائدہ دیتا ہے یعنی جس وقت ہم نے ملائکہ کو پیدا کیا تو کیا یہ لوگ اُس وقت حاضر تھے جس کی وجہ سے یہ لوگ ایسی باتیں کرتے ہیں کیونکہ ایسے اُمور مشاہدہ کے بغیر محال ہوتے ہیں اور نہ ہی انھیں عقل سے سمجھا جاتا ہے اور نہ ہی استدلال سے کام لیا جاتا ہے اس لیے کہ انوثت اُن کی ذات کا لازمہ نہیں بلکہ یہ لازمۂ خارجیہ سے ہے اور نقلی دلیل بھی ان کے ہاں نہیں ہے۔ ان جملہ اُمور کو ملانے سے نتیجہ نکلا کہ ملائکہ کو انوثت سے موصوف کرنے والا لازم ہے کہ وہ ملائکہ کی تخلیق کے وقت حاضر ہو کیونکہ علم کے اسباب یہی تین ہیں اور یہ تینوں اسباب ان کے ہاں نہیں ہیں تو پھر وہ کسی منہ سے کہتے ہیں کہ ملائکہ عورتیں ہیں جبکہ وہ تخلیق ملائکہ کے وقت موجود ہی نہیں تھے اب جملہ مستانفہ کے طور پر فرمایا۔

اِلَآ یہ حرف تنبیہ کا ہے بمعنی جان لو۔ **انھم من افکھم۔** بیشک وہ ان کے بہت بُرے کذب کی وجہ سے ہے۔ **لیقولون ولد اللہ** کے متعلق ہے یعنی وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بچہ جنا ہے یعنی اُن کے مذہب کی بناء پر افک صریح و افتراء قبیح پر ہے۔ ان کے ہاں کوئی دلیل نہیں لفظ ولد

عام ہے لڑکوں ۔ لڑکیوں قلیل وکثیر سب کو شامل ہے اس سے تو اللہ تعالیٰ کی جسمانیت اور اس کی ثنائیت کا ثبوت ملتا ہے اور ولادت سے جسمانیت اور فساد وکون پیدا ہوتے ہیں ۔

وانہم الکاذبون اور بیشک وہ اپنے قول میں واضح طور جھوٹے ہیں اور ان کے صریح جھوٹ میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہے ۔

اصطفی البنات علی البنین ۔ اُس نے چُنی لڑکیاں لڑکوں پر ۔

حل لغات :۔ اصطفی بفتح الہمزہ اور یہ ہمزہ استفہامیہ انکار و ابتعاد کے لیے ہے اور اصطفیٰ افتعال کے باب پر داخل ہوا ہے یہ دراصل أ اِصْطَفیٰ ہمزہ افتعال وصلی تھا ۔ ہمزۂ استفہام کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے ۔

الاصطفاء بمعنی اخذ صفوۃ الشئ لنفسہ یعنی اچھی شے اپنے لیے لینا یعنی کیا تم کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے لڑکوں کے بجائے لڑکیاں چن لی ہیں ۔ باوجودیکہ وہ انہیں نقصان بھری چیز سمجھتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے لیے کہتے ہیں کہ اس نے بہتر شے کے بجائے ادنیٰ کو اختیار کیا ہے یعنی انہوں نے لڑکیوں کے لیے اللہ تعالیٰ کا انتخاب کیا ہے باوجودیکہ انھیں ان سے نفرت ہے اور اپنے لیے لڑکوں کا کہ جس پر انہیں فخر وناز ہے ۔

مالکم ۔ تمھیں اس دعویٰ میں کیا ہوا ہے اور کاشفی نے اس کا ترجمہ لکھا ہے کہ یہ تمھاری تقسیم کیسی ہے ۔

کیف تحکمون ۔ وہ ذات جو جملہ عالمین سے مستغنی ہے اس کے متعلق تم کیسے فیصلہ کر رہے ہو جو صراحۃً باطل ہیں جس کے لیے بداہۃً عقل گواہی دیتی ہے کہ یہ فیصلہ سراسر باطل اور غلط ہے ۔ اے مشرکو ! اس فیصلہ پر نظر ثانی کرو اس لیے کہ یہ فیصلہ نہیں بلکہ ظلم ہی ظلم ہے خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں سے فرمایا کہ اے کافرو ! یہ کیسے فیصلہ کر رہے ہو اور کیسی غلط نسبت میری طرف کر رہے ہو جسے تم خود نہیں پسند کرتے ۔

فائدہ :۔ ابن الشیخ نے فرمایا کہ یہ دونوں جملے استفہامیہ ہیں انھیں کسی ایک کو دوسرے سے اعراب کے لحاظ سے کوئی تعلق نہیں ۔ پہلے استفہام انکاری ان کے استقرار و اثبات سے کیا گیا پھر ان کے حکم فاسد سے استفہام تعجب لائے یعنی یہ عجیب لوگ ہیں کہ اشرف جنس (ابناء) اپنے لیے اور اخس جنس (بنات) اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت کرتے ہیں ۔

افلا تذکرون دراصل تتذکرون تھا ۔ ایک تاء کو حذف کر دیا گیا ہے اور فاء کا عطف فعل مقدر پر ہے ۔ دراصل عبارت اتلاحظون ذلك فلا تتذکرون الخ تھی یعنی وہ اس لحاظ سے اس کے بطلان پر نصیحت کیوں نہیں حاصل کرتے اس لیے کہ ہر ذکی وغبی جانتا ہے کہ ان کا دعویٰ مذکورہ سراسر

باطل ہے اس کے بعد تبکیت دیگر بیان فرمائی کہ ام لکم سلطان. کیا اُن کے ہاں کوئی آسمان سے دلیل اُتری ہے جس کی وجہ سے وہ کہتے ہیں کہ ملائکہ بنات اللہ ہیں۔ کیونکہ یہ بدیہی بات ہے کہ ہر دعویٰ کے لیے دلیل ضروری ہے دلیل یا عقلی ہوتی ہے یا حسّی۔ اگر یہ دونوں نہ ہوں تو پھر دلیل نقلی لازم ہے۔

فائتوا بکتابکم۔ تو لاؤ ایسی بولتی ہوئی کتاب جو تمہارے دعویٰ کی تصدیق کرے۔ باء تعدیہ کی ہے ان کنتم صدقین۔ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو۔ جب تمہارے ہاں تمہارے دعویٰ کی تصدیق کے لیے کوئی آسمانی کتاب نہیں تو پھر اپنے جھوٹے دعویٰ پر اصرار کیوں کرتے ہو۔ اس خطاب سے غیب کے صیغے کی طرف التفات فرمایا تاکہ تنبیہہ ہو کہ ان کے ہاں کوئی جواب نہیں کہ ان سے گفتگو بھی کی جائے بلکہ ان کی غلطیاں بیان کی جائیں۔ وجعلوا بینہ و بین الجنۃ۔ اور اُنہوں نے اللہ اور ملائکہ کے درمیان بنایا۔

حل لغات: الجنہ بالکسر جن اور ملائکہ کی جمع ہے (القاموس) لیکن یہاں پر صرف ملائکہ مراد ہیں اس لیے کہ وہ آنکھوں سے اُوجھل ہیں اسی لیے ماں کے پیٹ کے اندر کے بچے کو جنین کہا جاتا ہے کہ وہ آنکھوں سے اوجھل ہوتا ہے اور جنون کو بھی اسی لیے جنون کہتے ہیں کہ وہ عقل کو چھپا لیتا ہے۔

الجنۃ بالضم معنی اترس یعنی ڈھال وہ بھی اسی لیے کہ وہ انسان کو دشمن کے حملہ سے چھپاتی ہے۔

الجنۃ (بالفتح) باغ کو اسی لیے جنت کہا جاتا ہے کہ اس کے بڑے بڑے درخت زمین کو چھپا لیتے ہیں۔ اسی طرح جو بھی آنکھوں سے اُوجھل ہوگا اُسے انہی الفاظ سے استعمال کیا جائے گا۔ گویا یہ ایک اسم جنس ہے جس میں ملائکہ بھی داخل ہیں اور جن بھی۔ بعض اہل لغت نے کہا کہ جن واحد ہے اور اس کی فطرت خباثت اور شرارت و سرکشی ہے ان کا جو بھی سراپا شرارت ہو اُسے شیطان کہا جائے گا اور جو سراسر خیر و برکت ہو اسے ملک (فرشتہ) کہا جائے گا۔

المفردات میں ہے کہ جن دو قسم ہیں ان کی ایک قسم روحانیوں کی ہے وہ انسانوں کے بالمقابل آنکھوں سے بالکل اوجھل ہوتے ہیں۔ اس معنیٰ پر ہر پوشیدہ جنس کو ملک و شیطان کہا جائے گا۔ ہر ملک کو جن کہنا جائز ہے لیکن ہر جن کو فرشتہ نہیں کہا جا سکتا۔ بعض علماء نے فرمایا کہ جن ملائکہ روحانیین کے بعض افراد ہیں فرق صرف یہ ہے کہ ان میں شر کا مادہ غالب ہے اسی لیے ان سے علیحدہ جنس سمجھے جاتے ہیں۔ اور روحانیین کی تین اقسام ہیں:۔

(۱) اخیار جنہیں ملائکہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

(۲) اشرار جنہیں ہم شیاطین کہتے ہیں۔

(۳) اوساط جن میں اخیار و اشرار ہر دونوں طرح کے ہوتے ہیں اور انھیں عرف میں جنات کہا جاتا ہے اسی پر قول باری تعالیٰ قل اُوحی الی انہ استمع نفر من الجن الی ان قال ومنا القاسطون شاہد ہے۔ نسبا۔

حل لغات:- النسب و النسبۃ وہ اشتراک جو ابوین کی جانب سے ہو یہ دو قسم ہے:۔
(۱) نسب بالطول جیسے مابین الآباء والابناء کا اشتراک۔
(۲) نسب بالعرض جیسے اُخوۃ وبنی الاعمام کے مابین کا اشتراک مثلاً کہا جاتا ہے فلاں نسیب فلاں ای قریبہ۔ اب معنیٰ یہ ہوا وہ جو کافر ہیں ومشرکین کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور ملائکہ کو آپس میں رشتہ داری ہے اس سے تو وہ اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کے درمیان جنسیۃ جامعہ ثابت کر رہے ہیں۔

نکتہ:- یہاں پر فرشتوں کو جنۃ سے تعبیر فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ جس شے میں کسی سے چھپنے کا معنیٰ پایا جائے اُسے جسمانیت لازم ہے اور اللہ تعالیٰ تو ایسے صفات سے منزہ اور پاک ہے۔

تفسیر صوفیانہ:- اس میں اشارہ ہے کہ انسان احدیت الٰہی کے کمال سے کوسوں دُور ہے اور اس کے عقل کی نظر میں اتنی ہمت نہیں کہ وہاں پہنچ سکے ایسے ہی وہ جلال صمدیت کو کبھی نہیں پاسکتا بالخصوص جب وہ خود کو نفس کے قابو میں دے دے تو پھر ذات وصفات باری تعالیٰ کی معرفت کے بجائے گمراہی میں پڑے گا یعنی اس کی ذات وصفات کو اپنے اُوپر قیاس کرے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے لیے نسب وغیرہ کے ثبوت کے درپے ہو جائے گا کبھی کہے گا اُس نے فلاں سے نکاح کیا اور کبھی کہے گا اس کی فلاں فلاں اولاد ہے اپنے اُوپر قیاس کر کے کہ جیسے اسے زوجہ اور اولاد کی ضرورت ہے ایسے ہی اسے۔ (معاذ اللہ) بلکہ اس کے لیے اپنے جیسے اعضاء اور اپنی ضروریات کی وجہ سے اس کے لیے مکانیت ثابت کرے گا حالانکہ اللہ تعالیٰ ان جملہ اُمور سے پاک اور اس کی ذات ایسی ضروریات سے بلند وبالا ہے۔ ظالم جو کچھ کہہ رہے ہیں سراسر غلط اور باطل ہے۔

لیس کمثلہ شئ وھو السمیع البصیر۔ اس کی مثل کوئی نہیں اور وہ سمیع وبصیر ہے ؎

جہان متفق بر الہیتش
فرو ماندہ از کنہ ماہیتش

ترجمہ:۔ جہاں اس کے الٰہ ہونے پر متفق ہے اس کی ماہیت کی کنہ سے عاجز ہے۔

بشر ماورائے جلالش نیافت
بصر منتہائے کمالش نیافت

ترجمہ:۔ بشر نے اس کے جلال کے ماوراء کو نہ پایا آنکھ نے اس کی منتہا کو نہ پایا۔

نہ ادراک در کنہ ذاتش رسد
نہ فکرت بنور صفاتش رسد

ترجمہ: نہ ادراک اس کی ذات کی کنہ کو پہنچا۔ نہ فکر اس کی صفات کے نور کو پہنچا۔

ربط: وجعلو بینہ و بین الجنۃ نسبا اور الملائکہ بنات اللہ کا ایک مفہوم ہے لیکن اس کا اعادہ آنے والے مضمون کی وجہ سے کیا گیا ہے۔

تفسیر عالمانہ: ولقد علمت الجنۃ۔ بخدا ملائکہ کو معلوم ہے یعنی جن ملائکہ کو یہ لوگ اللہ تعالیٰ کا رشتہ دار بتاتے ہیں وہ تو اللہ تعالیٰ کی عظمت بیان کرتے رہتے ہیں۔

انھم لمحضرون۔ بیشک وہ کافر جہنم کے سامنے لائے جائیں گے اور وہ اس میں ہمیشہ کے عذاب میں مبتلا ہوں گے لمحہ بھر بھی انھیں جہنم سے دور نہیں کیا جائے گا بوجہ ان کے کذب اور افتراء پردازی کے اس میں ان کی تکذیب کا مبالغہ مراد ہے کہ جن کفار و مشرکین جن ملائکہ کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ رشتہ داری ثابت کر رہے ہیں وہ تو حقیقت حال کو ان سے زیادہ جانتے ہیں وہ تو ان کے دعویٰ کی تکذیب کرتے ہوئے انھیں نہایت مضبوط اور پختہ اور یقینی فیصلہ سناتے ہیں کہ وہ کفار و مشرکین جہنم میں لائے جائیں گے اور انہیں اس میں ہمیشہ عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔

قاعدہ نحویہ دوبارہ انّ

نحویوں کا قاعدہ ہے کہ انّ جب علم و شہد کے باب کے بعد آئے گا تو مفتوح ہوگا ہاں جب اس کی خبر میں لام ہوگی تو اس وقت ان کو مکسور پڑھا جائے گا مثلاً اہل عرب کہتے ہیں اشھد ان فلانا عاقل وان فلانا لعاقل۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انّ اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ کے معنی کو تبدیل نہیں کرتا اور لام کا قاعدہ ہے کہ وہ جملہ پر داخل ہو کر جملہ کے معنی کو مؤکد کرتی ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کے عقیدہ سے اپنی تنزیہ و تقدیس خود بیان فرماتا ہے۔

سبحان اللہ۔ اللہ تعالیٰ منزہ ہے اور اس کی تقدیس اس طرح ہے جو اس کی شان کے لائق ہے۔ عمایصفون۔ ان صفات سے جو کفار و مشرکین اس کے لیے بیان کرتے ہیں کہ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے یا ملائکہ کا اس سے نسبی رشتہ ہے۔ یا اس کا فاعل نَزِّ هوا محذوف ہے یعنی اے مسلمانو اللہ تعالیٰ کی ایسی صفات سے تنزیہ بیان کر دو یا تعجب کا کلمہ ہے یعنی وہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق اور بندوں کی ایسی اضافت سے منزہ اور بہت دور ہے اس معنیٰ پر ان احمقوں اور جاہلوں کے غلط دعویٰ سے تعجب کا اظہار ہوگا۔

الا عباد اللہ المخلصین ۔ مگر اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے ۔ یہ یصفون کی ضمیر سے استثناً منقطع ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو بُرے اوصاف سے کفار و مشرکین موصوف کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنے لطف و کرم سے پرخلوص بنایا ہے کہ وہ ہر قسم کے شک و شبہات کے آلائش سے پاک ہیں اور انھیں عقل کے موافق توفیق بخشی ہے کہ کفار و مشرکین کی بیان کردہ اوصاف قبیحہ سے پاک رہیں ۔

فائدہ :۔ ابو السعود نے سبحان اللہ عما یصفون سے پہلے قول محذوف مان کر یوں ترجمہ فرمایا ہے کہ ملائکہ کو علم ہے کہ مشرکین عذاب میں معذب ہوں گے اور ملائکہ اس لیے ایسا علم رکھتے ہیں کہ ہر وقت ان کا ورد زبان ہوتا ہے ۔ سبحان اللہ عما یصفون یعنی ملائکہ قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ اولاد اور نسب سے پاک ہے کیونکہ وہ جب کفار و مشرکین اللہ تعالیٰ پر ایسی بُری تہمت لگاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے کہتے ہیں اللہ تعالیٰ ایسی بُری صفات سے پاک ہیں اور چونکہ ہم ملائکہ بھی انھیں سے ہیں اس لیے ہم ان کی طرح اللہ تعالیٰ کو بلند و ارفع صفات سے موصوف کرتے ہیں ۔ اس تقریر پر بھی یہ ملائکہ کے قول سے استثناء منقطع ہوگا ۔

فانکم ۔ پھر غیب سے خطاب کی طرف التفات فرمایا تاکہ کفار و مشرکین تحقیق مضمون کی اہمیت پر متنبہ ہوں ۔

وما تعبدون ۔ اے مشرکو ! بیشک تم اور تمھارے معبود جن کی تم پرستش کرتے ہو اس سے وہ شیاطین مراد ہیں جنھوں نے انھیں گمراہ کیا ۔ وما انتم علیہ بفاتنین اور تم سے ہی نہیں گمراہ کرنے والے ۔ یہ نافیہ ہے اور انتم کا خطاب کفار و مشرکین اور اُن کے معبودوں کو ہے ۔ غائب و مخاطب میں مخاطب کا صیغہ تغلیباً لایا گیا ہے ۔

علیہ ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے اور علی بفاتنین کے متعلق ہے ۔

حل لغات :۔ فاتن یہاں پر بمعنی مفعل و مفسد ہے مثلاً کہا جاتا ہے فتن علی فلان امرأتہ یعنی اس نے فلاں کی عورت کو اُس کے شوہر کے گمراہ (بر خلاف) کیا ۔ اس تقریر پر فتن کو علی سے متعدی کرنے میں اشارہ ہے کہ فتن حمل و بعث کے معنی کو متضمن ہے ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے کافرو مشرکو اور شیطانو تم میرے مخلص بندوں میں سے کسی ایک کو بھی گمراہ نہیں کر سکتے اور نہ ہی انھیں معصیت کے ارتکاب پر برانگیختہ کر سکتے ہو ۔ اس معنیٰ پر فاتنین کا مفعول محذوف ہوگا ۔

الا من ھو صال الجحیم ۔ ہاں ان میں سے جس نے جہنم میں داخل ہونا ہے وہ ضرور داخل ہوگا اس لیے کہ اس نے جہنم کے داخلہ کے اسباب کفر پر اصرار اور معصیت کے ارتکاب کو خود اختیار کیا تھا ۔

اسی معنیٰ پر اس نے جہنم میں لازماً جانا ہوگا کیونکہ وہ اپنے اختیار سے گمراہ ہوئے تھے۔اسی لیے جہنم میں صرف وہی داخل ہوں گے جن کی قضاء وقدر میں لکھا جا چکا ہے اور قضاء وقدر میں لکھا جانا ان کے اختیار کفر و معصیت کی وجہ سے ہوا۔ بخلاف مخلصین کے کہ وہ ان کے افساد و اضلال سے کوسوں دور ہیں اس لیے وہ تمہارے پھندے میں نہیں آسکتے اور نہ ہی تمہارا طریقہ اختیار کر سکتے ہیں۔ جب ان کا یہ حال ہے تو پھر وہ کب اللہ تعالیٰ کو ان بُرے اوصاف سے موصوف کر سکتے ہیں جن بُرے اوصاف سے تم اللہ تعالیٰ کو موصوف کرتے ہو۔

حل لغات: صالِ دراصل صالی تھا بروزن فاعل الصّلیُ سے بمعنی الدخول فی النار کہا جاتا ہے۔ صلی فلان النار یصلی باب چہارم یعنی منع یمنع سے ہے یعنی وہ جہنم میں داخل ہو کر جل سڑ گیا۔ نون تنوین اضافۃ الی الجحیم کی وجہ سے گر گیا اور اس کا مفرد کا صیغہ ہونا مَن کی وجہ سے ہے اس لیے کہ لفظ مَن لفظاً مفرد ہے۔

مسئلہ: اسی آیت فانکم الخ سے اہل نے استدلال فرمایا ہے کہ وقوع فتنہ میں نہ شیطان کا القاء وسوسہ مؤثر ہے نہ ہی ان کے معبودان باطلہ حقیقی مؤثر۔ قضاء و قدر حق ہے اور بس اسی کا حکم قدر بندے کو شقی بناتا ہے لیکن یہاں پر یہ وہم نہ کیا جائے کہ پھر تو بندہ مجبور محض ہوا اس سے جبریہ مذہب کی تائید ہوتی ہے اس معنیٰ پر پھر تو نہ گمراہ کو ملامت کی جائے نہ مضل (گمراہ کنندہ) کو کیونکہ تم ابھی خود کہہ رہے ہو کہ نہ وہ گمراہی پر قادر ہیں نہ گمراہ کرنے پر۔

جواب: یعنی ان کا ایسا ہونا اللہ تعالیٰ کے اسی ازلی علم کے مطابق ہوگا جبکہ اس کے علم میں تھا کہ فلاں بندہ کفر و معصیت اپنے اختیار سے کرے گا اور پھر وہ اسی پر مصر ہوگا۔ اسی پر اسی کا خاتمہ ہوگا اس وجہ سے وہ جہنم میں جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا علم اور اس کی قضاء و قدر مکلفین کے افعال اختیاری پر مبنی ہے اور یہ انسان کے اختیار کے منافی نہیں۔ تفصیل تفسیر اویسی میں دیکھئے۔) ؎

ہر کہ در فعل خود بود مختار
فعل او دُور باشد از اجبار

ترجمہ:۔ جو اپنے فعل میں مختار ہوتا ہے اس کا فعل اجبار سے دُور ہوتا ہے۔

بہر آں کرد امر و نہی عباد
تا شود ظاہر انقیاد و عناد

ترجمہ:۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے بندوں کو امر و نہی فرمائی کہ فرمانبرداری و عناد ظاہر ہو۔

زاید از انقیاد حب و رضا
و ز خلاف و عناد سود قضا

ترجمہ:۔ فرمانبرداری سے حب و رضا بڑھتی ہے خلاف و عناد سے بری قضا آتی ہے۔

پس بود امر و نہی شرط ظہور
فعل ہا را ز بندہ مأمور

ترجمہ:۔ امر و نہی ظہور کی شرط ہے تاکہ بندے سے افعال کا ظہور ہو۔

وما منا۔ یہ ملائکہ کے اعتراف کی حکایت اور بت پرستوں کے دعویٰ کا رد ہے گویا یوں کہا گیا کہ وہ ملائکہ جنہیں تم اے کافر و مشرکو اللہ تعالیٰ کی لڑکیاں سمجھ کر ان کی پرستش کرتے تھے اور تم اپنے ظن فاسد سے سمجھتے تھے کہ وہ معبود ہیں اور ساتھ ہی یہ دعویٰ کرتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی جنس اور اس کے رشتہ دار ہیں وہ قیامت میں کہیں گے کہ ہم میں کوئی ایسا فرشتہ نہیں۔ یہاں اُحد موصوف کو محذوف کر کے صفت کو اس کے قائم مقام رکھا گیا ہے اور وہ موصوف مقدر مبتدا ہے **الا لہ مقام معلوم**۔ یہ صفت ہے اور **ما منا** اس کی خبر مقدم ہے اب عبارت یوں ہوئی کہ احد استثنی منہ من لہ مقام معلوم۔ یعنی ہمارے ہر ایک کے لیے معرفت الٰہی اور عبادت حق اور تدبیر عالم میں اللہ تعالیٰ تک رسائی میں مرتبہ مقرر ہے اس پر ہم محدود ہیں۔ اس سے بال برابر بھی ہم متجاوز نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت و ہیبت کا غلبہ ہمیں متجاوز ہونا ہی نہیں دیتا اس لیے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے حضور میں ایسے متواضع و خاشع ہوتے ہیں کہ ہمیں اپنی حد سے متجاوز ہونے کا امکان ہی نہیں۔ چنانچہ مروی ہے کہ بعض ایسے ملائکہ ہیں کہ جب سے رکوع میں ہیں لمحہ بھر کے لیے بھی اپنی پیٹھ کو سیدھا نہیں کرتے اور جو سجدہ میں ہیں پھر وہ کبھی سر نہیں اُٹھاتے۔

فائدہ:۔ اس میں تنبیہ ہے کہ مشرکین کا کہنا کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہیں سراسر فاسد و باطل ہے اس لیے کہ ملائکہ کا عبودیت کے اظہار میں مبالغہ سے واضح ہوتا ہے کہ وہ عبودیت حق معترف نہیں جب وہ عبودیت کے معترف ہیں تو پھر ان کے اور اللہ تعالیٰ کے مابین نسب اور جنست کا دعویٰ کیسا۔

ملکوتی ملک:۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ آسمانوں پر بالشت برابر بھی کوئی جگہ خالی نہیں جہاں اللہ کا فرشتہ نماز و تسبیح نہ پڑھ رہا ہو بلکہ تمام عالم ملکوت ارواح سے پُر ہے یہاں تک کہ ملکوت کا ہر ہر کونہ خلق خدا سے معمور ہے جن کی تعداد صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

ننگے ہو کر جماع نہ کرو:۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خلوت میں بھی ستر ڈھانپنے کا حکم فرمایا ہے اور ساتھ یہ بھی فرمایا ہے کہ مرد و عورت پر لازم ہے کہ وہ ننگے ہو کر جماع نہ کریں۔

فائدہ صوفیانہ:- سدی نے فرمایا کہ ہمارا قرب الٰہی اور مشاہدۂ ربانی میں ایک مقرر مقام ہے اور حضرت ابو بکر وراق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عبادتِ الٰہی میں ہمارا مقام معلوم ہے جیسے خوف و رجا میں رہنا اور محبت و رضا میں وقت بسر کرنا ایسے مقامات عالیہ ہیں کہ جہاں خوف و رجا اور محبت و رجا میں رہنا پڑتا ہے جتنا مقربین خطائر ملکوت اور مقدسین مواضع جبروت ہیں سب کے سب انہی مقامات معلوم میں محدود ہیں۔

تفسیر صوفیانہ:- تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہر فرشتے کا مقام مقرر ہے اس سے وہ بال برابر متجاوز نہیں ہوتا۔ ملک روحانی ہو یا کروبی یہی وجہ ہے کہ ملک روحانی ملک کروبی کے مقام سے متجاوز نہیں ہوتا۔ ملک کروبی ملک روحانی کے مقام سے تجاوز نہیں کرتا بہرحال نہ اعلیٰ مقام والے ادنیٰ مقام کی طرف تنزل کر سکتے ہیں نہ ادنیٰ والے اعلیٰ مقام پہ ترقی کر سکتے ہیں۔ اسی وجہ سے ملائکہ کو انسان پر فضیلت ہے لیکن جو باہمت انسان ہے ان کے اس حجاب کو یہاں و عمل صالح سے عبور کرے تو وہ ملکوت سے بڑھ جاتا ہے۔ انسان کی ترقی کے منازل کی کوئی حد نہیں یہاں تک کہ بعض خوش بخت انسان اعلیٰ علیین کو طے کرتے ہوئے قاب قوسین تک پہنچ جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے ملائکہ کرام پر اعلیٰ مراتب کے انسانوں کو فضیلت ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے ملائکہ کو حضرت انسان کامل (آدم) علیہ السلام کے سجدہ کرنے کا حکم ہوا۔

اُلٹا معاملہ:- خدا نہ کرے اگر انسان تنزل کی طرف آئے تو وہ حیوانات بلکہ ان سے بدترین مخلوق ہوجاتا ہے کما قال اولئك كالانعام بل هم اضل۔ وہ جانور بلکہ اس سے بڑھ کر گمراہ۔

فائدہ:- انسان کو ترقی کرنے کا نسخہ بھی بتایا گیا ہے وہ یہ تخلقوا باخلاق اللہ۔ اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے تخلق ہو جاؤ۔

فائدہ:- حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس نسخہ کو بھی حد اعتدال پر استعمال کرنا چاہیئے اگر کوئی حد اعتدال سے متجاوز ہوا تو تباہ و برباد ہو جائے گا۔

مقاماتِ انسانی:- انبیاء علیہم السلام کا مقام مشاہدہ اور رسل علیہم السلام کا مقام عیاں اور ملائکہ کا ہیبت اور مومنین کا مقام قرات اور عاصیوں کا توبہ اور کفار کا غفلت وطرد و لعنت۔

فائدہ:- حضرت حسین قدس سرہٗ نے فرمایا کہ مریدین کے مقامات تبدیل ہوتے رہتے ہیں اور مرادین مقامات

سے ترقی کر کے رب المقامات کے ہاں پہنچ جاتے ہیں۔

فائدہ:- بعض عارفین نے فرمایا کہ عارف اس دنیا میں حلوہ اور شہد کھاتا ہے یہی اس کا مقام ہے لیکن کامل محقق اندرائن (حنظل) کھاتا ہے تو اسے پتہ نہیں چلتا اس لیے کہ وہ جس امر کا مکلف ہے وہ اس میں اتنا مشغول ہے کہ اس کے شکر کی ادائیگی سے نہ اسے وقت ملتا ہے نہ دوسری طرف متوجہ ہوتا ہے بخلاف دوسروں کے کہ وہ مختلف اوہام میں پھنسے رہتے ہیں۔

فائدہ:- اہل فناء کے مقامات میں بھی فرق ہے کوئی بلند کوئی اس سے بلند۔ اگرچہ دنیا میں وہ کتنا ہی درد و الم میں گرفتار ہو لیکن وہ درد و الم سے لذّت محسوس کرتا ہے بلکہ جسے عوام عذابِ الیم سمجھتے ہیں اسے اہلِ ذوق اہلِ فناء کے اعلیٰ مراتب کا دوسرا نام دیتے ہیں ؎

باش تا فانی شود احوال تو
بگزرد از حال کل تا حال تو

ترجمہ:- ایسا ہو کہ تیرے جملہ احوال فانی ہو جائیں بلکہ ان احوال تصور سے گزر تاکہ تو سراپا حال ہو جائے۔

از مقالے ساز بقعہ خویش را
کہ بماند جملہ زیر بال تو

ترجمہ:- اپنا ایسا مقام پیدا کر کہ ہر شے تیرے قبضہ میں ہو جائے۔

تفسیر عالمانہ:-

وانا لنحن الصافون ۔ اور بیشک ہم ہی مواقف طاعت و مواطن خدمت میں صف بستہ ہیں۔

فائدہ:- حضرت شیخ اکبر قدس سرہٗ نے فرمایا ملائکہ کے لیے کوئی نفلی عبادت نہیں بلکہ ان پر ہر آن عبادت فرض ہے بخلاف بشر کے کہ ان کے لیے فرائض کے لیے نفل بھی ہیں۔

فائدہ:- اس آیت کے نزول کے بعد اہل اسلام نماز صف بستہ ہو کر پڑھنے لگے اس سے قبل صف بستہ ہو کر نماز نہیں پڑھی جاتی تھی نہ ہی اہل اسلام کے علاوہ دوسرے اہل ملّت کو صف بستہ ہو کر نماز پڑھنے کا موقعہ ملا۔

صاحب رُوح البیان کا انکشاف

صاحب رُوح البیان قدس سرہٗ نے کہا کہ صف بندی کے ساتھ نماز ادا کرنا شبِ معراج کے بعد شروع ہوئی چنانچہ مروی ہے کہ شب معراج کے دن کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز کے وقت صحابہ کرام رضی

اللہ تعالیٰ عنہم کو اعلان کیا کہ ایک جگہ پر جمع ہو جاؤ تاکہ مل کر نماز پڑھیں چنانچہ سب نے صف بستہ ہو کر نماز ادا فرمائی جن میں حضرت جبریل علیہ السلام بھی شامل تھے۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ نماز صف سے ادا کرنا بہت پہلے تھا۔ ہاں اگر یوں کہا جائے کہ یہ آیت اسی وقت نازل ہوئی ہوگی لیکن اشکال یہ ہے کہ قتادہ کی روایت بتاتی ہے کہ مرد و عورت جمع ہو کر نماز پڑھتے تو آیت وما منا الا له مقام معلوم نازل ہوئی تو تنہا تنہا پڑھنے لگے مرد پہلے پڑھ لیتے تھے پھر عورتیں پڑھتیں۔ پھر جب آیت و انا لنحن الصافون نازل ہوئی تو سب مل کر نماز پڑھنے لگے۔ بہتر وہی ہے جو کہا گیا کہ اس آیت کا نزول شبِ معراج کے بعد ہوا یا یہ کہا جائے کہ ملائکہ کی عبادت کی خبر پر احکام اسلام کا ترتب نہیں وانا لنحن المسبحون اور ہم ہی اللہ تعالیٰ کی تقدیس بیان کرتے ہیں ان تمام امور سے جو اس کی جناب کبریائی کے لائق نہیں۔

فائدہ :۔ ملائکہ کے کلام کو تاکیدی حروف سے موکد کرنے میں اشارہ ہے کہ ان سے جو عبادات صادر ہوتی ہیں وہ راحت و فرحت اور نشاط و سرور پر مبنی ہوتی ہے۔

فائدہ :۔ قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ پہلی آیت میں ان کے درجات فی الطاعات۔ دوسری آیت میں ان کے معارف کا بیان ہے اسی لیے بعض مشائخ نے فرمایا کہ ملائکہ علم میں ترقی کر سکتے ہیں جیسے آخرت میں اعمال میں کوئی ترقی نہیں ہوگی اور انسان کے علم و عمل ہر دونوں میں ترقی ہو سکتی ہے۔ ملائکہ کے علوم کی ترقی کی دلیل وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ و علم آدم الاسماء کلها۔ اگر ان کی علمی ترقی نہ ہوتی تو ان کے لیے یہ فرمان نہ ہوتا۔

فائدہ :۔ حضرت بقلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ چونکہ ملائکہ اہلِ مشاہدات سے تھے اسی لیے اپنے مقامات عبادت پر فخر و ناز کیا کہ ہماری طرح صلوٰۃ اور تسبیح و تقدیس کون کر سکتا ہے اگر وہ اہلِ حقائق اور اہلِ معارف سے ہوتے تو ان پر انوار مشاہدہ حق کا ایسا غلبہ ہوتا کہ وہ کبھی اپنی طاعات کو خیال میں بھی نہ لاتے۔

تفسیر صوفیانہ :۔ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یہ ملکوت کے فخریہ اعمال میں سے ہے کہ کہہ دیا کہ و انا لنحن الصافون ۔ یعنی ہم عبودیت اور نماز کو صف بستہ ہو کر ادا کرتے ہیں۔ اس عمل میں انسان بھی ملکوتیوں کا سردار ہے لیکن انسان کو ایک ایسی صف کا موقعہ نصیب ہوتا ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا وہ محبوب ہو جاتا ہے وہ صف وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔ کما قال تعالیٰ۔ ان اللہ یحب الذین یقاتلون فی سبیلہ

صفا کانھم بنیان مرصوص۔ بیشک اللہ تعالیٰ راہِ حق میں لڑنے والوں سے محبت کرتا ہے گویا وہ سیسہ پلائی دیوار ہیں۔ اس صف میں ملائکہ کا کوئی حصّہ نہیں۔ دوسری فخر یہ عبادت ملکوت انا لنحن المسبحون میں ہے۔ اس عبادت میں بھی انسان شریک ہے لیکن انسان کی ایک فخر یہ عبادت ہے جسے وہ کہہ سکتے ہیں وانا لنحن المحبوبون۔ اور یہ صرف انسان کا خاصہ ہے کہ وہ محبلیہؔ کے مقام کو طے کرکے مقام محبوبیت میں ترقی کرجاتا ہے لیکن یہ مرتبہ کاملین عارفین کو نصیب ہوتا ہے ؎

لفظ انسان یکے ولی ہرکس
لدہ از دے بقدر خویش نفس

ترجمہ:۔ لفظ انسان ایک ہے لیکن اسی کا ہر دم بھرتا ہے کہ میں انسان ہوں۔

جنبش ہر کسے ز جائے دیست
روئے ہر کس بفکر درائے ایست

ترجمہ:۔ ہر ایک کو حرکت اسی لیے ہے ہر ایک کی فکر وراے کا منہ اُدھر ہے۔

تا بر اہل طلب خدائے مجید
متجلی نشد باسم مرید

ترجمہ:۔ یہ اس لیے کہ جب تک اہل طلب پر خدائے مجید نے اسم مرید سے جلوہ نہیں فرمایا۔

با رادت کسے نشد موصوف
بمحبت کسے نشد معروف

ترجمہ:۔ ارادت سے بھی کوئی موصوف نہ ہوا کسی کی محبت سے کوئی معروف و مشہور ہوا[1]

تفسیر عالمانہ:۔ وان کانوا لیقولون۔ اور بیشک وہ کہتے تھے۔ ان مخففہ من المثقلہ ہے اور ضمیر شان محذوف ہے اور لازم فرق بتانے کے لیے ہے کہ یہ نافیہ نہیں بلکہ مثقلہ ہے اور ان مخففہ اور لام تاکیدی لانے میں اشارہ ہے کہ جو کچھ وہ کہتے وہ یقینی اور نہایت تاکید کے ساتھ بڑھ چڑھ کر کہتے جیسے انہوں نے مخالفتِ نبوی کا پروگرام بنایا۔ مرتے دم تک بال برابر کمی نہ کی۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تشریف

---

[1] خلاصہ یہ کہ انسان ہی محبت سے سرشار ہوا تو اسی لیے وہ ہر ایک کی مرغوب و پسندیدہ مخلوق ہے۔ (اویسی غفرلہٗ)

لانے سے پہلے قریش مکہ کہا کرتے تھے کہ لو ان عندنا ذکرا من الاولین۔ کاش ہمارے ہاں بھی کوئی ایسی کتاب ہوتی جیسے پہلے لوگوں کے ہاں کتابیں آسمان سے نازل ہوئیں تو ہم بھی پند و نصیحت حاصل کرتے۔ لکنا عباد اللہ المخلصین تو یقیناً ہم بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت مخلصانہ طور کرتے اور جیسے انبیاء علیہم السلام کے مخالفین نے مخالفت کی تو ہم کبھی ان کی مخالفت نہ کرتے۔ فکفروا۔ تو انہوں نے اس کے ساتھ کفر کیا۔ یہ فاء فصیحہ ہے یعنی جب ان کے ہاں نہ صرف ذکر بلکہ سید الاذکار اور جملہ کتب آسمانی کی سرتاج کتاب یعنی قرآن آیا تو اس کے ساتھ کفر اور انکار کیا اور اسے اور جس پر نازل ہوا جو کچھ کہا وہ سب کو معلوم ہے۔ فسوف یعلمون۔ تو اپنے کفر کا انجام اور دنیا میں اس کی نحوست سے اپنی مغلوبیت اور عذاب میں شدید عذاب کو جان لیں گے۔ اس میں کفر کو وعید و تہدید ہے۔

تفسیر صوفیانہ:۔ اس میں اشارہ ہے کہ انسان کا کام ہے کہ وہ درک اسفل کی طرف تنزل کرتا ہے اور صورۃ و معنیٰ کی تطبیق کے بغیر نیک مآل کا دعویٰ کرتے ہیں ایسے بدبختوں کو سوائے رسوائی اور قہر و جلال کے اور کچھ نصیب نہیں۔

ملامیہ کا بیان:۔ بعض مشائخ نے فرمایا کہ اولیاء کے ایک گروہ کا نام ملامیہ ہے وہ فرائض تو ادا کرتے نہیں لیکن نوافل بڑی شد و مد سے پڑھتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ ہم فرائض ادا کر کے کہیں ان باطل مدعیوں میں شامل نہ ہو جائیں جو اپنے دعویٰ کے مطابق نہیں اترتے اسی لیے وہ ہزار نوافل سے بھی بڑھ جاتے ہیں اگرچہ ان کا یہ ارادہ نیک تھا اور فرائض بھی انہیں نوافل میں ادا ہو گئے لیکن ان نوافل سے انہیں یہ فائدہ ہوا کہ محبت الٰہی سے وافر حصہ پایا اور ساتھ ہی فرائض کی کمی انہی نوافل سے بھی پوری ہو گی۔

حدیث شریف:۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نوافل بہترین طریقہ سے ادا کرو تاکہ ان سے فرائض کی تکمیل ہو۔

حدیث شریف:۔ مرفوع حدیث شریف میں ہے کہ نوافل بندے کا آقا کے ہاں ہدیہ و تحفہ ہے اس لیے بندے پر لازم ہے کہ وہ بارگاہِ حق کا تحفہ بہتر طریقہ سے ادا کرے۔

فائدہ:۔ قاعدہ ہے کہ ہدیہ محبت کا بہترین ذریعہ ہے۔

حدیث شریف:۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک دوسرے کو ھدیہ دے کر محبت بڑھاؤ۔

قرآن مجید پر تبصرہ:۔ قرآن مجید بہت بڑا ذکر ہے لوگوں کی نصیحت اور خناس شیطان کے وسوسہ دور کرنے کے لیے نازل ہوا ہے اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے تو شیطان دور بھاگ جاتا ہے لیکن یاد رہے کہ قرآن کی تمام آیات ذکر پر مشتمل نہیں اس لیے کہ ان کے

بعض آیات میں احکام شرعیہ اور بعض میں حکایات اور قصص ہیں اور بعض میں کافروں و مشرکوں کے کفر و تکذیب کی تفصیلات ہیں اگرچہ ان کے پڑھنے اور سننے میں بھی بہت بڑا ثواب ہے۔ ان میں فرق اتنا ہے کہ جو آیات ذکر الٰہی پر مشتمل ہیں ان کا پڑھنا سننا احسن ہے کہ ان میں ذکر حق بھی ہے اور قرآن کے آیات بھی دوسری آیات کو پڑھنا سننا حسن ہے اس لیے کہ کافروں و مشرکوں وغیرہم کے حالات کی حیثیت مدنظر نہیں بلکہ قرآنی آیات کی حیثیت مدنظر ہوتی ہے اس بناء پر ان کا پڑھنا سننا حسن ہے۔

مسئلہ: قرآن مجید پڑھنے والے کے لیے مستحب ہے کہ قرآنی آیات جہر سے اور ان آیات پر ہاتھ رکھ کر تلاوت کرے اس لیے کہ زبان کو حظ نصیب ہوگا پڑھنے کا اور آنکھ کو دیکھنے کا اور ہاتھ کو مس کرنے کا۔

فائدہ: اسلاف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ کا طریقہ تھا کہ وہ قرآن مجید کے آیات کو نہایت آہستگی اور تدبر سے پڑھتے تھے تاکہ پورے طور پر اسرار الٰہی اور حقائق قرآن سے آگاہی نصیب ہو چنانچہ حضرت عطار قدس سرہٗ کے متعلق ہے کہ وہ ابتدائی دور میں روزانہ ایک ختم پڑھ لیا کرتے تھے اور پھر رات کو دیگر اور ختم۔ پھر جب ان پر واردات ربانیہ کا غلبہ ہوا تو بیس سال تک ساتوں منازل میں سے صرف ایک منزل پڑھی۔ (اللہ تعالیٰ سے عنایت و ہدایت کا سوال ہے)۔

تفسیر عالمانہ:

ولقد سبقت۔ بخدا ازل میں سبقت کر چکا ہے یا لوح محفوظ میں لکھا جا چکا ہے۔ یاد رہے کہ یہ تقدم جو زمان پر موقوف انسان سے منسوب ہونے کی وجہ سے ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کے لیے زمان کی کوئی نسبت نہیں اس لیے کہ اس کے لیے ہر زمانہ یکساں ہے۔

کلمتنا۔ ہمارا وعدہ جو ہم نے اپنے بندوں کے ساتھ کیا ہے۔ **لعبادنا۔** وہ بندے جنہوں نے ہر حرکت و سکون میں ہمارے ساتھ سکون کیا ہے۔

المرسلین۔ وہ بندے جنہیں ہم نے شرف اخلاص فی العبودیۃ میں اضافہ فرما کر انہیں رسالت کے شرف سے مشرف فرمایا۔

ربط: اب اس وعدہ کی تفسیر فرمائی جملہ مستانفہ سے کما قال انھم لھم المنصورون۔ بیشک صرف وہی منصور اور غالب ہیں یعنی ہم مدد کریں اس پر کوئی غلبہ نہیں پا سکتا جسے ہم رسوا کریں اسے کوئی غلبہ نہیں دے سکتا۔ انبیاء علیہم السلام کے بعد عام نیک لوگوں کے لیے فرمایا۔

وان جندنا اور رسل کرام اور اُن کے متبعین اہل ایمان لشکر الٰہی ہیں۔ **الجند** بمعنی لشکر **لھم الغالبون** دشمنوں پر دنیا و آخرت میں صرف وہی غالب ہیں اگرچہ بظاہر بعض مواقع پر وہ مغلوب پائے

گئے لیکن انجام کو دیکھا جائے تو غلبہ انہیں کو نصیب ہوا اور پھر زیادہ تر یہی حضرات غالب رہے اور حکم اکثر پر مرتب ہوتا ہے اور نادر کالمعدوم اور مغلوبیت عارض گو ہوتی ہے ایسے ہی ان کا حاکم کی مخالفت اور طمع دنیوی اور عجب و غرور وغیرہ ان کی نصرت بالذات کے بھی منافی نہیں اور النصر ایک ایک اعلیٰ اور شریف منصب ہے جو صرف اہل ایمان کو نصیب ہوتا ہے کافر ایسے منصب سے محروم ہوتا ہے اگر کسی وقت بظاہر اسے فتح و نصرت نصیب ہوتی ہے تو وہ استدراج ہوتا ہے صرف اسے رسوا کرنے کے لیے تھوڑی سی فتح و نصرت دی جاتی ہے تاکہ دھوکہ کھا کر آئندہ ذلیل و خوار ہو۔

فائدہ: بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں پر نصرت معہود و معلوم نصرت مراد نہیں بلکہ حجت اور دلیل مراد ہے۔ اس لیے کہ حق حجۃ و دلیل سے باطل کو مٹا کر ظاہر ہوتا ہے مخالفین اسلام کا خیال سراسر غلط ہے کہ حق نے تلوار سے غلبہ پایا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ مختلف زمانوں میں انبیاء و رسل علیہما السلام کو کفار پر غلبہ ہوا اور یہ غلبہ خصوصیت سے انبیاء و رسل علیہما السلام کے نام مخصوص تھی۔

فائدہ: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہاں پر نصرت وہی نصرت مراد ہے حجت مراد نہیں اس لیے کہ کوئی نبی علیہ السلام جنگ میں شہید نہیں ہوا۔

ازالۂ وہم: صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے جو کچھ فرمایا ہے سچ ہے لیکن ان سے وہ انبیاء علیہم السلام مراد ہیں جو جنگ کے لیے مامور ہوں ورنہ وہ انبیاء علیہما السلام جو جنگ کے لیے مامور نہیں ہوئے تھے وہ تو شہید ہوئے کما قال اللہ تعالیٰ **و تقتلون النبیین**۔ اس معنیٰ پر حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول آیت قرآنی کے منافی نہیں۔

خلاصہ: خلاصہ یہ کہ اللہ والے منصور و غالب ہیں کیونکہ خالق کائنات اور مولائے کل رب تعالیٰ کی طرف نسبت ہے اور قاعدہ ہے جو ایسی ذات سے منسوب ہو اُس نے لامحالہ غالب و منصور ہونا ہے اور اس کے دشمنوں کو شکست اور مغلوبیت لازم اس لیے کہ جو غیر اللہ کی طرف منسوب ہو اور اُسے قلعوں اور تلواروں اور مادیات کا سہارا ہو تو اُس نے خواہ مخواہ شکست کھا کر مغلوب ہونا ہے ؎

تکیہ بر غیر بود جہل و ہویٰ
نیست انجام اعتماد سوی

ترجمہ: غیر پر تکیہ جہل و ہویٰ ہے غیر اللہ پر اعتماد کرنے کا انجام برباد ہوتا ہے۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ کے لشکر اس کے اسم عزیز و منتقم اور آیت **بل نقذف بالحق علی الباطل**

نبذ منہ فاذا ھو ذاھق (بلکہ ہم حق کو باطل پر غلبہ دیتے ہیں تو وہ اسے ہلاک کر دیتا ہے پس اُس وقت وہ مٹ کررہ جاتا ہے) کے مظاہر ہیں۔

تفسیر صوفیانہ:۔ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا لشکر وہ لوگ ہیں جو دین کی نشرواشاعت اور حق کی فتح ونصرت کرتے ہیں جو شخص ایسے حضرات کی توہین کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے ذلیل وخوار کرتا ہے۔

حدیث شریف:۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لشکر دو ہیں:۔

۱۔ جند الوغیٰ ۲۔ جند الدعاد

جند الوغیٰ تو وہی ہیں جن کی آلات سے لڑتے ہیں۔

جند الدعا وہ جو اسلام کی فتح ونصرت کے لیے دُعا کرتے ہیں اور جو اپنے دل میں حضور اور بیداری محسوس کرے اسے دعا کرنی چاہیئے انشاء اللہ تعالیٰ مستجاب ہو گی اور جسے دل پرستی اور غفلت کا غلبہ ہو وہ دُعا مانگے تو ضرور ممکن استجابت ضروری نہیں ؎

کے دعائے تو مستجاب شود
کہ بیک روی درد و محرابی

ترجمہ:۔ تیری دعا کیسے مستجاب ہو جب تیرا منہ دو محرابوں کی جانب ہے۔

حدیث شریف:۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمت ہمیشہ غالب رہے گی یعنی حق کے لیے کفار کا مقابلہ کرتے رہیں گے یہانتک کہ اس اُمت کا آخری گروہ مسیح دجال کے ساتھ لڑے گا۔

صاحبِ رُوح البیان کا فیصلہ:۔ صاحبِ رُوح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اس گروہ کا آخری نمبر ملوک عثمانیہ اور مہدی اور عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہما السلام کا ہے اور عیسیٰ ومہدی علیہما السلام کو خاتمۃ الخاتمہ کہا جا جائے گا تو بجا ہے۔ ہاں وہ آخری جھٹکا کہ جس سے قیام ساعت کے وقت کافروں اور فاجروں کو نیست ونابود کرے گا اسے خاتمۃ الخاتمہ کہا جائے تو موزوں ہے۔

تفسیر عالمانہ:۔ فتول عنھم ۔ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم جب آپ کو یقین ہے کہ فتح ونصرت آپ کو اور آپ کے غلاموں کو نصیب ہو گی تو پھر آپ کفار مکہ سے اعراض کیجئے اور ان کے ایذا پر صبر کیجئے۔ حتّٰی حِیْنٍ وقت مقررہ تک یعنی تھوڑے دنوں تک یعنی اُس وقت تک جب

کہ جنگ کے لیے اجازت نہ ہوئی اس معنیٰ پر یہ آیت منسوخ نہیں بلکہ محکمہ ہے۔

وابصرھم اور ان کے بُرے حال اور بد انجام کو دیکھ لیجئے جب ان پر قتل و غارت کا حکم نازل ہوگا اور وہ قیدی ہو کر آپ کے ہاں ذلیل و خوار ہو کر آئیں گے۔ ابصار میں اشارہ ہے کہ عنقریب یہ معاملہ ہونے والا ہے ورنہ اس آیت کے نزول کے وقت ایسا نہیں ہُوا تھا۔

فسوف یبصرون۔ وہ عنقریب اپنا حال آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ اُن کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔

تفسیر صُوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آپ اُن کے احوال کو دیکھئے وہ بھی عنقریب اپنے اعمال کی جزا و سزا پائیں گے یعنی اگر اعمال نیک ہوں گے تو انھیں نیک جزا ملے گی اور جن کے اعمال بُرے ہوں گے انھیں سزا ملے گی۔

لفظ سوف وعید کے لیے ہے تا کہ وہ اپنی غلطیوں سے تائب ہو سکیں اور کامل و مکمل طور ایمان لائیں۔ یہ ثم تبعید کا نہیں اس لیے کہ تبعید الشیٔ المخذر منہ ارادہ تخویف بہ کے لیے منافی کی طرح ہوتا ہے۔

شانِ نزول: جب آیت وابصرھم فسوف یبصرون نازل ہوئی تو کافروں نے کہا کہ ہمارا عذاب جلد لاؤ ہم کو اس کی بہت بڑی ضرورت ہے چونکہ جاہل تھے اس لیے استہزاء کہا اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی۔

افبعذابنا یستعجلون۔ باوجودیکہ انہیں بار بار تکرار و وعید سنائی جا رہی ہے تب بھی انہیں ہمارے عذاب کا یقین نہیں۔ یہ ہمزہ تعجب و انکار کا ہے یعنی ان کے ایسے بُرے معاملہ سے تعجب کرو۔ کیا ہمارے عذاب کے لیے جلدی کر رہے ہیں کہ نزول عذاب کا وقت پوچھتے ہیں۔

فائدہ: تورات میں ہے کیا مہلت دینے اور درگزر کرنے پر دھوکہ کھا رہے ہیں اسی لیے عذاب الٰہی سے نہیں ڈرتے۔ فاذا نزل پھر جب عذاب موعود نازل ہوگا بساحتھم ان کے میدان پر۔ المفردات میں ہے الساحۃ۔ فراخ مکان کو کہا جاتا ہے اسی سے ساحۃ الدار ہے بمعنی گھر کا صحن۔

فائدہ: الحواشی لابن الشیخ میں ہے کہ الساحۃ وہ جگہ خالی جو گھروں سے دور ہو اور فناء الدار۔ بالکسر بمعنی گھر کی وہ کھلی فضا جو ضروریات کے لیے چھوڑی جائے جسے ہم صحن سے تعبیر کرتے ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ جب عذاب الٰہی ان کے گھروں کے صحن اور ان کے سامنے ہی اور بالکل قریب اُترے گا۔ گویا وہ عذابِ الٰہی ایک لشکر ہے جو انہیں شکست دے گا اور وہ اچانک اپنا سامان اُٹھا کر

اُن کے گھروں کے صحن میں رکھ دے گا۔

فساء صباح المنذرین۔ تو ڈرائے ہوؤں کی کیا بُری صبح ہو گی یعنی وہ لوگ جنہیں عذاب الٰہی سے ڈرایا گیا تو اُس کی تکذیب کی اور اس پر ایمان نہ لائے۔ ان کی صبح کا وقت عذابِ الٰہی کی وجہ سے ان کے لیے بہت بُرا تھا۔ یہ لام جنس کی ہے اس لیے کہ افعال مدح و ذم شیوع و ابہام و تفصیل کو چاہتے ہیں اس لیے اسے عہد کی لام نہیں بنایا جا سکتا۔ لفظ صباح صباح الجیش المبیت سے مستعار ہے۔ اسے نزول عذاب کے وقت کے لیے استعمال کیا جاتا تھا چونکہ یہ لوگ لوٹ مار صبح کے وقت بہت زیادہ کرتے تھے اسی لیے اسے صباح سے تعبیر کرتے تھے پھر اتنا عام ہوا کہ جس وقت بھی لوٹ مار کریں اسے صباح سے تعبیر کیا جاتا۔

فائدہ:۔ کاشفی نے کہا کہ عرب میں لوٹ مار اور قتل و غارت اور گرفتاری عام تھی۔ لشکر کسی قبیلہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کرتا تو ساری رات سفر کرتے صبح کے وقت (جبکہ نیند کا بہت زیادہ غلبہ ہوتا ہے) ہلہ بول دیتے تھے اور ان کو قتل یا قید کر کے ان کا تمام مال و اسباب لوٹ لیتے چونکہ لوٹ مار وغیرہ اکثر صبح کو ہوتا اسی لیے لوٹ مار کو صباح سے تعبیر کرتے اگرچہ وہ کسی دیگر وقت میں واقع ہو تب بھی اسے صباح کہا جاتا۔

تفسیر صوفیانہ:۔ وتول منھم حتی حین وابصر فسوف یبصرون۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے اور جو وعدہ کیا گیا ہے اس کے وقوع کی تاکید در تاکید ہے۔ ان دونوں فعلوں میں مفعول کا ذکر نہیں تاکہ تنبیہ ہو کہ جو کچھ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم دیکھیں گے وہ سراسر سرور و راحت ہو گی اور وہ جو کچھ دیکھیں گے جو ان کے لیے ضرر ہی ضرر ہو گا اور ان دونوں یعنی سرور اور ضرر ایسے ہیں کہ جن کا بیان نہیں ہو سکتا۔

فائدہ:۔ البرہان میں ہے کہ دوسرے فعل یعنی وابصر کے بعد ضمیر کا نہ لانا پہلے وابصر میں مذکور ہونے پر اکتفا کیا گیا ہے۔

تفسیر عالمانہ:۔ سبحان ربك۔ یہ خطاب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہے رب العزۃ۔ ربک سے بدل ہے۔

عما یصفون۔ یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ اپنے مربی یعنی اللہ تعالیٰ مالک اور علی الاطلاق مالک العزت والغلبہ کی تنزیہ و تقدیس فرمایئے اس سے جو مشرکین اس کے لیے بیان کرتے ہیں جو اس کے لائق نہیں مثلاً وہ اس کے لیے اولاد و ازواج و شرکاء ثابت کرتے اور کہتے ہیں کہ وہ اللہ نبی علیہ السلام کی کوئی مدد نہ کرے گا چنانچہ ان کا عذاب کا مطالبہ اور اسی بارے میں ان کی عجلت ۔ سے معلوم ہوتا ہے۔

فائدہ:۔ بحر العلوم میں ہے کہ عزت کو رب کی طرف منسوب کرنے میں اشارہ ہے کہ یہ صفت صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ گویا کہا گیا ہے وہ ذو العزۃ ہے یہ ایسے ہی ہے جیسے کہا جاتا ہے صاحب صدق ہے یہ اس شخص کے لیے کہتے ہیں جس کے ساتھ صدق خاص ہو اور ظاہر ہے کہ عزت صرف اللہ کے لیے ہے۔

ردّ وہابیہ و دیوبندیہ نجدیہ

ہم اللہ تعالیٰ کی اکثر صفات انبیاء و اولیاء علیٰ نبینا و علیہما السلام کے لیے ثابت کرتے ہیں اس میں شرک تو ہم کو اس قاعدہ سے زائل کرتے ہیں کہ وہ صفات اللہ تعالیٰ کے ذاتی اور انبیاء و اولیاء علیٰ نبینا و علیہما السلام کے لیے عطائی ہیں بحمدہٖ تعالیٰ یہی ہمارے اسلاف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے چنانچہ صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے اوپر کی تقریر لکھ کر بعینہٖ وہی لکھا جو ہم نے عرض کیا چنانچہ فرمایا

فلا عزۃ الا لہ علی ان العزۃ ذاتیۃ او لمن اعزہ من الانبیاء و غیرھم فالعزۃ حادثۃ کائنۃ بین خلقہ وھی وان کانت صفۃ قائمۃ بغیرہ تعالیٰ الا انھما مملوکۃ لہ مختصۃ بہ یفعلھا حیث یشاء کما قال تعالیٰ "تعز من تشاء" روح البیان ص۲۹۹ ج۷

ترجمہ:۔ "تو عزت صرف اسی کی ہے ہاں اس کی عزت ذاتی ہے اور انبیاء و اولیاء کو جو عزت بخشی ہے وہ حادث ہے جو اس نے مخلوق کو عطا فرمائی۔ یہ صفت اگرچہ غیر سے قائم ہے لیکن اس کی ملک اور اسی سے خاص ہے وہ اسے جہاں چاہے رکھے جیسے فرمایا تعز من تشاء اے اللہ تو جسے چاہے عزت دے۔"

فائدہ:۔ اس میں سلب و اضافہ کی طرف اشارہ ہے مثلاً سبحان میں جلال جو کہ تبارک اسم ربک ذو الجلال والاکرام میں ہے کی طرح سلب کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ یہ دونوں سلب کا فائدہ دیتی ہیں۔ مثلاً سبحان۔ کا معنیٰ یہ ہے کہ ہمارا پروردگار شریک و تشبیہ سے پاک ہے اور ہمارا رب شریک و شبیہ سے منزہ و مقدس ہے اور رب العزۃ الاکرام کی طرح اضافہ کا فائدہ دیتا ہے۔ صفت سلبیہ کی تقدیم اس لیے ہے کہ اس کی ذات میں من حیث ھو ھو۔ ذاتی طور پر غیر کی شرکت سے ہر طرح سے پاک ہے اور اضافات میں اگرچہ وہی مفہوم ہے لیکن مجازاً یہی صفات غیروں میں پائی جاتی ہیں اس لیے کہ اضافہ مضافین کے بغیر نہیں پائی جاتی۔

فائدہ:۔ الشیخ بن عز الدین بن عبد السلام نے فرمایا سبحان اللہ ایسا کلمہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات سے نقص و عیب سلب کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے جن اسماء میں یہ سلب پائی جائے وہ اسی کلمہ میں

داخل ہیں مثلاً اسم قدوس یعنی طاہر عن کل عیب اور سلام وہ ذات جو ہر آفت سے سالم ہو سبحان اللّٰہ کہہ کر ہم اللہ تعالیٰ سے ان تمام عیوب کی نفی کرتے ہیں جو ہماری عقل میں آسکتے ہیں اور ان تمام نقائص سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ کرتے ہیں جنہیں ہم سمجھ سکتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ:- وسلام۔ ہر دکھ اور تکلیف سے سلامتی و نجات اور جمیع مقاصد میں کامیابی ہو۔

المرسلین۔ اللہ تعالیٰ کے پیغامات اس کے بندوں تک پہنچانے والوں اور ان کے ان امور دینیہ و دنیویہ جنکے محتاج ہیں) کے بیان کرنے والوں کو" ان کے پہلے حضرت آدم علیہ السلام اور سب سے آخری حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں پہلے مخصوص انبیاء ورسل علیہم السلام پر سلام کا ذکر تھا اب عمومی طور سب کے لیے اس لیے کہ ہر ایک پیغمبر علیہ السلام کا علیحدہ علیحدہ ذکر کیا جاتا تو طوالت ہوتی۔

حدیث شریف:- حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مجھ پر سلام عرض کرو تو دوسرے رسل کرام علیہما السلام کو بھی سلام عرض کرو اس لیے کہ میں بھی ان میں سے ایک ہوں۔ فتح الرحمٰن و حواشی ابن الشیخ وغیرہما)

حدیث شریف:- حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم مجھ پر درود و سلام عرض کرو تو اسے عام کرو یعنی اس میں آل و اصحاب کو بھی شامل کرو۔

فائدہ:- المقاصد الحسنہ میں ہے کہ میں نے یہ حدیث ان الفاظ میں نہیں پائی ممکن ہے بہ معنیٰ صحیح ہو اور **صلوا علیّ وعلیٰ انبیاء اللّٰہ** اس لیے کہ جیسے میں مبعوث ہوا ہوں ایسے ہی دوسرے انبیاء علیہما السلام۔

والحمد للّٰہ رب العٰلمین۔ حضرت شیخ عز الدین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ **الحمد للّٰہ** وہ کلمہ ہے جس سے ذات وصفات کے کمالات کا اثبات کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے وہ اسماء جو کمالات کے اثبات کو متضمن ہیں جیسے علیم۔ قدیر۔ سمیع۔ بصیر سب اسی میں مندرج ہیں۔ ہم نے الحمد للہ کہہ کر اللہ تعالیٰ کے وہ جملہ کمالات ثابت کیے جنہیں ہم جانتے ہیں اور اس سے وہ صفات جلال ثابت ہوئے جو ہمارے ادراک میں آسکتے ہیں۔

فائدہ:- حضرت مولانا ابو السعود رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے اس وصف کا بیان ہے جو صفات کریمہ ثبوتیہ پر مشتمل ہیں جبکہ اس سے قبل تنبیہ کی گئی کہ وہ ذات وصفات سلبیہ سے بھی موصوف ہے اور اشارہ فرمایا کہ جیسے وہ صفات ثبوتیہ وسلبیہ سے موصوف ہے ایسے ہی اس کے افعال بھی

جمیلہ ہیں منجملہ اس کے افعال کے ایک یہ ہے کہ اس نے انبیاء علیہما السلام کو بہترین کرامات و کمالات دینیہ و دنیویہ سے نوازا اور ان کے صدقے ان کے متبعین اولیاء کو ظاہری و باطنی نعمتوں سے مالامال فرمایا جن کی وجہ سے ان حضرات کو اس کی حمد کرنے کی توفیق نصیب ہوئی اور ظاہر فرمایا کہ وہ ان کے ساتھ جو نصرت و غلبہ کا وعدہ فرمایا وہ متحقق ہو گیا۔

فائدہ: نیز اس میں مومن کو تنبیہ ہے کہ اس کی تسبیح و تحمید یوں کی جاتی ہے اور رسل کرام علیہما السلام پر سلام یوں عرض کیا جاتا ہے وہ اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان بہترین وسیلہ جلیلہ ہیں کہ اس سے فیض لے کر بندوں کو دین و دنیا کے فیوضات سے مالامال فرماتے ہیں اسی لیے سلاموں کے آخر میں حمد پر سورۃ کو ختم کیا تاکہ معلوم ہو کہ انھیں اللہ تعالیٰ سے حمد کی توفیق نصیب ہوئی۔

فائدہ: بعض اکابر نے فرمایا کہ وہ کافروں کو ہلاک کرنے اور مرسلین و مومنین کو فتح و نصرت دینے پر حمد ہے نیز ہر حال پر حمد ہے اس لیے کہ اس کے ہر دیئے ہوئے حال کی وجہ سے محمود ہے دُکھ ہو یا سُکھ نفع ہو یا ضرر ؎

در بلاؤ و در ولا الحمد خوان
این بود آئین پاک عاشقاں

ترجمہ:۔ مصیبت اور مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ کی حمد بجا لا اس لیے کہ عاشقانِ پاکباز کا یہی طریقہ ہے۔

فائدہ:۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو چاہے کہ قیامت میں اس کا پلڑا نیکی کا پورا اور کامل ہو تو اسے چاہیئے کہ اپنی بات کے اختتام پر پڑھے: سبحان ربّک۔ الخ۔

فائدہ:۔ جو چاہتا ہے کہ قیامت میں اس کے عمل نامہ میں نیکیاں ہی نیکیاں ہوں تو وہ اپنی مجلس کے اختتام پر پڑھے: سبحان ربک الخ۔

صاحب رُوح البیان کی وصیت

صاحب رُوح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ انسان پر لازم ہے کہ وہ اپنے حال کا دو عملوں سے تدارک کرے:۔

(۱) جہاں بیٹھ کر اُٹھے تو اُٹھنے سے پہلے یہی آیت پڑھے۔ اس سے اسے اجر جزیل و ثواب عظیم نصیب ہوگا۔

(۲) حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کے منہ سے کسی مجلس میں لغویات سرزد ہوئی ہوں

تو وہ اپنی اسی مجلس سے اُٹھنے سے پہلے پڑھے ، سبحانك اللّٰھم و بحمدك اشھد ان لا الٰہ الا انت استغفرك و اتوب الیك ۔ ان کلمات کی برکت سے اس کے تمام وہ صغائر گناہ معاف ہو جائیں گے جو حقوق انسانی سے متعلق ہیں جیسے غیبت وغیرہ (فتح القریب شرح الترغیب)

سبق ،، عاقل پر لازم ہے کہ اپنی مجلس میں اُٹھتے وقت غفلت نہ کرے بلکہ اسے چاہیئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرے اور جب مجلس کو ختم کرے تو نفس کو برائیوں سے صفائی اور ذکر الٰہی سے اسے روشنی نصیب ہو۔

و اٰخر دعواھم ان الحمد للہ رب العٰلمین ۔ اور آخری دعویٰ ان کا یہ ہے کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ پروردگار عالم کے لیے ہیں ۔

صاحب رُوح البیان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اوائل محرم میں ۱۱۱۱ھ میں اس سورۃ کی تفسیر سے فراغت ہوئی

اور

فقیر اویسی غفرلہ نے ۵ رجب ۱۳۹۸ھ شب سوموار قبل نماز عشاء اس کے ترجمہ سے فراغت پائی (فللّٰہ الحمد علیٰ ذٰلك) وصلی اللہ علیٰ حبیبہ الکریم وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین ۔

صٓ وَالْقُرْاٰنِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ ○ بَلِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا عِزَّةٍ وَّ
شِقَاقٍ ○ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّ لَاتَ
حِيْنَ مَنَاصٍ ○ وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ ز وَقَالَ
الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ○ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ج صلے
اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ○ وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا
وَاصْبِرُوْا عَلٰٓى اٰلِهَتِكُمْ ج صلے اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ يُّرَادُ ○ مَا سَمِعْنَا
بِهٰذَا فِى الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ج صلے اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ○ ءَاُنْزِلَ
عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَيْنِنَا ط بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِيْ ج بَلْ لَّمَّا
يَذُوْقُوْا عَذَابِ ○ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ

الْعَزِيْزِ الْوَهَّابِ ○ اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا
فَلْيَرْتَقُوْا فِي الْاَسْبَابِ ○ جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ مِّنَ
الْاَحْزَابِ ○ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّ فِرْعَوْنُ
ذُوالْاَوْتَادِ ○ وَثَمُوْدُ وَقَوْمُ لُوْطٍ وَّاَصْحٰبُ لْئَيْكَةِ ط اُولٰٓئِكَ
الْاَحْزَابُ ○ اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ○

ترجمہ:۔ اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحم والا

اس نامور قرآن کی قسم بلکہ کافر تکبر اور خلاف میں ہیں۔ ہم نے ان سے پہلے کتنی سنگتیں کھپائیں تو اب وہ پکاریں اور چھوٹنے کا وقت نہ تھا۔ اور انہیں اس کا اچنبا ہوا کہ ان کے پاس انہیں میں کا ایک ڈر سنانے والا تشریف لایا اور کافر بولے یہ جادوگر ہے بڑا جھوٹا۔ کیا اس نے بہت خداؤں کا ایک خدا کر دیا بے شک یہ عجیب بات ہے اور اُن کے سردار چلے کہ اس کے پاس چل دو اور اپنے خداؤں پر صابر رہو بیشک اس میں اس کا کوئی مطلب ہے۔ یہ تو ہم نے سب سے پچھلے دین نصرانیت میں بھی نہ سُنی یہ تو نری نئی گڑھت ہے۔ کیا ان پر قرآن اُتارا گیا ہم سب میں سے بلکہ وہ شک میں ہیں میری کتاب سے بلکہ ابھی میری مار نہیں چکھی ہے۔ کیا وہ تمھارے رب کی رحمت کے خزانچی ہیں۔ وہ عزت والا بہت فرمانے والا ہے کیا ان کے لیے ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے تو رسیاں لٹکا کر چڑھ نہ جائیں۔ یہ ایک ذلیل لشکر ہے انہیں لشکروں میں سے جو وہیں بھگا دیا جائے گا۔ ان سے پہلے جھٹلا چکے ہیں نوح کی قوم اور عاد اور چومیخا کرنے والا فرعون اور ثمود اور لوط کی قوم اور بَن والے۔ یہ ہیں وہ گروہ ان میں کوئی ایسا نہیں جس نے رسولوں کو نہ جھٹلایا ہو تو میرا عذاب لازم ہوا۔

سورۃ ص مکیہ ہے اس کی اٹھاسی آیات ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیر عالمانہ:۔ صٓ۔ مبتدا محذوف کی خبر ہے جیسے کہ اس طرح کی سورتوں کی تفسیر میں ہم نے تفصیل سے عرض کیا ہے۔ بعض کے نزدیک حروف مقطعہ کفار کے خاموش

کرانے کے لیے لائے گئے ہیں کیونکہ حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب نماز میں قرأۃ بالجہر کرتے تو کفار شور مچاتے اور تالیاں بجاتے تاکہ آپ نماز میں بھول جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ حروف نازل فرمائے تاکہ وہ لوگ سن کر غور و فکر سے کام لے کر غلط طریقوں سے باز آجائیں۔

فائدہ: شعبی نے فرمایا کہ ہر کتاب الٰہی میں راز و رموز ہوتے ہیں۔ قرآن کے اسرار و رموز سورتوں کے فواتح (مقطعات) میں ہیں۔

فائدہ: بعض کا فرمودہ ہے کہ صٓ اسم صادق صبور صمد۔ صانع کی کنجی ہے اور تاویلات نجمیہ میں ہے کہ صاد میں صمدیت فی الازل اور اس کی صانعیت فی الوسول اور اس کی صبوریت الی الابد اور جو ذات صدق لائی اور صدق اور اس کی صدیقیت کی جس نے اس کی تصدیق کی اور مودت و محبت کی صفوۃ کی قسم کی طرف اشارہ ہے۔

فائدہ: حضرت ابن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا صٓ وہ کلمہ ہے جو مابین النفختین میں موتیٰ کو زندہ کرے گا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ صٓ مکہ مکرمہ[1] میں ایک دریا ہے اس پر عرش رحمٰن کا دار و مدار ہے وہاں دن ہے نہ رات۔ بعض نے فرمایا کہ مکہ مکرمہ میں ایک پہاڑ تھا اس کی تفصیل المص کی تفسیر میں گزری ہے۔

فائدہ: بعض کے نزدیک صٓ صاد قلوب الخ کا مخفف ہے یعنی حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے مخلوق کے دل موہ لیے اسی وجہ سے وہ آپ کو مان گئے ہیں۔ اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں کیونکہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم جس تدبیر سے عرب کے وحشی لوگوں کو ایسا باشعور بنا دیا کہ اس کی مثال نہیں ملتی باوجودیکہ انہوں نے آپ پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے اذیتیں دیں لیکن آپ نے صبر اور حوصلہ سے کام لیا۔ پھر وہ ایسے آپ کے غلام بے دام بن گئے کہ آپ کی خاطر جان کی بازی لگا دیتے پھر تو آپ کے مقابلہ میں ماں باپ۔ بہن بھائی۔ دوست آشنا آل اولاد کو جان سے مارنے تک نہ چوکتے صرف اور صرف آپ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنے وطنوں کو خیرباد کر دیا۔

صاحب روح البیان کے پیر و مرشد کی عارفانہ تقریر: فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ[2]

---

[1] مکہ مکرمہ کے بالمقابل آسمان کے ماوراء کا خلا مراد ہے ۱۲ اویسی غفرلہٗ

[2] انسان العیون۔

میرے شیخ اور پیر و مرشد قدس سرہٗ فرماتے کہ قٓ میں اس مرتبۂ احدیت کی طرف اشارہ ہے جسے تعین اول کہا جاتا ہے جس کا ذکر سورۂ اخلاص کے قُلْ کے قاف میں ہے اور صٓ مرتبۂ صمدیت کی طرف اشارہ ہے جسے تعین ثانی کہا جاتا ہے جس میں مراتب مندرج ہیں جو مختلف اطوار سے بادی باری ظاہر ہوئے۔

والقرآن ذی الذکر ۔ واؤ قسمیہ ہے اور ذکر سے شرف اور بزرگی یا پند و موعظت یا وہ امور دینیہ یعنی شرائع و احکام اور انبیاء علیہم السلام کے قصص اور امم ماضیہ کی خبریں اور وعد و وعید مراد ہے اور جواب قسم محذوف ہے اور اس کا ایسے عجیب و غریب مقامات پر محذوف ہے کچھ بعید بھی نہیں یعنی یہاں پر لفظ عجبوا مقدر ہے ۔ یہ سورۂ یٰسٓ کے مضمون اور سیاق آیت کے موافق ہے ۔ اب معنیٰ یوں ہوا کہ یہ لوگ تعجب میں ہیں کہ حضرت محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت حقانیت پر مبنی ہے اور جو ان پر نازل ہوا ہے وہ حق اور سچ ہے ۔

بل الذین کفروا ۔ بلکہ کافر لوگ ۔ اس سے رؤسائے مکہ (اور اُن جیسے اور کافر) مراد ہیں ۔ یہ مفہوم جواب کے مضمون سے اعراض ہے ۔

فی عزۃ ۔ امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ عزت اس حالت کو کہا جاتا ہے جو انسان کو مغلوب ہونے سے مانع ہو کبھی اس سے مدح مطلوب ہوتی ہے جیسے وللہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین ۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کے لیے عزت ہے ۔ کیونکہ ان کی عزت دائمی باقی ہے اور یہی حقیقی عزت ہے اور کبھی اس سے مذمت مراد ہوتی ہے ۔

بل الذین کفروا فی عزۃ ہیں ۔ اس لیے کہ یہ خود کو خواہ مخواہ معزز سمجھتا ہے جو در حقیقت اس کی ذلت ہے کبھی استعارہ حمیت اور عار مذمومہ کے لیے بھی لفظ عزت مستعمل ہوتا ہے جیسے اخذتہ العزۃ بالاثم گناہوں پر اسے عار نے اکسایا اکثر مفسرین نے اس مقام پر دوسرے معنی کو ترجیح دی ہے کیونکہ مذکورہ بالا قول انہوں نے اعتراف بالحق و ایمان کے باوجود بڑائی کی اور سخت عار میں مبتلا تھے ۔ میں نے حق کو قبول کرنے سے بوجہ عار اور تکبر کے محروم رہے ۔

تفسیر صوفیانہ :- والقرآن ذی الذکر ۔ میں قرآن کی قسم کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ صرف اور صرف قرآن ہی ذکر کے لیے مخصوص ہے کیونکہ یہ بیمار قلوب کا علاج ہے اور قلب کا سب سے بڑا مرض اللہ تعالیٰ کو بھول جانا ہے چنانچہ فرمایا نسوا اللہ فنسیہم ۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلایا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بھلا دیا اور نسیان کے بیمار قلوب کا علاج ذکر الٰہی ہے چنانچہ فرمایا فاذکرونی اذکرکم اس لیے کہ طب کا قاعدہ ہے کہ شے کا علاج اس کی ضد سے ہوا کرتا ہے ۔

دوسری صوفیانہ تقریر: بل الذین الخ میں ارشاد ہے کہ کفار کے قلوب کے مزاج نسیان کی وجہ سے بگڑ گئے ہیں کہ نہ ان میں نرمی ہے نہ سلامتی بلکہ سختی اور قساوت سے پُر ہیں اور تواضع کو چھوڑ کر تکبر میں گرفتار ہیں اور وفاق کا ان میں نام و نشان تک نہیں۔ خلاف کے خوگر ہو گئے ہیں۔ وصال سے نکل کر فرقت میں پہنچ چکے ہیں۔ محبت کو چھوڑ کر عداوت کا دامن پکڑ لیا ہے۔ آیات کے مطالعہ سے روگردانی کر کے لایعنی دلائل اور بے سود شواہد کے درپے ہو گئے ہیں۔

تفسیر عالمانہ: کم۔ مفعول مقدم ہے۔ اھلکنا من قبلھم۔ کا من ابتدا غایت کا اور من قرن کا من تمیز یہ ہے۔

القرن۔ وہ قوم جو ایک زمانہ دوسرے کے مقتدن ہوں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نے گزشتہ دور کے بہت سے لوگوں کو اُن کے تکبر اور خلاف کی وجہ سے تباہ و برباد کیا۔

فنادوا۔ عذاب اور تباہی کے وقت فریاد و زاری اور شور و فغان یا توبہ و استغفار کر کے زور زور سے پکارتے تاکہ نازل ہونے والے عذاب سے چھٹکارا پا سکیں یا کوئی ان کی فریاد رسی کر سکے۔

ولات حین مناص نادوا۔ کی ضمیر سے حال ہے یعنی فریاد و زاری کرتے نجات کی طلب پر حالانکہ وہ ان کے چھٹکارے کا وقت نہ تھا کیونکہ وہ یاس اور ناامیدی کا وقت ہوتا۔ یعنی وہ بھاگنے کی جگہ کے لیے رجوع کا وقت نہ تھا۔

تحقیق لات: دراصل لا مشبہ بلیس ہے تاکید کے لیے اس پر تائے تانیث بڑھائی گئی ہے۔ ایسے ہی یہ تا رُبّ پر بھی زائدہ تاکید کے لیے آئی ہے اور لات نفی الاحیان کے لیے مخصوص ہے اور اس کے معمول میں صرف ایک شے آتی ہے یا اسم یا خبر لیکن اکثر اس کا اسم محذوف ہوتا ہے۔

فائدہ:۔ بعض تفاسیر میں لات بمعنی لیس لغت یمن میں مستعمل ہوتا ہے اور بس۔

قاعدہ: اس پر وقف کرنا زجاج اور ابوعلی و کسائی کے نزدیک ہے جیسے قاعدہ و ضاربۃ اور ابوعابد علی کے نزدیک کوئی وقف نہیں البتہ اس کے بعد حین کا ہونا ضروری ہے یعنی ان کے نزدیک لا علیحدہ اور سابق کلام سے متعلق ہے اور تا حین پر بڑھائی جائے مثلاً کہا جائے کان ھذا تحین کان ذالک کذا۔ یعنی یہ ایسا ہوا تو اُس وقت وہ ایسے ہوگا۔[1]

حل لغات:۔ المناص بمعنی المنجا یعنی نجات اور خصم سے بچ جانا یہ ناصہ ینوصہ سے ہے یہ اُس وقت بولتے

---

[1] الوسیط ۱۲

ہیں جب کوئی کسی سے بچ جائے اس معنیٰ پر مناص مصدر ہوگا ایسے ہی کہا جاتا ہے ناص ینوص بمعنی ہرب یعنی بھاگا بمعنی تاخر بھی آتا ہے اسی سے ہے ناص قسرنہ ۔ وہ اس سے اُسی وقت پیچھے ہٹا۔

المفردات میں ہے ناص الی کذا ۔ فلاں نے ایسے ہی پناہ لی ۔ و ناص عنہ بمعنی تنحیٰ یعنی علیحدہ ہوا ینوص نوصاً اس کی گردن ہوگی۔ المناص بمعنی المنجاء ۔

فائدہ: معالم میں ہے کہ کفار مکہ کی عادت تھی کہ جب جنگ میں شکست کا سامنا ہوتا تو کہتے **مناص** . مناص یعنی بھاگو بھاگو ۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی خبر دی ہے کہ قیامت میں یہ لوگ عذاب کو دیکھ کر کہیں گے **مناص** الخ لیکن وہاں بھاگنا کیسا اور کہاں۔

و عجبوا ان جاءھم منذر منھم ۔ اور کفار اہل مکہ کو تعجب ہے کہ اُن کے ہاں آیا ہے ایسا ڈرانے والا جو انہیں دوزخ سے ڈراتا ہے وہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) جو ان کی جنس سے ہیں بلکہ دُنیوی حیثیت اور مالی لحاظ سے انہیں کم نظر آتا ہے ایسا رسول ہونا ان کے نزدیک محال تھا اسی لیے سخت سے سخت تر انکار کر دیا کیونکہ ان کے اعتقاد میں رسول ان کی جنس ہوتا ناممکن تھا اسی لیے تعجب کی اور کہا کہ

ان محمداً مساولنا فی الخلقۃ الظاھرۃ والاخلاق الباطنۃ والنسب والشکل والصورۃ [1]

ترجمہ:۔ بیشک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خلقت ظاہرہ اور اخلاق باطنہ اور نسب و شکل میں ہمارے برابر ہیں [2]

تو پھر وہ کیسے ایسے عظیم الشان مرتبہ کے لیے مخصوص ہوئے ان بیوقوفوں کو اس پر خیال بھی نہیں گزرتا تھا کہ اپنے ہاتھوں سے پتھر گھڑ کر ان کی پرستش کر دی ۔ یہ تناقص واضح اور روشن ہے ۔

ربط:۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں چونکہ رسول ہونے کا انہیں یقین نہ تھا اس لیے آپ کی باتوں کو کذب اور معجزات کو جادو کہہ دیا ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ان کے قول کو حکایۃً فرماتا ہے **و قال الکفرون** ۔ یہاں ضمیر کے بجائے اسم ظاہر لایا گیا تاکہ ان پر غضب الٰہی کا اظہار ہو اور ثابت ہو جائے کہ ایسے نبی علیہ السلام کی نبوت کے

---

[1] روح البیان ص۲ جلد ۸ (مطبوعہ استنبول)

[2] یہی بات آج ہمارے دور کے مسلمان کہلوانے والے دیوبندی وہابی کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نفس بشریت میں ہمارے جیسے ہیں صرف فرق نبوت کا ہے (فتاویٰ رشیدیہ)

اسمٰعیل دہلوی نے اسی قاعدہ پر تقویۃ الایمان میں لکھا کہ " وہ ہمارے بڑے بھائی ہیں اور ہم چھوٹے کیونکہ وہ بھی بشر ہم بھی بشر وہ نبی ہیں اور ہم نبی نہیں اور بس (ملخصاً)

انکار کی جرأت صرف اور صرف بدقسمت کافر ہی کر سکتا ہے یا ازلی بدقسمت فاسق۔ ھذا۔ یعنی کافروں نے کہا کہ یہ ڈرانے والا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ساحر معجزات ظاہر کرنے پر جادوگر ہے۔ کذاب۔ نبوت کو رسول کہلوانے اور اپنے اُوپر کتب الٰہیہ کے انزال کے دعویٰ پر بہت بڑا جھوٹا ہے (معاذ اللہ)

سوال:۔ کاذبٌ کے بجائے کَذَّابٌ لانے کا کیا فائدہ۔

جواب (۱) آیات کے فواصل کی وجہ سے تاکہ عبارت کی فصاحت و بلاغت میں نقص نہ آئے۔

جواب (۲) وہ سمجھتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بول رہے ہیں (معاذ اللہ) اسی لیے کذاب کہا تاکہ واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنا دوسروں پر جھوٹ باندھنے کا بہت زیادہ گناہ ہے اسی لیے صیغہ مبالغہ لایا گیا۔

جواب (۳) ان کے گمان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات جھوٹی تھی (معاذ اللہ) اسی بنا پر آپ کی بکثرت جھوٹی باتوں کی وجہ سے آپ کو کذاب کہا گیا اور ان کا کذاب کہنا قرآنی آیات کی وجہ سے تھا اور وہ بہ نسبت معجزات کے بکثرت ہیں۔

فائدہ:۔ صاحب رُوح البیان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہی جوابات مجھے محسوس ہوئے تو میں نے عرض کر دیئے۔

تفسیر صُوفیانہ:۔

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ چونکہ ان کے قلوب کے مزاج نسیان حق سے بگڑے ہوئے تھے اسی لیے انہیں نبوت جادو اور سچا نبی علیہ السلام کذاب محسوس ہوا۔

فائدہ:۔ حضرت علامہ کاشفی مرحوم نے لکھا کہ غلط فکر کا بیمار وحی کے انوار کی روشنی اور جادو کی تاریکی کے درمیان امتیاز نہیں کر سکتا کیونکہ وہ اپنی بے بصیرتی کے سبب صدق کے شعاع کے آثار اور ظلمات کذب کا فرق نہیں رکھتا۔ ؎

گشتہ طالع آفتابے ایں چنیں عالم فروز
دیدہ خفاش را یک ذرہ از وے نُور نہ

ترجمہ:۔ دیکھو سورج کیسا روشن ہے اور تمام عالم کو روشن کیے ہوئے ہے لیکن چمگادڑ کو ذرہ بھر بھی اس کی روشنی نصیب نہیں۔

از شعاع روز روشن روئے گیتی مستنیر
تیرگی شب ہنوز از دیدۂ وے دُور نہ

ترجمہ:۔ دن کی روشنی سے تمام زمانہ نور بار رہا ہے لیکن رات کی تاریکی کو اس سے کوئی حاصل نہیں۔

فائدہ:۔ نبوت و ولایت کا اثبات اہل عنایت و توفیق (مسلمان) کے لیے آسان ہے کیونکہ ان کے قلوب

ماسوی اللہ سے روگرداں ہو کر صرف اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہیں بخلاف اہل انکار اور ازلی بدقسمتوں کے کہ ان کے قلوب اللہ تعالیٰ سے روگرداں ہیں اسی لیے وہ انبیاء و اولیاء کی صحبت اور اُن کے فیوض و برکات سے محروم ہوتے ہیں۔

مسئلہ: حضرت ابو القاسم سیدنا جنید بغدادی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمارے اس علم باطنی کی تصدیق بھی ولایت صغریٰ سے کم نہیں ہاں ولایت کبریٰ شے دیگر ہے اس کے لیے اور قواعد اور اصول ہیں۔

محبوبانِ خدا کے دوست و دشمن کی نشانیاں اور علامات

حضرت امام یافعی قدس سرہٗ نے فرمایا انبیاء و اولیاء کے دوست و دشمن چار قسم ہیں:

(۱) ان کی تصدیق کا وافر حصہ حاصل کرنے والے وہ ہیں جو ان کو جانتے اور ان کے طریقوں کو پہچانتے اور ان کے مشرب اور احوال سے ذوق پاتے ہیں۔

(۲) ان کے متعلق علم تو رکھتے ہیں اور ان کے احوال و مشرب سے بھی باخبر ہیں لیکن ان کے ذوق سے محروم ہیں۔

(۳) ان کی صرف تصدیق کرتے ہیں اور بس نہ انھیں ان کے احوال و مشرب کا علم ہوتا ہے اور نہ اس سے انہیں کچھ نصیب[۱]۔

(۴) انھیں کچھ بھی نصیب نہیں ہوتا یعنی نہ تصدیق اور نہ طریقہ نصیب اور اس سے کچھ ذوق[۲] حاصل۔ ہم اللہ تعالیٰ سے محرومی سے پناہ مانگتے ہیں اور اس سے توفیق و غفران کا سوال کرتے ہیں۔ یہی وہ بدبخت ہیں جو خاصانِ خدا پر زبان درازی کرتے اور انھیں جادو کذب اور جنون کی تہمت لگاتے ہیں۔ یہ بیچارے معذور ہیں کہ شئون الٰہی کی کسی شان کے بھی محرم راز نہ ہو سکے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنہ پاکاں برد

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ کسی کا پردہ فاش کرتا ہے تو خاصانِ خدا پر طعنہ زنی کی طرف اس کا میلان ہو جاتا ہے۔

تفسیر عالمانہ:

اجعل الآلہۃ الٰھا واحدا۔ ہمزہ انکار و استبعاد کا ہے اور الٰھۃ الٰہ کی جمع ہے حق تو یہ ہے کہ یہ جمع الہ کے لیے نہ آتی کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا

---

[۱] یہ عوام اہلِ اسلام ہیں ۱۲ اویسی غفرلہٗ
[۲] یہی ہیں دشمنان انبیاء و اولیاء (نعوذ باللہ) اویسی غفرلہٗ

تو کوئی معبود ہے نہیں لیکن چونکہ کفار مکہ کا اعتقاد تھا کہ یہ معبود ہیں ان کے اعتقاد پر جمع لائی گئی۔

الٰهًا واحدًا ۔ جَعَلَ کا دوسرا مفعول ہے کیونکہ بمعنی صیّر ہے یعنی اس نے اپنے گمان پر بہت سے معبودان کو ایک معبود بنا دیا یہ قول وزعم کے مطابق ہے کیونکہ اُمور متعددہ کو ایک بنانا ایک محال فعل ہے۔

شانِ نزول: مروی ہے کہ حضرت حمزہ وحضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اسلام لانے کے بعد روسائے قریش جیسے ولید ابوسفیان و ابوجہل و عتبہ و شیبہ و اُمیہ پریشان ہو کر ابوطالب کے پاس آئے (وہ مرض الموت میں تھا) کہا کہ اے عبد المناف (ابوطالب) تو ہمارا سردار اور بزرگ تر ہے تو ہی ہمارا اور برادرزادہ کا فیصلہ فرما اس لیے کہ ہمارے بیوقوفوں کو فریب دے کر اپنی طرف درغلا ہے جدید دین اور نیا آئین لایا ہے ہمارے مجمعے میں پتھر مار کر سب کو متفرق کر دیا۔ اَب تو اس نہج تک پہنچ گیا ہے کہ اس کی آگ لگائی ہوئی کو بجھا نا مشکل ہو گیا ہے۔ ابوطالب نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بلا کر کہا کہ آپ کی قوم میرے پاس آئی ہے یہ کیا کہتے ہیں۔ ان کلمداعاسن کر اس پر غور فرمایئے۔ آپ نے فرمایا۔ اے قریشیو! تم کیا چاہتے ہو اُنھوں نے کہا کہ آپ ہمارے دین کے خلاف باتیں نہ کریں اور نہ ہی ہمارے بتوں کو گالی دیں تم یہ دونوں کام چھوڑ دو ہم تجھے اور تمھارے تابعداروں کو کچھ نہ کہیں گے۔ آپ نے فرمایا میرا ایک کلمہ ہے تم اس سے اتفاق کر لو پھر دیکھو تم عرب وعجم کے مالک بن جاؤ گے۔ اُنھوں نے کہا وہ کونسا کلمہ ہے آپ نے فرمایا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۔ روسائے قریش یہ کلمہ سنتے ہی بگڑ گئے اور کہا کیا حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خیال پر بہت سے خداؤں کو ایک خدا بنا دیا کہ ان سے الوہیت کی بالکل نفی فرما کر ایک معبود پر حصر کر دی لیکن وہ نہ سمجھے کہ خود اُنھوں نے ایک معبود کے بجائے بہت سے خدا بنا دیئے تھے۔

ان هذا ۔ بیشک ایک معبود کا ہونا لشئ عجاب ۔ عجیب شے ہے۔

حل لغات: عجاب بمعنی عجیب یعنی وہ شے جس سے تعجب لاحق ہو۔ عجب کا بھی یہی معنیٰ ہوتا ہے لیکن عجیب عجاب سے بلیغ تر ہے ایسے ہی عجاب (بالتشدید) عجاب (بالتخفیف زیادہ بلیغ ہے ایسے ہی کبار (بالتخفیف) کبار (بالتشدید) کا حال ہے۔ قرآن مجید میں ہے ومکروا مکرا کبارا۔ ایسے ہی طویل وطوال کو سمجھیے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ یہ عجیب بات ہے کہ جس بات پر ہمارے آباؤ اجداد کا اتفاق تھا یہ اس کے خلاف ہے۔

اعجوبہ:۔ کفار مکہ کہتے کہ ہمارے تین سو ساٹھ خدا ہیں وہ صرف مکہ کے لوگوں کے کاروبار پر پورے

نہیں اُترتے پھر ایک خدا (جیساکہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہتے ہیں، تمام عالم کا کاروبار کس طرح پورا کرسکے گا۔

انتباہ: چونکہ کفار و مشرکین اہل نظر و بصیرت نہ تھے بلکہ محسوسات کو اپنے اوہام کے تابع کرنا چاہتے تھے اسی لیے غائب کو موجود پر قیاس کررہے تھے وہ سمجھتے تھے کہ اتنا بہت بڑے عالم کے لیے بہت سے کارساز (خدا) لازم ہیں چونکہ وہ بےعقل تھے اسی لیے نہ وہ الٰہ کا معنیٰ سمجھے اور نہ الٰھتہ کا مفہوم جان سکے۔ ورنہ اتنا طویل داستان نہ بڑھاتے۔

اُلُوہِیّت کا معنیٰ: الاہیت بمعنی پیدا کرنے کی قدرت رکھنا اگرایسی قدرت بہت سے قدرت والوں کے لیے مان لی جائے تو ان کے مابین جواز و تمانع لازم آئے گا اور یہ بہت سے معبودوں کے کمال کو مانع ہے اور ان میں کسی ایک کا کمال مان لیا جائے اور باقیوں کو ناقص تو پھر وہ معبود کیسے اسی لیے ہم کہتے ہیں جو صاحب کمال ہے وہی معبود برحق ہے اور باقی نہ کچھ ہیں اور نہ ہی انھیں معبود سمجھا جائے۔ وانطلق الملأ منھم۔

حل لغات: اِنْطِلَاقٌ بمعنی ذہاب (جانا) الملأ۔ برگزیدہ لوگ نہ صرف مطلق جماعت۔ اور برگزیدہ لوگوں کو بھی ملأ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ ان کے وجود سے اہل مجلس کی آنکھیں ہیبت سے مرعوب ہوتی ہیں اور قلوب پر ان کی عظمت چھا جاتی ہے۔ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آئے ہوئے پچیس کفار قریش کو مسکت جواب سے نوازا اور انہوں نے دیکھا کہ آپ اپنے دین پر مضبوط اور راسخ القدم ہیں اور چاہتے ہیں کہ آپ کا دین تمام ادیان پر غلبہ پا جائے گا تو پھر جس کے لیے ابوطالب کو وسیلہ بنا کر اپنا مقصد پورا کرنا چاہتے تھے اس سے بالکل مایوس اور ناامید ہوگئے۔

ان۔ اس مقولہ کا مفسر ہے جو انطلاق سے سمجھا جاتا ہے کیونکہ گفتگو کی مجلس سے چلا یا جانا قول کو مستلزم ہے۔ اَب معنیٰ یہ ہوا کہ اہل مکہ کے اشراف یہ کہتے ہوئے چلے یعنی ایک دوسرے کو نصیحت کے طور پر کہتے تھے۔ **اِمْشُوْا** ۔ اپنے طریقہ پر چلو اور اسی پر ڈٹ جاؤ ایسے آدمی سے ہر قسم کی گفتگو بےسود ہے۔

فائدہ: المہدوی سے منقول ہے کہ اس کا قائل عقبہ بن ابی معیط ہے۔ **واصبروا علیٰ اٰلھتکم** اور اپنے بتوں پر صبر کرو یعنی ان کی پرستش پر ثابت قدم رہو۔

سبق: غور کیجئے ان باطل پرستوں نے ایک دوسرے کو اپنے دین باطل پر کس طرح استقامت کا سبق

دیا تو اہل حق بلکہ طالب صادق اور عاشق کامل تو ایسی استقامت کا زیادہ مستحق ہے کہ وہ اپنے محبوب المطلوب کی تلاش میں زیادہ مضبوطی دکھائے۔

ان ھذا ۔ امر بالصبر اور اس پر عمل درآمد کی تعلیل ہے یعنی یہ جو ہم نے محمد (عربی صلی اللہ علیہ وسلم) سے دیکھا کر وہ توحید اور نفی معبودان کثیرہ پر ڈٹے ہوئے ہیں ۔ لیشیءٌ یُّراد ۔ ایسا امر ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہو کر رہے گا کیونکہ وہ اس کا عزم بالجزم رکھتے ہیں اس سے انہیں کوئی ہٹا سکتا ہے نہ وہ ہٹنے کے ہیں اور نہ وہ صرف لسانی زبانی بات کرنے والے ہیں یا یہ معنیٰ ہے کہ نہ وہ ایسے ہیں کہ کسی کی سفارش سے متاثر ہو کر اپنے ارادہ سے رُک جائیں ۔ فلہٰذا ان کی کارروائی سے ہر طرح کی اُمید ختم کر دو اور نہ ہی ابو طالب یا کسی اور دوسرے کو سفارشی بنا کر مقصد براری کی اُمید رکھو بلکہ اب تو یہ عزم کر دو کہ اپنے بتوں کی پرستش نہیں چھوڑنی بس اسی پر ڈٹ جاؤ اور جو وہ اُن کے متعلق مذمت کرتا ہے سُن کر حوصلہ کر دو اور صبر سے کام لو یہ تقریر مولانا ابو السعود کی ہے جو انہوں نے الارشاد (تفسیر) میں بیان فرمائی اور حضرت مفتی سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا میرے دل میں آتا ہے کہ اس کا معنیٰ یوں ہے کہ کافروں نے کہا کہ تمہارا دین ایسی اعلیٰ شے ہے کہ یہ حق رکھتا ہے کہ اس پر مضبوطی دکھائی جائے اس معنیٰ پر امر سابق کی تعلیل اور اس پر ڈٹ جانے کی ترغیب ہو گی ۔

بعض نے فرمایا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ محمد (عربی صلی اللہ علیہ وسلم) کی مخالفت کوئی ایسی شے ہے کہ ہمارے لیے

فائدہ :۔ قضاؤ قدر نے مقدر کی ہے اس نے ہو کر رہنا ہے اس کے وقوع کا انکار نہیں کیا جا سکتا ۔

صاحب رُوح البیان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تقریر

فقیر (اس کی اللہ تعالیٰ فیض کثیر سے مدد فرمائے) کہتا ہے ممکن ہے کہ اس کا معنیٰ یہ ہو کہ تمہارے اپنے دین پر ڈٹ جانا اور بتوں کی پرستش پر لگا رہنا (کہ یہی تمہارا قدیمی دین ہے) تمہاری مراد ہونی چاہیئے کیونکہ یہ خود اتنی بڑی طاقت ہے کہ محمد (عربی صلی اللہ علیہ وسلم) کی قوت و طاقت کو مٹا کر رکھ دے گی جیسا کہ اُنہوں نے دوسرے مقام پر یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا قول حکایۃً فرمایا کہ نتربص بہ ریب المنون ۔ ہم اس پر حوادث کا انتظار کر رہے ہیں یہ اس قرینہ کے موافق ہے جو تفسیر ارشاد کی تقریر بالا میں بیان ہو چکا یا اس کا معنیٰ یہ ہو چکا کہ (حضرت) محمد (عربی صلی اللہ علیہ وسلم) کا معاملہ ابھی سے نیست و نابود کر دینا آسان ہے یہی تمہاری مراد ہونی چاہیئے ورنہ جس وقت ان کی قدر و منزلت بڑھ گئی اور ان کا دین چار سو پھیل گیا پھر مشکل ہو جائے گا ۔ کسی نے کیا خوب کہا :

ع علاج واقعہ پیش از وقوع باید کرد

ترجمہ :۔ واقعہ کا علاج وقوع سے پہلے کرنا چاہیئے ۔

ہماری تقریر کی تائید ان کی مجلس شوریٰ کا انعقاد بھی ہے کہ اس کے بعد حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ختم کرنے کی سو تدبیریں بنائیں لیکن ناکام رہے کیونکہ۔

ع وہ شمع کیوں نہ بجھے جس کی حفاظت خدا کرے

ماسمعنا بھذا ۔ ہم نے توحید کی باتیں نہیں سنیں۔

فی الملۃ الاٰخرۃ ۔ ظرف لغو ماسمعنا کے متعلق ہے یعنی اس ملت میں جو ہمیں آباؤ اجداد سے وراثت میں ملی ہے یعنی ملت قریش اور ان کا وہ دین جس پر وہ تھے کیونکہ یہ ان ادیان وملل سے علیحدہ دین ہے جو ان سے پہلے گزرے ہیں۔

فائدہ: اس میں اشارہ ہے کہ یہ جاہل اپنے آباؤ اجداد کی جاہلانہ تقلید میں بوجہ گمراہی کے بہت سخت گرفتار تھے کہ طریق حق کی طرف جانے کو الٹا گمراہی سمجھتے تھے ؎

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی
کیں رہ کہ تومی روی بترکستانست

ترجمہ: اے بدوی جس راہ پہ تو چل رہا ہے مجھے خطرہ ہے کہ تو کعبہ تک نہیں پہنچ سکے گا اس لیے کہ جس راہ پہ تو چل رہا ہے یہ تو ترکستان کو جائے گا۔

فائدہ: ملت اور دین ایک شے ہے یعنی وہ عبادت کا راستہ جسے اللہ تعالیٰ نے بذریعہ انبیاء وعلی نبینا و علیہما السلام کو انسانوں کے لیے مقرر فرمایا تاکہ اس کے بندے اس پر چل کر ثواب و جوارِ الٰہی سے بہرہ مند ہوں اور کافروں کا دین وملت کہنا (حالانکہ اللہ تعالیٰ کا راستہ نہیں بلکہ مشرکین کا منگھڑت راہ ہے) مجاز ہے جو معمولی سی تشبیہ سے ان کے راستہ کو بھی دین وملت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ان ھذا ۔ ان نافیہ بمعنی ما ہے۔ الاختلاق۔

حل لغات: اختلاق بمعنی از خود جھوٹ بونا یعنی وہ کذب جو بندہ اپنی طرف سے گھڑ کر بتائے۔ المفردات میں ہے کہ جس وقت کلام کی وصف اس کلمے پر ہو تو اس سے کذب مراد ہوگا اسی لیے بہت سے فضلاء علماء نے اس پر خلق کے اطلاق سے منع فرمایا۔ اسی محاورہ پر اختلاق ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ یہ قرآن نہیں مگر منگھڑت جھوٹ۔

أ أنزل علیہ الذکر من بیننا ۔ کیا ہماری موجودگی میں ہی اس پر قرآن اُترا ہے حالانکہ ہم ہی مکہ کے سردار و اشراف ہیں اور سن میں بھی اس سے بڑے اور مال و دولت بھی ہمارا زیادہ ہے اور نوکر و چاکر اور یار دوست ہمارے بہت ہیں ہر بڑا منصب ہم میں ہے تو پھر ہم ہی اس عہدہ کے لائق ہیں۔

ان کا اس سے صرف قرآن کا ذکر اور منزل من اللہ ہونے کا انکار مطلوب تھا۔ اور بس۔ ایسی غلط باتیں دلیل ہے کہ وہ حسد سے ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تکذیب کرتے تھے کہ آپ کو شرف نبوت سے کیوں نوازا گیا اور وہ اس منصب سے کیوں محروم رہے انہوں نے اسے دنیوی منصب سمجھ کر دنیوی حیثیت سے کمی بیشی پر استحقاق کا غلط قیاس کیا حالانکہ یہ منصب خارجی دنیوی کمالات پر نہیں[1] بلکہ فضائل نفسانیہ حقانیہ کی بدولت نصیب ہوتا ہے ایسے ہی ان کا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جیسا سمجھ کر اپنے اوپر قیاس کرنا یہ قیاس ان کا اس کے لئے فاسد اور باطل ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

روح الارواح واصل الخليقة فانى يكون مثلهم واما الصورة الانسانية فميراث عام لا تفاوت فيها بين شخص وشخص نعم وجهه عليه السلام كان يلوح منه انوار الجمال بحيث لم يوجد مثله فيما بين الرجال[2]

ترجمہ: روح الارواح اور تمام مخلوق کی اصل ہیں پھر آپ کیسے ان کے ہم مثل ہیں ہاں صورۃ انسانی عام میراث ہے کسی ایک کو دوسرے میں فرق نہیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو وہ ہیں کہ آپ سے تمام انوار چمکے اور آپ کا وہ جمال اقدس ہے کہ لوگوں (عام انسانوں) میں آپ جیسا کہاں۔

اے حسن سعادت ز جبیں تو ہویدا
ایں حسن چہ حسنیت تقدس و تعالیٰ

ترجمہ: حسن سعادت آپ کے چہرہ سے ظاہر ہے سبحان اللہ یہ کیسا حسن ہے مقدس ہے اور بلند ہے۔

تفسیر صوفیانہ: اس میں ہمارے زمانہ کے علماء و زہاد کے حال کی طرف اشارہ ہے کہ جب وہ علمائے ربانیین اور ارباب حقائق کو دیکھتے ہیں کہ وہ ایسے حقائق و معارف کی خبر دیتے ہیں کہ جنہیں وہ نہیں سمجھ سکتے اور وہ دقائق لطیفہ کا پتہ دیتے ہیں جن کا انہیں ذوق نصیب نہیں تو ان کے نفوس متمردہ ان کی تکذیب پر ابھارتے ہیں جس سے وہ ان کے انفاس کو غنیمت سمجھنے اور ان

---

[1] اس سے مراد قادیانی دجال کا رد ہے کہ اس نے نبوت کو کسبی مرتبہ سمجھ رکھا تھا۔

[2] جیسے وہابی نجدی دیوبندی اور ان کے ہم نوا کو فرقہ سمجھتا ہے ؎

کافراں دیدند احمد را بشر
ایں نمی دانند کان شق القمر ۱۲ اویسی غفرلہٗ

[3] روح البیان ج ۸ ص ۸۶ مطبوعہ استنبول۔

انوار سے روشنی حاصل کرنے کے بجائے انکار کر بیٹھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہماری موجودگی میں ان کو ایسے انکشافات کیسے حاصل ہو سکتے ہیں اس سے وہ شک و شبہ میں پڑ جاتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

تفسیر عالمانہ: بل هم فی شك من ذكری۔ بلکہ وہ میرے ذکر کے بارے میں شک میں ہیں۔ ذکر سے قرآن یا وحی مراد ہے۔ ان کے شک کرنے سے تقلید آبائی کی طرف میلان مراد ہے کہ ان دلائل سے روگردانی کرتے ہیں اور اس کی حقانیت کے معلوم کرنے سے جاہل ہیں۔ ان کا کسی عقیدے پر جزم نہیں بلکہ وہ اوہام میں مبتلا ہیں کبھی قرآن مجید کو سحر کہتے ہیں اور کبھی اختلاق (منگھڑت) سے تعبیر کرتے ہیں۔

فائدہ: اس میں اشارہ ہے کہ قرآن مجید قدیم ہے کیونکہ اسے ذکر سے تعبیر اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی طرف مضاف فرمایا اور ظاہر ہے کہ ایسا ذکر قدیم ہونا چاہیئے کیونکہ محدث (نو پید) وہ ہوتا ہے جس پر نسیان طاری ہو اور وہ ایسے عیب و نقص سے منزہ و مقدس ہے۔

بل لما يذوقوا عذاب۔ لمّا کا لفظ دلالت کرتا ہے کہ ان کا عذاب کا چکھنا واقع ہونے والا ہے کیونکہ یہ لفظ توقع کے لیے آتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ بلکہ اُنہوں نے ابھی میرا عذاب نہیں چکھا جب چکھیں گے تو پھر انہیں حقیقت حال کا پتہ چلے گا۔

فائدہ: اس میں کافروں کو تہدید ہے کہ عنقریب میرا عذاب چکھیں گے تو وہ انہیں ذکر (قرآن) کی تصدیق پر مجبور کر دے گا لیکن اس وقت ان کی تصدیق انھیں کوئی فائدہ نہ دے گی۔

تفسیر صوفیانہ: اس میں اشارہ ہے کہ وہ طرد و بعد کے دریا اور قطعیت میں غرق ہیں لیکن وہ عذاب کے ذوق سے بے خبر ہیں اس لیے کہ انھیں غلبۂ حواس نے اس نہج تک پہنچا دیا ہے کہ وہ اس وقت سمجھیں گے جب پوشیدہ اُمور منظرِ عام پر آجائیں گے اور پوشیدہ اُمور صورتوں پر اور دل کی بصیرت آنکھ کی بصارت پر غلبہ پا جائے گی پھر کہا جائے گا کہ اب عذاب چکھو کہ تم عذاب میں مبتلا ہو حالانکہ تم سمجھتے تھے کہ ہم عذاب ہرگز نہ چکھیں گے۔ خلاصہ یہ کہ اگر وہ میرا عذاب چکھ لیتے اور اس کا درد محسوس کرتے تو پھر انکار کی جرأت نہ کرتے اسی پر حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی:

"لوگ نیند میں ہیں جب مریں گے تو جاگیں گے۔"

دلالت کرتا ہے ؎

شور عذاب گراں جان بیدار
تا جمالش عیاں بین اے یار

ترجمہ: عذاب گراں سے جان کو بیدار کر۔ پھر اے دوست محبوب کا جمال کھلم کھلا دیکھ۔

تفسیر عالمانہ:۔ ام عندھم خزائن رحمۃ ربك العزیز الوھاب ۔ کیا ان کے ہاں تیرے رب عزیز وہاب کی رحمت کے خزانے ہیں ۔

ام منقطعہ بمعنی بل اور ہمزہ انکار کا ہے ۔

حل لغات:۔ الخزائن، خزانہ (بالکسر) بمعنی مخزن کی جمع ہے ۔ اب معنی یہ ہوا کہ کیا اُن کے پاس اللہ کی رحمت کے خزانے ہیں کہ جیسے چاہیں تصرف کریں اور جس پر چاہیں ظلم وتشدد کا نشانہ بنائیں اور جس سے چاہیں مال و دولت چھین لیں اور جو جی میں آئے فیصلہ کریں اسی قاعدہ پر اپنے لیڈروں کے لیے جس کو چاہیں نبوت کا حقدار بنائیں ۔

مسئلہ:۔ نبوت عطیہ ایزدی ہے اپنے بندوں میں اپنے فضل وکرم سے جسے چاہے نوازے اسے کوئی روکنے والا نہیں کیونکہ وہ عزیز یعنی ایسا غالب ہے کہ اس پر کسی کا کوئی غلبہ نہیں ۔ اور وہاب یعنی با اختیار عطا کنندہ ہے وہ جسے جو چاہے عطا فرمائے ۔ ؎

چوں ز حال مستحقاں آگہی
ہر چہ خواہی ہر کرا خواہی دہی

ترجمہ:۔ جب تو ہر مستحق کے حال سے باخبر ہے جسے جتنا تو چاہے عطا فرمادے ۔

دیگراں را ایں تصرف کے رواست
اختیار ایں تصرفہا تراست

ترجمہ:۔ دوسروں پر تصرف کب روا ہے ایسے تصرفات کا اختیار صرف تمھیں ہے ۔

ام لھم ملك السموات والارض وما بینھما ۔ اس میں ترشیح یعنی ماسبق کی ترتیب ہے یعنی کیا ان عوالم علویہ وسفلیہ کی ملکیت ان کے ہاتھ میں ہے کہ وہ اُمور ربانیہ میں گفتگو کریں اور ان تدابیر الٰہیہ میں فیصلے کریں جو رب العزۃ اور ذات کبریا کے لیے مخصوص ہیں ۔

فلیرتقوا فی الاسباب ۔ تو انہیں چاہیئے کہ رسیوں پر چڑھیں ۔ یہ شرط محذوف کا جواب ہے ۔

حل لغات:۔ ارتقاء بمعنی اُوپر کو چڑھنا ۔ امام راغب نے فرمایا کہ السبب بمعنی وہ کمند کہ جن سے کھجور پر چڑھا جاتا ہے اس میں آیت ام لھم نسلم یستمعون کی طرف اشارہ ہے یعنی کیا ان کے پاس سیڑھی ہے کہ جس پر چڑھ کر آسمان کی باتیں سنتے ہیں اور وہ شے کہ جس سے دوسری شے تک پہنچا جا سکے اسے سبب کہا جاتا ہے ۔ اب معنی یہ ہُوا کہ اگر اُن کے پاس ایسا ملک ہے تو انہیں چاہیئے کہ ایسی سیڑھیوں اور راستوں کے ذریعے عرش تک پہنچ کر اس پر بیٹھیں اور عالم کے اُمور کی تدبیریں کریں اور جس کی طرف چاہیں وحی بھیجیں ۔ اس میں کافروں کو آخری چیلنج ہے کہ وہ بیشک اپنی قوت کا مظاہرہ کریں اور

کھل کر جس طرح چاہیں مقابلہ کر لیں۔

جند ماهنالك مهزوم من الاحزاب۔ وہاں لشکروں میں سے شکست خوردہ لشکر ہے۔

حل لغات: الجند۔ ہر وہ جماعت جو جنگ کے لیے تیار ہو اور ما زائدہ تقلیل وتحقیر کے لیے ہے جیسے کہا جاتا ہے اکلت شیئًا ما۔ میں نے ایک معمولی اور نہایت تھوڑی سی شے کھائی ہے۔

هنالك تین کلمات سے مرکب ہے:

(۱) هنا اس میں مکان قریب کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔

(۲) لام تاکید۔

(۳) کاف خطاب اور یہ لام کی طرح مکسور ہے جس میں مشارٌ الیہ کے بُعد پر دلالت ہوتی ہے۔

الھزام بمعنی الکسر اہل عرب ھزام لعدو وکسر ھم۔ فلاں نے دشمن کو شکست دی اور اس کا زور توڑا۔ اس کا اسم الھزیمۃ آتا ہے اور ہزمہ یہزمہ۔ فانہزم بمعنی اسے ایسا مروڑا کہ وہ گڑھے میں جا پڑا۔[۱]

الحزاب۔ وہ جماعت جس میں مضبوطی ہوتی ہے۔[۲]

فائدہ: ابن الشیخ نے فرمایا کہ جُندٌ مبتداء محذوف کی خبر اور من الاحزاب اس کی خبر ہے بمعنی جملۃ الاحزاب اس سے وہ لوگ مراد ہیں جنھوں نے جتھہ بازی کر کے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی پھر مقہور اور تباہ وبرباد ہو گئے۔

مھزوم۔ مقدر مبتدا کی دوسری خبر یا جند کی صفت ہے اور ھنالک مھزوم کی طرف ہے یا جند کی دوسری صفت ہے اس سے وہ جگہ مراد ہے جہاں کافروں نے رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے گفتگو کی اور مذکورہ بالا کلمات بکے یعنی مکہ معظمہ میں یعنی عنقریب وقت آرہا ہے کہ یہ لوگ اسی جگہ پر ہی شکست خوردہ ہوں گے کہ جہاں سے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو جان سے مارنے کی تدبیریں بنا رہے ہیں:

هو اخبار بالغيب لانهم انهزموا في موضع تظلموا فيه بهذه الكلمات[۳]

ترجمہ:۔ یہ غیبی خبر دینا ہے کیونکہ انھوں نے یہاں شکست کھائی جہاں یہ کلمات کہے تھے۔

---

[۱] قاموس ۱۲ء [۲] المفردات ء

[۳] روح البیان ص۸ ج۸ ء

تفسیر کی دوسری تقریر :- بعض مفسرین نے فرمایا کہ ھنالک میں ان کی اس حیثیت کی طرف اشارہ ہے کہ جسے انہوں نے بہت اونچا سمجھ رکھا تھا کہ بجائے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کو ماننے کے اپنے آپ کو اس منصب عالی کا حقدار ثابت کرنا چاہا۔ یہ اس طرح ہے جیسے کوئی نا اہل اپنے آپ کو اونچا سمجھ کر لایعنی دعویٰ کر بیٹھے تو اسے کہا جاتا لیست ھنالك تو ایسے بلند مرتبہ کا اہل نہیں۔ دراصل بات یہ ہوئی کہ ان کی غلط و فاسد خواہش اور بے فائدہ حسد نے انہیں ابھارا کہ وہ یوں کہیں کہ ہماری موجودگی میں ایسے غریب و مسکین (معاذ اللہ) پر قرآن نازل ہوگیا۔ یہ اپنے آپ کو بلند قدر سمجھنے پر اتنا بڑا کلمہ بک بیٹھے کیونکہ اس بکواس سے مالک الملک والملکوت پر اعتراض کرنے کی بو آتی ہے اور کس بدبخت کو اس ذات عالی پر اعتراض کی جرأت ہو سکتی ہے اور نہ ہی کسی کو لائق ہے کہ اعتراض کرے اور اپنے آپ کو اس کے آگے اونچا ظاہر کرے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم عنقریب دیکھ لینا کہ یہی تیرے دشمن سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام کے مکذبین کی طرح شکست کھائے ہوئے تباہ و برباد ہو گئے فلہٰذا آپ ان کی باتوں کی پرواہ نہ کیجئے اور نہ ہی کسی قسم کا غم کھائیے۔ ان کو بکواس بکنے دو۔

فائدہ:- اس میں کفار اور ان کے بتوں کے عجز کی طرف اشارہ ہے کہ ان کے پاس نہ کوئی دلیل ہے اور نہ ہی ان کے معبودوں کو نفع و نقصان دینے کی کوئی طاقت ہے یعنی نہ کسی سے کوئی دکھ ٹال سکتے ہیں اور نہ ہی اپنے سے کسی قسم کی تکلیف دور کرنے کی قوت رکھتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ :- (صاحب روح البیان) نے اپنے شیخ سے خود سنا آپ نے فرمایا کہ کفار کو پتھروں کا سہارا ہوتا ہے کیا نہیں دیکھتے کہ وہ اپنے لیے کیسے مضبوط قلعے اور حصار تیار کرتے ہیں اور اہل ایمان کو لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سہارا ہوتا ہے کیا نہیں دیکھتے کہ یہ لوگ سوائے توکل کے کسی قسم کے قلعے اور حصار نہیں بناتے اور بفضلہٖ تعالیٰ ان کو یہی توکل خوب فائدہ پہنچاتا ہے چنانچہ حدیث قدسی میں ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "لا الٰہ الا اللّٰہ میرا قلعہ ہے جو اس میں داخل ہوا وہ میرے عذاب سے محفوظ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ :- كذبت قبلهم ۔ اے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری قوم قریش سے پہلے بھی تکذیب کی۔

قوم نوح ۔ قوم نوح نے جبکہ انہوں نے قوم کو ساڑھے نو سو سال اللہ تعالیٰ کی توحید کی دعوت دی۔ وعاد ۔ اور عاد یعنی قوم ہود علیہ السلام ۔ وفرعون ۔ اور فرعون نے ذوالاوتاد ۔ وتد

محرکہ دبکسر التاء" کی جمع ہے وہ شے جو زمین یا دیوار میں گاڑی جائے لکڑی ہو یا کوئی شے اور جیسے میخ وغیرہ۔ یعنی وہ ملک ثابت والا تھا اس لیے کہ چار سو سال بلا نزاع اعدے شاہی کرتا رہا۔ دراصل وتد وہ شے ہے جو خیمہ کو محفوظ رکھے بایں طور کہ خیمہ کی طنابیں ان میخوں سے باندھی جائیں جو زمین میں گاڑی ہیں کیونکہ جب خیمہ کی طنابیں انہی میخوں سے باندھیں جائیں تو خیمہ محفوظ ہو جاتا ہے کہ نہ اسے ہوا گرا سکتی ہے نہ کسی دوسری شے کا اس پر اثر ہو سکتا ہے پھر ملک کی مضبوطی کے لیے بطور استعارہ مستعمل ہوتی ہے کہ اب وہ ہر طرح کی خرابیوں اور شورشوں سے محفوظ ہو گیا۔

تقریر اوّل:۔ فرعون کے ملک کو طنابوں سے محفوظ کردہ گھر سے تشبیہ دی گئی ہے یہ استعارہ بالکنایہ ہے پھر مشبّہ کے لوازمات ثابت کئے گئے ہیں یعنی اس کا میخوں سے محفوظ ہو جانا یہ تخییل ہے اس استعارہ کی تخصیص اس لیے ہے کہ اُس وقت عرب میں اکثر گھروں میں ایسے خیمے تھے جو میخوں سے محفوظ کیے جاتے تھے۔

تقریر ثانی:۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کی فوج کی کثرت مراد ہو وہ اس لیے کہ وہ ملک اور اس کے شہروں کو محفوظ رکھتی ہے اور میخ کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ مل کر ملک کو عمارت اور خیمہ کی طرح مضبوط کر دیتی ہے۔ اس تقریر پر اوتاد استعارہ تصریحیہ ہوگا۔

حدیث شریف:۔ مومن اپنے بھائی مسلم کے لیے عمارت کی طرح ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر ایک دوسرے کو مضبوط و محفوظ رکھتے ہیں یعنی ان کا دین و دنیا ایک دوسرے کی مدد سے مضبوط رہتے ہیں جیسے عمارت کا بعض حصہ دوسرے کے ساتھ مل کر عمارت کو مضبوط کرتا ہے۔

فائدہ:۔ فرعون کے لشکر کی کثرت کی اتنی دلیل کافی ہے کہ اس نے بنی اسرائیل کے لیے کہا ان ھٰؤلاء لشر ذمة قليلون۔ یہ تو مٹھی بھر ہیں حالانکہ تاریخ بتاتی ہے کہ وہ بچوں، بوڑھوں کے سوا چھ لاکھ جنگی بہادر نفوس تھے۔

تیسری تقریر:۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہاں میخیں حقیقۃً مراد ہوں اس لیے کہ مروی ہے کہ فرعون کے پاس مجرموں کو سزا دینے کے لیے لوہے کی میخیں تھیں جب وہ کسی پر ناراض ہوتا تو اسے چار میخوں سے ہاتھ پاؤں کو جکڑ کر دیوار پر لٹکا دیتا یہاں تک کہ وہ تڑپ تڑپ کر مر جاتا یا چاروں میخوں سے ہاتھ پاؤں کو جکڑ کر زمین پر اُلٹا کھڑا کر دیتا اس طرح سے وہ مجرم بڑے عذاب میں مبتلا ہو کر مرتا۔

صاحب روح البیان کی تحقیق:۔ فقیر (صاحب رُوح البیان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ یہ

روایت زیادہ موزوں ہے اس کی بی بی آسیہ رضی اللہ عنہا (فرعون کی گھر والی) کے قصہ سے تائید ہوتی ہے جس کی تفصیل سورۃ تحریم میں آئے گی کہ جب بی بی آسیہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائی تو فرعون نے بی بی آسیہ کے ہاتھ پاؤں پر میخیں گاڑیں۔

و ثمود۔ اور ثمود نے قوم صالح علیہ السلام کی تکذیب کی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ صالح علیہ السلام کی قوم آپ پر ایمان لائی جب آپ کا وصال ہو گیا تو لوگ دینِ حق سے پھر گئے پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کر کے انہیں اپنی قوم کی طرف نبی بنا کر بھیجا۔ آپ نے انہیں فرمایا میں صالح علیہ السلام تمہارا نبی ہوں قوم نے انکار کیا تو آپ معجزہ کے طور پر اُونٹنی لائے تب بھی قوم نے تکذیب کی اور اُونٹنی کو بھی قتل کر دیا۔ ان کی اس گستاخی پر اللہ تعالیٰ نے انہیں تباہ و برباد کر ڈالا۔

فائدہ: حضرت کاشفی مرحوم نے فرمایا کہ صالح علیہ السلام کی قوم کے بعض افراد آپ پر ایمان لائے اور بعض نے تکذیب کی اور اُونٹنی کو بھی ذبح کر دیا اس پر اللہ تعالیٰ نے انھیں ہلاک کر دیا۔

و قوم لوط: اور لوط علیہ السلام کی قوم نے تکذیب کی۔ حضرت مجاہد نے فرمایا کہ وہ چار لاکھ گھر تھے اور ہر گھر میں دس آدمی تھے۔

فائدہ: حضرت عطار نے فرمایا کہ قیامت میں ہر نبی علیہ السلام اپنی قوم کے ساتھ اٹھے گا سوائے حضرت لوط علیہ السلام کے کہ وہ اکیلے اٹھیں گے۔[1]

و اصحٰب الایکۃ: اور جھاڑی والے یہ شعیب علیہ السلام کی قوم تھی انھیں اصحاب الایکہ یعنی جنگلی (جھاڑیو والے) کہا جاتا ہے۔

فائدہ: امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک گھنے دار درخت کو کہا جاتا ہے اس کی طرف اس لیے منسوب ہیں کہ وہ جہاں مقیم تھے ایسے درخت بکثرت تھے۔ بعض نے کہا کہ ان کے شہر کا نام ہے۔[2]

اُولٰئک الاحزاب۔ مذکورہ بالا قوموں سے بدل ہے یعنی یہی لوگ تھے جو انبیاء علیہم السلام کے خلاف تھے لیکن شکست کھا کر بُری طرح تباہ و برباد ہوئے تو قریش مکہ اگر اے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی مخالفت کرتے ہیں تو یہ بھی عذاب میں مبتلا ہو کر تباہ و برباد ہوں گے۔

ان کل کذب الرسل۔ یہ جملہ مستانفہ ہے بعد والوں کے لیے تہدید ہے یعنی ان گروہوں کی ہر جماعت اور ہر حزب نے اپنے رسل کرام کی تکذیب کی یہاں جمع کو جمع کے مقابلہ میں لایا گیا ہے تاکہ انقسام الاحاد علی الاحاد

---

[1] کشف الاسرار ۱۲

[2] المفردات ۱۲

وَمَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ○
وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ○ اِصْبِرْ عَلٰى
مَا يَقُوْلُوْنَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ ۚ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ○
اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ ○ وَالطَّيْرَ
مَحْشُوْرَةً ؕ كُلٌّ لَّهٗٓ اَوَّابٌ ○ وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ
وَفَصْلَ الْخِطَابِ ○ وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ اِذْ تَسَوَّرُوا
الْمِحْرَابَ ○ اِذْ دَخَلُوْا عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۚ
خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ
وَاهْدِنَآ اِلٰى سَوَآءِ الصِّرَاطِ ○ اِنَّ هٰذَآ اَخِيْ ۫ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ
نَعْجَةً وَّلِيَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ ۫ فَقَالَ اَكْفِلْنِيْهَا وَعَزَّنِيْ فِي الْخِطَابِ ○
قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰى نِعَاجِهٖ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ
الْخُلَطَآءِ لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ ؕ وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا
وَّاَنَابَ ○ فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ؕ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ○
يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ
بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ
يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۢ بِمَا نَسُوْا
يَوْمَ الْحِسَابِ ○

ترجمہ:۔ اور یہ راہ نہیں دیکھتے مگر ایک چیخ کی جسے کوئی پھیر نہیں سکتا اور بولے اے ہمارے رب ہمارا

حصہ ہمیں جلد دے دے حساب کے دن سے پہلے۔ تم ان کی باتوں پر صبر کرو اور ہمارے بندے داؤد نعمتوں والے کو یاد کرو۔ بیشک وہ بڑا رجوع کرنے والا ہے۔ بیشک ہم نے اُس کے ساتھ پہاڑ مسخر فرما دیئے کہ تسبیح کرتے شام کو اور سورج چمکتے اور پرندے جمع کیے ہوئے سب اس کے فرمانبردار تھے اور ہم نے اس کی سلطنت کو مضبوط کیا اور اسے حکمت اور قول فیصل دیا اور کیا تمھیں اس دعوے والوں کی بھی خبر آئی۔ جب وہ دیوار کود کر داؤد کی مسجد میں آئے۔ جب وہ داؤد پر داخل ہوئے تو وہ ان سے گھبرا گیا۔ اُنھوں نے عرض کی ڈریئے نہیں ہم دو فریق ہیں کہ ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے۔ تو ہم میں سچا فیصلہ فرما دیجئے اور خلافِ حق نہ کیجئے اور ہمیں سیدھی راہ بتائیے۔ بیشک یہ میرا بھائی ہے اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک دُنبی۔ اَب یہ کہتا ہے وہ بھی مجھے حوالے کر دے اور بات میں مجھ پر زور ڈالتا ہے داؤد نے فرمایا بیشک یہ تجھ پر زیادتی کرتا ہے کہ تیری دنبی اپنی دنبیوں میں ملانے کو مانگتا ہے اور بیشک اکثر ساجھے والے ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں مگر جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے اور وہ بہت تھوڑے ہیں۔ اَب داؤد سمجھا کہ ہم نے یہ اس کی جانچ کی تھی تو اپنے رب سے معافی مانگی اور سجدے میں گر پڑا اور رجوع لایا تو ہم نے اسے معاف فرمایا اور بیشک اس کے لیے ہماری بارگاہ میں ضرور قرب اور اچھا ٹھکانہ ہے۔ اے داؤد بیشک ہم نے تجھے زمین میں نائب کیا تو لوگوں میں سچا حکم کر اور خواہش کے پیچھے نہ جانا۔ کہ تجھے اللہ کی راہ سے بہکا دے گی۔ بیشک وہ جو اللہ کی راہ سے بہکتے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے اس پر کہ وہ حساب کے دن کو بھول بیٹھے۔

بقیہ صہ ۳۱۱

پر دال ہو جیسے رکب القوم دوابھم۔ یعنی ہر فرد اپنی سواری پر سوار ہوا۔ اور یہ استثناء مفرغ از اعم الاحکام مبتداء کی جگہ پر ہے یعنی ان پر اور کسی طرح کا حکم نہیں سوائے اس کے کہ اُنھوں نے رسل کرام علیہما السلام کی تکذیب کی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اولئک الاحزاب مبتدا اور ان کل کذب الرسل اس کی خبر اور عائد محذوف ہے دراصل عبارت ان کل منھم تھی۔

فحق عقاب۔ تو ان پر ہر ایک کے لیے میرا وہ عذاب جو ان کی جنایات کے مطابق ثابت اور واقع ہوا جس کی تفصیل اپنے مقام پر آئے گی۔ (انشاء اللہ)

تفسیر عالمانہ: وما ینظر ھؤلاء۔ نہیں دیکھتے یہ ھؤلاء کے اشارہ ہیں اہل مکہ یعنی کفار کی تحقیر و تذلیل اور اُن کے معاملہ کو معمولی ظاہر کرنا ہے یعنی وہ کفار مکہ جو مذکورہ

بالانباہ وبرباد کردہ گروہ کے کفرو تکذیب کی طرح ہیں نہیں انتظار کرتے ۔
الا صیحة واحدۃ ۔ مگر ایک ہی چنگھاڑ کی یعنی نفخۂ ثانیہ کی کیونکہ وہ عذاب سخت جو ان کے لیے تیار کیا گیا ہے کے درمیان کوئی شے حائل نہیں سوائے اسی چنگھاڑ کے ۔

حیات نبویہ کی دلیل علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

کفار مکہ کے عذاب کو آخرت تک اس لیے موخر کیا گیا ہے کہ عذاب بے نام اس کا کہ جس قوم پر واقع ہو اس کی جڑ اکھیڑ دے ۔ یہ اللہ تعالیٰ کے طریقہ میں شامل تھا لیکن یہ طریقہ بدلا گیا کیونکہ ان میں نبی علیہ السلام موجود ہیں اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جب تک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان میں تشریف فرما ہیں ان پر عذاب نہیں آئے گا چنانچہ فرمایا ما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم ۔ اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہیں دے گا اس لیے کہ تم انھیں میں ہو ۔

سوال : کفار تو عذاب کے قائل ہی نہیں پھر ان کے انتظار کا کیا معنیٰ ۔

جواب : یہاں انتظار کا حقیقی معنیٰ مراد ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ وہ نبی علیہ السلام کی ہر خبر کو سچا تو مانتے تھے صرف ہٹ دھرمی سے انکار کرتے تھے ۔ اگر مجازی معنیٰ ہو تو ان سے استہزاء مطلوب ہے اگرچہ انہیں وقوع عذاب کا انکار تھا لیکن ان کو تنبیہ کی گئی کہ عذاب ابھی نہیں آئے گا کیونکہ قاعدہ ہے کہ جب کوئی شے کسی کے لیے جلد تر واقع ہونے والی ہو تو پھر وہ ہر آن اور ہر لحظہ اس کے انتظار میں اسے جھانکتا رہتا ہے ۔

مالہا من فواق ۔ چنگھاڑ کے وقوع میں اونٹنی کے دوہنے کے برابر بھی دیر نہیں ۔ فواق کا مضاف محذوف اور وہ موصوف مقدر کی صفت ہے دراصل عبارت یوں ہے ۔ ما للصیحۃ من توقف مقدار فواق ۔

حل لغات : الفواق ۔ بالضم غراب کی طرح کبھی مفتوح بھی آتا ہے[1] بمعنی دودھ دوہنے کا درمیانہ وقت کیونکہ اونٹنی کے دوہنے کا طریقہ یہ ہے کہ دودھ دوہ کر تھوڑی دیر وقفہ کیا جاتا ہے تاکہ اونٹنی کا بچہ دودھ پیئے تو دودھ اترے جب دودھ اترنے لگتا ہے تو پھر دوہتے ہیں ۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب چنگھاڑ کا وقت آئے گا تو لمحہ بھر مہلت نہ ملے گی جیساکہ فرمایا فاذا جاء اجلھم لا یستاخرون ساعۃ ۔ جب موت کا وقت آئے گا تو لمحہ بھر پیچھے نہ ہٹیں گے یہاں پر تھوڑا سا وقت مراد ہے ۔

---

[1] قاموس ۱۲

حدیث شریف (۱) میں ہے جو اُونٹنی کے دوہنے کی مقدار مسجد میں اعتکاف بیٹھا تو گویا اُس نے اولاد اسمٰعیل علیہ السلام سے غلام آزاد کیا۔

حدیث شریف (۲) :۔ جس نے بمقدار دوہنے اونٹنی کے راہ خدا میں جہاد کیا تو اس کے لیے بہشت واجب ہوگئی۔

تفسیر صوفیانہ:۔ دونوں آیتوں میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے اور بتایا گیا کہ آپ کفار مکہ کی طرف سے دل کو غم میں نہ ڈالیں نہ ان کی تکذیب آپ کا کچھ بگاڑ سکتی ہے نہ کفر آپ کا کوئی نقصان کر سکتا ہے۔ آپ کی قوم (کفار مکہ نے) گزشتہ قوموں کی طرح انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی باوجودیکہ وہ بڑے طاقت در اور کثیر التعداد تھے۔ آپ کی قوم (کفار مکہ) ان کے مقابلہ میں مٹھی بھر ہیں۔ پھر جب ان کو قہر الٰہی نے گھیرا اور غضب الٰہی کی آگ میں جھونکے گئے تو نہ انھیں مال بچا سکا اور نہ قوت کام آئی اور نہ ہی کثرت اسباب نے فائدہ دیا۔ یہی کفار مکہ کا حال ہے ان پر بھی قہر الٰہی کی بجلی اور غضب حق کی نار آنے والی ہے جس کا انھیں انتظار ہے۔

تفسیر عالمانہ:۔ وقالوا ۔ استہزاء اور تمسخر کے طور کہا۔
شان نزول :۔ جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا کہ کفار مکہ کے عذاب کو آخرت کے لیے اُٹھا رکھا ہے تو نضر بن حارث بن علقمہ بن کندا الخزاعی اور اُس کے ہم نواؤں نے یہ بکواس کی تھی۔

تعارف نضر:۔ مکہ کے شیاطین میں ایک تھا اس کے بارے میں قرآن مجید میں متعدد آیات نازل ہوئیں امطر علینا حجارۃ من السماء۔ آسمان سے ہی ہمارے اُوپر پتھر برسا کا قائل بھی یہی تھا۔

ربنا۔ اے ہمارے پروردگار۔ دعا سے عذاب کی طلب سے استہزاء ہے گویا انھیں اس کی بڑی رغبت ہے جسے وہ دعائیں مانگ کر طلب کر رہے ہیں۔

عجل لنا قطنا قبل یوم الحساب ۔ جلدی کر ہمارا حصہ یوم حساب سے پہلے۔

حل لغات:۔ القط شے کا ایک حصہ قطعہ سے ہے بمعنی قطعہ ۔ اس کا ایک حصہ لیا۔ یہاں بھی عذاب کا ٹکڑا اور حصہ مراد ہے کیونکہ وہ عذاب اُن کے لیے علیحدہ کردہ ایک حصہ ہے۔ امام راغب نے فرمایا در اصل قطّ بمعنی وہ شے جو عرض میں کاٹی جائے جیسے قَدٌّ بمعنی شے کو طولاً کاٹنا اور قط بمعنی مقرر کردہ حصہ گویا وہ کاٹ کر علیحدہ کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی آیت ہذا کی تفسیر میں ایسے

ہی فرمایا ہے۔

خلاصۂ تفسیر: اَب معنیٰ یہ ہُوا کہ وہ عذاب کہ جس سے ہمیں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم ڈراتے ہیں اس کا مقرر کردہ حصّہ ہمیں بہت جلد دیجئے اسے یوم حساب تک نہ اُٹھا رکھیے کہ جس کا آغاز صیحہ مذکورہ سے ہوگا۔

فائدہ: صحیفہ مختصرہ کو بھی قط کہا جاتا ہے کیونکہ وہ القرطاس (کاغذ) کا ایک حصّہ ہے اَب اس کا معنیٰ یہ ہُوا کہ ہمارے اعمال نامے ہمیں بہت جلد دیجئے تاکہ ہم دیکھیں کہ اس میں کیا ہے۔

موت کے تمنائی: حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ موت کی تمنا صرف تین قسم کے آدمیوں کو ہوئی ہے:

(۱) وہ جاہل بیوقوف جسے بے خبری ہے کہ موت کے بعد کیا ہونا ہے۔
(۲) تقدیر الٰہی سے بھاگنے والا۔
(۳) دیدار الٰہی کا عاشق اور محبوبانِ خدا کے وصال کا صادق۔

تفسیر صوفیانہ: اس میں ان نفوس خبیثہ کی طرف اشارہ ہے جو سفلیات کی رغبت رکھتے ہیں سفلیات سے دنیا کی شہوانی لذات اور آخرت میں جہنم میں اسفل السافلین کے درجے مراد ہیں اور قلوب علویہ لطیفہ کو طبعی طور علویات کی طرف میلان ہوتا ہے۔ علویات سے دنیا میں حلاوتِ طاعتِ الٰہی اور لذات قرباتِ حق اور آخرت میں جنات میں اعلیٰ علّیین کے درجات مراد ہیں اور ارواح قدسیہ خصوصیت سے شواہد حق اور انوار جمال و جلال کے مشاہدات کی مشتاق ہیں اور ہر ایک کو اپنے متعلقات کی طرف بلا اختیار ایسی کشش ہے جیسے لوہے کو مقناطیسی کی اور مقناطیس کو لوہے کی بلا اختیار اور مجبوراً کشش ہوتی ہے۔[۱]

ذرہ ذرہ کاندریں ارض وسماست
جنس خود را ہمچو کاہ و کہرباست[۲]

ترجمہ: زمین و آسمان کے ہر ذرہ کو اپنی ہم جنس کی ایسی کشش ہے جیسے سوکھے گھاس اور آگ کو۔

تفسیر عالمانہ: اصبر۔ اے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم صبر کیجئے۔ علی ما یقولون۔ اس پر جو کفار مکہ بکواسات کرتے ہیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ ہے جو عذاب کی عجلت

۱؎ تاویلات نجمیہ ۲؎ مثنوی شریف

کی طلب کرتے ہوئے کہتے ہیں ربنا عجل لنا قطنا۔ عنقریب اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے گا اور وہ جو کچھ مانگتے ہیں ان کو مل جائے گا۔

صبر کی اقسام: حضرت شاہ کرمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ صبر تین قسم ہے:۔ ۱۔ ترک شکوہ ۲۔ سچی رضا ۳۔ سچے دل سے قضاء قدر کو ماننا۔

کان خاطر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ادق من ماء السماء بل الطف من نور العرش والکرسی من کثرۃ ما ورد علیہ من نور الحق فلکمال جلالہ فی المعرفۃ[1] کان لا یحتمل مقالۃ المنکرین وسخریۃ المستھزئین لا انہ لم یکن صابرا فی مقام العبودیۃ

ترجمہ:۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب اطہر آسمان کے پانی سے رقیق تر بلکہ نور عرش و نور کرسی سے بھی بوجہ کثرت اور نور حق تعالیٰ کے اسی کمال جلال فی المعرفۃ کی وجہ سے آپ کافروں کی باتیں برداشت نہ کرتے۔ استہزاء والوں کی استہزاء کو برداشت نہ فرماتے تھے یہ بدگمانی نہ کرنا کہ آپ (معاذ اللہ) مقام عبودیت میں صابر نہ تھے۔

واذکر۔ اور دل سے یعنی بہت زیادہ یاد کیجئے

عبدنا۔ ہماری عنایت قدیمہ کے مخصوص بندے۔

داؤد۔ داؤد علیہ السلام ابن ایشا کو۔ آپ یہود ابن یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے تھے۔ آپ کے اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان پانچ سو نناوے سال کا فاصلہ ہے۔ آپ ابتداء میں موسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر عمل کرتے تھے اور ایک سو سال زندگی بسر فرمائی۔

حل لغات:۔ ذاالاید ۃ۔ اید ادید ہیدہ ایدا ہجو۔ باعَ یبیعُ سے ہے بمعنی اشتدّ وقوی یعنی سخت اور قوی ہوا الاید بمعنی القوۃ[2] ہے۔ بمعنی القوۃ الشدیدۃ[3] یعنی مشقتوں و تکلیفوں کی برداشت کرکے دینی اُمور میں بہت بڑی قوت والے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جسمانی اور دینی قوت مراد ہو[4]۔

نکتہ تفسیریہ اور ربط:۔ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی اُمور دینیہ کی قوت کا ذکر فرما کر قضائے ازلی سے ان کی لغزش کے وقوع کا بیان کرکے توبہ کی قبولیت کا ذکر فرمایا کہ ہم نے اپنی عنایت ازلی سے ان کی توبہ قبول کرلی۔ اس کے بعد اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا کہ آپ داؤد علیہ السلام کی طاعتِ الٰہی کے بارے میں قوت و ہمت کو یاد فرمائیے تاکہ آپ کو بھی طاعت حق پر

---

[1] روح البیان ص۲۱۱ ج ۸ و اویسی غفرلہٗ [2] القاموس [3] المفردات [4] الکواشی ۱۲

صبر کا سبق نصیب ہو تاکہ داؤد علیہ السلام کی طرح آپ کہیں ڈگمگا نہ جائیں۔ ہماری مذکورہ بالا تقریر سے دونوں مسندوں کی مناسبت واضح اور روشن ہوئی اور اصبر اُذکر کے عطف کی وجہ سے سامنے آگئی۔

انه اوّاب۔ بیشک وہ رجوع کرنے والے تھے۔

حل لغات: الاواب۔ الاوب سے ہے بمعنی رجوع یعنی بیشک وہ داؤد علیہ السّلام کی طرف بہت زیادہ رجوع کرنے والے تھے اور اللہ تعالیٰ کو راضی رکھنے میں وہی کام سرانجام دیتے جو اسے پسند ہیں خواہ اس پر جان کی بازی لگانی پڑے۔ یہ ذاالاید کی تعلیل اور اس امر کی دلیل ہے کہ یہاں قوت سے اُمور دینیہ اور اس کے متعلقات میں باہمت مراد ہے صرف جسمانی طاقت مراد نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کو راضی رکھنے کے لیے جسمانی قوت کا ہونا ضروری نہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی جسمانی ساخت: مروی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام دوسرے انبیاء علیہم السلام کی طرح جسیم نہیں تھے بلکہ آپ کا قد مبارک بہ نسبت دوسرے انبیاء علیہا السلام کے چھوٹا تھا اور عموماً اللہ تعالیٰ جسمانی طاقت اسے زیادہ بخشتا ہے جو جسیم بھی ہو۔

حضرت داؤد علیہ السّلام کا مشغلہ

"تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ آیت میں داؤد علیہ السلام کی کمال عبودیت کی طرف اشارہ ہے نہ تو وہ دنیا کے بندے تھے نہ آخرت کے طالب بلکہ وہ ہمارے خالص مخلص عبد تھے۔ انھیں ظاہراً و باطناً عبودیت کی قوت حاصل تھی ظاہری قوت کی دلیل تو یہی کافی ہے کہ اُنہوں نے جالوت اور اُس کے لشکر کے بہت سے افراد کو صرف تین پتھر مار کر فی النار والسقر کیا اور باطنی قوت یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف بہت رجوع کرنے والے تھے۔ یہاں تک کہ ان کی اوابیت میں شریک اور پرندوں میں بھی اثر کر گئی جو وہ اُن کے ساتھ اوابیت بھی شریک رہتے تھے اور داؤد علیہ السّلام کی منجملہ باطنی طاقتوں میں ایک یہ بھی تھی کہ وہ ایک دن روزہ رکھتے ایک دن افطار کرتے اور یہی روزے کی سخت ترقسم ہے اور وہ آدھی رات سوتے اور آدھی رات عبادت میں مشغول رہتے باوجودیکہ شاہی اُمور میں بھی سرگرم تھے۔

فائدہ: بعض تفاسیر میں ہے کہ آپ پہلی آدھی رات آرام فرماتے اور تہائی رات عبادت میں گزارتے پھر آخری چھٹے حصے میں نیند فرماتے۔ مشارق الانوار کی روایت کے یہی موافق ہے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ترین روزے

داؤد علیہ السلام کے ہیں۔ آپ ایک دن روزہ رکھتے ایک دن افطار اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک داؤد علیہ السلام کی (نفلی) نماز زیادہ محبوب تھی کہ آپ پہلی آدھی رات سوتے اور پچھلی رات کی دو تہائی عبادت کرتے اور چھٹا حصہ آرام فرماتے۔

نکتہ: عبادت شب کا یہ طریقہ اللہ تعالیٰ کو اس لیے پسند ہے کہ انسان کو رات کی دو تہائی آرام کے لیے مل جائیں تو پھر اس کے لیے عبادت میں آسانی مل جاتی ہے اور وہ خوشی سے عبادت کرتا ہے۔

تفسیر عالمانہ: انا سخرنا الجبال معه۔ بیشک ہم نے پہاڑ داؤد علیہ السلام کے ساتھ مسخر کیے۔ یہاں سے داؤد علیہ السلام کی فضیلت کا بیان شروع فرمایا۔ معه کی ضمیر داؤد علیہ السلام کی طرف راجع ہے اور مع سخرنا کے متعلق ہے۔

سوال: یہاں لام کی بجائے مع کو لانے کا کیا فائدہ۔

جواب: پہاڑ حضرت داؤد علیہ السلام کے تصرف میں نہ تھے کہ جہاں چاہتے وہ چل پڑتے جیسے ہوا سلیمان علیہ السلام کی تابع فرمان تھی۔ ہاں یہ ضروری تھا کہ پہاڑ آپ کے پیچھے ضرور چلتے تھے اس تقریر پر مع اپنے معنیٰ میں ہے اور مع کا تعلق یسبحن سے ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیس و تسبیح کرنے میں پہاڑ داؤد علیہ السلام کے ساتھ تھے۔

سوال: مُسَبِّحَاتٍ کیوں نہیں فرمایا۔

جواب: یسبحن مضارع ہے اس میں تجدد مراد ہوتا ہے اور یہاں بھی یہی مطلوب ہے۔

معجزۂ داؤدی: حضرت داؤد علیہ السلام کو یہ شرف بخشا گیا کہ آپ پہاڑوں کی تسبیح اپنے کانوں سے سنتے تھے۔ یہ آپ کا معجزہ تھا۔

فائدہ: پہاڑوں کی تسبیح کی کیفیت میں اختلاف ہے۔ بعض تو کہتے ہیں کہ داؤد علیہ السلام کو مثالی آواز سنائی دیتی لیکن یہ عقلاً و نقلاً بعید ہے۔ بعض نے کہا کہ وہ حالی تسبیح تھی یہ پہلے سے بعید تر ہے بعض نے کہا کہ پہاڑ میں اللہ تعالیٰ حیات و عقل و قدرت و نطق پیدا فرماتا ہے تو وہ دوسرے زندوں اور عقلا کی طرح تسبیح پڑھتے ہیں۔ یہ اہلِ ظواہر یعنی شریعت کے نزدیک ہے اور اہلِ حقیقت فرماتے ہیں کہ وہ ایک مخصوص کیفیت ہے جسے عجیب سی کیفیت کے طریق سے سنا جاتا تھا۔ اسے عقول سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ حضرت داؤد علیہ السلام کا معجزہ تھا۔

قاعدہ عجیبیہ: اہلِ حق کے نزدیک جملہ موجودات میں ان کی شان کے لائق حیات ہے۔ حیوان ہوں یا نباتات یا جمادات ان سب میں حقیقی صفات ہے نہ کہ عارضی نہ حالی (خلافاً للمعتزلہ)

لیکن اس کا ادراک اہلِ مکاشفہ ہیں کامل لوگوں کو حاصل ہوتا ہے اس پر بارہا تحقیق ہو چکی۔

بالعشی ۔شام کے وقت

والاشراق ۔ دن کے اول حصے میں شرعاً سورج جب طلوع کے بعد پوری روشنی پاتا ہے اسے اشراق اور ضُحٰی کہتے ہیں۔ لغت میں شروق بمعنی طلوع ہے جیسے کہا جاتا ہے شرقت الشمس ۔سورج چمکا ۔ **تشرق** چمکتا ہے یا چمکے گا۔

تحقیق صلوٰۃ الاشراق والضحٰی کی احادیث

احادیث:۔ (۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ مجھے اشراق کی نماز کے متعلق کچھ خبر نہ تھی یہاں تک کہ بی بی اُم ہانی رضی اللہ عنہا سے بھی روایت پہنچی وہ فرماتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دنوں میرے ہاں تشریف لا کر وضو کا پانی مانگا۔

(۲) بخاری شریف کی روایت ہے کہ آپ نے بی بی اُم ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر غسل فرما کر ضحٰی (اشراق) کی آٹھ رکعتیں پڑھیں اور فرمایا "اے اُم ہانی (رضی اللہ عنہا) یہ صلوٰۃ الاشراق ہے۔

فائدہ:۔ اسی سے استدلال کر کے بعض فقہاء نے فرمایا کہ جو بھی مکہ شریف میں پہلی بار حاضر ہو اور اشراق پڑھنا چاہے تو اسے چاہیئے کہ وہ غسل کر کے پھر اشراق کے دوگانے پڑھے جیسے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دنوں کیا تھا۔

اعجوبہ:۔ بعض نے کہا کہ اشراق اور ضحٰی دو علیٰحدہ علیٰحدہ نمازیں ہیں جیسا کہ حدیث شریف ذیل دلالت کرتی ہے۔

(۳) حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو صبح کی نماز باجماعت پڑھ کر سورج کے کامل طلوع تک ذکر الٰہی میں مصروف رہ کر دوگانہ پڑھے اُسے کامل حج اور کامل عمرے کا ثواب نصیب ہوگا۔

فائدہ:۔ اس سے صلوٰۃ الاشراق مراد ہے[۱]۔

(۴) حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صلوٰۃ الاوابین کی نماز دوگانہ اُس وقت ہے جب اونٹوں کے دودھ پیتے بچے گرمی محسوس کریں یہی ضحٰی یعنی چاشت کی نماز ہے۔

فائدہ:۔ یعنی ضحٰی (چاشت) کی نماز اُس وقت پڑھی جاتی ہے جب جانوروں کے بچے سورج کی

---

[۱] شرح المصابیح ۱۲

گرمی میں جوش آئے گا۔ اُونٹوں کے چھوٹے بچے بھی دھرتی کی گرمی اس لیے محسوس کریں گے کہ ان کے چمڑے نرم و نازک ہوتے ہیں۔

فائدہ: الفصیل اُونٹ کا چھوٹا بچہ جو اونٹنی کا دودھ پینا چھوڑ دے۔ اور یہاں اس کی تخصیص کی وجہ اُوپر مذکور ہوئی۔

فائدہ: اس سے ضحی (چاشت) پڑھنے والے کی مدح مطلوب ہے کہ جب سورج کی گرمی جوش میں ہوتی ہے تو لوگ عموماً کاروبار ترک کرکے آرام کے درپے ہوتے ہیں لیکن ایسے لوگ آرام چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو جاتے ہیں گویا وہ نفس کے آرام کو عبادتِ الٰہی پر قربان کر دیتے ہیں۔

تطبیق الروایتین: فقیر (صاحب رُوح البیان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہے کہ دو مختلف روایتوں کی تطبیق میں دو احتمال ہیں:

(۱) الاشراق القول سے ہے یہ اُس وقت بولتے ہیں جب کوئی شروق یعنی طلوعِ شمس کے وقت داخل ہو لیکن یہ اُس وقت پر دلالت نہ کرے گا جو نمازِ نفل کا درمیانی وقت ہے یعنی زوال و طلوعِ شمس کا درمیانی وقت۔

(۲) صلوٰۃ اشراق کا ابتدائی وقت مراد ہے وہ یہ کہ سورج کے طلوع کے بعد سورج نیزے برابر اُونچا ہو جائے اور اس کا آخری وقت صلوٰۃ الضحی (چاشت) کے اول وقت تک ہے اس معنیٰ پر ضحی کا اول النہار میں وہی وقت ہے جو نمازِ عصر کے آخر النہار میں ہے اسی لیے یہ نماز سورج کی مکمل تابانی سے پہلے پڑھنا لائق نہیں جیسے عصر کی نماز سورج کے زرد ہونے کے بعد پڑھنا نامناسب ہے (اگرچہ بالکراہت ادا ہو جائے گی) خلاصہ یہ کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی ہذا صلوٰۃ الاشراق (یہ اشراق کی نماز ہے) کا مطلب یہ ہے کہ بہ نسبت آخری وقت کے ہے یا بہ نسبت اول وقت کے ضحی ہے۔[۱]

نمازِ اشراق کا طریقہ: حضرت الشیخ عبدالرحمٰن بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اشراق کی چار رکعت پڑھنی چاہئیں اس لیے ان کے متعلق احادیث وارد ہیں۔ اشراق کی چار رکعت ہیں پہلی میں سورۃ والشمس دوسری میں واللیل۔ تیسری میں والضحیٰ چوتھی میں الم نشرح پڑھے۔

نمازِ چاشت کی تفصیل: جب صلوٰۃ صبح سے صلوٰۃ ظہر کا درمیانی حصہ کا وقت ہو تو چاشت کی دو رکعت پڑھے۔ اس کی کم یا کم دو یا چار اور زیادہ سے زیادہ رکعات

---

[۱] ہمارے عرف میں بھی اشراق اور نماز ہے اور ضحی اور۔ اویسی غفرلہ

بارہ سے زائد رکعات منقول نہیں۔ انہیں بارہ ۔ وقت نہیں سلامت ۔ یا بارہ یا دو دو کے چھ سلام کے ساتھ۔

فضائل چاشت: چاشت کے فضائل میں بہت سی روایات وارد ہیں:۔
(۱) جس نے اس کی دو رکعت پڑھیں اس نے اعضا کا حق ادا کر دیا جو اس پر واجب ہے اس لیے کہ جمیع اعضائے بدن کا عمل نماز میں ہے۔

(۲) جس نے اس کی بارہ رکعات پڑھیں اس کے لیے بہشت میں سونے کا محل تیار ہوگا اور بہشت میں ایک دروازہ کا نام **باب الضحی** ہے۔ قیامت میں اعلان ہوگا، لوگ کہاں ہیں جو دنیا میں چاشت کو بالالتزام پڑھا کرتے تھے۔ یہ ہے بہشت کا باب الضحی اسی سے بہشت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے داخل ہو جاؤ۔[1]

والطیر۔ اس کا الجبال پر عطف ہے یہ طائر کی جمع ہے جیسے رکب اور راکب۔ وہ جس کے ہوا میں اڑنے کے پر ہوں۔

محشورۃ۔ یہ طیر سے حال ہے اس کا عامل سخرنا ہے یعنی ہم نے داؤد علیہ السلام کے لیے پرندے مسخر کیے در انحالیکہ وہ ہر جانب اور ہر طرف سے ان کے لیے سمٹ کر حاضر کیے جاتے اور صف باندھ کر ان کے سامنے کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔ ان میں جو نہ آتا اسے ملائکہ جمع کر کے حاضر کرتے۔[2]

حدیث شریف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب داؤد علیہ السلام تسبیح پڑھتے تو پہاڑ بھی ساتھ تسبیح پڑھتے اور پرندے جمع ہو جاتے اور وہ ساتھ مل جاتے۔

فائدہ: دو حالوں کے درمیان مطابقت نہیں کی گئی کہ یہاں محشورات کہا جاتا ہے اس لیے کہ حشر کا جمع قدرت پر زیادہ دلالت کرتا ہے جیسا کہ لفظ مضارع سے سمجھا جاتا ہے۔

کل۔ وہ سب کے سب یعنی پہاڑ اور پرندے۔

لہ۔ داؤد علیہ السلام یعنی ان کی تسبیح کے لیے یہاں مضاف (تسبیح) محذوف ہے۔

اواب۔ بہت زیادہ رجوع کرنے والے تھے یعنی جب داؤد علیہ السلام تسبیح پڑھتے تو پہاڑ پرندے بھی ان کی تسبیح میں بہت زیادہ حصہ لیتے۔

---

[1] ترویح القلوب ۱۲ - روح البیان ص۱۳ ج ۸ -
[2] کشف الاسرار ایضاً -

فائدہ: مسبح کے بجائے اوّاب اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ تسبیح میں بار بار موافقت کرتے اور مطلب یہی ہے کہ ان کی تسبیح وقتی نہیں بلکہ دائمی تھی اور یسبحن اور اوّاب ہر دونوں کے لانے کا فائدہ یہ ہے کہ یسبحن تسبیح پر اور اوّاب مداومت پر دلالت کرتا ہے۔

فائدہ: بعض مفسرین نے فرمایا کہ لہ کی ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ داؤد علیہ السلام اور پہاڑ اور پرندے سب کے سب اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں منہمک تھے۔

فائدہ: تسبیح و ترجیع (نغمہ سرائی) میں

لحن داؤدی: مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح حضرت داؤد علیہ السلام کو خوشنوائی سے نوازا ایسے کسی کو نصیب نہ ہوا۔ جب داؤد علیہ السلام کی خوشنوائی کی آواز پہاڑوں کو پہنچتی تو مستی سے جھومنے لگ جاتے اور ان کے ساتھ ذکر و تسبیح میں مشغول ہو جاتے اور جب پرندے ان کی آواز سن پاتے تو وہ بھی تنزیہ و تقدیس کے نغمات میں سرمست ہو جاتے اور جب وحوش کے کانوں تک لحن داؤدی کی آواز پہنچتی تو وہ آپ کے قریب آ جاتے یہاں تک کہ آپ ان کی گردنیں پکڑ لیتے تو وہ سر جھکا دیتے اور وہ آپ سے حسب استعداد فیض پاتے اور حال و وجد سے مست ہو جاتے۔ اس کی واضح دلیل ہم بلبل۔ قمری اور کبوتر ہیں ؎

دانی چہ گفت قرآن بلبل سحری
تو خود چہ آدمی کز عشق بیخبری

ترجمہ: تمہیں خبر ہے کہ مجھے سحر کے بلبل نے کیا کہا۔ کہا کہ تو کیسا انسان ہے کہ تجھے عشق سے بےخبری ہے۔

اشتر بشعر عرب در حالتست و طرب
گر ذوق نیست ترا کژ طبع جانوری

ترجمہ: اُونٹ اشعار عرب سن کر طرب و وجد و حال میں ہے۔ اگر تجھے ذوق نہیں تو تو ٹیڑھی طبع کا جانور ہے۔

فائدہ: اثر حاصل کرنا۔ حرکت۔ بکاء وغیرہ صرف انسان کے خواص نہیں بلکہ حقیقت بین نگاہ سے دیکھا جائے تو یہ اوصاف حیوانات بلکہ جمادات میں بھی ہیں کیونکہ انہیں بھی حقیقی حیات حاصل ہے جیسا کہ ہماری سابقہ تحریروں میں گزرا (خلافا للمعتزلہ)

حکایت: حضرت کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کسی ولی اللہ نے پتھر کو دیکھا کہ وہ بارش کے قطرات کی طرح آنسو بہا رہا تھا۔ ولی اللہ فکر میں ڈوب گیا تو پتھر بول پڑا اور عرض کی اے خدا کے دوست مجھے

جب سے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے میں اس کے خوف سے آنسو بہا رہا ہوں ۔ ولی اللہ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ الٰہ العالمین اس پتھر کو تسلی کی نوید سُنا ۔ اللہ تعالیٰ نے ولی اللہ کی دعا قبول کرتے ہوئے فرمایا کہ تم اس پتھر کو تسلی دے دو ۔ ولی اللہ نوید سُنا کر چلا گیا ۔ عرصہ کے بعد وہاں سے گزرا تو پتھر بدستور گریہ کناں پایا بلکہ اس سے بھی بڑھ کر آنسو بہا رہا ہے ۔ ولی اللہ نے کہا پتھر میاں تجھے تو اللہ تعالیٰ نے معافی دی تھی اب رونے کے کیا معنی ۔ پتھر نے کہا حضرت پہلا رونا خوف کا تھا اب خوشی و راحت کا ہے ۔

زر سنگ گریہ بین و مگو آن ترشحست
در کوہ نالہ بین و مپندار کان صداست

ترجمہ :- پتھر کا رونا دیکھ کر اسے پانی کے چھینٹے مت خیال کر ۔ پہاڑ کی آہ و بکا سن اسے صدا نہ سمجھ ۔

تفسیر صوفیانہ :- بعض اکابر مکاشفین نے فرمایا کہ پہاڑ اور پرندوں کی تسبیح کا ثواب داؤد علیہ السلام کو ملے گا کیونکہ آپ ہی ان کی تسبیح کے اصل تھے اسی لیے ثواب کے بھی آپ مستحق تھے اس لیے کہ پہاڑ اور پرندے ثواب کے اہل نہیں بخلاف انسان کے کہ اگر کوئی دوسرا اس کے ذکر و فکر میں موافقت کرتا ہے تو اسے اس کی مثل ثواب ملے گا یہ اس کا صلہ ہوگا جو اس نے اسے ذکر و عبادتِ الٰہی کے لیے زندہ اور بیدار کیا ۔ یہ گویا اس کا شکار ہے اس کے منافع کا بھی یہی حقدار ہے ۔

نکتہ :- حضرت داؤد علیہ السلام کے ذکر و تسبیح کی موافقت پہاڑوں اور پرندوں کو اس لیے نصیب ہوئی کہ آپ کی روحانی توجہ نے تسبیح و تحمید میں قوت پائی تو اس کے اثرات آپ کے اعضاء و قویٰ میں سرایت کر گئے کیونکہ وہ روح کے مظاہر ہیں پھر ان کے اثرات پہاڑوں اور پرندوں پر پڑے اس لیے کہ وہ انسانی اعضاء و قویٰ کی مثل ہیں ۔ پھر وہ بھی ان کے ساتھ تسبیح و ذکر میں مشغول ہوئے تو ان کا ثواب داؤد علیہ السلام کو ملا ۔

فائدہ :- عشی اور اشراق کی تخصیص اس لیے کی گئی کہ انوار قدرت اور اس کی عظمت کی برکت کے آثار کا ظہور انہی اوقات میں زیادہ ہوتا ہے اور ضحیٰ اہل شکر کے شہود مقامات محمود کے خمار سے ہوش میں آنے کا وقت ہے اور عشی نمازیوں کے مناجات کی طرف متوجہ ہونے اور عرض حاجات کے پیش کرنے کا وقت ہے ۔

تفسیر عالمانہ :- وشددنا ملکہ ۔ ہیبت و قوت وغیرہ سے ہم نے اس کا ملک مضبوط کیا ۔

فائدہ: کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ ہم نے مظلوموں کی دعا یا وزرائے خیر خواہاں کا رعیت پر ظلم نہ کرنے یا دشمن کے دل میں رعب ڈالنے یا زرہ پانے اور آلات بنانے یا لشکر یا پہرہ داروں کی کثرت سے کہ رات کو چھ سو جوان ان کے گھر کا پہرہ دینے سے اس کی بادشاہی کو مضبوط کیا۔ بعض نے کہا چالیس ہزار زرہ پوش آپ کے پہرہ دار تھے۔ صبح کے وقت انہیں کہا جاتا اب چلے جاؤ تم سے اللہ تعالیٰ کا نبی خوش ہے۔

فائدہ: واللّٰہ یعصمک من الناس کے نزول تک حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پہرہ دلاتے رہے اسی لیے بادشاہ ات کو پہرہ دینے پر ملازم رکھتے ہیں۔

حکایت: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ کسی نے دوسرے شخص پر گائے کا دعویٰ کیا لیکن مدعی گواہ نہ پیش کر سکا۔ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ مدعا علیہ کو قتل کر دو۔ آپ نے مدعا علیہ کو اطلاع دی تو اس نے کہا اے اللہ تعالیٰ کے نبی مجھے اللہ تعالیٰ نے اس گائے کی وجہ سے نہیں بلکہ گائے والے کے بدلہ میں قتل کرنے کا حکم فرمایا ہے کیونکہ میں نے گائے والے کے باپ کو غیلۃً دھوکہ کر کے قتل کیا تھا۔

فائدہ: غیلہ بالکسر کسی کو دھوکہ دے کر کسی جگہ پر بلا کر اسے قتل کر دینا۔

دلوں پر رعب کی وجہ: مذکورہ واقعہ کے بعد لوگوں کے دلوں پر قدرتی ہیبت بیٹھ گئی ان کے دل پر عقیدہ جم گیا کہ وہ ہر گناہ جو ہم سے سرزد ہو گا اللہ تعالیٰ حضرت داؤد علیہ السلام کو مطلع فرما دے گا اس پر ہمیں سزا ملے گی۔

وآتیناہ الحکمۃ۔ اور ہم نے اسے حکمت بخشی یعنی اشیاء کی حقیقت۔

فائدہ: حکمت دو قسم ہے:

(۱) منطوق بہا یعنی شریعت وطریقت۔

(۲) سکوت عنہا یعنی وہ اسرار حقیقت جن پر ان کے لائق عام علماء مطلع نہیں ہو سکتے۔ اگر انہیں کچھ معلوم ہو جائے تو نقصان پائیں گے یا تباہ وہلاک ہو جائیں گے۔

حکایت: مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ پاک کی کسی گلی سے مع اصحاب گزرے تو ایک عورت نے قسم دے کر اپنے گھر میں تشریف لے جانے کی عرض کی۔ جب یہ حضرات اس کے

لے۔ اہل ایمان کا قدیم سے یہی عقیدہ چلا آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو علم غیب عطا فرماتا ہے اور وہ حضرات غیب کی خبریں دیتے ہیں۔ یہی ہم اہلسنت کا عقیدہ ہے الحمد علی ذلک ۱۲۔ اویسی۔

گھر تشریف لے گئے تو دیکھا کہ آگ جل رہی ہے اور اس کے بچے آگ کے ارد گرد کھیل رہے ہیں اس بی بی نے عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے زیادہ رحیم ہے یا میں اپنی اولاد پر رحیم تر ہوں۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ زیادہ رحیم ہے کیونکہ وہ ارحم الراحمین ہے۔ اس بی بی نے عرض کی کیا آپ میرے لیے سمجھتے ہیں کہ میں اپنے بچوں کو آگ میں ڈال دوں گی۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ عرض کی تو پھر وہ اپنے بندوں کو کیسے دوزخ میں ڈالے گا جبکہ وہ مجھ سے رحیم تر ہے۔ صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس بی بی کے جواب سے روئے اور فرمایا میری طرف اس طرح وحی آئی ہے۔

وفصل الخطاب ۔ یہ بطریقہ افہام الحکمۃ مذکورہ کا بیان ہے[1]۔ اس معنی پر **فصل الخطاب** فاصل و ممیز و مبین ہوگا یا **فصل الخطاب** بمعنی الخطاب المفصول ہے۔ یعنی وہ کلام صاف کہ جس سے متکلم مخاطب سے ایسی گفتگو کرے کہ اس میں التباس نہ ہو۔ یا فصل الخطاب بمعنی حقیقۃ الامر کو واضح طور پر بیان کرنا اور قضایا و احکام میں اتنا یقین سے فیصلہ کرنا کہ اس میں ذرہ برابر شک و شبہ نہ ہو اور نہ ہی توقف کو گنجائش ہو[2]۔ اس تقریر پر الخطاب کا معنیٰ ہوگا حق و باطل کا امتیاز کر کے خصم کا فیصلہ۔ اس معنیٰ پر فصل اپنے حقیقی معنیٰ میں ہوگا اور خطاب بمعنی المخاصمۃ اس لیے کہ مخاصمۃ میں خطاب لازم ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ:۔ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ **وشددنا ملکہ**۔ اور ہم نے بظاہر ان کا ملک مضبوط کیا کہ روئے زمین پر اس جیسا مضبوط تر اور کوئی ملک نہ تھا اور باطن میں یوں مضبوط کیا کہ **وآتیناہ الحکمۃ وفصل الخطاب**۔ ہم نے اسے حکمت اور خطاب عطا فرمایا اور حکمت از عطاہائے الٰہیہ معارف کی اقسام سے ہے اور فصل الخطاب ان معارف کی بڑی مدلل دلیل اور مختصر اور جامع کا نام ہے۔

فائدہ:۔ اما بعد کو بھی فصل الخطاب اسی لیے کہا جاتا ہے کہ مقصود کو بیان کی تمہید یعنی حمد و صلوٰۃ سے علیحدہ کرتا ہے۔

فائدہ:۔ سب سے پہلے جس نے اما بعد کا لفظ استعمال فرمایا وہ حضرت داؤد علیہ السلام ہیں اور یہی فصل الخطاب ہے یہ زیاد نے کہا لیکن یہ قول مستر د ہے اس لیے کہ داؤد علیہ السلام نے سوائے اپنی لغت کے

---

[1] فصوص الحکم للبامی قدس سرہٗ ۱۲ ۔ روح البیان ج ۸ ص ۱۵

[2] ۔ شرح الجندی ۔ ایضاً۔

کسی دوسری بولی استعمال ہی نہیں کی اور اما بعد عربی ہے اور وہ فصل الخطاب جو داؤد علیہ السلام کو ملا وہ مدعی و مدعا علیہ کا صحیح فیصلہ[۱]

فائدہ: اگر یہ ثابت ہو جائے کہ اما بعد داؤد علیہ السلام نے ہی سب سے پہلے استعمال فرمایا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان کی بولی میں اس کا ترجمہ ہو گا۔

قول حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ: سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مدعی سے گواہ اور مدعا علیہ سے قسم کا مطالبہ کرنا فصل الخطاب ہے کیونکہ یہ جھگڑا ختم کرنے کا بہترین فیصلہ ہے۔

اعجوبہ زمانہ: مروی ہے کہ پہلے دور میں فیصلہ کرنے کا طریقہ یوں تھا کہ ایک زنجیر آسمان سے زمین کی طرف لٹکا دی گئی۔ جب مدعی دعویٰ کرتا تو اس زنجیر کو پکڑنے کا حکم ہوتا جو سچا ہوتا اس کا ہاتھ زنجیر تک پہنچ جاتا ورنہ نہیں۔ ایک دفعہ مدعا علیہ نے مدعی کا موتی ڈنڈے میں چھپا لیا۔ جب زنجیر کو ہاتھ لگانے کا وقت آیا تو ڈنڈا مدعی کو دے کر کہا بخدا میں نے حقدار کو حق ادا کر دیا چونکہ بظاہر جیسا کہ اس وقت وہ اپنی بات میں سچا تھا اس لیے اس کا ہاتھ زنجیر تک پہنچ گیا اس سے حضرت داؤد علیہ السلام حیران ہو گئے کہ فیصلہ حق تو نہ ہوا اس پر زنجیر والا قانون ختم کر کے قیامت تک قاعدہ جاری ہوا کہ البینة علی المدعی والیمین علی من انکر۔ مدعی گواہ لائے ورنہ مدعا علیہ قسم کھائے۔ واٰتیناہ الحکمة میں اسی طرف اشارہ ہے۔

فائدہ: الحکمة سے علم و فہم و فصل الخطاب مراد ہے اور فصل الخطاب سے بینہ (گواہوں) سے مدعی کی طرف سے اور قسم مدعا علیہ پر فیصلہ مراد ہے۔[۲]

فائدہ: ہماری شریعت اسلامیہ کا بھی یہی قانون ہے کیونکہ یہ سیدھا راستہ اور ہر مسئلہ کو ہر سائل کے لیے آسانی سے حل کرنے کا بہترین طریقہ ہے۔

تفسیر عالمانہ: وھل اتاك نبؤا الخصم۔ اور کیا تمہارے ہاں مخاصم کی خبر آئی ہے یہ استفہام تعجب اور اپنے بالمقابل کی خبر سننے کی تشویق کے لیے ہے۔ خبر دینا ہے کہ یہ ان عجیب خبروں سے ہے کہ جسے مخفی نہیں رہنا چاہیے۔

۱؎ انسان العیون ۱۲ روح البیان صـ۱۵ ج ۸)

۲؎ تفسیر ابو اللیث رحمہ اللہ ۱۲ روح البیان صـ۱۵ ج ۸)

حل لغات:- النبا بمعنی بہت بڑی خبر اور الخصم بمعنی مخاصم اور مخاصمۃ کا حقیقی معنیٰ یہ ہے کہ ہر دونوں مقابلین ہیں سے ایک دوسرے کو آپس میں ملانے کے لیے متعلق ہو اور یہ مصدر ہے چونکہ ہر دو مقابلین خصومت میں برابر ہوتے ہیں اس لیے اس کا اطلاق جمع پر بھی آتا ہے اور اذ تسوروا المحراب میں جمع کا صیغہ بھی اس لیے لایا گیا۔

حل لغات:- تسور المکان اُس وقت بولتے ہیں جبکہ مکان کی دیواریں اُونچی ہوں اور شہر کے قلعے کی دیواریں بھی چونکہ اُونچی ہوتی ہیں اس لیے انھیں سُورالمدینۃ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور کبھی مطلق اُونچی دیواروں کو کہا جاتا ہے اور یہاں یہی معنیٰ مراد ہے۔ المحراب سے وہ کمرۂ عبادت مراد ہے جہاں داؤد علیہ السلام تشریف لے جا کر عبادتِ الٰہی میں مشغول ہوتے تھے۔ بعض نے کہا وہ ایک چبوترہ تھا جو محراب (حجرہ) پر مشتمل تھا اسے شے کی اشرف اور برگزیدہ پر اشتمال کی وجہ سے موسوم کیا گیا ہے اور اذ کا متعلق محذوف یعنی تحاکم ہے اصل عبارت یوں ہے نبأ تحاکم الخصم اذ تسوروا المحراب یعنی جھگڑا کرنے والے جب فیصلہ کے لیے حجرے کی بلند دیواروں کے اُوپر سے حضرت داؤد علیہ السلام کی عبادت گاہ میں حاضر ہوئے یہ آنے والے جبریل و میکائیل (علیہما السلام) کے علاوہ دیگر فرشتے انسانی بھیس میں تھے جو مدعی و مدعا علیہ اور گواہ اور صفائی والوں کی حیثیت سے آئے۔

اذ دخلوا علیٰ داؤد - یہ ماقبل سے بدل ہے یعنی جب حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاں حاضر ہوئے۔ ففزع منھم۔ الفزع وہ انقباض جو ڈراؤنی شے سے انسانوں کو طاری ہو یہ بھی جزع کی جنس ہے اسی لیے فزعت من اللہ۔ نہیں کہا جاتا ہاں خفت منہ کہا جا سکتا ہے۔

سوال:- حضرت داؤد علیہ السلام پیغمبر ہو کر ان سے کیوں گھبرا گئے۔

جواب عالمانہ:- دروازہ بند تھا اور آپ عبادت میں مشغول تھے اور وہ اچانک دیوار کے اُوپر سے خلافِ عادت نیچے اُترے یہ ایک عجوبہ تھا اسی لیے گھبراہٹ کا موجب تھا اور بشری تقاضوں میں سے یہ ایک ہے۔

فائدہ:- اس میں اشارہ ہے کہ بشریت ایک ضعیف شے ہے کہ نبی علیہ السلام باوجودیکہ بہت بڑی طاقتور کے مالک ہوتے ہیں لیکن پھر بھی گھبرا گئے۔

جواب صوفیانہ:- حضرت داؤد علیہ السلام اس لیے گھبرائے کہ آپ روحانی طور مطلع ہو گئے کہ انہیں تنبیہ کی جا رہی ہے اور عتاب محبوبانہ بھی جیسا کہ فلما رأوہ فزعًا دلالت کرتا ہے تو جب انھوں نے اُسے گھبرایا ہوا دیکھا۔ قالوا۔ داؤد علیہ السلام کی گھبراہٹ زائل کرتے

کرتے ہوئے کہا لا تخف ہم سے خوف زدہ نہ ہو۔

فائدہ:۔ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ فرشتے کہہ رہے تھے کہ آپ ہمارے ظاہری اس احوال سے خوف نہ کھائیے جو ہمارے اور آپ کے درمیان جاری ہوگا کیونکہ ہم تو فیصلہ لے کر آئے ہیں تاکہ آپ ہمارا فیصلہ فرمائیں بلکہ آپ ہماری حقیقتِ حال سے خوف کھائیے کیونکہ اس سے آپ کو ان احوال کا انکشاف ہوگا جو آپ کے اور آپ کے ایک اُمتی اوریا کے درمیان جھگڑے کی صورت میں پیدا ہوا ہے۔

خصمان۔ دو خصومت والے خصم کے ساتھی کی وجہ سے ان دونوں کو خصم کہا گیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ خصم کو تسوروا میں جمع قرار دیا گیا ہے اور یہاں خصم بمعنی فریق ہے گو وہ ہر دو فریق نہیں بلکہ دو شخص تھے جیسا کہ ان ھذا اخی دلالت کرتا ہے لیکن چونکہ ان کے ساتھ اور بھی تھے ان کو بھی خصم سے تعبیر کرکے فریق اعتبار کیا گیا ہے۔ ہماری اس تقریر سے وہ اعتراض اُٹھ گیا کہ تسوروا صیغہ جمع اور یہاں تثنیہ خصمان کیوں۔

بغی۔ ظلم کیا ہے لبعضنا علیٰ بعض ہمارے بعض نے بعض پر۔ یہ حضرت داؤد علیہ السلام کو تعریض کے طور پر فرضی بات کہی گئی ہے ورنہ ان میں کسی نے ایک دوسرے پر کوئی ظلم نہیں کیا تھا اس سے کذب لازم نہیں آتا کیونکہ وہ ملائکہ تھے اور وہ کذب سے منزہ و معصوم ہوتے ہیں۔ ہماری اس تقریر کے بعد اس قول کی ضرورت ہی نہیں جس میں کہا گیا ہے کہ دو چور حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاں چوری کرنے آئے تو آپ نے انہیں دیکھ لیا تو وہ بہانہ بناتے ہوئے یہ دعویٰ گھڑ لیا۔ فاحکم بیننا بالحق۔ عدل وانصاف سے ہمارا فیصلہ فرمائیے۔

ولا تشطط۔ اور وہاں سے نہ گزرنا۔

حل لغات:۔ الشطط بمعنی حد سے تجاوز اور حق سے ہٹ جانا یعنی فیصلہ میں زیادتی اور کمی نہ کرنا یہ فاحکم کی تاکید ہے اور یہ امر و نہی اپنے اُو پر رحم کی اپیل کے طور پر ہے۔

واھدنا الی سواء الصراط۔ اور ہمیں سیدھا راہ دکھا۔

حل لغات:۔ سواء الصراط سے باغی کو زجر و توبیخ کے ذریعے ظلم کے راستے سے ہٹا کر طریق حق اور عدل کی راہ پر لانا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہمیں راہِ حق پر لائیے۔

لہ شرح المقاصد ۱۲ روح البیان صفحہ ۱۶/۸

ان ھذا ۔ یہ جملہ متنا نفہ اور جھگڑے کی حقیقت کا اظہار ہے ۔
اخی ۔ یہ میرا دینی یا صحبت کا بھائی ہے ۔ اور تعریض اشارہ ہے کہ میرے ساتھی نے جو کام کیا ہے نہایت ہی قبیح ہے ۔
لہ تسع و تسعون نعجۃ ۔ اس کی ننانوے دنبیاں ہیں ۔
ولی ۔ حفص نے عاصم کی روایت پر بفتح الیاء اور باقی حضرات نے اپنے اصل پر یاء کو ساکن پڑھا ہے
نعجۃ واحدۃ ۔ اور میری صرف ایک دنبی ہے ۔

حل لغات :۔ نعجۃ ضان کی مؤنث ہے کنایۃً کبھی اس سے عورت مراد لی جاتی ہے اور کنایہ و تعریض مقصد کے اظہار میں بلیغ تر ہے اور اس سے تو بیخ مطلوب ہے اور قاعدہ ہے کہ معرض بہ (جس کی طرف اشارہ ہے) کا علم تامل سے حاصل ہوگا اور جب اس میں غور و فکر کرے گا تو اس کی حقیقت کھل کر سامنے آ جائے گی اور جو علم اس طریقہ سے حاصل ہو تو وہ دل پر گہرا اثر ڈالتا ہے اور اس کی قباحت حیاء و خجالت کو بہترین درس دے گی ۔

فقال اکفلنیھا ۔ اور کہتا ہے کہ وہی ایک دنبی میری ملک کر دے ۔ اس کا حقیقی معنیٰ یہ ہے کہ مجھے قدرت دے دے تاکہ میں اس کی کفالت کروں جیسے میں اپنے دوسرے ماتحت کی کفالت کرتا ہوں ۔ کافل وہ ہے جو اپنے ماتحت کی ضروریات اور ان کا نان و نفقہ پورا کرے ۔
وعزنی فی الخطاب ۔ اور گفتگو میں مجھ پر زور ڈالا ہے اور گفتگو میں مجھ پر غالب آگیا ہے یعنی ایسی بات کر ڈالی ہے کہ میں اسے ٹھکرا نہیں سکتا ۔

فائدہ :۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ وہ میرا عزیز ترین اور مجھ پر گفتگو میں غلبہ رکھتا ہے کیونکہ وہ معزز ہے گویا وہ میرا بادشاہ ہے ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ مجھ پر گفتگو میں اس لیے غالب ہے کہ وہ گویا میرا بادشاہ ہے[1] ۔

قال ۔ داؤد علیہ السلام نے فرمایا اور یہ آپ نے مدعا علیہ کے اعتراف کے بعد فرمایا یا مدعی کا صدق اتنا واضح تھا کہ مدعا علیہ سے سوال کرنے کی ضرورت نہ تھی اگر یہ معنیٰ نہ کیا جائے تو داؤد علیہ السلام کی شان کے خلاف غلط تصور ہوگا (اور نبوت پر غلط الزام اور تصور کفر ہے) ۔
حدیث شریف میں ہے کہ جب تمہارے ہاں دو جھگڑا کرنے والے آئیں تو دوسرے سے پوچھے

---

[1] الوسیط ۱۲ روح البیان ص ۲۴۱ ج ۸

بغیر فیصلہ میں عجلت نہ کرنا۔

لقد ظلمك ۔ قسم کا جواب محذوف ہے یعنی بیشک تیرے اُوپر اس نے ظلم کیا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے مبالغہ فرمایا ہے کہ تیرے ساتھی نے تجھ پر ظلم کرنے کی حد کر دی کہ جب اس کے پاس اور دنبیاں ہیں تو پھر تجھ سے کیوں مانگتا ہے جبکہ تیرے پاس صرف ایک ہے بہت بُرا اور غلط کام کر رہا ہے۔

بسوال نعجتك الی نعاجه ۔ السوال مصدر اپنے مفعول کی طرف مضاف اور دوسرے مفعول کی طرف متعدی بہ الی ہے کیونکہ یہ اضافت وضم کے معنیٰ کو متضمن ہے گویا کہا گیا ہے کہ وہ ظالم ہے کہ تجھ سے ایک دُنبی مانگ کر اپنی دوسری دنبیوں میں ملا رہا ہے۔

فائدہ: اس میں اشارہ ہے کہ ظلم کرنا نفس کی عادت میں سے ہے جب تم عفت والا پاؤ تو اس کی علت کا بھی خیال رکھنا جیسے یوسف علیٰ نبینا وعلیہ السلام نے فرمایا وما ابری نفسی ان النفس لامارة بالسوء۔ میں اپنے نفس سے بیزار نہیں اس لیے کہ نفس امارہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نفوس کی اصلیت ظلم و بغاوت ہے اور ایسے ہی تمام مذموم اور رذیل صفات خواہ وہ انبیاء علیٰ نبینا وعلیہم السلام کی نفوس کیوں نہ ہوں۔

درس ادب: فقیر (صاحب رُوح البیان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ یہ نفوس کی اصالت وحقیقت کی طرف منسوب ہے ورنہ انبیاء علیٰ نبینا وعلیہما السلام کے نفوس مقدسہ تو مطمئنہ ہوتے ہیں نہ کہ امارہ کیونکہ ان سے نفوسِ مطمئنہ کے آثار کے سوا اور کچھ ظاہر ہی نہیں ہوتا اور یہ اُن کے سلوک کے مراتب میں سے پہلا مرتبہ ہے اس کی طرف شیخ نے اشارہ فرمایا کہ اذا وجدت ذا العفة الخ یعنی جب تم عفت والے کو پاؤ تو اس کی علت پر بھی نگاہ رکھو۔ اس سبق کو اچھی طرح سمجھ لو کیونکہ یہاں بہت سے پڑھے لکھے لوگوں کے قدم ڈگمگائے[1] اور اس کی تحقیق سورۂ یوسف شریف میں گزری ہے۔

فائدہ: حضرت داؤد علیہ السلام نے نعجہ کو اصلی معنیٰ پر محمول کیا ہے نہ کہ مستعار بمعنی عورت کے معنیٰ پر۔

وان كثيرا من الخلطاء ۔

حل لغات: خلطاء بمعنی وہ شرکا ہے جو اپنے اموال ایک دوسرے کے ساتھ ملائیں۔ یہ خلیط کی جمع ہے۔ ہمچوں ظریف اور خلطة بمعنی شرکة لیکن اس کے استعمال میں جانوروں کی شرکت کا غلبہ ہے۔

لیبغی بعضهم علی بعض ۔ اور بہت سے شریک ایک دوسرے پر ظلم کر کے حق سے زیادہ

لہ تاویلات نجمیہ ۱۲ روح البیان صـ۱ ج ۸)

[1] جیسے منکرین عصمت انبیاء اور ہمارے دور کے خوارج یعنی وہابیہ۔ دیوبندیہ۔ مودودیہ۔ پرویزیہ۔ نیچریہ فرقے ۱۲ ۔

مطالبہ کرتے ہیں اس میں صحبت و شرکت کے حقوق کا انھیں خیال نہیں رہتا۔

الا الذین اٰمنوا و عملوا الصّٰلحٰت ۔ مگر وہ جو انھیں سے اہل ایمان اور نیک عمل والے ہیں وہ بغی و عدوان اور ظلم و ستم سے پرہیز کرتے ہیں لیکن چونکہ وہ فطرۃً معصوم معلوم ہوتے ہیں اسی لیے ان کے نفوس مقدس و مزکی ہوتے ہیں۔

و قلیل ما ھم ۔ اور ایسے لوگ بہت تھوڑے ہوتے ہیں۔ خبر و مبتدا ہیں۔ ہم مبتدا اور قلیل خبر ہے خبر کی تقدیم بوجہ اہتمام کے ہے اور قلیل کو مفرد لایا گیا ہے۔ فعیل کو مفعول سے تشبیہ دینے کی وجہ سے اور ما زائدہ ہے قلت کی تاکید یا ابہام یا تعجب کی وجہ سے ہے۔ بتانا مطلوب ہے کہ اہل ایمان اور عمل صالح والے بہت تھوڑے ہیں۔

وظن داؤد انما فتناہ ۔ ظن علم استدلالی کے لیے استعارہ ہے کیونکہ ان کو آپس میں مشابہت ہے یعنی ظن غالب ہی علم کے لیے استدلالی مستعار ہو سکتا ہے اس لیے کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ ایسے ظن پر اگرچہ اعتبار ہوتا ہے لیکن واضح اور کھلا نہیں اس لیے ایسے گمان پر علم ہی کا اطلاق ہوگا اور انما کا ما کافہ کا ہے یعنی حضرت داؤد علیہ السلام کے سامنے فیصلہ کی گفتگو ہوئی اس سے آپ نے سمجھ لیا کہ جو کچھ ہم نے ان کے ساتھ کیا ہے یہ تو ان کے لیے آزمائش و امتحان تھا کیونکہ ایک فعل محصور کرنے دوسرے مغایر افعال کا قیاس کرنا عام قاعدہ ہے اسی لیے فاستغفر ربہ ۔ اپنے رب تعالیٰ سے استغفار کی اس کے بعد کہ انھیں محسوس ہوا کہ ان سے خطا سرزد ہوئی ہے تو جیسے حضرت آدم علیہ السلام نے ربنا ظلمنا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا تبت الیک ۔ ایسے دیگر انبیاء علیٰ نبینا و علیہم السلام نے ایسے مواقع پر کہا جن کا بیان اپنے اپنے مقام پر ہوا اور ہوگا۔

وخر ۔ اور گرے حضرت داؤد علیہ السلام درانحالیکہ راکعا رکوع یعنی سجدہ کرنے والے تھے سجدہ کو رکوع سے اس لیے تعبیر کیا ہے کہ رکوع سجدہ کا مبداء ہے اس لیے کہ جب تک رکوع نہ ہو سجدہ نہیں ہوتا رکوع ہو یا سجود ہر دونوں میں جھکنا اور خضوع ہوتا ہے۔

استدلال امام اعظم رضی اللہ عنہ :۔

اس آیت سے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے تلامذہ نے استدلال کیا ہے کہ سجدہ تلاوت رکوع میں ادا ہو جاتا ہے کیونکہ رکوع سجدہ کا قائم مقام ہے۔

دوسری تفسیر :۔ سجدہ کے لیے گرے درانحالیکہ وہ نماز پڑھنے والے تھے جز و بول کر کل مراد لیا گیا

ہے اب مطلب یہ ہوا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے استغفار کا دوگانہ پڑھا۔ پہلی تفسیر یہی ہے رکوع سے سجدہ مراد لینے کی دلیل وہ ہے جسے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے روایت فرمایا کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سورہ صٓ سجدہ والی آیت میں پڑھتے تھے۔

اللهم اكتب لی عندك بها اجرا واجعلها لی عندك ذخرا اوضع عنی بها وزرا فبلها منی كما قبلت من عبدك داؤد سجدته[1]

ترجمہ: اے اللہ میرے لیے اپنے اجر لکھ اور اپنے ہاں ذخیرہ کر اور اٹھا اس سے بوجھ اور مجھ سے ایسے قبول فرما جیسے تو نے اپنے عبد داؤد علیہ السلام سے سجدہ قبول فرمایا۔

و اناب ۔ اور توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا یعنی تمام لغزشوں سے اور ترک اولیٰ جیسے تمام امور سے توبہ کی کیونکہ ابرار کی حسنات مقربین کی سیئات ہوتی ہیں۔

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سورۃ صٓ کا سجدہ کر کے فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے توبہ کا سجدہ کیا ہم شکر کا سجدہ کرتے ہیں۔

مسئلہ: سورۂ صٓ کا سجدہ واجبات سے ہے یہی امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا لیکن امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے اصول پر اسے واجب کیا اور امام مالک نے اسے فضیلت کا درجہ دیا اور امام شافعی و امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ اسے شکر کا سجدہ کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ غیر نماز میں ہونا چاہیے اگر نماز میں یہ سجدہ داخل کیا تو نماز باطل ہو جائے گی[2]

مسئلہ: حضرت کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ سجدہ واجب ہے جو اس کی تلاوت کرتا ہے اس پر ضروری ہوتا ہے کہ وہ سجدہ کرے نماز میں ہو یا غیر نماز میں اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ سجدہ واجب نہیں اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایتیں ہیں اور بقول امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سجدہ تلاوت کا یہ دسواں سجدہ ہے۔

فائدہ: فتوحاتِ مکیہ میں اسے سجدۂ انابت سے تعبیر کیا ہے اور فرمایا کہ یہ حضرت انوار کا سجدہ شکر ہے کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام نے شکر کا سجدہ ادا کیا تھا۔

فغفرنا له ذلك ۔ تو ہم نے اسے بخش دیا اور یہ ذوالحج کا مہینہ تھا[3]

---

[1] روح البیان ص۱۰ ج ۸
[2] بحر العلوم۔
[3] فتح الرحمٰن۔ روح البیان ص۱۱ ج ۸

فائدہ: مروی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام چالیس دن رات سجدہ میں پڑے رہے سرف فرض کے لیے سر اُٹھاتے اور بس یا ضروری حوائج کو پورا کرنے کے لیے۔ اس اثنا میں آپ کے آنسو نہ تھمتے تھے یہاں تک کہ آپ کے آنسو سے آپ کے ارد گرد عشب اُگ آیا۔ آپ جتنا پانی نوش فرماتے اس کی دو تہائی آنسو نکلتے۔ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنے میں اتنی مشقت اُٹھائی یہاں تک کہ آپ کے وصال کا خطرہ محسوس ہونے لگا۔ آپ کی اس روش سے ملکی امور معطل ہو گئے اس پر آپ کے لڑکے ایشا نے موقعہ پا کر اپنی خلافت کا اعلان کر دیا۔ اس کے گرد بنی اسرائیل کے اوباش لوگ جمع ہو گئے۔ چالیس دنوں کے بعد حکم ربانی نازل ہوا تو داؤد علیہ السلام نے ایشا سے مقابلہ کر کے اسے مار بھگایا۔

مسئلہ: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب دو خلیفوں کی بیک وقت بیعت کا اعلان ہو جائے یعنی ایک پہلے اور دوسرے کا بعد کو تو دوسرے کو قتل کر دو کیونکہ اس دوسرے نے بغاوت کی ہے۔

انتباہ: یہ اُس وقت ہے جب اُس کی بغاوت فرد کرنا قتل کے سوا نہ ہو سکے۔

و ان لہ عندنا۔ اور بیشک داؤد علیہ السلام کا ہمارے نزدیک۔

للزلفی۔ نصرت کے بعد قرب اور نزدیکی ہے جیسے آدم علیہ السلام کے لیے ہوا۔

حل لغات: زلفی بمعنی قرب اور زلاف بمعنی تقریب (قریب کرنا) اور ازدلاف بمعنی اقتراب (قریب ہونا) اسی سے ہے۔ مزدلفہ اس لیے کہ وہ موقف (عرفات) کے قریب ہے۔

لحنِ داؤدی قیامت میں

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ قیامت میں حضرت داؤد علیہ السلام عرش کے ایک ستون کے قریب کھڑے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے داؤد (علیہ السلام) میری بزرگی اسی لہجہ خاص سے بیان کیجیے جیسے تم دنیا میں بیان کیا کرتے تھے۔ عرض کریں گے وہ تو تو نے دنیا میں لے لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اب واپس دیتا ہوں چنانچہ ملتے ہی جب داؤد علیہ السلام اپنے لحن خاص سے اللہ تعالیٰ کی بزرگی بیان کریں گے تو اہل بہشت بہشت کی تمام نعمتیں بھول جائیں گے۔

و حسن مآب۔ اور اچھا مرجع بہشت ہیں۔

فائدہ: اس سے بہشت اس لیے مراد ہے کہ وہی انبیاء و اولیاء کا ٹھکانا ہے۔[1]

---

[1] کشف الاسرار ۱۲ روح البیان ص۱۸ ج۸

قصۂ حضرت داؤد علیہ السلام برائے نکاح ام سلیمان علیہ السلام

اصل واقعہ یوں ہوا کہ اوریا بن حنانا کی عورت بتشادع یا بتشا دیع کو دیکھا تو آپ کی اس سے محبت ہو گئی جیسے ہمارے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ایک دن دیکھنے سے محبت ہو گئی[۱] تو کہا یا مقلب القلوب اور یہ ان کا غیر اختیاری امر تھا اس کے بعد داؤد علیہ السلام نے اس شخص کو طلاق دینے کا کہا اور اس شخص نے آپ کے اس ارشاد کو سر آنکھوں پر رکھ کر بلا جھجک عورت کو طلاق دے دی اس کے بعد داؤد علیہ السلام نے اس کے ساتھ نکاح کر لیا۔ یہ وہی بی بی ہے جس سے حضرت سلیمان علیہ السلام پیدا ہوئے اور ام سلیمان ہونے کا مرتبہ پایا۔

ازالۂ وہم:۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی شریعت کا قانون تھا کہ کسی کو کسی دوسرے شخص کی عورت پسند آجائے تو عام عادت میں شامل تھا کہ وہ دوسرا شخص پہلے شخص کے سوال پر اپنی عورت کو طلاق دے دے اور دوسرا شخص اس عورت سے نکاح کرے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو بھی یہی کیفیت پیش آئی تو چونکہ آپ کی عظمت اور رفیع منزلت اور بلند قدری کے خلاف تھا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انھیں براہ راست وحی بھیجنے کے بجائے تمثیل سے متنبہ فرمایا اور بتایا کہ وہ کام عوام کا ہے آپ تو ان کے آقا ہیں پھر یہ کام وہ کرے جس کی عورت نہ ہو آپ کی تو ننانویں بیویاں ہیں۔ آپ پر واجب تھا کہ آپ صبر کرتے جیسے ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی محبت سے صبر کیا تو جیسے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے شوہر یعنی حضرت زید رضی اللہ عنہ نے خود طلاق دے دی۔

---

[۱] محققین کے نزدیک حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بی بی زینب سے محبت کا قصہ موضوع اور اسرائیلیت کی من گھڑت ہے۔ اصل واقعہ یوں ہے کہ بی بی زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سگی پھوپھی کی بیٹی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح اصرار کے ساتھ اپنے آزاد کردہ غلام زید (رضی اللہ عنہ) سے کرادیا تھا۔ لیکن زینب کا شوہر کے ساتھ نباہ نہ ہوا۔ زید بھی تنگ آگیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زید کو بھی بہت سمجھایا کہ بیوی کو نہ چھوڑیئے۔ لیکن اس نے ظاہر کر دیا کہ بیوی کا رویہ ناقابل برداشت ہے۔ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایسا نہ کرتے تو چند قبائل کے سینکڑوں اشخاص کو زینب کی ناگوار حالت سے نہایت رنج اور صدمہ ہوتا۔ جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب کے حسن و جمال کی خبر پاکر یا اسے یکایک دیکھ کر عزم

اس سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو طلاق کے سوال کی نوبت نہ پہنچی تو آپ (داؤد علیہ السلام) کے لیے بھی یہی ہوتا کہ بجائے آپ کے سوال کرنے کے وہ اور یا خود طلاق پر (منجانب اللہ) مجبور ہو جاتا۔

صوفیانہ تقریر:- حضرت البقلی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا عشق تجلیات حق کی عروس سے ہوا نہ کہ کسی دنیوی عورت سے یہ اُس وقت ہوا جب حق تعالیٰ کی تجلیات سے ایک تجلی داؤد علیہ السلام پر متجلی ہوئی اس معنیٰ پر تو وہ عاشق حق ہوئے نہ کہ ایک عورت کے تو پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے انہیں تسلی دلائی اور یہی قصہ ہمارے نبی پاک صاحب لولاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی تسلی کے لیے بھی ہے کہ آپ کو اگر حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے محبت ہو گئی ہے اور آپ اس سے ملال میں نہیں تو دل تنگ نہ ہوں کیونکہ آپ سے پہلے داؤد علیہ السلام کے ساتھ بھی ہو چکا ہے اور سنۃ من قد ارسلنا من قبلك من رسلنا۔ (ہمارا طریقہ ایسے ہی پہلے سے رسل کرام علیہما السلام کے ساتھ ہوتا رہا) اس سے داؤد اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خوش ہوئے اور دیدار الٰہی کے لیے شوق کا اضافہ ہوا۔

منکرینِ عصمت انبیاء علیہما السلام کا بلیغ ردّ

حضرت ابو سعید خمرازؒ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ:

زلات الانبیاء فی الظاهر زلات وفی الحقیقۃ کرامات وزلفی[1]

ترجمہ:" انبیاء علیہم السلام کی بظاہر زلات ہوتی ہیں درحقیقت وہ کرامات اور قرب الٰہی ہوتا ہے۔"

حضرت داؤد علیہ السلام کے واقعہ کو غور سے پڑھو کہ اُنھوں نے اپنی ابتدائی کیفیت کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ سے استغفار کی اور عجز و نیاز کر کے اس کی طرف رجوع کیا تو اللہ تعالیٰ کے ہاں مقرب ہوئے اور اعلیٰ مرتبہ وحسن انجام کی نوید سنی۔

واہ واہ حضرت اسمٰعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ نے سچ فرمایا اس لیے کہ انبیاء و

حاشیہ بقیہ گزشتہ صفحہ

نکاح کیا تھا۔ وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ زینب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سگی پھوپھی کی بیٹی تھیں۔ آنکھوں کے سامنے پلی اور بڑھی۔ اس کی شکل وصورت کے متعلق کوئی بات ابتدا ہی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پوشیدہ نہ تھی اور زید کے ساتھ ان کا پہلا نکاح خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے اصرار سے کر دیا تھا۔

[1] روح البیان ص۱۹ ج ۸)

و اولیاء و علیٰ نبینا و علیہم السلام کا امتحان ان کی برگزیدگی اور شرافت و بزرگی کو نمایاں کرتا ہے۔ اس میں انھیں اضافہ نصیب ہوتا ہے اس کی وجہ ظاہر ہے کہ مقام خلافت جمال و جلال حق کا مظہر ہے اور یہ مقام اُس وقت ترقی پاتا ہے جب انھیں تجلیات جلال کے ساتھ آزمائش و ابتلا میں مبتلا کیا جائے۔ اس سے ان کی ترقی ہوتی ہے نہ کہ تنزل۔

ایک بہترین تقریر: تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ولی کی شان یہ ہے کہ وہ توفیق الٰہی سے فیصلہ والوں کے درمیان اسی طرح فیصلہ حق کریں جیسے شرع کا حکم ہے اور ان پر واجب ہے کہ اپنے آپ پر وہی حکم صادر فرمائیں جو اپنے غیروں پر کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کونوا قوامین بالقسط شهداء لله ولو علیٰ انفسکم اور ہو جاؤ برابر کے فیصلہ پر قائم اور اللہ تعالیٰ کے لیے شاہد اگرچہ اپنے نفسوں پر۔ اس لیے حضرت داؤد علیہ السلام غیر پر حکم صادر کرنے کی طرح اپنے آپ پر بھی وہی فیصلہ فرمایا۔ جب آپ کو متنبہ کیا گیا تو دوسروں کی طرح اللہ تعالیٰ سے استغفار کر کے اپنے پروردگار کی طرف گڑگڑائے اور ڈرنے بلکہ زندگی بھر معذرت کے طور روتے رہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کا رونا گڑگڑانا قبول فرما کر آپ پر رحم فرمایا اور ماضی کو معاف کر دیا۔ چنانچہ فرمایا کہ فغفرنا له ذلك وان له عندنا لزلفیٰ۔ اور ہم نے انہیں بخشا اور خشوع و خضوع و تفرع و زاری اور رونے دھونے اور آہ و زاری کی وجہ سے بہت بڑا قرب پایا۔ وحسن مآب۔ اور انہی وجوہ کی وجہ سے ہمارے ہاں ان کا بہت بڑا بہترین ٹھکانہ ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ اے داؤد گنہ گاروں کو فرمایئے کہ وہ مجھے رونے کی آواز سنائیں اس لیے کہ جب میرے بندے میری طرف رجوع کر کے رونے کی آواز سناتے ہیں تو میں اُن کی خوب سنتا ہوں۔ اے داؤد زاری کرنے والوں سے بڑھ کر میرے نزدیک اور کوئی مکرم تر نہیں اور سائلین کے لیے مجھ جیسا اور کوئی سخی نہیں جو بندہ میری اطاعت کرتا ہے میں اسے خوب دیتا ہوں بلکہ اس کے سوال سے پہلے دیتا ہوں اور ایسے مانگنے والوں کو دعا مانگنے سے پہلے ان کی دعا قبول کرتا ہوں اور ان کی بخشش کی طلب سے پہلے انہیں بخشتا ہوں۔

قاضی عیاض صاحب شفاء کا انکار

مورخین کی جملہ نقول (باطلہ) کا حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے انکار کیا ہے۔ ان میں ایک یہ ہے جو حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس مرد سے فرمایا اور متنبہ

فرمایا کہ آپ جیسے کے لیے دنیا کی مشغولی اچھی نہیں اور قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام کی شان کے لائق نہیں کہ ان پر ایسی باتوں کی نسبت کی جائے۔

ایک اور کہانی:- بعض کہتے ہیں کہ اوریا نے اس عورت کو نکاح کا پیغام دیا اور اس کی برادری نے اسے قبول بھی کر لیا اور اوریا کی اس سے محبت تھی لیکن نکاح نہیں ہوا تھا کہ اوریا کسی جنگ کے لیے بھیجے گئے اور بلقار کے غازیوں میں سے تھے اس کی اس عدم موجودگی میں حضرت داؤد علیہ السلام نے اس بی بی کو نکاح کا پیغام بھیجا تو اس نے آپ سے نکاح کر لیا اس پر اسے فخر بھی ہوا کہ کہاں نبی داؤد علیہ السلام اور کہاں اوریا۔ واپسی پر اوریا مغموم و محزون ہوا اس پر اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو عتاب فرمایا کہ ایک مسلمان کی منگنی پر اپنا پیام نکاح دے کر کیوں عقد کیا باوجودیکہ آپ کو اس کی ضرورت بھی نہ تھی کیونکہ اُس وقت آپ کی ننانوے بیویاں پہلے موجود تھیں اور اوریا کی سوائے اسی بی بی کے اور کوئی بیوی نہ تھی۔

حکایت مذکورہ کا ردّ از صاحب رُوح البیان علیہ الرحمۃ

فقیر (صاحب رُوح البیان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ قرآن کا مضمون اس کے خلاف ہے وہ اس لیے کہ اکفلنیہا کے جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بی بی اوریا کے نکاح میں تھی اور لفظ خصم بھی اسی کی تائید کرتا ہے اس لیے اوریا کا جھگڑا تب صحیح ہو سکتا ہے جب وہ بی بی اس کی منکوحہ ہو چکی ہو۔ ہاں اسے چھوڑنے کا حکم ان کی شریعت میں جائز تھا اسی لیے اسے جبر سے بھی تعبیر نہیں کر سکتے لیکن چونکہ داؤد علیہ السلام کے حکم کے خلاف نہ کرنے پر طلاق دینے کے بعد اوریا کے دل میں مخاصمت ضرور تھی اور یہ بھی ایک جبر کی قسم سے ہے اسی لیے اسے وعزنی بالخطاب سے تعبیر کیا گیا ہے اور پھر سوال کرنے والے معزز اور غالب بھی تھے اسی لیے اس نے مجبوراً طلاق دی لیکن دل کی محبت کی آگ تو تاہنوز بھڑک رہی تھی۔

انبیاء کرام علیہما السلام کے ادب و تعظیم کا درس:- مذکورہ بالا دونوں قصے اس موقع پر صحیح سمجھے جاتے ہیں ان کے علاوہ دیگر روایات دیوار پر مارنے کے لائق ہیں۔ اگرچہ ان کی تاویلوں پر بھی بہتیرے ہاتھ پاؤں مارے جاتے ہیں لیکن بے سود کیونکہ انبیاء علیہما السلام کی شخصیات وہ ہیں کہ ان کے شان کمال کے لائق نہیں کہ ان کے حق میں معمولی سا نقص کا شائبہ بھی قابل برداشت ہو۔ اور نہ ہی ان کے محبوبی جمال کو عیب دار دیکھا جا سکتا ہے۔

غلط قصے :- (۱) بعض قصہ گو تو یوں کرتے ہیں کہ معاذ اللہ اور یا کو حضرت داؤد علیہ السلام نے اس بی بی کے نکاح کے ارادہ پر قتل کرا دیا تھا۔

(۲) بعض نے کہا آپ نے اسے قید کرا دیا تھا (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)

سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا کہ جو قصہ گو مذکورہ بالا قصہ بیان کرے گا میں اُسے ایک سو ساٹھ کوڑے ماروں گا۔

مسئلہ :- انبیاء علیہما السلام پر بہتان تراشی کی یہی سزا ہے۔

علامہ ابن العربی قدس سرہٗ کا درس ادب

حضرت محی الدین قدس سرہٗ نے فرمایا کہ واعظوں کو لائق ہے کہ وہ وعظ میں ایسی باتیں کریں جو انبیاء علیہما السلام کی علو شان پر دلالت کریں[1]۔ اور ایسی باتوں سے احتراز کریں جو ان کی عزت و احترام پر دھبہ آنے کا شائبہ ہو بالخصوص وہ واقعات جو یہود بے بہود اور نصاریٰ انبیاء علیہما السلام کی شان پر حملہ آور ہو کر قصے کہانیاں بتاتے سناتے ہیں جیسے داؤد علیہ السلام و یوسف علیہ السلام کے قصے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تو ان کی تعریف فرمائی ہے اور انہیں جملہ مخلوق سے برگزیدہ بنایا ہے۔

ستم بالائے ستم :- ظلم تو یہ ہے کہ ایسے غلط واقعات تفاسیر جیسی مقدس کتابوں میں درج کیے جاتے ہیں۔ پھر وہ ظالم کہتے ہیں قال المفسرون کذا و کذا۔ مفسرین نے ایسے کہا (معاذ اللہ) حالانکہ انہیں تفاسیر نہیں بلکہ تاویلات فاسدہ اور ایسی قوم کی طرف منسوب ہیں جن پر اللہ تبارک تعالیٰ کا قہر و غضب ہے۔ اور اس سے بڑھ کر وہ ظالم کہتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے تو ہم کیوں نہ بیان کریں جو ظالم واعظ ایسی باتیں بیان کرے اُس کے لیے یہ حکم ہے اس کے جواب میں کہا جائے کہ ایسے شخص سے اللہ تعالیٰ اور اُس کے فرشتے بے زار ہیں کیونکہ یہ ظالم اس دشمن خدا کی حجت کو مضبوط کر رہا ہے جس کے دل میں انبیاء علیہما السلام کے حق میں نفاق کا مرض ہے اس سے تو وہ خدا کا دشمن حجت پڑے گا اور کہے گا کہ جب انبیاء علیہما السلام سے ایسا سرزد ہوا تو ہم کیوں نہ ایسے افعال کا ارتکاب کریں اگر کریں گے تو کیا ہو گا[2]۔

---

[1] الحمد للہ یہ طریقہ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کے فیض سے اہلسنت کے علماء کو نصیب ہے لیکن جاہل واعظین سے پناہ ۱۲

[2] اس دہابی دیوبندی اور ان کے ہم نوا واعظین عبرت کریں کہ وہ اپنی تقریروں اور تحریروں اور وعظوں کو کہاں سے کہاں تک لیجاتے ہیں۔

آخری فیصلہ:- واعظ پر واجب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے یا انبیاء علیہما السّلام کے متعلق کچھ کہے تو تعظیم و تکریم کو مدنظر رکھے ایسے ہی اولیائے اُمت وعلمائے ملّت کے متعلق خیال رہے بلکہ واعظ کو چاہیئے کہ وہ جنت کی ترغیب اور دوزخ اور قیامت کی ہولناکیوں سے آگاہ کرے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہونا ہوگا اور سوال ہوگا کہ تم نے دنیا میں زندگی کس طرح بسر کی وغیرہ وغیرہ اس طرح سے اس کی مجلس میں برکت ہی برکت ہوگی[1] رحمت ہی رحمت ہوگی۔

صاحبِ فتوحاتِ مکیّہ سے صاحب رُوح البیان کی عقیدت

مذکورہ بالا مضمون ختم کر کے صاحب رُوح البیان قدس سرہٗ نے صاحب فتوحات مکیّہ کے یہ الفاظ ہدیۂ عقیدت پیش کیے:-

انتہی کلام الفتوحات علی صاحب اعلی التجلیات۔

فتوحات کا کلام ختم ہوا اس کا مصنف پر اعلیٰ تجلیات کا نزول ہو (آمین)

اَدب و تعظیم مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم از امام شعرانی قدس سرہٗ:-

حضرت امام شعرانی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اسی طرح ضروری ہے کہ آیات:

(۱) ولو کنت فظا غلیظ القلب لا نفضوا من حولك۔

(۲) منکم من یرید الدنیا و منکم یرید الاخرۃ۔

(۳) ولا تزال تطلع علی خائنۃ منھم الا قلیلا منھم کے متعلق تحقیق نہ کرتا پھر اس لیے کہ عوام جب ان کے مضامین سنیں گے تو ان نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تحقیر کریں گے اور اُن کے افعال کو اپنی سمجھ کے مطابق حجت بنالیں گے[2]

کربلا کے واقعات:- امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ واعظ (وذاکر و مرثیہ خوان) پر حرام ہے کہ وہ شہادت حسین رضی اللہ عنہ کے قصے سناتا پھرے ایسے ہی اس جیسی حکایات بیان کرنے سے بچے بالخصوص وہ واقعات جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جھگڑوں پر مشتمل

---

[1] فتوحاتِ مکیہ باب ۱۸۷ = روح البیان صنہ ۲ ج ۸

[2] الکبریت الاحمر ۱۲ روح البیان صنہ ۲ ج ۸

ہیں اس لیے کہ یہ واقعات بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کا بیج بوتے اور ان کی طعن و تشنیع پر ابھارتے ہیں کیونکہ وہ تو دین کے ستون ہیں ہاں ان کے جھگڑوں کو اچھے عمل پر محمول کر سکتا ہے تو اسے اجازت ہے۔

مسئلہ:۔ بعض مسائل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجتہاد کی خطاء پر مشتمل ہیں نہ ان کو دنیا کی ہوس تھی نہ ہی اقتدار کی تمنا جیسا کہ اہل علم کو معلوم ہے۔

آخری درس ادب:۔ محبوبان خدا کے معاصی عوام کے معاصی جیسے نہیں ہوتے کیونکہ عوام کے معاصی شہوات اور ہوائے نفس سے ہوتے ہیں اور اُن کے معاصی اجتہاد کی خطاء پر مبنی ہوتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ انہیں بتاتا ہے کہ تمہارا یہ اجتہاد مبنی بر خطا تھا تو وہ حضرات اپنی اس اجتہادی خطا کو از خود معاصی سے تعبیر کرتے ہیں اور پھر توبہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ:۔ یا داؤد انا جعلناك خلیفة فی الارض۔ اے داؤد ہم نے تمہیں زمین کا خلیفہ بنایا۔

الخلافۃ بمعنی غیر کا نائب بننا یہ چار قسم ہے:۔

۱۔ جس کا نائب بنا ہو وہ غائب ہو۔

۲۔ اس پر موت واقع ہو۔

۳۔ وہ اس کام کی سرانجامی سے عاجز ہو۔

۴۔ خلیفہ کو شرافت بخشنا مطلوب ہو۔ اسی چوتھے معنیٰ پر اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبوں کو زمین پر اپنا نائب بنایا کیونکہ پہلے تین معانی اللہ تعالیٰ کے لیے محال ہیں۔

خلیفہ نافذ الحکم بادشاہ کو کہتے ہیں لیکن اس کا اور اس کی حکومت کا طریقہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر ہو اور سلطان عام ہو خواہ اس کا طریقہ نبوت کے طریقہ پر ہو یا نہ ہو اور خلافت مرتبہ امامت سے مخصوص ہونے کی وجہ سے عام ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اے داؤد ہم نے تمہیں زمین پر اپنے ملک کا خلیفہ بنایا جیسے بادشاہ اپنے بعض کو کسی ملک کا نائب بنا کر اس کا اسے مالک بنا دیتا ہے۔

فائدہ:۔ حضرت داؤد علیہ السلام سے پہلے قاعدہ تھا کہ یعقوب علیہ السلام کے ایک سبط میں سے نبی اور دوسرے سبط میں سے بادشاہ لیکن آپ کو ہر دونوں عہدے عطا کیے گئے اسی لیے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کے بندوں کے اُمور کو حسن تدبیر سے انجام دیتے تھے۔

مسئلہ:۔ اس سے ثابت ہُوا کہ توبہ کے بعد آپ کا مرتبہ پہلے کی طرح تھا لغزش سے کمی نہ آئی بلکہ اس سے بڑھ کر برگزیدہ ہوئے جیسے حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق فرمایا ثم اجتباہ ربہ فتاب

علیہ وھدی۔ پھر اُن کے پروردگار نے انھیں چن لیا تو توبہ قبول کی اور راہِ ہدایت بخشی۔

فائدہ: بعض اہلِ مکاشفہ نے فرمایا کہ وہ مرتبۂ کبری اور مرتبہ قرب جسے اللہ تعالیٰ نے خلافت کے نام سے مخصوص فرمایا۔ کسی کو اولادِ آدم سے بطور نص ظاہر نہیں فرمایا یعنی انبیاء علیہم السلام میں کسی کو یہ مرتبہ نص کے طور پر بیان نہیں فرمایا سوائے حضرت داؤد علیہ السلام کے اگرچہ وہ خلافت سے بطریق اتم موصوف تھے۔

سوال: حضرت آدم علیہ السلام کی نص تو ظاہر ہے اس کا انکار کیوں کر رہے ہو۔

جواب: حضرت داؤد علیہ السلام کی طرح ان کے لیے صریح نص نہیں وہاں تو ہے واذ قلنا للملائکۃ انی جاعل فی الارض خلیفہ (یاد کرو جب ہم نے ملائکہ کو کہا کہ میں زمین پر خلیفہ بناؤں گا) اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں کسی ایک کے خلیفہ بنانے کی خبر ہو اگر اس میں انی جاعل آدم خلیفہ ہوتا تب بھی حضرت داؤد علیہ السلام کی خلافت کی نفی کی طرح نہ ہوتا کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام کی خلافت میں ضمیر خطاب ہے اس میں سوائے حضرت داؤد علیہ السلام کی خلافت کے خلاف اور کوئی معنیٰ نہیں ہو سکتا۔

خلافت صدیقی کا نکتہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ ملائکہ نے حضرت آدم علیہ السلام پر تجبر کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں خلافت سے نوازا اور حضرت داؤد علیہ السلام پر طالوت نے تجبر کیا تو خلافت سے نوازے گئے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر انصار نے تجبر کیا تو ان کو خلافت سپرد ہوئی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کے علی الاطلاق تین خلفاء ہیں:۔

۱۔ حضرت آدم علیہ السلام
۲۔ حضرت داؤد علیہ السلام
۳۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

داؤدی خلافت کی مدت: حضرت داؤد علیہ السلام کی خلافت کی مدت چالیس سال تھی یہ وہی مدت ہے جو آدم علیہ السلام نے انھیں اپنی عمر سے بطور ہبہ بخشی گویا یہ خلیفۂ اول کی بخشی ہوئی ہے۔ خلافت ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام زمین پر خلیفہ بنائے گئے۔

اقسامِ خلافت: خلافت کے کئی معانی ہیں:۔ (۱) حقیقی خلافت۔ اس میں انسان کے کسب کو دخل نہیں بلکہ یہ فضل وعطائے الٰہی ہے جسے چاہے عطا فرمائے چنانچہ فرمایا انا جعلناک خلیفۃ۔ یعنی ہم نے ہی تمھیں خلافت عطا فرمائی۔

(۲) خلافت کی استعداد صرف انسان ہیں ہے جیسا کہ فرمایا وجعلنا کم خلائف الارض۔ اور ہم نے تمہیں سے زمین کے خلیفے بنائے۔

(۳) انسان میں خلافت کی استعداد بالقوہ ہے بالفعل اس مرتبہ کو شاذ ونادر چند حضرات پہنچ سکے۔

(۴) جعلیتہ خلافت کا تعلق عالم معانی سے ہے جیسے خلقیتہ کا تعلق عالم صور سے ہے یہی وجہ ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کی صورت کی خبر دی تو فرمایا انی خالق بشرا من طین اور جب اس کے معنی کی خبر بخشی تو فرمایا انی جاعل فی الارض خلیفۃ۔

(۵) رُوح انسانی ہی فیض اول ہے یہی وہ پہلی شے ہے جس کے ساتھ امر کُن متعلق ہوا اسی لیے رُوح کی طرف امر کو منسوب فرمایا کما قال اللہ تعالیٰ قل الروح من امر ربی۔ فرمایئے رُوح امر ربی سے ہے۔ جب ثابت ہوُا کہ رُوح ہی فیض اول ہے تو خلیفہ الٰہی یہی ہے۔

(٦) رُوحِ انسانی ہی ذات وصفات الٰہی کا خلیفہ ہے ذات کا خلیفہ تو بایں معنی ہے کہ اس کا وجود بلاواسطہ وجود الٰہی سے ہے اس اعتبار سے اس کا وجود وجود الٰہی کا خلیفہ ہوا اور صفات کا خلیفہ بایں معنی ہے کہ اس کی صفات کا وجود صفات الٰہی سے بلاواسطہ میں تو پھر جو ذات وصفات رُوح کے وجود و صفات کے بعد ہوں گی تو اس کے واسطہ سے ہوں گی اس اعتبار سے وہ ذات وصفات ہیں خلیفۃ اللہ کے خلیفہ کی خلیفہ ہوں گی۔ ایسے ہی ہر خلیفہ کی اسی نسبت کا قیاس کریں۔ اس معنیٰ پر جسم انسانی سب سے نچلے درجہ کا خلیفہ ہوگا کیونکہ وہ تمام موجود سے نچلا اور سب سے آخر میں فیض الٰہی کو قبول کرنے والا ہے اسی لیے خلافت سے اسے بہت کم حصّہ نصیب ہوُا۔

خلیفہ الٰہی کے جسم کی پرورش:۔ جب اللہ تعالیٰ کسی بندۂ خاص کو زمین پر اپنا خلیفہ بنانا چاہتا ہے تو اپنے خلیفہ کی رُوح کے لیے بہترین نزول گاہ تیار فرماتا ہے تاکہ وہ دنیوی زندگی اس میں گزار سکے یعنی اس کا جسم اس کی اعلیٰ بیٹھک تیار کی جاتی ہے اس میں عرش بچھایا جاتا ہے تاکہ وہ اس ہیں آرام وسکون پا سکے یعنی قلب انسان کے اندر بمنزلہ عرش کے ہے اور اس کی خدمت کے لیے نفس کو خادم مقرر کیا جاتا ہے اگر انسان اپنی انسانیت پر برقرار رہے یعنی جس فطرت پر اسے بنایا گیا اسے محفوظ رکھے تو اس کی رُوح اللہ تعالیٰ سے براہِ راست فیض پاکر خلافت حق سے نوازا جائے اور اس کا عرش قلب فیض الٰہی کا مرکز ہو۔ قلب رُوح کی خلافت سے اپنے خادم نفس کو فیض پہنچاتی ہے اور نفس خلافت قلب سے قالب (جسم) کو فیض بخشتا ہے اور جسم خلافت نفس سے دنیا کو فیضیاب کرتا ہے یہی ارض اللہ ہے۔ ان اسباب و آلات سے روح اللہ کی زمین کا خلیفہ ہے

جو اس کے حکم و امر سے احکام و شرائع نافذ کرتا ہے۔

(۳) خلافت کی خصوصیت سے ہے کہ وہ لوگوں کے درمیان حق کا فیصلہ کرے۔ نفس کی خواہشات سے روگردانی کرے۔ خلیفۂ حق کی خصوصیات سے ہے کہ وہ عمل صالح اور اکل حلال کا خوگر ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کلوا من الطیبات واعملوا صالحًا۔ حلال کھاؤ اور نیک عمل کرو۔

تفسیر صوفیانہ: داؤد یعنی روح کو زمین یعنی انسانیت کا خلیفہ بنایا۔ قلب۔ سر۔ نفس۔ قالب، حواس۔ قوی۔ اخلاق۔ جوارح۔ اعضاء کو اس کا رعیت بنایا اور کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ۔ تم سب راعی ہو اور ہر راعی سے اپنی رعیت کا سوال ہو گا اسی کے متعلق حکم ہے کہ اپنی رعیت کا فیصلہ حق سے کرو یعنی انھیں امر حق و طاعت الٰہی پر لگاؤ اتباع خواہش نہ کرو چنانچہ فرمایا فاحکم بین الناس بالحق۔ حکم الٰہی کے مطابق فیصلہ کیجئے کیونکہ خلافت کا حتمی تقاضا یہی ہے اور حکم الٰہی عدل محض ہے اور بس۔ اسی پر عمل کرنے سے انسان عادل ہوتا ہے اور حکم لغت میں فیصلہ کو اور شریعت میں اس امر و نہی کو کہا جاتا ہے جس میں لزوم ہو۔ ولا تتبع الھوٰی اور خواہشات نفسانی کی اتباع نہ کرو۔ یعنی وہ جو نفس چاہتا ہے اور فیصلہ جات وغیرہ دین و دنیا کے اُمور میں سے اس کی آرزو اور تمنا ہوتی ہے۔

فائدہ: بعض نے کہا کہ اس سے وہ ارادہ مراد ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام نے اوریا کی عورت کے ساتھ نکاح کرنے کا کیا تھا۔ یا آپ کی وہ تصدیق جو مدعی کے بیان کے بعد مدعا علیہ سے جواب دعویٰ سننے کے بغیر اس پر ظلم کی نسبت کر دی۔

فیضلك عن سبیل اللہ۔ تو وہ تمھیں اللہ تعالیٰ کے راستہ سے بہکا دے گا۔

فائدہ: فیضلك کا منصوب ہونا نہی کے جواب کی وجہ سے ہے یعنی خواہشات نفسانی اور نفس کی اتباع گمراہی کا سبب بن جائیں گے اور تمھیں ان دلائل سے بہکا دیں گے جو حق نے تکوینی و تشریعی طور مقرر فرمائے ہیں۔ بعض مشائخ نے فرمایا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ خیال جو میری وحی کے بغیر تمھارے دل میں آئے اور اس سے فیصلہ کرو تو وہی تمھیں اس راستہ سے بہکا دے گا جو وحی الی الرسل سے حاصل ہوا ہے۔

سوال: اتباع نفس کیسے گمراہی کا سبب ہے۔

جواب: وجہ یہ ہے کہ خواہشاتِ نفسانی لذاتِ جسمانی میں متفرق کر کے ان سعادات روحانیہ سے محروم کر دیتی ہیں جنہیں باقیات صالحات سے تعبیر کیا جاتا ہے اور قاعدہ ہے کہ جو بھی اس سبیل الٰہی

یعنی اتباع دلائل منصوبہ علی الحق یا اتباع حق فی الأمور سے بہکا تو شیطان کے ہتھکنڈے چڑھ گیا بلکہ نیران وحرمان کے گھڑے میں گرا۔

تفسیر عالمانہ:۔ ان الذین یضلون عن سبیل اللہ ۔ بیشک وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے راستے سے بہک جاتے ہیں۔ یہ ماقبل کی تعلیل اور اس کی تباہی و ہلاکت کا بیان ہے۔ سبیل اللہ کو بجائے ضمیر کے لانے میں گمراہی کی شناعت کا اظہار مطلوب ہے۔

لھم عذاب شدید بمانسوا۔ ان کے نسیان کی وجہ سے ان کے لیے سخت عذاب ہے۔

یوم الحساب۔ حساب کے دن میں یہ نسوا کا مفعول ہے۔

فائدہ:۔ چونکہ سیدھے راستہ سے بہک جانا یوم حساب کے نسیان کو مستلزم ہے اسی لیے ان دونوں کو ثبوت عذاب شدید کی علت وسبب بنایا گیا ہے۔

درس ادب:۔ گمراہی میں حضرت داؤد علیہ السلام کے نام کی تصریح کا ترک بندوں کو آداب انبیاء علیہما السلام کا درس دینا مطلوب ہے کہ میں خالق ہوکر ان کی طرف گمراہی کو منسوب نہیں کرتا تو بندوں کو کب لائق ہے کہ وہ انھیں گمراہ کہتے پھریں۔ ورنہ سیاق وسباق کا تقاضا تھا کہ عبارت یوں ہوئی فلئن ضللت عن سبیلی۔ فلک عذاب شدید۔ لیکن اللہ تعالیٰ گمراہی کی نسبت کسی ایک غائب جماعت کی طرف فرمادی۔ داؤد علیہ السلام ان کے اجمال میں ہیں (اور وہ مراد بھی نہیں)۔

تفسیر صوفیانہ:۔ اللہ تعالیٰ نے خواہش نفسانی کو گمراہی کی صفت پہ پیدا فرمایا ہے جو کہ حق کی مخالف ہے کیونکہ حق کی صفت ہدایت ہے یہی وجہ ہے کہ خلیفۂ الٰہی وہ ہوتا ہے جو طبیعت کے خلاف اور مخالفت امر نفس کرکے اللہ تعالیٰ کا راستہ بنائے۔ اللہ تعالیٰ ہادی ہے کہ وہ اپنے نور ذاتی اور اپنے امر کی موافقت سے اپنی ذات کا راستہ دکھاتا ہے تاکہ سالک اپنے نفس کی خواہش کے خلاف اور امر الٰہی کی موافقت کرکے اس کے راستہ پر چلے۔ اسی لیے مشائخ کرام نے فرمایا کہ اگر خواہش نفسانی نہ ہوتی تو راہِ حق پر سالک کو چلنا نصیب نہ ہوتا۔ یعنی ان کے خلاف کرکے ہی بندہ کا حق تک پہنچ سکتا ہے۔

مسئلہ:۔ انسان کا سب سے بڑا گناہ اور قبیح ترین خطا یہ ہے کہ وہ نفس کی خواہشات کی اتباع کرے۔

حدیث شریف:۔ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زمین پر مبغوض ترین کوئی معبود باطل نہیں سوائے خواہش نفسانی کے۔

حدیث شریف: تین چیزیں تباہ و برباد کرنے والی ہیں:
۱۔ بخل مطاع۔
۲۔ خواہش کی اتباع۔
۳۔ انسان کا اپنے اُوپر عجب میں مبتلا ہونا۔

فائدہ: اتباع نفس میں گمراہ کرنے کا جو کمال ہے کسی دوسری شے میں نہیں اور وہ یہ ہے جس کے تصوف کا انبیاء علیہما السلام میں بھی احتمال ہے جیسا کہ داؤد علیہ السلام کو فرمایا **ولا تتبع الھوی فیضلک عن سبیل اللہ** اور فرمایا **ان الذین یضلون** الخ ان آیات میں اشارہ ہے کہ اضطلال سے انقطاع عن **طالب الرب** مراد ہے جو طریق حق سے بہکا تو وہ قربِ الٰہی سے قطعیت اور حرمان میں مبتلا ہوا اور جوار حق سے دور پھینکا گیا جیسا کہ **بما نسوا یوم الحساب** میں اشارہ ہے کہ وہ ایسا دن ہے کہ ہر اہل حق کو اس کی ہدایت کے مطابق جزا دی جائے گی اور اہل باطل کو اس کی گمراہی کے موافق سزا ہوگی[1]۔

مسئلہ: آیت میں دلیل ہے کہ حاکم پر لازم ہے کہ حق کا فیصلہ کرے دو جھگڑا والوں میں سے کسی کی جانبداری نہ کرے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا: اے علی حق کا فیصلہ کرنا کیونکہ ہر غلط فیصلہ کے پیچھے جہنم کے ستر کُرتے ہوتے ہیں۔ اگر ان میں ایک پہاڑ کی چوٹی پر رکھا جائے تو پہاڑ راکھ ہو جائے۔

فائدہ: اس سے ثابت ہوا کہ افسری کتنا سخت کام ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام باوجود نبوت اور بڑا مرتبہ پانے کے کیسے سخت احکام کے ساتھ مخاطب کیے جارہے ہیں فرمایا **فاحکم بین الناس بالحق**۔ لوگوں کے درمیان حق کا فیصلہ کرنا۔ یعنی لوگوں کے درمیان طریق عدل بچھائیے اور عدل وانصاف کے راستہ پر چلئے اور حق سے سرمو نہ ہٹئے اور باطل اور خواہش نفسانی سے بچ کر رہیئے۔ حق کی مراد کو مدنظر رکھیئے۔ خواہش نفس کو مراد حق پر غالب نہ ہونے دیجیے ورنہ ہمارے راستوں سے دُور نکل جاؤ گے[2]۔

؎ نص قرآں شنو کہ حق فرمود
در مقام خطاب یا داود

---

[1] تاویلات نجمیہ ۱۲: رُوح البیان ص۲۳۔
[2] فوائد السلوک ۱۲ روح البیان ص۲۳ ج ۸

ترجمہ:۔ قرآن کی انس سن کر اللہ تعالیٰ نے فرمایا مقام خطاب ہیں یا داؤد۔

کہ ترا دان خلیفگی دادیم
سوئے خلقان ازاں فرستادیم

ترجمہ:۔ کہ تجھے اس لیے خلافت دی ہے کہ تم کو مخلوق کی طرف بھیجا ہے۔

تا دہی ملک راز عدل اساس
حکم رانی بعدل بین الناس

ترجمہ:۔ تاکہ ملک میں عدل کی بنیاد رکھو۔ لوگوں کے درمیان عدل سے ملک کو چلاؤ۔

ہر کرانہ ز عدل دستور ست
از مقامی خلیفگی دورست

ترجمہ:۔ جس کا عدل کا طریقہ نہیں وہ خلافت کے مقام سے دُور ہے۔

آنکہ گیر ستم ز دیو سبق
عدل چوں خواندش خلیفۂ حق

ترجمہ:۔ وہ جو شیطان سے ظلم کا سبق سیکھتا ہے اسے عدل کیسے خلیفۂ حق کا خطاب دے سکتا ہے۔

پیشہ کردہ خلاف فرمان را
گشتہ نائب مناب شیطان را

ترجمہ:۔ اس نے فرمان الٰہی کے خلاف کام کیا ہے وہ تو شیطان کے قائم مقام ہے۔

حق ز شاہان بغیر عدل نخواست
آسمان و زمین بعدل بپاست

ترجمہ:۔ اللہ نے بادشاہوں کے سوائے عدل کے اور کچھ نہیں چاہا آسمان وزمین عدل کیلئے قائم فرمایا ہے۔

شاہ باشد شبان خلق ہمہ
رمہ و گرگ آں رمہ ظلمہ

ترجمہ:۔ بادشاہ تو شب و روز نگران ہوتا ہے مخلوق ریوڑ ہے اور اس ریوڑ کا بھیڑیا ظالم لوگ ہیں۔

بہر آنست ھای ھوی شبان
تا بیابد رمہ ز گرگ بود

ترجمہ:۔ چرواہوں کا شور اسی لیے ہوتا ہے کہ ریوڑ بھیڑیوں کی دستبرد سے بچ جائے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ؕ ذٰلِكَ
ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ○ اَمْ
نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِى الْاَرْضِ ز
اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ○ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ
لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ○ وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ
سُلَيْمٰنَ ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ○ اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِىِّ
الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ○ فَقَالَ اِنِّىْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ
ذِكْرِ رَبِّىْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ○ رُدُّوْهَا عَلَىَّ ؕ فَطَفِقَ
مَسْحًا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ ○ وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا
عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ○ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِىْ
وَهَبْ لِىْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِىْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِىْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ
الْوَهَّابُ ○ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِىْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَيْثُ
اَصَابَ ○ وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ ○ وَّاٰخَرِيْنَ
مُقَرَّنِيْنَ فِى الْاَصْفَادِ ○ هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ
بِغَيْرِ حِسَابٍ ○ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ○

ترجمہ:۔ اور ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے بے کار نہ بنائے۔ یہ کافروں کا گمان ہے تو کافروں کی خرابی ہے آگ سے۔ کیا ہم انھیں جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے ان جیسا کردیں جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں۔ یا ہم پرہیزگاروں کو شریر بے حکموں کی برابر ٹھہرائیں۔ یہ ایک کتاب ہے کہ ہم نے تمھاری طرف اُتاری برکت والی تاکہ اس کی آیتوں کو سوچیں اور عقلمند نصیحت مانیں۔ اور ہم نے داؤد کو سلیمان عطا فرمایا۔ کیا اچھا بندہ بیشک وہ بہت رجوع لانے

والا۔ جبکہ اس پر پیش کیے گئے تیسرے پہر کو کہ رو کئے تو تین پاؤں پر کھڑے ہوں۔ چوتھے سم کا کنارہ زمین پر ٹکائے ہوئے اور چلائیے تو ہوا ہو جائیں تو سلیمان نے کہا مجھے ان گھوڑوں کی محبت پسند آئی ہے اپنے رب کی یاد کے لیے پھر انھیں چلانے کا حکم دیا یہاں تک کہ نگاہ سے پردے میں چھپ گئے۔ پھر حکم دیا کہ انھیں میرے پاس واپس لاؤ تو اُن کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگا اور بیشک ہم نے سلیمان کو جانچا اور اُسکے تخت پر ایک بے جان بدن ڈال دیا پھر رجوع لایا عرض کی اے میرے رب مجھے بخش دے اور مجھے ایسی سلطنت عطا کر کہ میرے بعد کسی کو لائق نہ ہو بیشک تو ہی بڑی دین والا۔ تو ہم نے اسکے بس میں کر دی کہ اس کے حکم سے نرم نرم چلتی جہاں وہ چاہتا اور دیو بس میں کر دیئے ہر معمار اور غوطہ خور اور دوسرے اور بیڑیوں میں جکڑے ہوئے۔ یہ ہماری عطا ہے اب تو چاہے تو احسان کر یا روک رکھ تجھ پر کچھ حساب نہیں اور بیشک اس کے لیے ہماری بارگاہ میں ضرور قرب اور اچھا ٹھکانہ ہے۔

بقیہ ص ۳۴۸

چون شبان سازگار گرگ بود
رمہ را آفت بزرگ بود

ترجمہ:۔ جب چرواہا بھیڑیئے کے موافق ہو تو ریوڑ کو بھیڑیئے سے سخت مصیبت پہنچتی ہے۔

ہر کرا دل بعدل شد مائل
طمع از مال خلق کو بگسل

ترجمہ:۔ جس کا دل عدل کی طرف مائل ہے اسے کہہ دو کہ وہ مخلوق کے مال سے دل کو توڑ دے۔

طمع و عدل آتش و آبند
ہر دو یکجا قرار کی یابند

ترجمہ:۔ طمع و عدل آگ اور پانی کی طرح ہیں دونوں یکجا قرار نہیں پا سکتے۔

ہر کرا از خلیفگی خدائی
نشود سیر نفس بد فرمای

ترجمہ:۔ جسے اللہ تعالیٰ کی خلافت نصیب ہے اس سے نفس بد کی سیر (پرٗی تکم) نہ ہو سکے گی۔

سیر مشکل شود ازان زدوسیم
کہ کشد کہ زبیوہ کہ زیتیم

ترجمہ:۔ اس کی زر و سیم سے سیر نہیں ہوتی وہ تو مال کھینچے گا نہ دیکھے گا بیوہ کا مال ہے نہ یتیم۔

اور اللہ تعالیٰ سے انفس و آفاق میں عدل اور اجرائے احکام شرعیہ و آداب طریقت علی الاطلاق کی

توفیق کا سوال ہے وہی محسن وخلاق ہے۔

تفسیر عالمانہ: وما خلقنا السماء والارض وما بینهما۔ اور ہم نے آسمان اور زمین اور اُن کے درمیان کی مخلوق کو نہیں پیدا کیا۔ باطلاً۔ بے کار مخلوق۔ اور جس میں کوئی فائدہ نہ ہو بلکہ اس لیے پیدا کیا ہے کہ اس پر علم وعمل اور آخرت اور اس میں جو حساب اور سزا وجزا ہو گی کا دار ومدار ہے اور دنیا اچھائی اور بُرائی سے خالی نہیں اور آسمان وزمین کی مخلوق آخرت کی راحت ورنج کو خبر دیتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ: آسمان وزمین اور ان کی مخلوق ایک آئینہ ہے جس سے ان اہل ایمان کو مشاہدہ نصیب ہوتا ہے جو نورالٰہی سے صفات جمال وجلال کے شواہد کو دیکھتے ہیں ؎

جہاں مرآت حسن شاہد ماست
فشاھد وجہہ فی کل ذرات

ترجمہ:۔ جہاں ہمارے محبوب کے حسن کا آئینہ ہے اے سالک پردہ میں اس کی ذات کا مشاہدہ کر۔

تفسیر عالمانہ: ذالك۔ اس مخلوق کی غایت جلیلہ اور حکمت باہرہ سے خالی ہونا۔ ظن الذین کفروا۔ صرف کفار مکہ کا گمان ہے باوجودیکہ ان کا عقیدہ تھا کہ خالق ہے لیکن ساتھ ہی یہ باطل عقیدہ بھی رکھتے تھے کہ پیدائش کی علت قیامت کی جزاؤسزا سمجھنا باطل ہے اس سے تو لازم ہوا کہ وہ معلول کو بھی باطل سمجھیں یعنی قیامت میں مرنے کے بعد اُٹھنا ہے اور یہی ان کا عقیدہ تھا۔ فویل جب ان کا یہی عقیدہ ہے تو پھر ہلاکت ہی ہلاکت ہے للذین کفروا ان کے لیے جو کافر ہیں۔ یہ ویلٌ کی خبر ہے۔

من النار۔ یہ من تعلیلیہ ہے۔ علقہ نار کا فائدہ دیتا ہے پہلے ان کے لیے ویل اشارۃً سنائی گئی اب صراحتہً بتایا گیا ہے یہ سب اُن کی بدگمانی کا نتیجہ ہے کہ وہ جہنم کے مستحق بنے ورنہ ان کے لیے ضروری تھا کہ حق کو حق اور باطل کو باطل سمجھیں اور یوم جزا کے زادِراہ کی ظاہراً و باطناً فکر کریں تاکہ وہ جہنم سے نجات اور چھٹکارا اور بہشت کی اعلیٰ نعمتوں اور دائمی لذتوں اور بلند و بالا درجات سے بہرہ ور ہوں۔

ام نجعل الذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت۔ اَم منقطعہ بمعنی بل اور ہمزہ انکار کا ہے۔ اب معنٰی یہ ہُوا کہ کیا ہم اہل ایمان نیکی والوں کو کالمفسدین فی الارض زمین کے فسادیوں کی طرح بنائیں جو کفر و معاصی میں مبتلا ہیں یعنی ہم ان دونوں کو برابر نہیں کر سکتے۔ اگر سزا وجزا اور مرنے کے بعد اُٹھنے کا

عقیدہ بقول کفار باطل ہوتا تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اچھے اور برے برابر ہوتے تو یہ سفاہت ہے اور اللہ تعالیٰ ایسی بری صفت سے منزہ و مقدس ہے جس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان میں نیکی والوں کے درجات بلند فرمائے گا اور کفار کو جہنم میں نیچے سے نیچے درجات میں گرائے گا۔

ام نجعل المتقین کالفجار۔ ہم ایمان دار اور نیک لوگوں کو کفار اور مفسدین کی طرح نہیں بنائیں گے کہ اہل ایمان اور نیک عمل والے ہماری صفت لطف و جمال کے اور کفار ہماری صفت قہر و جلال کے مظاہر ہیں۔ اسی طرح ہم اہل تقویٰ کو فاجروں کی طرح نہیں اٹھائیں گے۔

حل لغات: الفجر بمعنی لشق الشئ شقا واسعًا۔ کسی شے کو درازی میں چیرنا اور الفجور بمعنی دیانت کا راز چیرنا۔

فائدہ: پہلے اہل ایمان و اہل کفر کی برابری کا انکار کیا پھر اہل تقویٰ و اہل فجور کے درمیان تاکہ ہر گروہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے حسب مراتب بہرہ در ہو اور تہدید و وعید کے مقام کا تقاضا بھی یہی ہے۔

فائدہ: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انکار اول کا تکرار بوجہ دو دیگر اوصاف کے جو دونوں کی برابری حکیم و رحیم کے وقوع سے مانع ہیں۔

شان نزول: مروی ہے کہ کفار قریش مکہ نے اہل ایمان کو کہا کہ قیامت میں ہم تم سے بہتر انعامات دیئے جائیں گے ان کے رد میں یہ اشارہ نازل ہوا کہ ام نجعل الذین اٰمنوا الخ وہ کہا کرتے کہ اگر بفرض محال قیامت قائم بھی ہوئی تو بھی ہمیں کوئی فکر نہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ ان کے متعلق فرماتا ہے قالوا نحن اکثر اموالا و اولادًا۔ ہم مومنوں سے اموال و اولاد میں زیادہ ہیں ان کے رد میں اللہ تعالیٰ نے پہلے بھی فرما چکا کہ افنجعل المسلمین کالمجرمین۔ تو کیا ہم اہل اسلام کو مجرموں جیسا بنائیں گے یعنی کیا وہ آخرت کے ثواب میں برابر ہوں گے (نہیں ہرگز نہیں)

نکتہ: دنیا میں اللہ تعالیٰ نے مومن و کافر کو حظ دنیوی میں برابر بلکہ کافر کو وافر حصہ بخشا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں دنیا مکھی کے پر کے برابر کی حیثیت نہیں رکھتی اور آخرت میں صرف ان کو بہتر درجات نصیب ہوں گے جو دنیا میں بلندی چاہتے ہیں فساد نہیں ڈالتے یہی مومن مخلص اور اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندے ہیں اور دنیا میں انہیں اچھی سہولتیں نہ بخشنا بھی اس کی وسعت و رحمت کی دلیل ہے اس لیے کہ دنیا تنگ حویلی ہے اور آخرت بہت بڑی دار ہے۔ اسی لیے اہل ایمان کی جزا آخرت کو مؤخر کی گئی جب انسان خواہشات نفسانی چھوڑ کر ہدایت الٰہی کا دامن پکڑتا ہے اور فسق و فجور ترک کر کے تقویٰ حاصل کرتا ہے تو پوری اور مکمل جزا کا مستحق ہوگا۔

ربط: چونکہ قرآن مجید جمیع سعادات و خیرات کا سرچشمہ ہے اسی لیے پہلے اس کی تعریف فرمائی پھر اس کے نزول کی حکمت و مصلحت سے آگاہ فرمایا۔

کتاب۔ مبتدا محذوف کی خبر ہے اس سے قرآن مجید مراد ہے یعنی یہ کتاب ہے۔

انزلناہ الیك۔ کتاب کی صفت ہے۔ وہ جسے ہم نے آپ پر اُتاری۔

مبارك۔ مبتدا کی دوسری صفت ہے۔ یہ برکت والی ہے کہ دنیا و آخرت کے اس میں بہت بڑے فائدے ہیں اس کے لیے جو اس پر ایمان لائے اور اس کے احکام و حقائق و اشارات پر عمل کرے۔ برکت بمعنی کسی شے میں خیر الٰہی کا ثابت ہونا اور مبارک وہ ہے کہ جس میں خیر الٰہی ہو۔

لیدبروا آیاتہ۔ یہ انزلنا کے متعلق ہے دراصل لیتدبروا تھا تا کو دال میں ادغام کیا گیا ہے یعنی فکر سلیم کے ساتھ اس کے آیات میں غور و فکر کریں تاکہ انھیں معلوم ہو کہ اس میں کیسے معانی فائقہ اور تاویلات لائقہ پائے جاتے ہیں یا یہ معنیٰ ہے کہ اس کے معانی میں غور و فکر کریں کیونکہ تدبر بمعنی اُمور کے انجام پر نظر رکھنا اور تفکر بمعنی مطلوب کے حصول کے لیے اشیاء کے معانی میں دل کو متوجہ کرنا۔

و یتذکر اولوا الالباب۔ تاکہ اس سے وہ صاحبان عقول نصیحت کریں جن کے دل وہم کی ملاوٹ سے خالص ہیں۔

نکتہ: تدبر کا عموم علماء کے لیے اور تذکر کا خصوص عقلاء کے لیے اس لیے ہے کہ تدبر صرف فہم کا نام ہے اور تذکر میں اجلال و خشیت خاص کا اپنے اُوپر واقع کرنا یہ اکابر علماء کا خاصہ ہے۔

صوفیانہ معنیٰ: بعض صوفیہ کرام نے فرمایا کہ مطلوب کے مفقود ہونے کے وقت تفکر ہوتا ہے جبکہ صفات نفسانیہ کی وجہ سے قلب پر حجابات آجائیں اور تذکر رفع حجابات اور فطرت اولیٰ کی طرف رجوع کے وقت ہوتا ہے اس سے بندہ یاد کرتا ہے کہ اس کے نفس میں ازل میں توحید و معارف کے کیا کیا نقوش منقوش ہوئے۔

سبق: اس سے معلوم ہوا کہ کلام الٰہی سے مطلوب حقیقی تفکر و تذکر اور نصیحت حاصل کرنا ہے نہ کہ صرف اس کے الفاظ یاد کر لینا۔

ملفوظ حضرت شبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور حدیث شریف

حضرت شیخ شبلی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میں نے چار ہزار احادیث حفظ کر لیں لیکن میں نے ان میں صرف ایک حدیث شریف اختیار کی اور وہ ایسی حدیث ہے جس میں علم الاولین والآخرین درج ہیں وہ یہ کہ رسول

اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے بعض صحابہ سے فرمایا کہ دنیا میں اتنا کاروبار کرو جتنا تم نے ایہیں ٹھہرنا ہے اور آخرت کے لیے اتنا عمل جمع کرو جتنا دیر تم نے وہاں رہنا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اتنا عمل کرو جتنا تمہیں اس کی حاجت ہے اور دوزخ کے لیے اتنا کام کرو جتنا تم اس میں صبر سے وقت گزار سکتے ہو (یعنی جب اس میں وقت گزرنے کی تم طاقت نہیں رکھتے تو ایسے اعمال سے پرہیز کرو جو اس میں داخل ہونے کے سبب بنتے ہیں۔

فائدہ: بعض صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کی عادت تھی کہ قرآن مجید کی صرف بعض سورتیں پڑھنے پر اکتفا کر کے زیادہ پر ان پر عمل میں مشغول رہتے کیونکہ قرآن کے پڑھنے سے مقصد عمل ہے۔

حکایت: ایک شخص حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ آپ مجھے قرآن مجید کے آیات پڑھا دیں۔ آپ نے اسے ایک صحابی کے سپرد کیا اُنہوں نے اسے سورۂ زلزال پڑھائی جب وہ فمن یعمل الخ پر پہنچے تو کہا مجھے اتنا کافی ہے۔ اس کا یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا تو آپ نے فرمایا اسے چھوڑ دو اس نے خوب سمجھا۔

حکایت: حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک پتھر پر گزرا اس پر لکھا تھا۔ مجھے اُلٹ دیجیے اس میں تمہارا فائدہ ہے۔ میں نے اسے اُلٹا کیا تو اس پر لکھا پایا کہ جو کچھ تو نے پڑھا ہے اس پر تم عمل نہیں کرتے پھر جسے تم نہیں جانتے اس کے طلب کرنے کا کیا فائدہ۔

ملفوظ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا غلام اور بچے قرآن تو پڑھتے ہیں لیکن یہ نہیں جانتے کہ قرآن مجید کیا فرماتا ہے صرف الفاظ یاد کر لیتے ہیں لیکن اس کے حدود کو ضائع کر رہے ہیں یہاں تک کہ فخریہ طور کہتے ہیں بخدا میں نے تمام قرآن مجید ازبر کر لیا۔ ایک حرف بھی ضائع نہیں ہوا۔ میں کہتا ہوں بخدا اس نے سالم قرآن مجید ضائع کر ڈالا۔ اگر اس پر قرآن مجید کے اثرات نظر نہیں آتے نہ عادات میں نہ اعمال میں بخدا قرآن کے حروف یاد کرنا اور اس کے حدود کو ترک کرنا کچھ بھی نہیں۔ اکثر حکماء و حفاظ بلکہ اکثر لوگوں کا یہی حال ہے تو قرآن ظاہری الفاظ تک محدود رہنا ایسے ہے جیسے کسی کے پاس دودھ دینے والے جانور تو ہوں لیکن اُن سے دودھ حاصل نہیں کرتا یا اس کے پاس بچے دینے والی اونٹنیاں تو ہیں لیکن ان سے بچے حاصل نہیں کرتا۔

حدیث شریف: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان قاریوں (علماء سے) بچو جو اپنے علم و قرأۃ کے گھمنڈ میں ہیں بخدا یہ جابر دنیادار لوگوں سے کہیں زیادہ فخر و کبر میں مبتلا ہیں۔

حدیث شریف: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزدیک قاری (عالم) متکبر مبغوض ترین انسان سمجھا جاتا تھا۔

شرارتی قاری ومولوی: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دارالحزن سے پناہ مانگو کیونکہ اس کا دروازہ کھلتا ہے تو اس سے دوزخ ستر بار پناہ مانگتی ہے اور وہ ان قاریوں (مولویوں) کے لیے تیار کی گئی ہے جو ریاکار اور دنیا دار امراء (افیسران وغیرہ) کے ہاں آمدورفت رکھتے ہیں۔ حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ فرماتے ہیں بہت سے قرآن مجید پڑھنے والوں کو قرآن رسوائی کی طرف دھکیلتا ہے[1]۔

خواجہ را نیست جز تلاوت کار
لیکن آں طرد و لعنت آرد بار

ترجمہ: خواجہ کو تلاوت قرآن کے سوا اور کوئی کام نہیں لیکن اسے تلاوت سے لعنت و دھتکار نصیب ہوتی ہے۔

لعنت تست ایں کہ بہرہ لہجہ وصوت
سود از تو حضور خاطر فوت

ترجمہ: لعنت اس لیے کہ وہ لہجہ و آواز سے تو قرآن پڑھتا ہے لیکن حضور قلبی سے محروم ہے۔

نشود بر دل تو تابندہ
کیں کلام خداست یا بندہ

ترجمہ: تجھے ذرہ بھر بھی خیال نہیں آتا کہ تو کلام الٰہی کی تلاوت کر رہا ہے یا کسی انسان کا کلام پڑھ رہا ہے۔

لعنت تست ایں کہ سازدت بی بیم
روز شب با امیر و خواجہ ندیم

ترجمہ: تجھ پر لعنت اس لیے ہے کہ تو دنیا و دولت کے لالچ میں دنیا دار امراء کے ساتھ نشست و برخاست رکھتا ہے۔

خانہ شاں مزبلہ است و قرآں نور
دار ایں نور را ز مزبلہ دور

ترجمہ: تجھے معلوم نہیں کہ دنیاداروں کے گھر تو گندگی کا ڈھیر ہے اور قرآن نور ہے تجھے چاہیئے کہ اس نور کو گندگی کے ڈھیر سے دور کر۔

معنی لعن چیست مردودی
بمقامات بعد خشنودی

ترجمہ: اے مردود لعنت کا کیا مطلب ہے کہ تو ظاہری ٹھاٹھ اور حق سے دوری میں خوش ہے۔

---

[1] سلسلۃ الذہب ۱۲

ہر کہ ماند از خدا یک سرمو
آمد اندر مقام بعد فرد

ترجمہ:۔ جو بھی بال برابر اللہ تعالیٰ سے دور رہے وہ دوری کے مقام میں دھکیلا جاتا ہے۔

گرچہ ملعون نشد ز حق مطلق
ہست ملعون بقدر بعد از حق

ترجمہ:۔ اگر چہ وہ حق سے مطلقاً ملعون نہیں لیکن حق سے بقدر بُعد ملعون ضروری ہے۔

تفسیر عالمانہ:۔ ووھبنا لداؤد وسلیمان۔ ہم نے داؤد کو سلیمان (علیہما السلام) عطا فرمایا یعنی داؤد علیہ السلام کو سلیمان علیہ السلام جیسا فرزند بخشا۔

حل لغات:۔ کسی کو بطریق انعام کچھ بخشنے بخشانے کا نام ہبہ ہے۔ موہوب لہ، کے اعمال کے موافق عوض وجزا دینے کا نام ہبہ نہیں۔

فائدہ:۔ اس سے معلوم ہوا کہ داؤد علیہ السلام کو سلیمان علیہ السلام کا عطیہ نعمت تامہ تھی کیونکہ خلافتِ الٰہیہ بظاہر داؤد علیہ السلام پر مکمل ہوئی لیکن اکملیتہ کا ظہور سلیمان علیہ السلام میں ہوا ایسے ہی نیک عمل والوں کو بھی جو آثار لطف ورحمت اللہ کی طرف سے نصیب ہوتے ہیں وہ بھی ایک قسم کے خلاف ہی ہے۔

فائدہ:۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اولاد بھی عطیات الٰہیہ سے ہے دلیل میں یہ آیت پڑھی کہ یہب لمن یشاء اناثا ویہب لمن یشاء الذکور۔ وہ چاہے جسے بچیاں عطا فرمائے اور جسے چاہے بچے عطا فرمائے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا وصال (وفات):۔ مروی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک سو سال زندگی بسر فرمائی۔ ہفتہ کے دن آپ کا وصال ہوا اور ان کے لیے ہفتہ ایسے متبرک تھا جیسے ہمارے لیے جمعہ۔ جب آپ کی موت کا وقت قریب آیا تو آپ عبادت خانہ کے اُوپر سے نیچے اُتر رہے تھے۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کی میں آپ کی رُوح قبض کرنے آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا مجھے مہلت دیں تاکہ میں نیچے اُتر کر پھر اُوپر جاؤں۔ عرض کی یہ میرے بس میں نہیں آپ کی مقرر کردہ گھڑیاں۔ مہینے۔ سال۔ ہفتے اور رزق کے دانے ختم ہوگئے اس سے بڑھ کر آگے آپ کو اجازت نہیں اسی جگہ پہ آپ سجدہ میں گر گئے۔ سیڑھیوں کے ایک پایہ پر آپ کی رُوح قبض کی گئی۔

مسئلہ:۔ اچانک کی موت نیک بختوں کے لیے رحمت وتخفیف اور نرمی ہے کیونکہ وہ دنیوی اُمور سے

بالکل فارغ اور موت کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں اسی لیے نہ انھیں وصیت کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ تجدید توبہ اور رد مظالم وغیرہ کی۔ بخلاف عاصیوں کے یہی وجہ ہے کہ فساق کے لیے اچانک کی موت غضب الٰہی کے آثار سمجھی جاتی ہے۔

فائدہ: حضرت داؤد علیہ السلام نے اُس وقت سلیمان علیہ السلام کو خلافت کی وصیّت فرمائی۔

نعم العبد ۔ سلیمان علیہ السلام اچھے بندے تھے اس لیے کہ وہ خلافت کی بہترین صلاحیت رکھتے تھے اور نوع انسانی میں باکمال شخصیت تھے اور یہ نبوت و خلافت کا مقام ہے۔ بعض نے فرمایا کہ عبودیت موارد ربوبیت سے نزول اور صفات الوہیت کے تحت خمول کا نام ہے۔

انّہ اوّاب ۔ بیشک وہ بلا علّت دنیویہ و اخرویہ باخلاص عبودیت کے ساتھ حضرت ربوبیت کی طرف بہت زیادہ رجوع کرنے والے تھے یا یہ معنیٰ ہے کہ وہ جمیع احوال میں نعمت سے شکر کے ساتھ اور دکھ میں صبر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف بہت زیادہ راجع تھے بظاہر تو ملک و ملکوت کو چلاتے تو بباطن فقر و فاقہ سے زندگی بسر کرتے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی عجیب تمنّا

ایک دفعہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے عرض کی بار الٰہ جیسے تو نے جنّ و انس اور وحوش و طیور میرے تابع فرمان کیے۔ کیا اچھا ہوتا اگر ابلیس کو بھی میرا فرمانبردار بنا دیتا تاکہ میں اسے اپنے شکنجہ میں جکڑ دیتا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ایسا نہ کہو اس میں مصلحت ہے۔ سلیمان علیہ السلام نے عرض کی اے اِلٰہ العالمین دو دن تو میرے عرض کے مطابق اسے میرے قبضہ میں دے دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہو گیا۔ اس کے بعد سلیمان علیہ السلام نے ابلیس کو قید میں ڈال دیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی معاش اپنے ہاتھ کی کمائی پر تھی اگرچہ ملک و مملکت کے مالک تھے لیکن روزانہ ایک زنبیل بنتے اور اسے بازار میں فروخت کرکے گزارہ کرتے اور وہ بھی مسجد کے درویشوں کے ساتھ بیٹھ کر کھاتے اور فرماتے مسکین ہوا اور مسکینوں کے ساتھ بیٹھ ؎

یک گدا بود سلیمان بعصاؤ زنبیل
یافت از لطف تو آن حشمت و ملک آرائی

ترجمہ: سلیمان ایک گدا تھا جس کے ہاتھ میں ڈنڈا اور جھولا تھا لیکن تیرے لطف و کرم و دبدبہ اور ملک آرائی کی دولت پائی (جو کسی کو نصیب نہ ہوئی)۔

جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے ابلیس کو قید میں ڈالا تو اسی دن زنبیل بن کر بازار میں بیچنے کے لیے بھیجا لیکن سارا دن گزر گیا کسی نے نہ خریدا کیونکہ اسی روز تجارتی کاروبار دور معاملات ٹھپ ہو گئے لوگ سب کے سب عبادت میں مشغول ہو گئے۔ اسی دن نہ جھولا بکا نہ سلیمان علیہ السلام کو کھانا بھوک میں وقت گزار دیا۔ دوسرے دن بھی وہی حال رہا۔ سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی یا اللہ دوسرا روز بھوک سے جا رہا ہے نہ زنبیل بکتی ہے نہ کھانا خرید سکتا ہوں۔ اب کیا عرض کروں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے سلیمان! تم نے تو بازاریوں کے لیڈر کو قید میں ڈال دیا اس طرح سے معاملات نہیں چلیں گے اور نہ ہی خلق خدا کی ضروریات پوری ہوں گی۔ ابلیس تو دنیا کا معمار ہے اور اہلِ دنیا کے مال و اولاد کا شریک و سہیم۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وشارکھم فی الاموال والاولاد[۱]۔ ان کے مال و اولاد میں شریک بنا۔

سبق: اس حکایت سے معلوم ہوا کہ سلیمان علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ کے ہاں کتنا مقام تھا نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ ملک و مال سے کتنا مستغنی تھا باوجودیکہ شہنشاہ تھے بلکہ عملاً بالکل فقر و فاقہ کی تصویر تھے۔

> ؎ چو ہر ساعت از تو بجائے رود دل
> بہ تنہائی اندر صفائی نہ بینی

ترجمہ: جب تمہارا دل تمہارے ہاتھوں میں نہیں تو تنہائی میں بھی دل کو صاف نہ پاؤ گے۔

> ورت مال و جاہ ہست و زرع و تجارت
> چو دل باخدا است خلوت نشینی

ترجمہ: اگر تم مال وجاہ اور زراعت و تجارت میں سر تا پا غرق ہو جب دل کا لگاؤ اللہ تعالیٰ سے ہے تو حقیقی طور تم خلوت نشین ہو۔

تفسیر عالمانہ:

اذ عرض علیہ۔ یاد کیجئے جب ان پر پیش کیے گئے تو ان سے کیا صادر ہوا۔

حل لغات: اہل عرب کہتے ہیں عرض لہ امر کذا بمعنی ظھر۔ ظاہر ہوا اور کہتے ہیں عرضتہ لہ۔ میں نے اسے ظاہر کیا اور کہا جاتا ہے عرض الجھند۔ لشکر پیش ہوا جب اس نے انہیں حکم دیا کہ اس کے سامنے ظاہر ہوں اور دیکھا کہ ان کا کیا حال ہے۔

بالعشی۔ شام کے وقت۔

---

[۱] پ ۱۵ س بنی اسرائیل ع ۱۲۔

حل لغات:۔ العشی۔ ظہرسے دن کے آخری وقت تک کو کہا جاتا ہے۔
الصافنات ۔ عرض کی وجہ سے مرفوع یعنی نائب فاعل ہے۔

حل لغات:۔ صافنات صافن کی جمع ہے نہ کہ صافنۃ کی کیونکہ نر گھوڑوں کی جمع ہے اور مذکر لا یعقل کی جمع اسی طرح آتی ہے اور قاعدہ کلیہ یونہی ہے جیسے اس کا علم نحو میں مفصل ذکر ہے۔

الصفن بمعنی دو چیزوں کو ایک دوسری کے ساتھ ملا کر جمع کرنا کہا جاتا ہے۔

صفن الفرس قوائمہ:۔ گھوڑا تین پاؤں پر جب کھڑا ہو یعنی عبارت بولتے ہیں جبکہ وہ چوتھے کو ٹیڑھا کرکے کھڑا رکھے۔ یعنی کسی ایک کھر کو اٹھا کر کے ہاتھ پاؤں کے سم کے کونہ پر زور لگا کر کھڑا ہو۔

سنبك۔ بمعنی کھر کا اگلا کنارہ اور گھوڑے ہیں یہ اعلیٰ صفت سمجھی جاتی ہے اور یہ صرف اور صرف خالص عربی گھوڑے میں ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ وہ گھوڑے تین پاؤں کو زمین پر رکھ کر چوتھے پاؤں کے سم کا کنارہ لگا کر کھڑے تھے۔

الجیاد۔

حل لغات:۔ جود و جواد کی جمع ہے۔ الجواد۔ وہ گھوڑا جو چلنے میں تیز ہوا سے تیز بارش سے تشبیہہ دے کر اسی اسم سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ عربی اچھے رنگ اور بہترین قدوقامت اور تیز رفتار گھوڑے۔

الجواد۔ بمعنی سخی مرد یا عورت۔ اس کی جمع اجواد آتی ہے اور جیّد ردی کی نقیض ہے اس کی جمع جیاد آتی ہے۔ بعض نے کہا کہ الجواد وہ گھوڑا جو دوڑنے کے وقت تیزی دکھائے[1]۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جیاد بمعنی وہ گھوڑے جو تیز دوڑنے میں ایک دوسرے سے سبقت کریں اور جب تنہا چلیں تو بھی تیز رفتار ہوں لیکن نرم نرم۔

فائدہ:۔ مروی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے دمشق اور نصیبین کو فتح کیا تو ایک ہزار عربی نسل گھوڑے غنیمت میں حاصل ہوئے۔

فائدہ:۔ دمشق و نصیبین دیار ربیعہ کے قاعدہ ہیں۔ بعض نے کہا کہ یہ گھوڑے آپ کو والد گرامی حضرت

---

[1] قاموس۔

داؤد علیہ السلام کی وراثت میں ملے لیکن یہ اُس وقت ہے جب حدیث نحن معاشر الانبیاء لا نورث ماترکناہ فھو صدقۃ ۔ ہم انبیاء (علیٰ نبینا وعلیہم السلام) کی وراثت کا اجراء نہیں ہوتا۔ ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہے)۔ کو عام نہ رکھا جائے اگر اپنے عموم پر ہے تو ثبوت ولایت تصرف میں بوجہ علاقہ مشابہت استعارہ پر محمول ہوگا اس لیے کہ سلیمان علیہ السلام کو اپنے والد گرامی کے متروکہ مال (جو اُنہوں نے بیت المال میں چھوڑا جیسے زرہیں وغیرہ) پر تصرف کرنے کا ایسا حق حاصل تھا جیسے ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے متروکہ پر خلفاء (رضی اللہ عنہم) کو تصرف کا حق تھا اسی لیے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو مال نفیر اور فدک نہ دیا جنہیں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ظاہری زندگی مبارکہ میں اپنی ازواج مطہرات و فقراء و مساکین وغیرہ پر خرچ کرتے کیونکہ وہ تاحیات آپ کے حق میں زندگی بسر کرنے پر مامور تھیں۔ پھر وہ آپ کے خلیفہ کے تصرف میں آ گیا کیونکہ وہ آپ کا نائب اور قائم مقام تھا۔ اس سے جو بچ جاتا وہ عوام پر خرچ کیا جاتا۔ آپ کے پاس ایسا کوئی مال نہ تھا جسے آپ کا ترکہ کہا جاتا اور پھر اس کی تقسیم ہو۔

اعجوبہ: بعض نے کہا کہ سلیمان کے یہ دریائی گھوڑے تھے جن کے پر بھی تھے اور انہیں جنات دریا سے نکال کر سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیے۔ (اس کی مزید تائید آئے گی)

واقعہ: بہرصورت حضرت سلیمان علیہ السلام ظہر کی نماز پڑھ کر بیٹھ گئے چونکہ آپ کا جہاد کا ارادہ تھا اسی لیے فرمایا کہ جہاد کے گھوڑے میرے سامنے لاؤ۔ حکم کے مطابق گھوڑے آپ کے سامنے باری باری لاتے گئے۔ آپ ان کو دیکھ کر خوش ہوتے اور ان کے حسن پر تعجب کرتے۔ اس کارروائی نے طول پکڑا یہاں تک کہ عصر کی نماز قضا ہو گئی اور سورج ڈوب گیا اور یہ نماز آپ کی شریعت میں فرض تھی نیز آپ سے وہ اوراد و وظائف بھی چھوٹ گئے۔ جو آپ کے معمولات میں سے تھے اور حاضر باش لوگوں نے بھی آپ کی ہیبت سے نماز کی یاد دہانی نہ کرائی اس پر آپ مغموم ہوئے کہ نماز بھی گئی اور اوراد و وظائف بھی نہ پڑھے۔ اگرچہ یہ سہو و نسیان تھا (لیکن انبیاء علیہم السلام) مقرب حق ہوتے ہیں اسی لیے مغموم ہونا لازمی امر تھا۔ آپ نے فرمایا وہ گھوڑے دوبارہ میرے ہاں لائے جائیں۔ چنانچہ جب لائے گئے تو محض اللہ تعالیٰ کے قریب حاضر کرکے ارادہ پر سب کو ذبح کر ڈالا۔ اور ان کی شریعت میں تقرب کا ذریعہ بھی تھا اس لیے آپ کے اس فعل سے آپ پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا یا یہ کہ ان کو ایسا کرنا مباح تھا اور یہ آپ نے اس لیے کیا تاکہ مال دنیا کی اہانت کا اظہار ہو کہ وہ فرائض الٰہی کے بالمقابل کوئی حیثیت نہیں رکھتا ہے حضرت ابو اللیث رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح فرمایا۔

۱؎ کشف الاسرار ۱۲ ؎

اس سے وہ وہم دُور ہوُا جو کہا جاتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے خواہ مخواہ حیوان بے زبان
انہ الله وہم" کو مار ڈالا۔

نکتہ: فقیر (صاحب رُوح البیان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہے کہ گھوڑوں کے ذبح کر ڈالنے میں راز یہ
تھا کہ چونکہ قضائے نماز کے موجب وہی بنے تھے اسی لیے کفارہ کے لائق بھی انہیں ہونا چاہیئے۔

بعض نے فرمایا کہ عقر سے ذبح مراد ہے تو سوق کی تقدیم محض آیات کے فاصلہ کی وجہ سے ہے بہر حال
فائدہ: گھوڑوں کو ذبح کر کے گوشت تقسیم فرما دیا اور اُس وقت گھوڑا حلال تھا اور انہیں خود خیرات کے طور تقسیم
فرمانے کی وجہ یہ ہوگی کہ اُس وقت کا تقاضا اور مصلحت یونہی تھی۔ خلاصہ یہ کہ سلیمان علیہ السلام نے نوسو گھوڑے ذبح
کر ڈالے ان میں ایک سو گھوڑا بچ گیا کیونکہ یہ پیش نہیں کیے گئے تھے۔ اسی لیے کفارہ سے بچ گئے۔ اب جو عربی النسل
گھوڑ [illegible] یہ انہی کی نسل سے ہیں۔ یہ اس کی تائید ہوتی ہے جو ہم پہلے کہہ آئے ہیں کہ یہ وہ گھوڑے تھے
[illegible] علیہ السلام کے لیے دریاؤں سے نکال کر لائے تھے اگر عام جنگی گھوڑوں سے ہوتے تو عربی النسل گھوڑوں
کا ان کی نسل سے ہونا لازم نہ آتا کیونکہ اُس وقت بھی اور گھوڑے موجود تھے نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ یہ
گھوڑے سلیمان علیہ السلام کے پاس باپ کی میراث میں سے بطور امانت تھے۔ اگر صاف امانت کے طور
آپ کے پاس ہوتے تو ان کا ذبح جائز نہ ہوتا کیونکہ امانت کا ذبح جائز نہیں ہوتا۔

فقال انی احببت حب الخیر عن ذکر ربی ۔ تو کہا میں نے ذکر ربی کے عوض میں جب
خیر کو اچھا سمجھا۔ سلیمان علیہ السلام نے یہ غروب شمس کے وقت کہا اس کا اعتراف فرمایا کہ میری نماز قضا ہو گئی اور
میں ان کے دیکھنے میں مشغول رہا۔ اس سے آپ کو ندامت ہوئی اور یہ کلمات آنے والے مضمون کی تمہید بھی ہیں
کہ آپ نے فرمایا انہیں میرے ہاں دوبارہ لاؤ پھر ذبح کرنے کا حکم فرمایا اور فاء تعقیبیہ عرض مستمر کے اواخر کے
اعتبار سے ہے جیسا کہ اس کی ابتداء اور تاکید دلالت کرتی ہے کہ آپ کا یہ اعتراف و ندامت صمیم قلب سے
تھا یہ خبر کے مضمون کی تحقیق کے لیے نہیں۔

قاعدہ: **احببت** کا قاعدہ ہے کہ اس کا صلہ لفظ علیٰ سے ہو یعنی متعدی بعلیٰ ہو کیونکہ یہ 'اثَرتُ' کے
معنیٰ میں ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے قول **فاستحبوا العمی علی الهدی** (تو انہوں نے ہدایت
کے عوض گمراہی کو پسند کیا) میں ہے کیونکہ جو بھی کسی شے سے محبت کرتا ہے تو اس کی پسندیدگی کی وجہ سے لیکن
چونکہ **اَنَبتُ** کے قائم مقام اور اسی کے معنیٰ کو متضمن ہے اسی لیے عَنْ سے متعدی ہوا۔ اور **حب الخیر**
اس کا مفعول ہے یعنی **اَنَبتُ** کا مفعول بہ ہے جبکہ وہ ذکر کے معنیٰ کے قائم مقام ہے اور ذکر بمعنی اطلاع ہے
یعنی سلیمان علیہ السلام کا گھوڑے کے احوال سے آگاہ ہونا اس سے گھوڑوں کی محبت مراد نہیں۔ ہاں یہ بھی ہو سکتا

ہے کہ یہاں سب خیل ہی مراد ہے تاکہ دلالت ہو کہ آپ کو گھوڑوں سے محبت تھی۔ اس سے یہ وہم نہ ہو کہ گھوڑوں سے محبت شدید تھی تو پھر انہیں چاہتے بھی نہیں۔ اس کا جواب ظاہر ہے کہ انسان بہت سی چیزوں سے محبت کرتا ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی چاہتا ہے کہ ان سے محبت نہ کرے مثلاً مریض بہت سی ضرر رساں چیزوں سے محبت کرتا ہے لیکن مرض کے بڑھ جانے کے خطرہ سے انہیں چاہتا بھی نہیں اسی لیے یہ مقولہ ضرب المثل بن گیا کہ کسی سے پوچھا گیا ماتشتہی۔ تو کیا چاہتا ہے تو اس نے جواب دیا اشتہی ان لا اشتہی۔ ایسی شے کی خواہش رکھتا ہوں کہ اس کی خواہش نہ کروں تو بہتر ہے۔ اور پھر وہ شے کہ جس سے محبت ہو اور چاہے کہ اس سے محبت کرے تو وہ شدید محبت کی دلیل ہے اور الخیر بمعنی کثیر مال یہاں وہ گھوڑے مراد ہیں جنہوں نے سلیمان علیہ السلام کو نماز سے باز رکھا اور وہ بھی ایک مال ہے اور انھیں خیر بھی اس لیے کہا گیا کہ وہ گویا عین خیر بھلائی ہیں اور خیر کا ان سے تعلق ہے۔[1]

حدیث شریف میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا الخیر یعنی اجر وغنیمت قیامت تک گھوڑوں کی پیشانیوں سے باندھی گئی۔ اور الذکر سے نماز عصر مراد ہے جیسا کہ قرآن مجید کے لفظ عَشِیّ سے معلوم ہوتا ہے اور نماز کو ذکر سے اس لیے تعبیر کیا جاتا ہے وہ ذکر سے پُر ہے یا کوئی خاص درود وظیفہ مراد ہے جو اس وقت سلیمان علیہ السلام کا معمول تھا۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ میں نے ذکر ربی کے بدلہ میں گھوڑوں کی محبت کو نائب بنایا اور اس کے بدلہ میں یہی پیش کیے کیونکہ میرے جیسے کے لیے یہی لائق ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے محبت کرے اور اس میں مشغول رہے اور اس کی اطاعت میں زندگی بسر کرے۔

حتی توارت بالحجاب۔ یہاں تک حجاب میں چھپ گیا۔

حل لغات:۔ التواری بمعنی استتار۔

سوال:۔ شمس کا ذکر نہیں لیکن اس کی ضمیر توارت میں تاریکیوں میں لائی گئی ہے۔

جواب:۔ جب قرینہ موجود ہو تو شے کا عدم ذکر اضمار کو مانع نہیں۔ یہاں عَشِیّ مذکور ہوا جو سورج کے وجود کو مستلزم ہے کیونکہ شام کے وقت چھپ جانا اس کے سوا اور کون ہو سکتا ہے۔ یہاں حجاب سے سورج کا ڈوبنا اور غروب کرنا مراد ہے[2] اور حتیٰ۔ احببت کے متعلق ہے اور محبت کی غایت ہے کہ جس میں استمرار و دوام کا احتمال ہے کہ جب تک عرض دگھوڑوں کا

---

[1] کشف الاسرار۔ [2] المفردات ۱۲۔

پیش ہونا) ہوتا رہے گا ان کی محبت بھی ساتھ رہے گی۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ میں نے ذکر ربی کے عوض میں گھوڑوں کی محبت کو نائب بنایا اور یہ دائمی رہا یہاں سورج ڈوب گیا اور سورج کے غروب کو حجاب سے تعبیر کرکے اس نوجوان عورت سے تشبیہ دی گئی ہے جو اپنے خیمہ میں چلی جائے یعنی خیمہ میں اپنا چہرہ وغیرہ چھپا دے بعض نے کہا کہ توارت کا فاعل صافات ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ گھوڑے رات کی تاریکی میں چھپ گئے کیونکہ رات کی تاریکی ہر شے کو چھپا لیتی ہے۔

ردّوھا علیّ۔ یہ سلیمان علیہ السلام کے مقالہ کا تتمہ اور غرض و غایت کا مرکز ہے اور خطاب اپنے لشکر کے اہل عرض کو ہے یعنی وہ جو گھوڑے پیش کرتے رہے یعنی اب گھوڑے دوبارہ لاؤ۔

فطفق مسحا بالسوق والاعناق۔ پس شروع ہوئے ہاتھ لگانے پنڈلیوں اور گردنوں پر۔

فاء فصیحہ اس جملہ کے مضمون کے مقصد کو ظاہر کر رہی ہے جو محذوف ہے اور اسے دلالت حال پر بھروسہ کرکے بھروسہ کیا گیا ہے اور خبر دینا ہے کہ تعمیل حکم میں کسی قسم کی تاخیر نہ ہوئی اور طفق ان افعال مقاربہ سے ہے جو دلالت کرتے ہیں کہ ان کے فاعل مضمون خبر کے فعل کے عمل میں شروع ہیں بمعنی اخذ و شرع کے اور ان کی خبریں اکثر فعل مضارع ہوتی ہیں۔

مسحًا کی نصب علی المصدریۃ ہے اس کا فعل محذوف ہے یعنی طفق خبر اور المسح

حل لغات: بمعنی کسی شے پر ہاتھ کا پھیرنا۔ جمہور مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں مسح بمعنی کاٹنا ہے جیسے کہا جاتا ہے مسح علاوۃ بمعنی ضرب عنقہ (اس کی گردن اڑا دی) العلاوۃ بالکسر سر کا اوپر کا حصہ یا بمعنی گردن۔ اور اہل عرب کہتے ہیں مسحتہ بالسیف اس سے بھی گردن اڑانا مراد ہے[2]

السوق ساق کی جمع ہے دور کی طرح جو دار کی جمع ہے۔ ساق ہر وہ جگہ جو گٹھوں کے مابین ہے کعب ہاتھوں یا پاؤں میں ہوتا ہے۔

الاعناق عنق کی جمع ہے بمعنی گردن اور پاؤں۔

وامسحوا برؤسکم۔ کی بار کی طرح زائدہ ہے کیونکہ مسحتہ راسہ ومسحت براسہ کا ایک معنی ہے۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ گھوڑوں کو میرے ہاں واپس لاؤ۔ جب لائے گئے تو آپ تلوار سے ان کی پنڈلیاں اور گردنیں اڑاتے گئے یا یہ کہ آپ اور آپ کے خدام گھوڑوں

---

[1] المفردات ۱۲

[2] میں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا

پنڈلیاں اور پاؤں کاٹتے رہے یا یہ کہ آپ اور آپ کے ساتھی بعض کی گردنیں اُڑاتے گئے اور بعض کی پنڈلیاں اور پاؤں کاٹتے رہے تاکہ ان کی محبت کا علاقہ ٹوٹے اور وہ حجاب جو اُن کے درمیان حائل تھا ہوا ہے ہٹ جائے۔ ترک و تجرید کے ساتھ استغفار و انابت الی اللہ کرتے رہے۔

تفسیر صوفیانہ: آیت میں اشارہ ہے کہ غیر اللہ کی محبت اللہ تعالیٰ سے دُور کر دیتی ہے اور حجاب کا سبب ہے ہر وہ شے کہ جس نے کتنا ہی محبت ہو اگر وہ اللہ تعالیٰ سے مشغول رکھے۔ اگرچہ پل بھر بھی اس سے حجاب کا سبب بنے تو لازم ہے کہ لا الٰہ الا اللّٰہ کی تلوار سے اس کی گردن اُڑا کر لے جائے ؂

لا نہنگیست کائنات آشام
عرش تا فرش در کشیدہ بکام

ترجمہ: لا مخوس مخلوق کے لیے مگرمچھ کی طرح ہے جس نے عرش تا فرش منہ کھول رکھا ہے۔

ہر کجا کردہ آن نہنگ آہنگ
از من و ما نہ بوی ماندونہ رنگ

ترجمہ: مگرمچھ جہاں کا ارادہ کرتا ہے تو وہاں من و ما کی بُو بھی باقی نہیں رہتی۔

فائدہ: امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں گھوڑے پالنا اور گھروں میں رکھنا جائز تھا جیسے ہماری شریعت میں جواز ہے اسی لیے وہ کرسی نشین ہو کر جنگی گھوڑوں کو حاضر کرنے کا حکم فرماتے وہ گھوڑے آپ کے سامنے دوڑائے جاتے اسی لیے فرماتے کہ یہ گھوڑ دوڑ نہ میں حظ نفسانی کے لیے ادا کرتا ہوں اور نہ ہی کوئی دنیوی منفعت مطلوب ہے صرف رضائے الٰہی اور حکم خداوندی کے لیے اور دین کی تقویت کے پیش نظر ہے چنانچہ آپ کے ارشاد **عن ذکر ربی** سے بھی تائید ہوتی ہے۔ گھوڑ دوڑ میں سورج ڈوب گیا کیونکہ جہاں گھوڑ دوڑ ہو رہی تھی وہ ایک وسیع اور گول میدان تھا جس میں گھوڑے دوڑنے میں ایک دوسرے سے سبقت لے رہے تھے یہاں تک کہ سورج چھپ گیا اور آپ کی آنکھوں سے بالکل اوجھل ہو گیا۔ اس کے بعد آپ نے گھوڑوں کے سنوارنے والوں سے فرمایا۔ گھوڑے میرے سامنے لاؤ۔ جب آئے تو آپ ان کی پنڈلیوں اور گردن پر ہاتھ پھیرتے اور ران کی رسیاں اپنے ہاتھ سے ان کے گلے میں ڈالتے گویا یہ گھوڑوں کے اعزاز میں اور اظہارِ عظمت میں تھا کہ یہ قہر اعدائے الٰہی کے لیے آپ کے لیے بہت بڑے معاون اور دین پر مددگار ہیں۔ یہی زہری اور ابن کیسان کا قول ہے اور یہ بے غبار بھی ہے اس لیے کہ اس میں کوئی بری بات

سلیمان علیہ السلام کی طرف منسوب نہیں کرنی پڑتی۔ عقل والوں کو یہی قول زیادہ مقبول ہے۔

فتوحاتِ مکیہ کی بہترین تقریر و توجیہ

آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ احببت حب الخیر عن ذکر ربی۔ میں حب الخیر سے خیریت مراد ہے یعنی میں نے اسے اسی لیے محبوب رکھا اور خیر سے بہترین گھوڑے مراد ہیں۔

مسحًا بالسوق کا مطلب یہ ہے کہ آپ خوشی و فرحت سے گھوڑوں کی گردنوں اور پنڈلیوں پر ہاتھ پھیرتے کر یہ رب تعالیٰ کی خیر ہیں۔ آپ دنیوی سامان کی حیثیت سے مسرور و مفروح نہیں ہو رہے تھے اسی لیے کہ انبیاء علیٰ نبینا و علیہم السلام اس سے منزہ ہوتے ہیں۔ اس کی مثال ایوب علیہ السلام ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاں سونے کی ٹڈیاں بھیجیں تو انھیں جھولی میں ڈال رہے تھے یا اللہ تیری برکت سے ہم مستغنی نہیں ایسے ہی سلیمان علیہ السلام کا محبت کرنا بھی اسی لیے تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی محبوب ترین چیزیں ہیں اور اس کی ہر محبوب شے ہمارے لیے محبوب ترین ہے۔ اسی لیے آپ اس کے شوق میں مشغول رہے یہاں تک کہ وہ گھوڑے چھپ گئے اس لیے کہ وہ ایک ایسی جگہ پہ چلے گئے جو آپ سے دور تھی تو فرمایا انھیں واپس لاؤ۔

تردید منکرین عصمت انبیاء: آیت میں ان مفسرین کی کوئی دلیل نہیں جو کہتے ہیں کہ توارت کا فاعل الشمس ہے کیونکہ یہاں سورج کا ذکر ہے نہ نماز کا یہ صرف ان کا اپنا گمان (یا اسرائیلیات کی نقل پر بھروسہ) ہے ورنہ آیت کے سیاق و سباق سے اس کے متعلق کوئی بھی اشارہ نہیں ہے۔[1]

معجزہ سلیمانی ردّ الشمس: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام کو جہاد کے گھوڑے پیش کیے جاتے وقت ان کے معائنہ میں مشغول ہوئے تو سورج ڈوب گیا تو آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ملائکہ موکلین کو فرمایا کہ سورج کو عصر کے وقت کی جگہ پر لاؤ تاکہ میں عصر کی نماز پڑھ لوں چنانچہ سورج واپس لوٹ آیا۔ یہ بھی سلیمان علیہ السلام کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے۔

ہوا تابع حکم سلیمانی: حضرت سلیمان علیہ السلام نے راہِ خدا میں گھوڑے قربان کر دیئے اور دنیا کی آسائش و زیبائش سے دل برداشتہ ہو کر عبادت الٰہی میں مشغول

---

[1] فتوحاتِ مکیہ۔

ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں اس کے بدلے میں گھوڑوں کی سواری سے اس غم کے سبب سے جو آپ کو ترک صلوٰۃ عصر سے لاحق ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے سورج کے فرشتے کو حکم فرمایا کہ سورج کو سلیمان علیہ السلام کے لیے واپس لوٹائے تاکہ وہ عصر کی نماز وقت پر ادا کر سکیں۔

ردالشمس معجزہ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

جیسے سلیمان علیہ السلام کے لیے سورج کا لوٹنا ان کا معجزہ ہے ایسے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لیے اسی امت میں ان کی کرامت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے معجزہ کی حیثیت سے سورج لوٹا مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آرام و استراحت کے لیے سر مبارک سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی گود میں رکھا اور سو گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عصر کی نماز نہیں پڑھی تھی اور یہ بھی نہ چاہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے آرام میں خلل واقع ہو چونکہ آپ بہت بڑے علم والے تھے سمجھا کہ نماز بھی طاعتِ الٰہی ہے اور رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت بھی بعینہٖ طاعتِ حق ہے اسی لیے نماز جاتی ہے تو جانے دو۔ اس پر سورج غروب ہو گیا۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خواب سے بیدار ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی حضور میں عصر کی نماز نہیں پڑھ سکا۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیوں؟ عرض کی حضور میں نہیں چاہتا تھا کہ آپ کی لذتِ نوم میں خلل ڈالوں۔ اس پر جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کی حضور! مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے کہ میں سورج کو عصر کی جگہ پر لاؤں تاکہ علی رضی اللہ عنہ عصر کی نماز وقت پر ادا کر سکیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ سورج کو ایسے واپس لوٹایا گیا کہ ہم نے سورج کی روشنی کے آثار مدینہ پاک کی دیواروں پر دیکھے۔

فائدہ: حضرت کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ وہ حدیث کہ جس میں وارد ہے کہ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی نماز عصر قضا ہو گئی تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے سورج عصر کی جگہ پر واپس لوٹ آیا۔ محدثین کرام کے نزدیک مشہور حدیث ہے اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح آثار میں فرمایا کہ اس کے راوی ثقہ ہیں۔

ل حضرت مولانا محمد یار گڑھی اختیار رحمۃ اللہ علیہ نے اسے یوں ادا کیا کہ ؎

نمازوں کی قضا ہو تو پھر ادا ہو　　نگاہوں کی قضا کیسے ادا ہو (اویسی غفرلہٗ)

ل کشف الاسرار

ردّ مودودی اور دیگر منکرین معجزۂ ردّ شمس

حضرت احمد بن صالح رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کر کے فرمایا کہ اہل علم پر لازم ہے کہ اس حدیث کے حفظ میں غفلت نہ کریں کیونکہ یہ حدیث نبوت کی علامات سے ہے۔[1]

لا عبرۃ بقول بعضھم بوضعہ۔ ان بعض (جہال) کے قول کا کوئی اعتبار نہیں جو اس حدیث شریف کو موضوع کہتے ہیں۔ ؎

کہ دعوتش گرفتہ گریبان آفتاب
بالا کشیدہ از چہ مغرب بر آسمان

ترجمہ:۔ آپ کی دعوت نے آفتاب کا گریبان پکڑا اور اسے مغرب سے آسمان پر واپس لوٹا کے کھڑا کر دیا۔

کہ قرص بدر را بسر کرد خوان چرخ
دستش نیم کردہ بیک ضربت نہان

ترجمہ:۔ ایسے ہی چاند کے قرص کو چرخ یعنی منزل پر کو مکمل کر چکا تو ایک ہی انگلی کے اشارے سے دو ٹکڑے کر ڈالے۔

سورج لوٹنے کی تعداد:۔ سورج کا لوٹنا اور پلٹنا بار ہا ہوا۔ یاد رہے کہ یہاں لوٹنے اور پلٹنے سے مراد یہ ہے کہ سورج سیر و حرکت سے باز آ جائے یا آہستہ حرکت کرے یا پیچھے لوٹ آئے اور رد شمس کا معنیٰ ہے غروب اور غیبوبت کے بعد پیچھے واپس آ جائے اس کے مندرجہ ذیل مواقع ہیں:۔

۱۔ حضرت داؤد علیہ السلام کیلئے ایک ضعیف روایت میں۔
۲۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے جیسا کہ اوپر گزرا۔
۳۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ یعنی یوشع بن نون کیلئے سورج کا ٹھہر جانا۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ یوشع بن نون

---

[1] اسی لیے اعلیحضرت امام اہلسنت مجدد دین وملت مولانا امام احمد رضا خان صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے منکرین کو مخاطب ہو کر فرمایا ؎

سورج اُلٹے پاؤں پلٹے چاند اشارے سے ہو چاک
اندھے نجدی دیکھ لے قدرت رسول اللہ کی

جبابرہ کے ساتھ جہاد کے لیے بنی اسرائیل کو لے کر چلے وہ جمعہ کا دن تھا۔ آپ جبابرہ کے شہر کو فتح کرنے کے قریب تھے کہ سورج ڈوبنے لگا آپ نے اس کو فرمایا۔

ایتھا الشمس انك مامورۃ و انا مامور

اے سورج تو اور میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے مامور ہیں۔

بحرمتی علیك الا امکدت ای مکثت ساعۃ من النہار[1]

میری عزت و احترام کے طفیل جو تجھے معلوم ہے تھوڑی دیر ٹھہر جا۔

ایک روایت میں ہے کہا کہ اے اللہ اسے ٹھہرا دے اللہ تعالیٰ نے اسے ٹھہرا دیا یہاں تک کہ آپ نے وہ شہر فتح کر لیا۔

فائدہ: اس کے ٹھہرنے کی دعا اس لیے کی کہ آنے والی رات ان مہینوں میں سے تھی جس میں جنگ کرنا ان کے نزدیک حرام تھا۔

(۴) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے بھی سورج لوٹ آیا جبکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا فرمائی ابھی اس کا قصہ گزرا ہے۔

(۵) قریش کے قافلے کی خبر پورا کرنے کے لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا سے سورج چلنے سے رک گیا وہ واقعہ معراج کے واقعات میں مشہور ہے وہ یہ کہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قریش سے فرمایا کہ تمہارا قافلہ فلاں فلاں وقت میں آجائے گا۔ جب وہ وقت آیا تو قریش جمع ہو گئے اور قافلہ کی آمد کا انتظار کر رہے تھے اور سورج دوپہر کو ڈھلنے لگا یہاں تک کہ ڈوبنے کے قریب تھا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا مانگی کہ سورج ٹھہر جائے وہ ٹھہرا رہا یہاں تک کہ وہ قافلہ غروب سے پہلے آگیا۔

(۶) بعض روایت میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قریش کو فرمایا کہ طلوع شمس سے قافلہ پہلے آئے گا اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا سے سورج کو طلوع سے روک لیا یہاں تک کہ قافلہ آگیا۔

(۷) خندق کے دن بھی سورج کو روک لیا گیا جبکہ وہ احمرار و اصفرار کے درمیان میں تھا تو آپ نے عصر کی نماز ادا فرمائی۔ بعض روایت میں ہے کہ سورج کو اس یوم نہیں روکا گیا تھا بلکہ آپ نے نماز غروب شمس کے بعد ادا فرمائی اسی میں اشارہ ہے کہ آپ نے فرمایا شغلونا عن الصلوٰۃ الوسطیٰ

---

[1] روح البیان صلا۳ ج ۸

اُنہوں نے ہمیں درمیانی نماز سے روکا یعنی عصر کی نماز سے۔

سوال: سبط ابن الجوزی کے کلام میں ہے کہ اگر کوئی کہے کہ سورج کا رکنا یا لوٹنا ناممکن ہے اس لیے کہ اگر یہ اپنے پروگرام کے خلاف کرے یا لوٹایا جائے تو افلاک درہم برہم ہو جائیں گے اور نظام فاسد ہو جائے گا۔

جواب: سورج کا حبس ورد معجزات سے ہے اور معجزات پر قیاس آرائی گمراہی ہے کیونکہ معجزہ خرق عادات کا نام ہے بغداد کے ایک واعظ کا واقعہ مشہور ہے کہ وہ عصر کے بعد وعظ فرما رہے تھے اور اس میں اہل بیت کے فضائل کا ذکر چل نکلا بادل سورج کے اُوپر چھا گیا۔ حاضرین مجلس نے سمجھا کہ سورج ڈوب گیا اسی لیے مجلس میں ہلچل مچ گئی۔ واعظ نے فرمایا سکون سے بیٹھو یہ کہہ کر سورج کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ ؎

لا تغربی یاشمس حتی ینتھی
مدحی لآل المصطفٰی و لنجلہ

ترجمہ: اے سورج نہ ڈوب یہاں تک کہ میری مدح آل مصطفٰے کی مکمل ہو جائے۔

ان کان للمولی وقوفك فلیکن
ھذا الوقت ولدہ و لنسلہ

ترجمہ: اگر تیرا ٹھہرنا مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کے لیے تھا تو آج ان کی اولاد کے لیے ٹھہر جا۔

واعظ کے ان اشعار کے اختتام پر سورج بادل سے باہر نکلا تو واعظ پر بے انداز زیورات اور کپڑے نثار کیے گئے۔

تفسیر عالمانہ: ولقد فتنا سلیمان۔ اور بیشک ہم نے سلیمان کو آزمایا۔
حل لغات: الفتنہ بمعنی ابتلاء آزمائش۔

القینا: اور ہم نے ڈالا۔

حل لغات: القاء بمعنی طرح یعنی ڈالنا۔ علی کرسیہ۔ کرسی پر۔ الکرسی۔ اس شے کا نام جس پر بیٹھا جائے اس سے ان کا تخت مشہور مراد ہے اور سورۂ سبا میں اس کی تفصیل گزری ہے۔

جسدا۔ ایک جسم۔ الجسد بمعنی الجسم لیکن جسد جسم سے خاص ہے خلیل نے کہا کہ جسد کا اطلاق صرف انسان پر ہوتا ہے بخلاف جسم کے کہ وہ عام ہے نیز جسد وہ ہے جس کا رنگ ظاہر ہو اور جسم وہ ہے جس کا رنگ ظاہر ہو یا نہ جیسے پانی ہوا وغیرہ وغیرہ[1]

---

[1] المفردات ۱۲

جسد اور بدن میں فرق یہ ہے کہ جسد عام ہے کہ وہ ذی روح ہو یا نہ ہو اور یہ
جسد و بدن میں فرق: سر و شوی پر مشتمل ہو اور بدن خاص ہے اس سے کہ جس میں روح ہو اور یہ
سر اور شوی کو مشتمل نہیں اسی لیے عرب میں حشر الاجساد مشہور ہے یعنی حشر خاص کی اضافت ان اجساد کی طرف
ہے جو ذی روح ہیں۔ اس معنیٰ میں عام کہ وہ اسے اور اس کے غیر کو شامل ہے بخلاف ابدان مخصوصہ کے۔ اس
کی وجہ ظاہر ہے کہ حشر کی ابدان کی اضافت محض اس لیے ہے کہ وہ سر اور شوی پر مشتمل ہے[1] ایسے ہی زمخشری نے
نقل کی ہے اور خلیل نے بھی اس لیے کہ اس میں امادہ کے حکم میں قصور اور خلل واقع ہے اور جسد میں قدر
حاجت سے زائد معنی پایا جاتا ہے اور وہ اضافتِ حشر کی وجہ سے ہر طرح کا وہم زائل ہو گیا[2]۔ اور آیت میں
حسد سے جسم بلا روح مراد ہے جیسا کہ آئے گا۔

ثم اناب: پھر سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا۔ الانابۃ بمعنی الرجوع الی اللہ۔

مروی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی تین سو منکوحہ اور سات سو لونڈیاں تھیں
واقعہ جسم بلا روح کا: اور آپ میں ایک سو مرد کی قوت مردمی تھی یعنی ایک سو مرد کی طاقت جماعی
آپ میں موجود تھی (ایسے ہی ہر نبی علیہ السلام کو ایک سو مرد کی قوت جماعی عطا کی جاتی ہے ایسے ہی ولی اللہ کامل
کا حال ہوتا ہے کہ اس کی قوت جماعی بہ نسبت دوسرے عام آدمی کی قوت سے زائد ہوتی ہے اگرچہ وہ نبی علیہ السلام
کی قوت تک نہیں پہنچ سکتا) ایک دن سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ میں ایک ہی شب میں ستر عورتوں سے جماع
کروں گا یا نوے کا کہا یا ننانوے کا یا سو عورت سے جماع۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ میری ان بیویوں سے ایک سو
مجاہد فی سبیل اللہ گھوڑ سوار پیدا ہوگا اس پر ان شاء اللہ نہ کہا آپ کے شاگرد اور مرید حضرت آصف بن برخیا
نے عرض کی کہ ان شاء اللہ بھی ساتھ کہہ دیجئے سلیمان علیہ السلام نے ان شاء اللہ نہ کہا اس شب کو بحسب قول مذکور
سو عورت سے جماع کیا لیکن صرف ایک عورت حاملہ ہوئی اور جب بچہ پیدا ہوا تو اُس کے جسم کا صرف ایک
حصے کا دھڑ تھا کہ صرف ایک آنکھ ایک ہاتھ ایک پاؤں دایہ نے سلیمان علیہ السلام کے تخت پر لگا دیا
جسے آیت میں بیان کیا گیا۔

حدیث شریف: اگر سلیمان علیہ السلام ان شاء اللہ کہتے تو ایک سو کے مجاہد گھوڑ سوار پیدا ہوتا۔

سوال: قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر سوال ہو کہ سلیمان علیہ السلام نے

---

[1] فائق الزمخشری　[2] کتاب العین للخلیل ۱۲　[3] مشارق الانوار

توقصہ مذکورہ میں انشاء اللہ کیوں نہ کہا۔

جواب (۱):- حدیث شریف میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اُس وقت انشاء اللہ کہنا بھول گئے تاکہ امرالٰہی کا اجراء ہو۔ یہی جواب تمام جوابات سے بہت زیادہ صحیح ہے۔

جواب (۲) حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے ساتھی آصف (رضی اللہ عنہ) کی بات نہ سُنی اور اس کے کہنے کے مطابق عمل نہ کرسکے اسی لیے آپ کے ارشادات مثلاً فرمایا لاطوفن الخ اور اس کے بعد استثناء کا ترک ایسے ہی جسد کا کرسی پر پڑا ہونا اور اپنی بات پر ندامت پر رجوع الی اللہ کرنا ان کی لغزش کی دلیل ہے لیکن یہ ترک ادلٰی کی قبیل سے ہے اور انبیاء علیہم السلام کی لغزش (حسنات الابرار سیئات المقربین) کا قاعدہ مشہور ہے مثلاً جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے رُوح اور اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے متعلق سوال ہُوا تو فرمایا کل آنا اس کا جواب دوں گا۔ آپ نے بھی انشاء اللہ نہ کہا اس وجہ سے کئی روز تک آپ پر وحی کا نزول نہ ہوا پھر یہ آیت ولا تقولن شیٔ انی فاعل ذلك غدا الا ان یشاء اللہ کسی شے کے متعلق نہ کہو کہ میں اسے کل عمل میں لاؤں گا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک اور واقعہ

مروی ہے کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو اس کے اردگرد شیاطین جمع ہو گئے تاکہ اسے قتل کرڈالیں یا اس کی عقل میں کمزوری پیدا کردیں یا اعضاء کمزور کردیں تاکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد ان کی اولاد میں بھی سلیمان علیہ السلام کی قید کی طرح بہت بڑی مشکل کام سرانجام نہ دینے پڑیں گے ان کے بیٹے کو قتل کردیا جائے تو قید سے جان رہائی ہوگی۔ جب سلیمان علیہ السلام کو ان کے اس منصوبے کا علم ہوا تو آپ نے بیٹے کی پیدائش کے بعد بادل کو حکم فرمایا کہ اسے اپنے اندر لے لے لیکن یہ بظاہر توکل کے خلاف ہے۔ ہوا کے ذریعے بادل میں بچے کو غذا ملتی تھی اور ایسے ہی اسے تربیت ہوتی رہی اور شیاطین وغیرہ شرارت سے بچے رہے لیکن اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ سلیمان کے بچے پر موت طاری ہو چنانچہ وہ بچہ اس بادل میں مرا تو بادل نے اسے سلیمان علیہ السلام کے تخت پر ڈال دیا۔ والقینا علی کرسیہ کا یہی مطلب ہے۔

ازالۂ وہم:- اس واقعہ پر حضرت سلیمان علیہ السلام سمجھے کہ میں نے توکل علی اللہ نہیں کیا تو اس پر استغفار اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا۔

یہ کوئی خطا نہ تھی اور نہ ہی کوئی جرم زیادہ سے زیادہ ترک ادلٰی کہا جاسکتا ہے اور معاملات نجی اور اسباب

پر عمل کرنے میں امر توکل کا ترک لازم نہیں آتا جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو فرمایا اعقلها و توکل۔ اسے باندھ اور پھر توکل کر۔

سوال:۔ اگر کوئی سوال کرے کہ اُس وقت تو شیطان آسمان پر چڑھ جاتے تھے تو پھر سلیمان علیہ السلام کا اپنے بیٹے کو بادل میں تربیت میں بھیجنے کا کیا فائدہ۔

جواب:۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان شیطانوں سے خطرہ کیا جو ہر وقت آپ کی خدمت میں رہا کرتے تھے اس سے آپ کو یقین تھا کہ یہ آسمان پر نہ جائیں گے کیونکہ نہ انھیں خدمت سے فرصت ملے گی نہ آسمان پر جا سکیں گے اسی لیے آپ نے اپنے بیٹے کو دُور رکھا بلکہ ان کی آنکھوں سے اوجھل فرما دیا۔[ل]

ملائکہ دعوے داروں کی شکل میں:۔ جب سلیمان علیہ السلام کے بیٹے کو ملائکہ نے آپ کے تخت پر گرایا تو آپ رونے لگے کیونکہ وہ آپ کا اکلوتا بیٹا تھا۔ آپ کے رونے پر آسمان سے دو فرشتے انسانی بھیس بدل کر حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ایک نے دوسرے پر درخواست پیش کی کہ یہ میری کھیتی سے گزرا ہے اس سے میری کھیتی خراب ہو گئی ہے۔ دوسرے نے کہا کہ اس کی کھیتی گزرگاہ پر تھی اور میرے لیے اسی جگہ کے سوا گزرگاہ نہ تھی اسی لیے میں اس پر مجبوراً گزر گیا۔ سلیمان علیہ السلام نے کھیتی والے سے فرمایا کہ تو نے لوگوں کی گزرگاہ پر کھیتی کیوں بوئی جبکہ انھوں نے وہاں سے گزرنا ضروری ہوتا ہے۔ اس نے کہا آپ نے سچ فرمایا لیکن مجھے بتائیے کہ آپ نے ایسا بچہ ہی کیوں جنا جو موت کی گزرگاہ پر ہو۔ کیا آپ کو علم نہیں کہ موت لوگوں کی گزرگاہ ہے۔ یہ کہہ کر وہ دونوں دعوے دار چھپ گئے اس پر سلیمان علیہ السلام نے استغفار کیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہوئے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

مکن خانہ در راہ سیل اے غلام
کہ کس را نگشت ایں عمارت تمام
نہ از معرفت باشد و عقل و رائی
کہ در رہ کند کاردانی سرائے
ز ہجراں طفلی کہ در خاک رفت

ل شرح المقاصد ۔

چہ نالی کہ پاک آمد و پاک رفت
تو پاک آمدی بر حذر باش و پاک
کہ ننگست ناپاک رفتن بخاک
مکن عمر ضائع بافسوس و حیف
کہ فرصت عزیزست والوقت سیف

ترجمہ:۔ سیلاب کی گزرگاہ پر گھر نہ بنا اے جوان۔ کیونکہ ایسی جگہ پر کسی کی عمارت مکمل نہیں رہ سکی۔

۲۔ یہ بات نہ عقلاً صحیح ہے نہ رائے سے درست اور نہ معرفت ہے کہ قافلہ والے راستہ پر اپنے کوئی ٹھکانے کی سرائے بنائیں۔

۳۔ نابالغ بچے کی موت سے کہ وہ قبر میں گیا کہ جدائی پر کیوں روتا ہے وہ تو پاک آیا اور پاک گیا۔

۴۔ تو پاک آیا تھا اب تجھ پر خوف اور پُرخطر رہنا چاہیئے کہ شرم کی بات ہے مٹی میں ناپاک ہو کر مٹی میں جانا۔

۵۔ افسوس و حیف سے عمر ضائع نہ کر کیونکہ فرصت پیاری شے ہے اور وقت تلوار ہے۔

خاتم سلیمانی صخر جن کے قبضہ میں

حضرت علّامہ کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مشہور یہ ہے بحکم لَمْ یَزَلْ سلیمان علیہ السلام کی انگشتری صخر جن کے ہاتھ لگ گئی وہ چالیس دن تک تخت سلیمان پر بیٹھا پھر قدرت نے وہی انگشتری سلیمان علیہ السلام کو واپس لوٹا دی تو اسی طرح کی شاہی اور مملکت آپ کے ہاتھ میں آئی۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نے سلیمان علیہ السلام کو ملک کے بارے میں آزمایا اور اُن کے تخت پر ایک جسم ڈال دیا یعنی وہ عنقریب جس نے سلیمان علیہ السلام کی انگشتری لی اور تخت نشین ہو گیا یعنی صخر جن جو دریاؤں کے اُمور پر مامور تھا یہی تمام اقوال سے زیادہ مشہور ہے اور اسے جسد اس لیے کہا گیا ہے کہ اس نے سلیمان علیہ السلام کی شکل وصورت بنائی تھی اس اعتبار سے وہ شکل وصورت سلیمان علیہ السلام کی نہیں تھی اس لیے اسے جسم جان سمجھا جائے گا۔

ثم اناب ۔ چالیس روز بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کو ملک واپس کر دیا گیا تو بدستور پہلے کی طرح اپنے ملک میں واپس لوٹ آئے۔

مذکورہ بالا واقعہ کی تردید از صاحب رُوح البیان:۔ فقیر (صاحب روح البیان اللہ تعالیٰ اسے راہ ہدایت دے) کہتا ہے کہ یہ واقعہ اگرچہ مشہور ہے اور عرب و عجم کے مصنفین کی تصانیف و اشعار میں بکثرت مشہور

ہے لیکن یہ کسی حد تک صحیح نہیں بلکہ یقیناً کہا جا سکتا ہے یہ بالکل غلط ہے اور قطعی غلط ہے اس کی چند وجوہ ہیں:۔
۱۔ جن کا کرسی پر بیٹھنے کو الفاء تعبیر کرنا کسی اعتبار سے بھی صحیح نہیں بہ تکلف اس معنیٰ میں لینا کوئی سنجیدہ طریقہ نہیں۔

۲۔ جملہ انبیا علیٰ نبینا و علیہم السلام معصوم ہیں۔ شیطان ان کی شکل و صورت میں نہیں آسکتا نہ خواب میں نہ بیداری میں کیونکہ اگر مان لیا جائے تو حق و باطل کے درمیان اشتباہ واقع ہو گا۔ نیز انبیاء علیہم السلام اسم ہادی کی صورتیں اور صفت ہدایت کے مظاہر اور شیطان اسم مضل کا مظہر اور صفت ضلالت میں ظاہر ہوا ہے اگر صخر تخت سلیمانی کی جانشینی مانی جائے تو اجتماع ضدین لازم آتا ہے اور ان کا ایک دوسرے میں کبھی ظاہر نہیں ہوتے۔

ردّ وہابیہ:۔ ایسے ہی انھیں کاملین اولیاء کے متعلق عقیدہ رکھنا چاہیئے کیونکہ وہ ان کے وارث ہیں اور معارف و حقائق کے جامع اور محقق ہیں۔

سوال:۔ عظمتِ باری تعالیٰ ہر عظیم سے عظیم تر ہے کہ وہ لعین نبی علیہ السلام کی صورت میں تو نہیں آسکتا لیکن اس کو بہت سے لوگوں نے دیکھا کہ وہ صورتِ حق میں نظر آیا اور دعویٰ کیا کہ میں ہی حق ہوں اور کچھ باتیں باطل سُنا کر بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا اور دیکھنے والوں کا بھی گمان غالب یہی ہوتا ہے کہ انھیں اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوئی اور اس سے گفتگو ہوئی۔

جواب:۔ سب کو معلوم ہے کہ حق تعالیٰ کی کوئی صورت معین نہیں اور نہ ہی کسی کو معلوم ہے کہ جس سے اشتباہ کا خطرہ ہو اسی لیے بعض علماء کرام نے خواب میں اللہ تعالیٰ کی زیارت کو جائز لکھا ہے خواہ وہ کسی صورت میں ہو کیونکہ مرئی (دیکھا ہوا) اللہ تعالیٰ کا غیر ہو گا کیونکہ اس کی کوئی صورت نہیں اور انبیاء علیہم السلام کی صورتیں مقررہ معلومہ و مشہودہ ہیں جن میں اشتباہ کا خطرہ ہے۔

۳۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ کریم ایک شیطان کو نبی علیہ السلام کی کرسی پر بٹھا کر مسلمانوں پر مسلط کر دے اور اُن پر حکومت کرے اور وہ خود فرماتا ہے کہ کفار کو مسلمانوں پر ہمیشہ ہمیشہ تک حاکم نہیں بناتا۔

کس نیاید بزیر سایۂ بوم
وا ہما ئے از جہان شود معدوم

ترجمہ:۔ بوم کے سایہ کے نیچے کوئی بھی نہیں آئے گا اگرچہ ہمہ جہان سے معدوم ہو جائے۔

۴۔ خاتم سلیمانی سے نور چمکتا تھا اور وہ ظلمانی شیطان کے ہاتھ میں کیسے ٹھہر سکتی تھی بالخصوص اسے حاکم بنا کر اور یہ اپنی جگہ پر حق ہے کہ شیطان کو نور مطلقاً جلا کر رکھ دیتا ہے۔ اسی لیے شہاب شیاطین کا رجم مقرر ہے۔

۵ ۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا ملک انگشتری میں ہی تھا پھر شیطان کو ان کا تخت نشین کیسے مانا جائے جب دوسری روایات میں اس کی گم شدگی دریا میں ثابت کی جاتی ہے ۔

فائدہ :۔ خاتم سلیمانی میں ہی حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت تھی اور اس کا نگینہ کبریت احمر کا تھا۔

انگشتری میں نام محمد :۔ وہ انگشتری سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو دی گئی ۔ جب آپ کو پہلی بار بہشت میں داخل کیا گیا اور یہ انگشتری آدم علیہ السلام کو حقتعالیٰ نے خود پہنائی پھر اسے عرش کے کسی ایک ستون میں بطور امانت رکھی گئی اس کی پہلی سطر پہ لکھا تھا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ دوسری پہ لا الٰہ الا اللہ تیسری پہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) جب اسے جبریل علیہ السلام حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاں لائے تو اس کی ہیبت سے تمام عالم تھرا گیا۔ جب اسے انگلی میں پہنا تو آپ لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئے ۔ عرض کی ہم آپ کے مشاہدۂ جمال سے مشرف ہونا چاہتے ہیں ۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کو یاد کرو ۔ جب اللہ تعالیٰ کا نام لیا تو پھر حضرت سلیمان علیہ السلام انہیں صاف نظر آئے ۔

سبق :۔ یہ تاثیر منجانب اللہ تھی اور حضرت سلیمان علیہ السلام سے بوجہ مظہریت کے اور انگشتری در حقیقت واسطہ تھی ۔

نکتہ :۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا ملک خاتم میں اس لیے رکھا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے دکھایا کہ جو کچھ تم دیئے گئے ہو یہ نہ دیئے ہوئے کے مقابلے میں اس پتھر کی مثال رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ جسے اور جس کی وجہ سے چاہے عزت دے ۔[1]

تفسیر عالمانہ :۔ قال :۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا یہ اناب سے بدل اور اس کی تفسیر ہے رب ۔ اے میرے پروردگار ۔ اغفرلی ۔ مجھے بخش دے وہ لغزش جو مجھ سے صادر ہوئی اور وہ میری شان کے لائق نہ تھی ۔

نکتہ :۔ پہلے استغفار پھر خصوصی ملک کی طلب میں دینی امر کی اہمیت کی طرف اشارہ ہے اور انبیاء صالحین کے طریقہ پر بھی عمل فرمایا کہ وہ ہمیشہ استغفار فرماتے اور دعا کی قبولیت میں کتنی اثر انداز ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو ۔

وھب لی ۔ اور مجھے عطا فرما ۔ ملکا ملک اور ایسا تصرف لا ینبغی جو لائق نہ ہو لاحد کسی ایک کے مخلوق میں سے من بعدی میرے بعد قیامت تک یعنی اس کا ظہور بالفعل امور عامہ خاصہ میں عالم

---

[1] عقائد الدار ۱۲ ۔

شہادت میں صرف میرے ساتھ مخصوص ہو یہ اُس کی غایت ہے جس کو وہ حاصل کرنے کا پروگرام بنا رہے تھے۔
اسی معنیٰ پر ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول مبارک ذیل دلالت کرتا ہے۔

حدیث شریف (۱) حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک عفریت جنّ یعنی خبیث اور بدشکل جنّ میرے ہاں بلّی کی صورت[1] میں میرے سامنے آگیا۔

فائدہ: حدیث شریف میں لفظ تفلّت آیا ہے اور وہ تفلت سے بمعنی چھلانگنا۔

حدیث شریف (۲) مع شرح: فرمایا کہ ایک بدشکل خبیث جنّ اچانک میرے سامنے آیا تاکہ وہ میری نماز خلل انداز ہو۔ اس پر مجھے اللہ تعالیٰ نے قدرت دی۔

فائدہ: الامکان ارتفاع کے موانع کے باوجود کسی شے پر قدرت پانے کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے قدرت بخشی ہے کہ میں اسے پکڑ لوں۔ پھر میں نے اسے پکڑ کر ارادہ کیا کہ اسے باندھوں۔ اربطہ (بکسر الباء وضمہا) اشدّہ یعنی میں اسے باندھوں۔ عَلٰی سارِیَةٍ مِن سواری المسجدِ مسجد شریف کے کسی ستون سے یہاں تک کہ تم سب کے سب دیکھو اور مدینہ پاک کے بچے اس سے کھیلیں لیکن برادر سلیمان علیہ السلام کی دُعا خیال میں آئی تو اُنہوں نے کہا رب اغفر لی وھب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی (اے مجھے بخش اور مجھے وہ شاہی عطا فرما جو میرے بعد کسی کے لائق نہ ہو) تو پھر میں نے ذلیل وخوار کر کے چھوڑ دیا نہ مجھ پر فتح پا سکا اور نہ ہی میری نماز پہ مجھ پر غالب ہو سکا۔

سبق: اس سے معلوم ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو جو ملک عطا ہوا وہ ان کے سوا کسی اور کو نہ ملا۔

وہابیہ کے وہم کا ازالہ: اس سے عالم شہادت میں عموم تصرف کا ظہور مراد ہے اس سے تصرف کی قدرت مراد نہیں کیونکہ یہ تو کاملین کو حاصل ہے نبی (علیہ السلام) ہو یا ولی اللہ چنانچہ حدیث شریف مذکور کے الفاظ بتاتے ہیں فرمایا کہ فامکننی اللہ منہ۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس عفریت پر قدرت بخشی اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے تصرف کی قوت بخشی ہے جسے چاہتا ہے خواہ عفریت کو باندھنے کی ہو یا کچھ اور۔ پھر چونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا مانع آئی جو اُنہوں نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد دلائی۔ آپ اس دعا کو خیال کر کے حضرت سلیمان علیہ السلام

---

[1] حیوۃ الحیوان ۱۲
[2] تاج المصادر ۱۲

کے کمال ادب کی وجہ سے عفریت پیر کامل تصرف ظاہر نہ فرما یا اسی لیے جب تصرف کا ظہور خصوصی امر ہاں ثابت ہے تو عمومی اُمور میں بھی ثابت ہے اسی ادب کی برکت پر عفریت کو جھٹکا راہوا اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز میں خلل انداز نہ ہو سکا اور ذلیل و خوار ہو کر نکلا۔

ازالۂ توہم عامیانہ: چونکہ سلیمان علیہ السلام میں سلطنت عامہ کی صلاحیت تھی اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں القا فرمایا کہ وہ اس سے ایسی سلطنت مانگیں جو اُن کے ساتھ مخصوص ہو اس معنیٰ پر آپ کا سوال مبنی بر بخل و حسد اور نعمتِ ظاہری کے حصول کا حرص اور اس کی رغبت کی وجہ سے نہ تھی جیسے جاہل لوگ سمجھتے ہیں۔

کمال و علوِ شانِ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

چونکہ سلطان الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے از جہت افعال و صفات اپنے ملک و جود کی ہر شے کو فنا فی اللہ بنا دیا تھا۔ اسی لیے آپ میں ماسوی اللہ باقی کچھ نہ رہا اسی لیے آپ سے جو کچھ صادر ہوگا وہ آپ کی ذاتی حیثیت سے کسی شے سے موصوف نہ ہوگا کیونکہ تجلیات حق سے جو کچھ آپ کو نصیب ہوگا کسی کو نہ مل سکا نہ پہلے والوں سے نہ آنے والوں سے ہاں ظاہری سلطنت کا ظہور بھی آپ کے لیے ہوگا جبکہ قیامت میں آدم و من سواہ سب کے سب آپ کے جھنڈے تلے ہوں گے ۔

در بزم احتشام تو سیارہ ہفت جام
و ز مطبخ نوال تو افلاک نہ طبق

ترجمہ: سات ستاروں کے جام آپ کی حشمت کی بزم میں سے ایک ہیں تو افلاک کے طبقات آپ کے مطبخ کی عطا ہیں۔

ہر خطبۂ کمال بنام تو شد ازل
کس تا ابد ز لوح نمی خواندہ ایں سبق

ترجمہ: ازل سے ہی ہر کمال کا خطبہ آپ کو بجتا ہے اور ہمیشہ کے لیے آپ کے سوا کسی کو ایسا مرتبہ نصیب نہیں ہوا۔

انک انت الوھاب: جمیع التعدادات کے جو کمالات بھی سوال کیے جائیں تو عطا کرنے والا ہے۔ چنانچہ فرمایا و اتاکم من کل ما سالتموہ۔ اور تمہیں وہی دیا جس کا تم نے سوال کیا۔

تفسیر صوفیانہ قال رب اغفر لی میں چند ارشادات ہیں:

۱۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے دنیا کا بہت بڑا مرتبہ مانگا تو اس کے حصول کا سبب پہلے پیش کیا اور وہ ہے تواضع کیونکہ رفع حاجات کا بہترین ذریعہ ہے اسی لیے عرض کی رب اغفر لی۔

۲۔ طلب ملک سے پہلے مغفرت طلب کی کیونکہ اگر انبیاء علیہم السلام کے لیے ملک کی طلب خطاؤں لغزش ہو تو ان کی لغزش پہلے سے معاف کی جا چکی ہوتی ہے جس سے اُن کی لغزش کا ان سے مطالبہ نہ ہوگا۔

۳۔ چونکہ ملک ایسے شخص میں ہوگا جس کی مغفرت ہو چکی ہے اور وہ بھی ملک بنیں جس طرح کا تصرف کرے گا وہ بعنایت الٰہی منظور ہوگا اس لیے اس سے جو کچھ صادر ہوگا مبنی بر عدل وانصاف ہوگا اور وہ ملک کی آفات اور اس کی جملہ خرابیوں سے محفوظ ہوگا۔

۴۔ وهب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی (اور مجھے وہ ملک عطا فرما جو میرے بعد کسی کے لائق نہ ہو) میں اشارہ ہے کہ جب ان کو ملک عطا ہو تو ان سے چھینا نہ جائے گا اور وہ مالک ہے جس کو جو چاہے عطا فرمائے جیسا کہ طریقۂ الٰہیہ جاری ہے۔

۵۔ لا ینبغی لاحد میں اشارہ ہے کہ اسے میرے سوا اور کوئی طلب نہ کرے تاکہ یہ مقتضائے ان الانسان لیطغیٰ ان راٰہ استغنیٰ (بیشک آدمی سرکشی کرتا ہے اس پر کہ اپنے آپ کو غنی سمجھ لیا)۔ ملک کے فتنے میں مبتلا نہ ہو جائے کیونکہ فتنوں کی طرف کھینچ کرلے جاتا ہے جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام کو کچھ ایسا پیش ہوا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ولقد فتنا (بیشک ہم نے سلیمان علیہ السلام کو آزمایا)۔

۶۔ میرے سوا اُسے تجھ سے اس لیے التماس نہ کرے کہ وہ اس سے نفع اُٹھائے یا نفسانی ضروریات پوری کرے اور وہ میری جیسی نیت نہ رکھتا ہوگا کیونکہ میری نیت اور ارادہ ہے کہ اس میں میرے نفس اور قلب اور رُوح کو فائدہ ہو اور تمام ممالک اور رعایا کو فائدہ پہنچے۔ میری نیت میرے نفس کے لیے یہ ہے کہ اس کا تزکیہ ہو اس کے صفاتِ ذمیمہ و اخلاق رذیلہ دُور ہوں۔ یہ اُس وقت ہو سکے گا کہ اس کی خواہشات پوری نہ کی جائیں اور اختیاری طور پر وہ مستلذات کو چھوڑے نہ کہ اضطراراً۔ یہ اُس وقت ہو سکتا ہے جو اسے بلا مانع اور بلا متنازع مالکیۃ و ملکیۃ کے ساتھ ملک پر قدرت کاملہ حاصل ہو اور مملکت پر مکمل طور قبضہ ہو یہاں تک کہ اس میں ایسی کوئی شے باقی نہ ہو جو اسے ان دواعیِ بشریہ کی طرف اُبھارے جو انسان کی جبلت میں ہیں تاکہ ہر مشتہیات و مستلذات نفسانیہ نفس کے ان کی طرف شوق اور ان کی خواہش کے غلبہ کے وقت باوجود ان کے مالک ہونے اور قدرت پانے کے اپنی مناسبات کے داعی کی محرک ہو کر نفس کو اس کی غذا کی اور پینے کی پسندیدہ اشیاء سے محروم کریں اور اس کی خواہشات سے اسے روکیں صرف

اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اور نہایت ہی خلوص سے تاکہ نفس اپنی صفات سے مر مٹے جیسے بدن ان غذاؤں کے نہ ملنے سے مر مٹتا ہے جس پر اس کی زندگی کا دارومدار ہے جب نفس صفات مذمومہ سے مٹ جائے گا تو اسے اللہ تعالیٰ صفات حمیدہ سے زندگی بخشے گا چنانچہ فرمایا **ولنحیینہ حیوۃ طیبۃ** (اور ہم اسے پاکیزہ زندگی بخشیں گے) اور فرمایا **قد افلح من زکاھا**۔ (کامیاب ہوا وہ جس نے نفس کا تزکیہ کیا) اس طرح سے نفس کو دنیا اور اس کی تمام نعمتوں کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کا موقع نہ ملے گا جیسے سلیمان علیہ السلام کا حال تھا کہ انھیں دنیا اور اس کی نعمتوں کی طرف ذرہ برابر بھی توجہ نہ تھی باوجودیکہ اتنا بہت بڑا وسیع ملک اور بڑی مملکت ان کے تابع فرمان تھی لیکن اپنی ہاتھ کی کمائی سے روکھے سوکھے ٹکڑوں پر گزارہ کرتے اور نہایت ہی مسکین لوگوں کے ساتھ کھانا کھاتے اور فرماتے اے مسکین مسکین کے ساتھ نشست و برخاست رکھ۔ اور قلب کی نیت کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ دنیا اور اس کی زیب و زینت اور اس کی خواہشات سے بالکل پاک وصاف ہو کر باوجود دنیوی جملہ امور پہ قدرت پانے اور ان کے عمل میں لانے کی طاقت کے ان سے روگردانی کرکے آخرت کی طرف متوجہ ہو بلکہ ان دنیوی طاقتوں کو راہِ خدا میں صرف کرے اور ان دنیوی امور کو قلب کی جڑ سے اکھیڑ کر باہر پھینکے تاکہ قلب ہر دنیوی گرد و غبار سے صاف و شفاف ہو کر فیض الٰہی کو قبول کرنے کے لائق ہو جائے کیونکہ اسے جمیع صفاتِ الٰہیہ کا آئینہ بنا کر پیدا کیا گیا ہے۔

اور روح کی نیت یہ ہے کہ اسے اخلاق حمیدہ ربانیہ سے سنگارا جائے یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب اسے علو ہمت اور خالص نیت نصیب ہو اس لیے کہ انسان علو ہمت کے پروں سے اس طرح اڑتا ہے جیسے پرندے پروں سے اور علو ہمت کی تربیت یوں ہوتی ہے کہ مقاصد دنیویہ کے حصول پر انھیں مراتب دینیہ اخرویہ باقیہ میں صرف کیا جائے۔ اگرچہ ترک مقاصد دنیویہ دینیہ تربیت و ہمت کے بعد ہوتا ہے لیکن درجات علیہ حاصل نہیں ہوتے جب تک دنیویہ مقاصد کے جمیع حاصل کردہ امور کو خرچ نہ کیا جائے چونکہ یہ اخلاق الٰہیہ سے ہے کہ وہ بلند و بالا امور کو پسند اور کمترین امور کو ناپسند فرماتا ہے اسی لیے سلیمان علیہ السلام نے دنیا کے انتہائی مراتب و مقاصد کی طلب کی تاکہ انھیں اور کسی مرتبہ دنیوی کی طرف التفات نہ ہو پھر ان تمام مراتب و مقاصد کو تربیت و ہمت پر صرف کر سکیں تاکہ روح کو مکمل طور پر جلا نصیب ہو وہ اس طرح کہ خلق خدا پر احسان اور ان کے قلوب کی تالیف کریں ان پر مال و جاہ کے ہر طرح کا سامان بہم پہنچائیں کیونکہ قلوب کا خاصہ ہے کہ جو ان پر احسان کرے وہ اس کا غلام بے دام ہوتا ہے اور سلیمان کے اس طریقہ سے ان کے ساتھ ان کا محبت کرنا ضروری تھا اور نبی علیہ السلام کی محبت درحقیقت اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا ہے اور اللہ و رسول (جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی محبت کا نام ایمان ہے اور جن سے احسان کے ذریعہ ایمان کی

دعوت ناممکن ہوتی تو اس پر جبر و قہر سے ایمان کی دولت سے نوازتے کہ ان پر ایسا لشکر بھیجتے جسے وہ دیکھ بھی نہ پاتے جیسے بلقیس اور اس کے لشکر کے ساتھ کیا گیا۔

اور اُن کی ممالک کے لیے نیت یہ تھی کہ وہ ممالک دنیویہ فانیہ کو اُخرویہ باقیہ بنا دیں تاکہ دنیویہ ممالک کو صرف کر کے دین کو غالب اور حق کو قائم اور کلمۂ اسلام بلند کریں جو حضرت الٰہیہ تک پہنچنے کا وسیلہ ہیں۔

سوال: لا ینبغی لاحد من بعدی۔ یعنی ملک کسی کو نہ دینے والی دعا میں ہمارے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی شامل ہیں یا نہیں۔

جواب: صورۃً تو شامل ہیں لیکن علو ہمت اور کمال قدرت کی وجہ سے نہ اس لیے کہ آپ اُس کے مستحق نہیں تھے (معاذ اللہ) کیونکہ آپ اس مرتبہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام سے بہت بلند و بالا ہیں چنانچہ آپ کو جب ملک دنیوی پیش کیا گیا تو قبول نہ فرمایا اور عرض کی الفقر فخری اور معنوی اعتبار سے تو آپ کی شمولیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فضلت علی الانبیاء بست (میں تمام انبیاء علیہم السلام پر چھ وجوہ سے افضل ہوں۔) اس مجموعہ میں سلیمان علیہ السلام بھی داخل ہیں اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ سلیمان علیہ السلام اولوالعزم پیغمبروں میں سے کسی ایک کے درجہ کو نہیں پہنچے باوجودیکہ آپ کو ظاہری ملک کا مالک بنایا گیا اور ہمارے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم جملہ انبیاء و رسل مع اولوالعزم پیغمبران علیہما السلام سب پر علی الاطلاق افضل ہیں اس معنیٰ پر حضرت سلیمان علیہ السلام کا ظاہری ملک حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے معنوی ملک کے تابع ہے اور ہمارے حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم معنوی ملک کے علی الاطلاق مالک کل ہیں جس کی خبر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یوں سنائی ہے وکان فضل اللہ علیک عظیما۔ (آپ پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے) بلکہ سلیمان علیہ السلام کے مطلوب ملک ظاہری کے علاوہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معنوی ملک سے بھی سرفراز فرمایا گیا۔ سلیمان علیہ السلام کو آزمائش و ابتلا سے لیکن ہمارے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بلا ابتلاء و زحمت کے بلکہ آپ کو ابتلاء و زحمت کے بجائے عزت و اعزاز کے ساتھ ظاہری و معنوی ہر طرح کے املاک سے سرفرازی بخشی۔[1]

تفسیر عالمانہ: فسخرنا له الریح۔ تو ہم نے ہوا اُن کے لیے مسخر کر دی۔ ابو عمرو نے فرمایا کہ وہ باد صبا تھی جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے سلیمان علیہ السلام کے

---

[1] تاویلات نجمیہ ۱۲

لیے ہوا تابع کر دی یعنی ہم نے اسے حکم دیا کہ وہ (حضرت) سلیمان (علیہ السلام) کے تابع فرمان رہے جب بھی وہ حکم فرمائیں حکم بجالائے۔ آزمائش سے پہلے کی طرح آپ کی شاہی عود کر آئی۔ یہ آپ کے رجوع الی اللہ کی وجہ سے ہوا۔

تفسیر صوفیانہ:۔ اس میں اشارہ ہے کہ جب سلیمان علیہ السلام نے راہِ خدا میں گھوڑے قربان کر دیئے تو اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کو سواری کے طور پر ہوا تابع کر دی کہ وہ صبح و شام میں مہینوں کا سفر طے کر دیتی تھی[1]۔

دوسری تقریر صوفیانہ:۔ حضرت البقلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جمال الٰہی سے بہت سے زیادہ محبت رکھتے تھے اسی لیے وہ عجائبات صنائع الٰہی اور اس کی مملکت کے مشرق سے مغرب تک کے نظارے لحظہ بہ لحظہ دیکھنا چاہتے تھے تاکہ وہ ملک و ملکوت کے عجائبات سے بہرہ ور ہو سکیں اسی لیے ہوا ان کے تابع کی گئی تاکہ وہ جہاں چاہیں اُن کے حکم کے تابع ہو کر چلے۔ یہ اس کی جزا ہے جو آپ نے حظوظ نفسانی کو چھوڑا۔

تفسیر عالمانہ:۔ تجری بامرہٖ (اس کے حکم پر چلتی تھی) یہ تسخیر مذکور کا بیان ہے یعنی وہ ہوا حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم پر چلتی تھی۔

رخاء۔ نرم ہو کر۔ تجری کی ضمیر سے حال ہے۔ الرخاء بمعنی نرم ہوا۔ کہا جاتا ہے شی رخو۔ یعنی نرم شے[2]

فائدہ:۔ ہوا کا نام ریح اُس وقت رکھا جاتا ہے جب وہ متحرک و متموج ہو جب اس سے بڑھ کر سخت ہو تو اسے زعزع (آندھی) کہتے ہیں۔ اگر سخت نہ ہو تو رخو (نرم) سے موسوم ہوتی ہے۔ ہوا بھی دوسرے اجزائے عالم کی طرح ذوعقل ہے اس کے چلنے کی آواز دراصل اس کی تسبیح ہے۔

ہوا کے فوائد:۔ اس کے مندرجہ ذیل فوائد ہیں:۔

۱۔ اس سے کشتیاں چلتی ہیں۔
۲۔ اس سے دیئے بجھتے ہیں۔
۳۔ یہ آگ سلگانے میں قوت بخشتی ہے۔

---

[1] تاویلات نجمیہ و کشف الاسرار

[2] المفردات

۴۔ اس کے زور سے پانی چلتا ہے ۔
۵۔ اس کے زور سے درخت ہلتے ہیں ۔
۶۔ اس کے زور سے دریا کی موجیں بڑھتی ہیں ۔
۷۔ زمین کو زلزلہ آتا ہے ۔
۸۔ اس کے زور سے بادل چلتے ہیں[1]۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہوا سلیمان علیہ السلام کے حکم سے نرم ہو کر چلتی تھی ۔

سوال: یہ آیت ولسلیمان الریح عاصفۃ اور سلیمان کے لیے سخت ہوا تابع تھی ۔ کے خلاف ہے جبکہ اس میں بتایا گیا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کی ہوا تیز جھونکے والی تھی ۔

جواب: وہ ہوا تھی تو تیز جھونکے والی لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع تھی اسی لیے ان کے منشاء کے مطابق چلتی تھی (چاہتے تو تیز ہو جاتی چاہتے تو نرم رہتی ۔

حیث اصاب ۔ جہاں کا وہ ارادہ کرتے ۔ یہ جملہ تجری یا سخرنا کا ظرف ہے اور اصاب بمعنی ارادہ حمیر اور ہجر کی لغت ہے میں الاصابۃ بمعنی القصد ہے[2]۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اطراف و اکناف کے جس حصہ کے لیے سلیمان علیہ السلام چاہتے ہوا وہاں پہنچا دیتی ۔

فائدہ: بامرہ کا مطلب یہ ہے کہ ہوا محض آپ کے امر و اشارہ کی منتظر ہوتی ایسا نہیں کہ وہ اُس وقت ہمیتہ خاطر اور ہمت قلب کی طرف متوجہ ہوتے ۔ یہ وہی ملک ہے جس کی آپ نے طلب کی تھی کہ وہ ملک آپ کے بعد کسی کو عطا نہ ہوا ۔ محض تسخیر مراد نہیں ۔ عالم سمٰوات والارض و ما بینھما کی ایسی تسخیر تو ہم سب کو حاصل ہے ۔ (یہی وہ اختیار ہے جو ہم اہلسنت انبیاء و اولیاء کے لیے ثابت کرتے ہیں کہ جب چاہیں وہ اللہ تعالیٰ کی ملک میں باذنہٖ تعالیٰ تصرف فرمائیں ورنہ نبی و ولی اور اُن کے غیر میں کیا فرق ہوگا) اضافہ از اویسی غفرلہٗ) اس لیے کہ اجرام عالم نفوس کے ہم کو عطا ہیں ۔ جب مقام جمعیت میں ہوں لیکن یہ تسخیر بہ امر الٰہی ہے اور سلیمان علیہ السلام کو باذنہٖ تعالیٰ امر کلی کے طور تسخیر حاصل تھی ۔

والشیاطین (اور شیاطین) اس کا عطف الریح پر ہے ۔
کل بناء (اور ہر کاریگر) یہ الشیاطین سے بدل ہے اور بناء مبالغہ کا صیغہ ہے وہ بھی بنیٰ کا اسم فاعل ہوتا ہے اور وہ شیاطین و جنات ہر دونوں سلیمان علیہ السلام کے حسب منشاء اُونچے محل اور تصویریں اور بڑے

---

[1] فتوحات مکیہ ۱۲
[2] القاموس

حوضوں کے برابر لگن اور لنگردار دیگیں بناتے تھے جیساکہ سورۂ سبا میں تفصیل گزری ہے کہ دمشق اور یمن میں بڑے اونچے محلات تیار کرتے تھے۔ ان کی تعمیر کا ایسا نمونہ بیت المقدس و اصطخر ہیں۔ یہ اصطخر بلاد فارس سے ہے صخر جنی کی طرف منسوب ہے۔

قال عفاریت من الجن میں یہی صخر جنی مراد ہے

وغواص (اور غوطہ خور)

حل لغات: غاص یغوص غائص کا مبالغہ ہے۔ غوص بمعنی دخول تحت الماء ہے اور پانی سے کوئی شے نکالنا۔

ومن الشياطين يغوصون له کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ شیاطین حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے اعمال غریبہ و افعال بدیعہ تھے یہ صرف موتیوں کے نکالنے کے معنیٰ سے خاص نہیں[1]۔ اور وہ شیاطین حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے دریا سے موتی جواہر اور زیورات نکالتے تھے۔

فائدہ: دریا سے موتی سب سے پہلے حضرت سلیمان علیہ السلام نے نکلوائے۔

وآخرين مقرنين في الاصفاد۔ اور دوسرے وہ جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے اور بدل کے حکم میں داخل ہے۔

حل لغات: اہل عرب کہتے ہیں اقرنتُ البعیرین۔ یہ اُس وقت بولتے ہیں جب دو اُونٹوں کو اکٹھا ملایا جائے اور یہ صیغۂ تکثیر ہے اور آیت میں بھی تکثیر مراد ہے۔ التقرین بمعنی برہم کرنا ہے

فائدہ: ابن الشیخ نے فرمایا مقرنین آخرین کی صفت ہے۔ باب تفعیل کا اسم مفعول ہے۔ یہ قرنت الشئ بالشئ یعنی میں شے کو شے سے ملا دیا اور عین کی تشدید مبالغہ و تکثیر کے لیے ہے۔

الاصفاد۔ صفد کی جمع ہے۔ صفد (بالحرکتین) بمعنی القید (بیڑی) اور عطاء کو بھی صفد کہا جاتا ہے اس لیے کہ اس سے منعم علیہ کو گویا باندھا جاتا ہے اور دونوں کا فرق فعل کے استعمال سے معلوم ہوگا مثلاً صَفَدَہٗ کہیں تو معنیٰ ہوگا قیّدہٗ اُس نے اُسے قید کیا اَصْفَدَہٗ کہیں تو معنیٰ ہوگا۔ اس نے اُسے عطا کیا۔ یہ وعد اور اوعد کے برعکس ہے اس لیے کہ اس کا ثلاثی خیر اور مزید شر کے لیے آتا ہے۔

نکتہ: اَصْفَدَ میں ایک نکتہ ہے وہ یہ کہ اس میں ہمزہ سلب کا ہے اسی لیے اس کا اعطاء کا معنیٰ اعطاء ہوا

---

[1] المفردات ۔ [2] ایضًا ۔

کیونکہ جب قید ہٹالی گئی تو عطا نصیب ہو گئی) **اَصْفَدْتُهٗ** کا معنی ہوگا کہ میں نے اس سے محتاجی کو ہٹایا یعنی اسے وہ شے عطا کی جس سے وہ اس کی ضروریات و حاجات دفع رفع ہوں گی اور ادعد میں یہ بات نہیں اس لیے کہ وہ اس کی لغت اصلیہ اور تہدید کے لیے موضوع ہے۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے شیاطین تابع کر دیئے۔ وہ تعمیر کا کام کرتے نہ دریاؤں کا غوطہ لگاتے۔

فائدہ: حضرت سلیمان علیہ السلام نے شیاطین کے دو گروہ بنائے:

۱۔ بڑے مشقت بھرے کاموں میں لگا دیئے گئے مثلاً تعمیرات اور دریاؤں میں غوطے لگانا۔

۲۔ سرکش جنہیں لوہے کی بیڑیوں سے ایک دوسرے کے ساتھ جکڑا گیا تاکہ شر و فساد نہ پھیلا سکیں۔

سوال: آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ شیاطین بہت بڑے کارنامے سرانجام دے سکتے ہیں ان کو بہت بڑی قوت حاصل ہے کہ فلک بوس ایسی عمارتیں بنائیں جو انسانی طاقت سے باہر ہیں اور یہ بھی ان کے لیے ہے کہ وہ دریاؤں میں غوطے لگا کر جواہر و موتی نکال لائیں لیکن یہ بات سمجھ آئی کہ انھیں لوہے کی بیڑیوں اور زنجیروں سے کیسے جکڑا گیا جبکہ عقلاً محال محسوس ہوتا ہے اس لیے کہ شیاطین یا تو اجساد کثیفہ ہیں یا لطیفہ اگر کثیفہ ہیں تو محسوس ہوں اگر اجساد کثیفہ ہیں تو ہمیں نظر کیوں نہیں آتے مانا کہ نظر نہیں آتے تو کم از کم ان کی کثافتِ جسمانیہ کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے اجساد پہاڑوں کی طرح سامنے ہوتے اور ان کی گفتگو سے ہمارے کان پھٹ جاتے لیکن ہر دونوں باتیں بالکل نہیں کیونکہ نہ تو ہم انھیں دیکھ سکتے ہیں نہ ان کی باتیں سُن رہے ہیں اور یہ بالکل حماقت و سفاہت کے مترادف ہے کہ کہا جائے کہ وہ اجساد کثیفہ ہیں اگر انھیں اجساد لطیفہ مانا جائے تو پھر ان کے لیے صلابت کیسی اور نہ ہی ان کو یہ قوت شدیدہ کیسے حاصل ہوتی حالانکہ تم کہتے ہو کہ وہ اتنا قدرت رکھتے ہیں جو انسان کو ان کے عشر عشیر نصیب نہیں۔ علاوہ ازیں جسم لطیف ضعیف القوام ہوتا ہے کہ وہ معمولی سی ٹھوکر سے پاش پاش ہو جاتا ہے۔ اس میں یہ طاقت کہاں کہ وہ اتنا ثقیل اشیاء کا حامل ہو یا اعمال شاقہ کو عمل میں لائے اور پھر انھیں بیڑیوں اور زنجیروں سے باندھنا کیسا۔

جواب: شیاطین کے اجساد لطیفہ ہیں لیکن ان کی لطافت و شفافیت ان کی صلابت کے منافی نہیں یعنی وہ صلابت کہ جس میں تفرق ممتنع ہو اس لیے کہ وہ ایسے لطیف اجساد ہیں کہ دیکھے نہیں جاتے اور متصلب ہیں اور ایسے اجساد لطیفہ کو منجانب اللہ طاقت حاصل ہے کہ مقید ہوں اور ثقیل اشیاء کو اُٹھائیں یعنی ادھر سے ادھر کر دیں۔ ان کے علاوہ ایسے سخت اُمور سرانجام دیں جو سخت سے سخت تر ہوں۔ اگر مان لیا جائے کہ لطیف اشیاء متصلب نہیں لیکن یہ تو ضروری ماننا پڑے گا کہ

وہ بہت بڑی بوجھل اشیاء کو اِدھر سے اُدھر کرنے کی طاقت رکھتی ہیں اور بہت سے سخت سے سخت اُمور کو سرانجام دینے پر بھی قدرت رکھتی ہیں مثلاً آندھی (سخت ہوا کے جھونکے) کیسے عجیب اُمور ان سے سرزد ہوتے ہیں کہ جن کو بہت سے بڑے طاقت ور انسان بھی مل کر سرانجام نہ دے سکیں۔

جواب(۲): بہتر یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ مقرنین فی الاصفاد بطور تمثیل فرمایا کہ انھیں شر و فسادات سے روک لیا گیا وہ ایسے رُکے گویا وہ بیڑیوں اور زنجیروں سے باندھ دیئے گئے ہیں یعنی معترض کا اعتراض بجا لیکن اسے یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ یہاں اس کا حقیقی معنی مراد نہیں بلکہ مجاز ہے تقرین بول کر اس سے شر و فساد سے روک دینا مراد لیا گیا ہے۔ یہ استعارہ اصلیہ ہے مجازی تقرین سے مقرنین کا اشتقاق ہوا تو یہ استعارہ تبعیہ ہو (یعنی وہ شر و فسادات سے ممنوع تھے اس لیے کہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع فرمان اور آپ کی طاعت میں سر جھکائے ہوئے تھے یہ اللہ تعالیٰ نے انھیں مسخر کیا اور وہ بہت بڑی قدرت کا مالک ہے کہ وہ اپنی مخلوق میں جس طرح چاہے کرے لیکن مجاز سے روگردانی کر کے طاقت سلیمانی کا انکار کر دینا در حقیقت اللہ تعالیٰ کو نہ ماننے کے مترادف ہے [1]

جواب(۳): جن اجسام مرکب و اشخاص مشکلہ ہیں اس پر کوئی ایسی واضح دلیل نہیں جسے پیش کیا جا سکے کہ وہ اجسام لطیفہ ہیں یا کثیفہ دونوں طرح کہنا جائز ہے کہ وہ اجسام لطیفہ ہیں یا کثیفہ۔ ہاں ہمارا ان کو نہ دیکھنا ان کی لطافت کی دلیل نہیں جیسا کہ معتزلہ کا عقیدہ ہے بلکہ یوں کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے میں وہ کیفیت ہی پیدا نہیں فرمائی جس سے ہمیں ان کا ادراک ہوتے

جواب(۴): حضرت قاضی ابوبکر نے فرمایا اصل ان کا نار ہے جس سے یہ پیدا ہوئے ہیں پھر اس سے ہم بھی انکار نہیں کر سکتے کہ وہ اس نار کو کثیف بنا کر ان کے اجساد گاڑھے کر دے پھر ان میں اصل نار سے زائد اعراض پیدا کر دے اس طرح سے وہ نار کی اصلی کیفیت سے خارج ہوں اسی خارجی کیفیت میں آپ کی مختلف صورتیں اور شکلیں بنائی گئی ہوں۔ اس سے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری آنکھوں کو وہ بصارت عطا فرما دے جن سے ہم ان کو دیکھیں یا ان کے اجساد اصلیہ سے پردے ہٹا دے جنہیں ہم انھیں اصلی صورت میں دیکھ سکیں۔

جواب(۵): قاضی عبدالجبار نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے جنات کے آگے سے پردے ہٹا دیئے جنہیں وہ خود اور آپ کی تمام اُمت انہیں اصلی صورت میں دیکھتے تھے اور جنات میں بھی مزید قوت بخشی جس سے وہ بہت بڑے سخت سے سخت اُمور سرانجام دیتے تھے

[1] بحر العلوم ۱۲ — [2] الاسئلہ المتحمہ

اور تقرین فی الصفد بھی اجسام کثیفہ میں ممکن ہے اور انھیں جکڑنے اور بڑے کاموں میں لگانے کی قدرت بھی سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی اور یہ دوسرے انبیاء علیہما السلام کے لیے ایسے نہیں ہوا گویا یہ سلیمان علیہ السلام کا معجزہ تھا) دوسرے انبیاء علیہما السلام کے زمانہ میں بھی وہ کھلم کھلا اس طرح سے رہتے جیسے سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں رہتے تھے تو یہ نقض العادۃ لازم آتا ہے اور وہ دائمی طور اسی طرح کا رہنا نہیں ہوتا۔

جواب[٦]:- بعض مفسرین نے کہا کہ یہ سلسلہ سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں رہا کہ شیاطین ذو اجساد تھے جنہیں لوگ آنکھوں سے دیکھا کرتے تھے۔ جب سلیمان علیہ السلام کا وصال ہوا تو اُس وقت کے شیاطین بھی مر گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے دیگر ایسے شیاطین پیدا فرمائے جو نہایت رقیق و لطیف ہیں۔

ردّ الجواب المذکور:- یہ جواب مردود ہے اس لیے کہ نص قطعی سے ثابت ہے کہ شیاطین کو تاقیامت زندہ رہنے کی مہلت دی گئی ہے تو پھر وہ کیسے مر گئے اس میں یا تو یہ کہا جائے کہ وہ انظار (مہلت دینا) ابلیس سے مخصوص ہے یا یہ کہا جائے کہ شیاطین سے کفار جن مراد ہوں کہ وہ بھی ابلیس کی طرح سرکش ہیں۔

سلیمانی مستجاب دُعا:- مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا مستجاب فرمائی کہ جو ان کے لیے مسخر ہوا کسی کو نصیب نہ ہوا کوئی ایسا بادشاہ نہیں ہوا کہ اس کے لیے بیک وقت ریاح (ہوائیں) و شیاطین اور پرندے مسخر ہوں بلکہ اللہ تعالیٰ نے شاہان زمان بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے مسخر فرما دیئے۔

کیخسرو اور سلیمان علیہ السلام

مروی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو حضرت داؤد علیہ السلام کی وراثت کا تاج کیخسرو بن سیاوش کے زمانہ میں نصیب ہوا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام ایک دفعہ شام سے عراق کو تشریف لے گئے تو کیخسرو کو آپ کی تشریف آوری کا علم ہوا سنتے ہی بھاگ کر خراسان پہنچ گیا۔ پھر چند دنوں کے اندر مر گیا۔ اس کے بعد حضرت سلیمان علیہما السلام مرو پھر بلاد ترک میں ایک عرصہ ٹھہرے رہے بعد ازاں بلاد چین میں پہنچکر

---

[١] آکام المرجان فی احکام الجان (للشبلی رحمہ اللہ تعالیٰ) = ١٢ =

واپس لوٹے بلاد فارس میں چند روز بسر فرما کر شام میں واپس تشریف لائے۔ یہیں سے بیت المقدس کی تعمیر کا حکم فرمایا اس کی تعمیل کے بعد تہامہ پھر صنعاء میں تشریف لے گئے یہاں ہی آپ کے ساتھ بلقیس کا واقعہ پیش آیا جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔

فائدہ:- حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلاد مغرب میں اندلس۔ طنجہ۔ افرنجہ اور ان کے ارد گرد کے علاقہ جات میں غزوات کا بازار گرم رکھا۔

هذا ۔ یہ ہمارا تمہارے لیے ہوائیں تابع کرنا اور ہمارا کہنا کہ یہ ملک یہ دولت کا عطیہ اور ملکی بسط و کشاد اور وہ تسلط جو کسی کو نصیب نہ ہوا۔

عطاء نا ۔ ہماری خاص عطا تجھ پر ہوئی کہ جس پر سوائے ہمارے کوئی بھی قدرت نہیں رکھتا۔

فامنن ۔ یہ منّ علیہ منّاً۔ سے ہے بمعنی انعم یعنی اس سے جسے چاہو دو۔

او امسك ۔ یا جس کے لیے چاہو روک دو۔ یہ واؤ اباحت کی ہے۔

بغیر حساب ۔ یہ امر کی ضمیر سے حال ہے یعنی جس کو دو گے یا احسان کرو گے اور جس سے روکو گے اور کسی کو نہ دو گے اس پر کوئی حساب نہیں کوئی حرج نہیں جسے چاہو دو جس سے چاہو روک دو ہم نے تمہیں کلی طور پر امور سپرد کیے ہیں۔

فائدہ:- اس کا مطلب یہ ہے کہ تصرف کرو جیسے چاہو آپ سے کوئی حساب نہ ہوگا یعنی اس سے جب چاہو جس کے لیے چاہو اور جتنا چاہو خرچ کرو[1]۔

فائدہ:- حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جسے بھی کسی نعمت سے نوازا تو اس سے اس کے متعلق حساب ہوگا سوائے حضرت سلیمان علیہ السلام کے کہ یہ ان کا خاصہ ہے کہ جس کو کچھ دیا تو اجر پایا اگر نہ دیا تو ان سے کوئی باز پرس نہ ہوگی اور نہ ان کے لیے کوئی گناہ۔

فائدہ:- التبعۃ بمعنی وہ جو کسی شے پر ضرر مرتب ہو اور ہر وقت وہ حق جو مظلوم کے لیے ظالم پر واجب ہے اتنا مقدار پر جتنا اس نے اس پر ظلم کیا ہے۔

فائدہ:- بعض اکابر محققین نے فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا سوال وطلب ملکی طلب بحکم ربانی تھا۔ جب وہ امر ربانی تھا تو پھر انہوں نے از خود تو کچھ نہیں کیا بلکہ تعمیل امر اور عبادت حق کہی ہے تو ایسے طالب کو تو طلب کا بھی اجر و ثواب ملے گا۔ اس پر حساب و عقاب کیسا بلکہ ایسا ملک وعطار تو ان کے

---

[1] المفردات۔

آخرت کے اجر و ثواب میں کمی نہ کرے گا نہ ہی اس پر کوئی حساب و کتاب جیسے دوسرے بادشاہوں سے ہوگا۔

ایک غلط مسئلہ کا رد: وہ جو مروی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام تمام انبیاء علیہم السلام سے بہشت میں سب کے بعد داخل ہوں گے اس لیے کہ آپ بادشاہ نبی تھے (علیہ السلام) بشرط صحت روایت اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ وہ بہشت کے درجات میں اُن کے لیے کمی ہوگی اور اس تاخیر فی دخول الجنۃ سے کیسے لازم آیا کہ یہ ملکی حساب کی وجہ سے ہوگا (ممکن ہے کوئی اور سبب ہو) وہ یہ ہے کہ مروی ہے کہ اغنیاء پانچ سو سال کے بعد فقراء کے بعد بہشت میں داخل ہوں گے۔

فائدہ: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بغیر حساب العطاء سے حال ہو یعنی یہ ہماری عطا بغیر حساب سے متلبس ہے بوجہ اس کی کثرت کے جیسے کثیر شے کے لیے کہا جاتا ہے ھذا لا یحیط بہ حساب او صلۃ لہ۔ یہ وہ ہے نہ اسے کوئی حساب محیط ہو سکتا ہے نہ کوئی سلہ وغیرہ بہر تقدیر ان دونوں کے درمیان جملہ معترضہ واقعہ ہے۔

وان لہ عندنا لزلفی ۔ باوجودیکہ دنیا میں ان کے ہاں بہت بڑا ملک تھا لیکن انھیں آخرت میں ہمارے ہاں بہت بڑا قرب حاصل ہوگا۔

وحسن مآب ۔ اور اچھا انجام ۔ یعنی بہشت ۔

حدیث شریف: کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کو بہت بڑا ملک دیا گیا لیکن اس کے باوجود خشوع حق میں بال برابر انہیں کمی نہ آئی یہاں تک کہ اپنے رب کی خشیت سے آسمان پر کبھی آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھا تھا۔ اسی لیے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا قرب پائیں گے اور حسن انجام کا کیا کہنا انھیں مژدہ بادا کہ بظاہر غنی (بادشاہ) تھے لیکن حقیقت میں فقیر درویش یعنی حبیب خدا۔

تفسیر صوفیانہ: آیت میں اشارہ ہے کہ جب انسان انسانیت میں کامل ہو جاتا ہے تو بلا واسطہ فیض الٰہی کے قابل ہو جاتا ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ کے آثار فیض سے کل آسمانوں کی تسخیر عطا فرماتا ہے جیسے ملائکہ کرام کو آدم علیہ السلام اسجدوا لآدم کہہ کر سجدہ کا حکم دیا ایسے ہی زمین اور اس کے اندر کی تسخیر بخشتا ہے جیسے سلیمان علیہ السلام کے لیے جن و انس اور شیاطین و وحوش و طیور طابع کیے یہ اس لیے کہ جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے وہ انسان کامل کے وجود کے اجزاء ہیں۔ جب اسے اپنے فیض سے مالا مال فرماتا ہے تو حقیقت میں اس کے وجود کے اجزاء اس کے تابع فرما دیتا ہے اور ظاہر میں کبھی کسی نبی علیہ السلام کے لیے بطور معجزہ ظاہر کر دیتا ہے جیسے ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چاند کو تابع فرمایا جسے آپ نے انگلی کے اشارے سے دو ٹکڑے کر دیا اسی لیے فرمایا ھذا

وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ

وَّعَذَابٍ ۝ اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ۝

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ۝

وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ؕ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ

نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ۝ وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَ

يَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ ۝ اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ

ذِكْرَى الدَّارِ ۝ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ۝

وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ؕ وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ ۝

هٰذَا ذِكْرٌ ؕ وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ ۝ جَنّٰتِ عَدْنٍ

مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ ۝ مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ

كَثِيْرَةٍ وَّشَرَابٍ ۝ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ ۝ هٰذَا

مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ۝ اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ ۝

هٰذَا ؕ وَاِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ۝ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝

هٰذَا ۙ فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ ۝ وَّاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖٓ اَزْوَاجٌ ؕ

هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ۚ لَا مَرْحَبًۢا بِهِمْ ؕ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ۝

قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ ۟ لَا مَرْحَبًۢا بِكُمْ ؕ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا ۚ فَبِئْسَ الْقَرَارُ ۝

قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ ۝

وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ ۝

اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ ۝

اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ۝

ترجمہ:۔ اور یاد کر ہمارے بندہ ایوب کو جب اُس نے اپنے رب کو پکارا اور مجھے شیطان نے تکلیف اور ایذا لگادی۔ ہم نے فرمایا زمین پر پاؤں مار یہ ہے ٹھنڈا چشمہ نہانے اور پینے کو۔ اور ہم نے اُسے اُس کے گھر والے اور اُن کے برابر اور عطا فرما دیئے اپنی رحمت کرنے کو اور عقل مندوں کی نصیحت کو اور فرمایا کہ اپنے ہاتھ میں ایک جھاڑو لے کر اس سے مار دے اور قسم نہ توڑ بیشک ہم نے اسے صابر پایا۔ کیا اچھا بندہ بیشک وہ بہت رجوع کرنے والا ہے اور یاد کرو ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب قدرت اور علم والوں کو۔ بیشک ہم نے انھیں ایک کھری بات سے امتیاز بخشا کہ وہ اس گھر کی یاد ہے اور بیشک وہ ہمارے نزدیک چنے ہوئے پسندیدہ ہیں۔ اور یاد کرو اسمٰعیل اور یسع اور ذو الکفل کو اور سب اچھے ہیں۔ یہ نصیحت ہے اور بیشک پرہیزگاروں کا ٹھکانا بھلا بسنے کے باغ میں انکے لیے سب دروازے کھلے ہوئے انمیں تکیہ لگائے ہوئے ان میں بہت سے میوے اور شراب مانگتے ہیں اور انکے پاس وہ بیبیاں ہیں کہ اپنے شوہر کے سوا اور کی طرف آنکھ نہیں اُٹھاتیں ایک عمر کی یہ ہے وہ جس کا تمھیں وعدہ دیا جاتا ہے حساب کے دن بیشک ہمارا رزق ہے کہ کبھی ختم نہ ہوگا ان کو تو یہ ہے اور بیشک سرکشوں کا بُرا ٹھکانہ جہنم کہ اس میں جائیں گے تو کیا ہی بُرا بچھونا ان کو یہ ہے تو اسے چکھیں کھولتا پانی اور پیپ اور اسی شکل کے اور جوڑے۔ ان سے کہا جائے گا یہ ایک اور فوج تمھارے ساتھ دھنسی پڑتی ہے جو تمھاری تھی۔ وہ کہیں گے ان کو کھلی جگہ نہ ملیو آگ میں تو ان کو جانا ہی ہے وہاں بھی تنگ جگہ میں رہیں تابع بولے بلکہ تمھیں کھلی جگہ نہ ملیو۔ یہ مصیبت تم ہمارے آگے لائے تو کیا ہی بُرا ٹھکانا۔ وہ بولے اے ہمارے رب جو یہ مصیبت ہمارے آگے لایا اسے آگ میں دو عذاب بڑھا اور بولے ہمیں کیا ہوا ہم ان مردوں کو نہیں دیکھتے جنھیں بُرا سمجھتے تھے۔ کیا ہم نے انہیں ہنسی بنا لیا یا آنکھیں ان کی طرف سے پھر گئیں بیشک یہ ضرور حق ہے دوزخیوں کا باہم جھگڑا۔

بقیہ صہ ۳۸۸

لا ثنا الخ اس میں اشارہ ہے کہ انبیاء علیہما السلام میں بتائید فیض الٰہی ان سے جو بھی فیض اچھا ہے اور وہ اُس کی اہلیت و صلاحیت بھی رکھتا ہو اُسے فیضیاب فرمائے کی ولایت عطا ہوئی ہے اور انھیں فیض کو روکنے کی بھی طاقت ہے کہ جب اُن سے کوئی فیض کا طالب ہو لیکن اس کا اہل نہیں تو اُس سے فیض روکیں تو روک سکتے ہیں فیض عطا کرنے اور روکنے دونوں حالتوں کا انھیں اختیار ہے کیونکہ ہر نبی کو فیض دینے اور روکنے کا اللہ تعالیٰ کے ہاں قرب حاصل ہے اور ان کے لیے اچھا انجام ہے کیونکہ وہ بالعطاء والمنع پر دونوں لحاظ سے ہمارے قرب میں ہے لے

فائدہ:۔ مروی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بیس سال حکومت کرنے کے بعد آزمائش ہوئی اور آزمائش کے بعد بھی بیس سال تک حکومت کی اس کے بعد ہی حسن مآب کی طرف منتقل ہوئے یعنی وفات پائی (انا للہ وانا الیہ راجعون)۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے

جہاں اے پسر ملک جاوید نیست
ز دنیا وفا داری اُمید نیست

ترجمہ:۔ اے بھائی یہ ملک دائمی نہیں دنیا سے وفاداری کی اُمید نہیں۔

بآخری ندیدی کہ برباد رفت
خنک آنکہ بادانش و داد رفت

ترجمہ:۔ بالآخر تم نے دیکھا کہ وہ نہ رہا جو خوش بخت وہ انسان ہے جو اس دنیا سے عقل و ہوش سے گیا۔
اللہ تعالیٰ ہم کو بیداری بخشے (آمین)

تفسیر عالمانہ:۔ واذکر عبدنا ایوب۔ ہمارے بندے ایوب علیہ السلام کو یاد کیجئے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کا نسب نامہ:۔ ایوب بن آموص بن رازخ بن ردم بن عیص بن اسحاق بن ابراہیم علیہما السلام۔

والدہ کی طرف سے نسب نامہ:۔ آپ کی والدہ لوط بن ہاران علیہ السلام کی اولاد سے تھیں۔ آپ کی زوجہ کا نام رحمت بنت افرائیم بن یوسف علیہ السلام یا رحمت بنت لیا بنت یعقوب علیہ السلام۔ اسی لیے بعض نے کہہ دیا کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے ہم زمان تھے یا یوں کہا جائے ماخیر بنت بلشا بن یوسف علیہ السلام۔ پہلا قول زیادہ مشہور ہے۔

اعجوبہ:۔ امام قرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ حضرت ایوب علیہ السلام پر صرف تین آدمی ایمان لائے اور آپ نے ترانوے سال عمر پائی اور ایوب عبد کا عطف بیان ہے۔

اذ نادیٰ ربہ۔ جب اُنہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا یہ بھی عبد نا سے بدل ہے یعنی بحالت اضطرار اور نہایت عاجزی سے دُعا مانگی اور عجز کیا۔

انی۔ مجھے **مسنی الشیطٰن**۔ شیطان چھو گیا ہے یعنی شیطان نے مجھے پہنچایا ہے اس دوسرے معنیٰ پر **بِنُصْبٍ** الخ کی باء تعدیہ کی ہے۔ نصب سے مراد دکھ اور مشقت ہے اگر اسے بفتحتین پڑھا گیا ہے۔
وعذاب۔ بمعنی سخت درد دینا یہاں صرف درد مراد ہے۔ ایوب علیہ السلام نے اپنی بیماری کی تکلیف

ف تاویلات نجمیہ ۱۲

وغیرہ کے دلعبہ کی بارگاہ الٰہی میں دُعا مانگی ہے اور ضرٌ سے بھی یہی مراد ہے جس کی تفصیل سورۂ انبیاء میں گذر چکی ہے۔

انی مسّنی الضرّ۔ بیشک مجھے دکھ پہنچا ہے۔ یہ حضرت ایوب علیہ السلام کے قول کی حکایت ہے کہ انہوں نے دعا میں کیا کہا اور نہ کہا جانا **انہ مسّہ**۔ یہ آپ کی دعا کا تتمہ نہیں بلکہ اس کا تتمہ و ارحم الراحمین ہے۔

سوال:۔ یہاں پر ان دونوں کا ذکر کیوں نہیں۔

جواب:۔ چونکہ سورۂ انبیاء میں ذکر ہو چکا ہے اسی لیے مکرراً نہیں لایا جیسے یہاں **مسّنی الشیطان** ہے لیکن سورۂ انبیاء میں نہیں۔

سوال:۔ شیطان کا تو یہ کام نہیں کہ وہ بیماریاں اور تکلیفیں ڈالے۔ اگر اس کو یہ طاقت ہوتی تو انبیاء و اولیاء و علماء کو بیمار کر ڈالتا کسی تندرست نہ رہنے دیتا بلکہ اس کے بس میں ہوتا تو انہیں شہید کر ڈالتا۔ ہاں اس کا کام ہے وسوسہ ڈالنا وغیرہ وغیرہ تو پھر اس کی طرف **مسّنی الشیطن** کے اسناد فعل کا کیا معنیٰ۔

جواب:۔ چونکہ شیطان نے حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری کا اللہ تعالیٰ سے سوال کیا اور یہ ایوب علیہ السلام کے لیے آزمائش تھی اسی لیے مجازاً شیطان کی طرف منسوب کیا اس میں ایوب علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے ادب کی رعایت ملحوظ رکھ کر اس کی طرف فعل کا اسناد نہ کیا۔

حضرت ایوب علیہ السلام کیوں بیمار ہوئے

حضرت ایوب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے کثرت اموال و اولاد سے نوازا باوجود ایں ہمہ اللہ تعالیٰ کی طاعت میں بھی ہر وقت مشغول رہتے تھے اور اپنے اموال و اسباب سے یتامٰی و مساکین و فقراء اور ضرورت مند لوگوں کی کی بھی جی بھر کر امداد فرماتے تھے اس سے ابلیس کو حسد ہوا (اور کہا کہ یہ صرف اور صرف اپنے اموال و اولاد کی وجہ سے ایسا کرتا ہے) اگر یہ نہ ہوں تو ہرگز نہیں کرے گا) اسی لیے کہا کہ اے اللہ تیرا بندہ ایوب ایسا ہے کہ تو نے اسے مال و اولاد سے نوازا ہے اسی لیے وہ اس کے شکر میں اور عافیت کی وجہ سے تیری حمد کرتا ہے اگر تو اس سے نعمتیں اور عافیت چھین لے تو کبھی کوئی عبادت نہ کرے گا اور نہ غرباء و مساکین کو کچھ دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں اسے جانتا ہوں وہ صرف اور صرف میری رضا کے لیے عبادت کرتا اور حمد بجا لاتا ہے اور وہ ہر حال میں ہی ایسے رہے گا دُکھ ہو یا سُکھ۔ ابلیس نے کہا تو پھر مجھے اس پر مسلّط کر دے میں دیکھوں کہ یہ کیسے تیری عبادت کرتا اور حمد بجا لاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو حضرت ایوب علیہ السلام کے آزمانے کی اجازت دے دی۔ اُس نے آپ کی کھیتی جلا دی اور مکانات گرا دیئے۔ پھر مکانات کے نیچے ہی تمام اولاد دب کر مر گئی۔ لیکن ایوب علیہ السلام کی عبادت و حمد میں بال برابر فرق نہ آیا پھر ابلیس

نے آپ کے جسم اطہر پر پھونکا اس سے پھنسیاں پھوڑے تمام جسم پر چھا گئے یہاں تک کہ جسم سے خون بہنے لگا جسے سات سال تک کیڑے کھاتے رہے[1]۔ لیکن آپ اپنے پروگرام میں سرگرم رہے صبر و رضا اور تسلیم کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ یہ ایک امتحان تھا مذکورہ بالا تکلیف کسی گناہ کی وجہ سے نہ تھی کہ کہا جائے کہ اس کا کفارہ یا بدلہ لیا جا رہا تھا۔ امتحان بھی اسی لیے تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو بتانا چاہتا تھا کہ میرے بعض محبوب بندے یوں بھی ہوتے تھے کہ انھیں سر تا پا مصیبت بنا دوں تب بھی اُف نہیں کرتے اس سے اُن کے درجات کی بلندی ہوتی ہے۔ یہ تقریر حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے[2]۔ اسی پر اہلِ حق نے اعتماد کیا ہے اس کا ماسوٰی غیر مقبول اور فضول ولا یعنی باتیں ہیں:

تفسیر صوفیانہ: تاویلاتِ نجمیہ میں اس آیت کی مختلف تقاریر بیان کی گئی ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ بتانا چاہتا ہے کہ اگر میں اپنے بعض محبوب بندوں (پیغمبر و اولیاء) پر شیطان کو مسلط فرما دوں تو اس میں ان کی اہانت نہیں بلکہ اس میں ان کی عزت ہے اور عبودیت کے بلند درجات پر اعانت اور یہی محبوب اور صابر بندوں کا درجہ ہے۔

(۲) مخصوص بندوں (انبیاء و اولیاء) کی عبودیت میں شرط ہے کہ ان پر مصائب و تکالیف کا ورود ہو تو وہ صبر کریں اور اس کی تقدیر کے سامنے سرِ تسلیم خم کر کے رضا و خوشی کا اظہار کریں۔

(۳) اگر اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے پیغمبر و اولیاء علیٰ نبینا وعلیہم السلام کو اس کی عصمت و حفظ و امان نہ ہو تو شیطان ان پر اپنی کارگزاری نصب و عذاب کی کر گزرے۔

(۴) یہ بھی آدابِ عبودیت سے ہے کہ بندہ ربوبیت کے اجلال و اعظام کا حق ادا کرے کہ ہر دکھ درد اور تکلیف منجانب اللہ سمجھے اسے شیطان کی کارروائی تصور تک بھی نہ ہو جیساکہ حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا وجاء بکم من البدو من بعد ان نزغ الشیطان بینی وبین اخوتی میں نے اور آپ سب کو گاؤں سے لے آیا بعد اس کے کہ شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں ناچاقی کرا دی تھی اور یوشع علیہ السلام نے کہا وَمَا اَنسٰنِیہُ اِلَّا الشَّیْطٰنُ اور مجھے نہیں بھلایا مگر شیطان نے اور موسیٰ علیہ السلام نے کہا ھذا من عمل الشیطٰن۔ یہ شیطانی کام ہے۔

---

[1] یہ جملہ محلِ نظر ہے اسرائیلیات سے تفصیل کے لیے دیکھیے فقیر کا رسالہ "انارۃ القلوب فی بصارۃ یعقوب" (اویسی غفرلہٗ)۔

[2] نوادر الوصول ۱۲

(۵) "تاکہ معلوم ہو کہ ہر محبوب بندہ اتنا بڑے مرتبہ کو پہنچتا ہے تو مصائب پر صبر کرنے اور تمام اُمور اپنے مولیٰ کی طرف سپرد کرنے تقدیر پر سرِ تسلیم خم کرنے سے۔

تفسیر عالمانہ :۔ ارکض برجلك ۔ اپنا پاؤں مار۔

حل لغات :۔ الرکض بمعنی الضرب (مارنا) اور پاؤں کے ساتھ خوب دھکیلنا۔ اگر سوار کی طرف منسوب ہو تو بمعنی سواری کو برانگیختہ اور دشمن کے لیے اُبھارنا مراد ہوتا ہے مثلاً رکضت الفرس میں نے گھوڑے کو برانگیختہ کیا اگر پیدل چلنے والے کی طرف منسوب ہو تو بمعنی زمین کو روندنا جیسے آیت میں ہے [1]۔

الرجل بمعنی قدم یا ران کی جڑ سے لے کر انگلیوں کے سرتک کی جگہ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ یاد کیجئے جب اس نے دُعا مانگی تو ہم نے جبریل علیہ السلام کی زبان سے کہا (جب ان کی آزمائش کی گھڑیاں ختم ہو گئیں) پاؤں کو زمین پر مار دیئے۔

فائدہ: اس سے جابیہ کا مقام مراد ہے اور وہ ملک شام میں ایک شہر اور ابو تمام کی جاگیروں سے ہے جب ایوب علیہ السلام نے زمین پر قدم مبارک مارا تو اس سے ایک پانی کا چشمہ بہ نکلا ہم نے اسے فرمایا **ھذا**۔ یہ چشمہ۔ **مغتسل بارد**۔ غسل خانہ ٹھنڈا تمہارے نہانے کے لیے ہے۔

حل لغات : حضرت کاشفی نے فرمایا کہ یہ تمہارے غسل کی جگہ یا وہ پانی ہے جس سے تم نے غسل کرنا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ مغتسل میں اس جگہ کی طرف اشارہ ہے جہاں غسل اور وہ پانی جس سے غسل کیا جائے گا اغتسال بمعنی غسل البدن کہا جاتا ہے۔ **غسلت الشئ غسلا** بمعنی میں نے بدن پر پانی بہا کر اس سے میل کچیل دُور کی۔

وشراب۔ اور پانی ہے جسے تم پی کر شفا پاؤ گے۔

حل لغات : **الشراب**۔ جسے پیا جائے یہ ہر بہنے والی شے کو شامل ہے پانی ہو یا کچھ اور اور واؤ صفت کو موصوف سے چپٹانے کی تاکید کے لیے ہے۔

فائدہ: بعض مشائخ نے فرق بتایا ہے وہ یہ کہ مغتسل میں اشارہ ہے کہ اس سے غسل کرو یہ پانی بھی ٹھنڈا اور جگہ بھی ٹھنڈی ہے اور موسم بھی تاکہ تمہاری ظاہری حرارت دُور ہو اور شراب میں اشارہ ہے

---

[1] کذا قال الراغب ۱۲۔

کہ اُسے پیو تاکہ اندر کی حرارت دُور ہو۔ اور پانی کو ٹھنڈا بنا دیا اس لیے کہ حضرت ایوب علیہ السلام زخموں کے درد سے سخت گرمی میں تھے۔ اس پانی سے زائد ٹھنڈک کو ختم کر کے معتدل بنایا گیا تاکہ زخموں کے لیے نقصان کا سبب نہ ہو۔

فائدہ: حضرت الشیخ الشہیر بافادہ البرسوی قدس سرہٗ کا فرمان ہے کہ آیت میں پانی سے احیاء اللہ کی طرف اشارہ ہے یعنی جیسے مردوں پر بارش کا پانی پہنچے گا تو وہ زندہ ہو کر اٹھیں گے یہاں بھی وہی صورت مراد ہے۔

زندگی بخشنے والی بارش: مروی ہے کہ قیامت میں مردوں پر چالیس سال بارش ہوتی رہے گی تو زمین سے مردے ایسے ظاہر ہوں گے جیسے مٹی سے انگوری۔

حضرت ایوب علیہ السلام غسل کے بعد: حضرت ایوب علیہ السلام اس پانی سے نہائے اور پیا بھی تو آپ کی تمام ظاہری اور باطنی بیماری دور ہو گئی۔

سبق: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے پر نظر کرم فرماتا ہے تو اس کی بیماری شفا سے اور دُکھ سُکھ سے اور جفا وفا سے بدل جاتی ہے۔ ایسے ہی حضرت ایوب علیہ السلام شفایاب ہو کر تندرست ہوئے اور لباس پہنا اور پہلے کی طرح حسین و جمیل اور جوانی میں آ گئے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔

بیماری کی مدت: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت ایوب علیہ السلام سات سال سات ماہ سات دن سات گھنٹے بیمار رہے۔ اتنا عرصہ نہ آپ نے نیند کی اور نہ ہی کروٹ بدلی[1]۔

تفسیر صوفیانہ: حضرت الشیخ یا بی الصوفی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو زمین پر پاؤں مارنے کا حکم فرمایا تاکہ اس سے پانی نکلے اور آپ سے بدن کا درد دور کریں۔ اس میں ہمیں سبق دیا گیا ہے کہ ہم سلوک و مجاہدہ کو کام میں لائیں تاکہ اس سے آبِ حیات نکلے یعنی علمِ الٰہی ہمارے جسم کی زمین سے نکلے تاکہ اس سے ہم ارواح کی بیماری دور کریں۔

فائدہ: امراض سے حق سے دُور کرنے والے حجابات مراد ہوں۔

ذکر کر کے پاؤں زمین پر مارنا: شیخ موصوف نے فرمایا کہ آیت میں ایک باریک نکتہ ہے وہ یہ کہ سالک تقویٰ پر مجاہدہ و ریاضات سے چلنے والے

---

[1] زہرۃ الریاض ۱۲

سالکین جب کسی جگہ جمع ہو کر زور زور سے ذکر کرتے اور رقص کرتے ہوئے پاؤں زمین پر ماریں اور ان کا مقصد یہ ہو کر ہمارے سے تمام روحانی درد و الم دور ہو جائیں تو جائز ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ سنت خالص سے ذکر ظاہری کے ساتھ ظاہری قدم ظاہری زمین پر مارا جائے تو وہ حقیقت تک پہنچا دیتا ہے کیونکہ ظاہری شرعی حکم کی کچھ حقیقت ہوتی ہے جو یقیناً عامل کو حقیقت تک پہنچا دیتی ہے[1]۔

فائدہ:- بعض عارف باللہ فرماتے ہیں عبادت خانوں میں حسن نیات اور قلوب کی صفات کے ساتھ ذکر الٰہی سے آواز بلند کرنا عقدے کھول دیتا ہے جسے افلاک نے بند کر یہاں تک کہ بعض اہل دل نے فرمایا کہ انفاس بشریہ وہ ہیں جو افلاک علویہ کو گھماتے ہیں۔

فائدہ:- مذکورہ بالا طریقہ میں یعنی عبادت خانوں میں رفع الصوت کے وقت حسن النیۃ اور باطن کی ہر غرض و مرض سے صفائی ضروری ہے کیونکہ انسان جب نیت خالص اور ظاہری و باطنی عبادت بجالائے تو وہ اہل خصوص کے مراتب کی چوٹیوں کی معراج سے بہرہ ور ہوتا ہے بلکہ وہ ہر جرح و قدح سے محفوظ ہو جاتا ہے اس لیے کہ اس کا وجد نصوص قرآنی کے عین مطابق ہے۔

سماع اور وجد و رقص:- حضرت شیخ اکبر قدس سرہٗ نے فرمایا کہ سماع کا وجد صرف اس شخص کو جائز ہے جسے مرشد شیخ عارف کامل کی اجازت ہو کیونکہ اسے اس کی باطنی بیماریوں کا مکمل علم ہے[2]۔

(۲)۔ ایک اور مقام پہ لکھا کہ اہل اللہ نے سماع میں شرط لگائی ہے کہ تمام سامعین سماع کی لیاقت میں یکجا ہوں یعنی ان میں کوئی بھی نااہل شامل نہ ہو اور نہ ہی ایسا کوئی آدمی شریک مجلس ہو جو ان کے راز سے ناواقف یا منکر یا کم از کم بے خبر ہو اس لیے ان کا مجلس سماع میں حاضر ہونا تشویش کا سبب بنے گا۔

(۳) مشائخ کے لیے ضروری ہے کہ ایسے آدمی کو وجد و رقص کی بالکل اجازت نہ دیں جسے اہل مجلس کے وجود کا احساس ہو ایسے کو وجد و رقص کوئی فائدہ نہ دے گا جب تک وہ اپنے آپ سے گم نہ ہو جائے کیونکہ جسے اہل مجلس کی خبر ہے اور پھر بھی رقص کرتا ہے تو اہل وجد نہیں بلکہ متواجد (خود کو وجدی ظاہر کرنے والا) ہے اسے ایسے وجد سے رد کا جائے کیونکہ ایسا وجد اہل حقیقت کے نزدیک غیر محمود یعنی مذموم ہے یعنی یہ اونچے مراتب والوں کے لوگوں کا وجد نہیں۔

---

[1] شرح فصوص الحکم ۱۲ :

[2] فتوحات مکیہ ۱۲ :

(۴) جب وجد والے کی حرکت نفسیہ ہو تو اُسے قدسیہ نہ کہا جائے گا۔ اس کی علامت یہ ہے کہ آسینوں کی طرف اشارہ کرے گا اور آگے پیچھے چلے گا اور دائیں بائیں ہلے گا اور آنے جانے والے کا فرق سمجھے گا تو اس پر مشائخ نے اجماع کیا ہے کہ ایسا وجدی محروم ومطرود ہے۔ خلاصہ یہ کہ شیخ قدس سرہٗ نے یہ شرائط اس شخص کے لیے بتائے ہیں جو وجد و رقص اور سماع میں حضورِ قلب اور عشق و محبت اور صدق و غلبۂ حال کا طالب ہے۔

غلط اور جاہلانہ استدلال:۔ جناب قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس سے بعض جہال اور نام کے ذاکرین اور گمراہ صوفیوں نے استدلال کیا ہے کہ ارکض برجلک میں رقص و وجد کی اجازت ہے۔ ان کا یہ استدلال غلط اور بالکل جہالت پر مبنی ہے اس لیے کہ آیت میں تو صرف پانی حاصل کرنے کے لیے پاؤں مارنے کا حکم ہے۔ اس سے دیگر وجوہ پر کیسے استدلال کیا جا سکتا ہے۔

سوال:۔ امام قرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تردید تو تمہارے استدلال کو ٹھکراتی ہے کیونکہ تم (صوفیہ) نے ہی تو اس پر استدلال کیا ہے۔

جواب:۔ امام قرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے الفاظ پر غور کیا جائے تو وہ ہمارے عین مراد ہے وہ یہ کہ امام موصوف نے فرمایا استدلال بعض الجہال المتزہدہ الخ اور ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ جو جاہل صوفی اور سرکش متزہدہ متصوف اس سے استدلال نہیں کر سکتے کیونکہ ان میں انانیت و نفسانیت کا غلبہ ہوتا ہے اور لفظ متصوف و متزہدہ خود اس کی تائید کرتا ہے کیونکہ تفعل کا باب تکلف پر دال ہے اسی لیے ہم سابق تقریر میں کہہ آئے ہیں کہ تکلف سے وجد و رقص و سماع بالکل ناقابل قبول بلکہ مردود ومطرود ہے اور ہمارے مشائخ صاحبان وجد و رقص وغیرہ ایسے تکلفات سے منزہ اور ایسے جاہل صوفیوں کو ایسے غلط اجتماع کی وجہ سے زجر و توبیخ کرتے ہیں[1] اور فرماتے ہیں کہ جو کچھ تم کر رہے ہو قرآن مجید کے خلاف ہے اور تمہارے اس عمل کے متعلق قرآن مجید میں معمولی اشارہ بھی نہیں ملتا اگر تمہارے اس عمل کو اللہ والوں کے نزدیک اچھا سمجھا جاتا تو کم از کم معمولی اشارہ تو اس کے جواز کا مل جاتا لیکن نہیں اور ہرگز نہیں بلکہ جاہل صوفی کا وجد و رقص صوفیہ کرام کے نزدیک بالاشرائط سے کوسوں دور ہے فلہذا ممنوع اور ناجائز ہے۔

---

[1] امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے سماع (مزامیر) کا شدت سے رد فرمایا ہے اس وجہ سے جاہل صوفی ان سے ناراض ہیں میں کہتا ہوں یہ لوگ صاحب روح البیان کو کیا کہیں گے ۱۲۔ اویسی غفرلہٗ

حضرت شیخ الشہیر بافنادہ قدس سرہ نے فرمایا کہ ہمارے شیخ حاجی سیرام کے طریقہ میں توحید میں وقت فائدہ رقص کا سوال نہیں ہے اسی لیے ہمارے طریقہ میں رقص کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہاں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں تو کبھی کھڑے ہو کر تو کبھی بیٹھ کر اور یہی قرآن فرماتا ہے یذکرون اللہ قیاما و قعودا وّ علیٰ جنوبھم۔ اسی لیے ہم رقص نہیں کرتے اور یہ بھی فرمایا کہ ہمارے طریقہ میں رقص اس لیے بھی نہیں کہ رقص سے مطلوب ہوتا ہے۔ دل سے خاطر و وساوس کا دفعیہ اور وہ توحید سے بڑھ کر کسی عمل میں نہیں۔ ایسے شور و فغاں بھی ہمارے طریقہ میں نہیں کیونکہ توحید سے ہمیں سب کچھ ملتا ہے۔ اسی لیے ہم فخر سے کہتے ہیں کہ ہمارا طریقہ بفضلہ تعالیٰ وہی ہے جو انبیاء علیٰ نبینا وعلیہم السلام کا طریقہ تھا اور ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صرف اور صرف توحید کی تلقین فرمائی ہے اور بس۔

تفسیر عالمانہ: ووھبنا لہ اھلہ۔ اور ہم نے اسے اس کا اہل و عیال عطا کیا۔ اس کا عطف مقدر پر ہے جو کہ فکشفلا بدلک من ضر ووھبنا لہ تھا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ حضرت ایوب علیہ السلام بحکم خداوندی نہائے اور پانی پیا تو ہم نے اُس کے دُکھ درد دور کیے اور اُسے عطا کیا یعنی اُس کی اولاد زندہ کی اور وہ تیرہ تھے۔ مروی ہے کہ بربنائے حسد ابلیس نے ایوب علیہ السلام کے صاحبزادوں پر دیوار گرائی اس سے وہ مر گئے اور اب اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کیا۔ یہ حضرت حسن کا قول ہے۔

ومثلھم معھم۔ ان کے ساتھ ان جیسے اور اس کا عطف اہلہ پر ہے اس طرح سے حضرت ایوب علیہ السلام کی اولاد پہلے سے اب دوگنی ہوگئی۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں پہلے سے اب کی بار دوگنی اولاد عطا فرمائی۔

حضرت صائب مرحوم نے فرمایا ؎

ز فوت مطلب جزوی مشو غمگین کہ فلک
ستارہ می برد آفتاب می آرد

ترجمہ: جزوی فائدہ کے فوت ہو جانے سے غمگین نہ ہو وہ ذات اگر ستارہ لے جاتی ہے تو سورج لائے گی۔

رحمۃ منا۔ اس رحمتِ عظیم کی وجہ سے جو ہماری طرف سے اسیر تھی۔

وذکری لاولی الالباب۔ اور عقل والوں کے لیے نصیحت۔ اور ان پر تذکیر کے لیے تاکہ شدائد و تکالیف کے وقت حضرت ایوب علیہ السلام کی طرح صبر کریں اور نزول مصائب کے وقت اس کی طرح اللہ تعالیٰ

سے پناہ مانگیں پھر جیسے اس پر رحمت ہوئی ان پر بھی ہو جیسے اس کا انجام بہتر ہوا انھیں بھی ایسا نیک انجام نصیب ہو۔
حضرت کاشفی مرحوم نے فرمایا کہ صبر کو رحمتِ الٰہی نے کشادگی کا سبب بنایا ہے۔

ع اصبر فان الصبر مفتاح الفراج
صبر کیجئے اس لیے کہ صبر کشادگی کی کنجی ہے

ہ کلید صبر کسی را کہ باشد اندر دست
ہر آئینہ در گنج مراد بکشاید

ترجمہ:۔ جس کے ہاتھ میں صبر کی کنجی ہو تو وہ یقیناً گنج مراد کو کھولے گا۔ محنت کی تیرگی کے ساتھ صبر سے گزار پھر ہر لحظہ تیرے سامنے سحر کے پردے ہٹتے رہیں گے۔

حلف ایوبی حضرت ایوب علیہ السلام جب بیمار ہوئے تو ان کی زوجہ محترمہ غم سے نڈھال ہو گئیں کسی کام میں دیر لگائی تو ایوب علیہ السلام نے قسم کھائی کہ اسے سو کوڑا ماریں گے جب تندرست ہو کر جوانوں کی طرح ہو گئے اور بڑی طاقت و قوت پائی ارادہ کیا کہ قسم کو پورا کریں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمان پہنچا **وخذ بیدك ضغثا** اور اپنے ہاتھ میں جھاڑو لے۔ اس کا عطف ارکض و وھبنا پر ہے دراصل **وقلنا خذ بیدك** الخ پہلا لفظ اقرب اور یہ معنیٰ انسب ہے کیونکہ اس کی ضرورت تندرستی کے بعد محسوس ہوئی۔[۱] **الضغث**۔ گھاس وغیرہ کا چھوٹا گٹھہ۔

فائدہ:۔ امام راغب نے کہا **الضغث** پھولوں یا گھاس کا گچھہ[۲] وہ خواب جس میں حقائق کا اختلاط ہو جائے اسی سے مشابہت کی وجہ سے) کو ضغث کہتے ہیں۔ جناب کاشفی مرحوم نے فرمایا کہ لکڑیوں کا گٹھہ یا گھاس کا گچھہ لے لیں جس کی گنتی ہو۔

فائدہ:۔ مفسرین نے فرمایا کہ ابلیس حکیم (ڈاکٹر) بھیس میں راستہ پر بیٹھ گیا لوگ اس سے بیماریوں کا علاج پوچھتے۔ حضرت ایوب علیہ السلام کی اہلیہ بھی اس سے پوچھنے گئیں کہ ہمارے بیمار کی بیماری کا علاج بتائیں۔ ابلیس نے کہا کہ میں اس کا علاج کرتا ہوں اسے شفا ہو جائے گی لیکن شرط یہ ہے کہ تمھارا بیمار مجھے صرف اتنا کہہ دے کہ **انت شفیتنی**۔ (تو نے ہی مجھے شفا بخشی ہے) تمھارے خاندان سے مجھے صرف یہی چاہیئے بی بی صاحبہ نے واپسی پر ایوب علیہ السلام کو حکیم (ڈاکٹر) کا حال سنایا تو آپ نے فرمایا وہ تو ابلیس ہے۔ یاد رکھ جب مجھے شفا ہوئی تو بخدا تمھیں سو کوڑا ماروں گا۔ جب آپ صحت یاب ہوئے تو جبرئیل علیہ السلام نے یاد دلایا اور

---

[۱] الارشاد ۱۲ [۲] المفردات ۱۲

سائنہ ہی اللہ تعالیٰ کا پیغام دیا کہ فرماتا ہے کہ چونکہ بی بی نے آپ کی خدمت کی ہے اسی لیے اس کی سزا میں تخفیف ضروری ہے فلہذا سو کوڑے کے بجائے گھاس کا گچھہ لیں اور اس کے ایک سو تنکے ہوں وہی بی بی کو ماریں تاکہ قسم پوری ہو جائے۔[1]

فائدہ: بعض روایت میں ہے کہ وہ سو تنکہ ریحان کے پھولوں کا تھا یا گندم کے پودے کے تنکے لیے گئے بعض روایت میں ہے کہ ایوب علیہ السلام نے سو بالیں ہاتھ میں لے کر بی بی کو مارا۔[2]

اعجوبہ: بعض روایت میں ہے کہ دو رسیاں بیچ کر بی بی نے دو روٹیاں خریدیں اور یہی ان کی آج کی غذا میں کام آئیں حالانکہ انہوں نے رسیوں کو پکڑ کر ایوب علیہ السلام کھڑے ہوتے تھے اب وہ بک گئیں تو آپ کے اٹھنے کے لیے دشواری ہوئی تو پھر آپ نے قسم کھائی کہ بی بی کو سو کوڑے ماریں گے۔

شیطان کی کہانی: مروی ہے کہ ایوب علیہ السلام کی بیماری کے دوران بی بی صاحبہ ان کی صحت کے لیے اسباب صحت کی جویاں رہتی تھیں شیطان کبھی تو حکیم (ڈاکٹر) کے بھیس میں اور کبھی خیر خواہانہ لباس میں بی بی کو ملتا۔ ایک دن بی بی سے کہا کہ اگر تمہارا بیمار فلاں علاقہ کے فلاں بت کو سجدہ کرے تو صحت یاب ہو جائے گا یا فلاں بت کے لیے بکرا ذبح کرے تو آرام مل جائے گا اس طرح کے کفریہ مشورے دیتا۔ بی بی صاحبہ ایوب علیہ السلام کو واپس آکر سناتیں۔ ایوب علیہ السلام ہر بار فرماتے ایسا مشورہ دینے والا ابلیس ہے بی بی صاحبہ ایک دفعہ تنگ آگئیں اور غصہ سے کہہ دیا کہ آپ کوئی مشورہ بھی قبول نہیں کرتے۔ آپ نے فرمایا اگر میں صحت یاب ہوا تو تجھے سو کوڑے ماروں گا۔[3]

صاحب روح البیان کا فیصلہ

فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ اس قسم کی دیگر تفاسیر میں واقعات مذکور ہیں لیکن سب کے سب میرے نزدیک ضعیف ہیں اس لیے کہ ایوب علیہ السلام کا بیہ بی بی رحمہ یوسف علیہ السلام یوسف صدیق پیغمبر علیٰ نبینا وعلیہ السلام کی پوتی تھیں۔ یہی قول راجح تر ہے اور ایسی دیندار بی بی سے ایسا مشورہ اور پھر اس پر غصہ کرنا عقل باور نہیں کرتی کہ وہ کفریہ کلمات کو سن کر قبول کرے یا اس پر ایوب علیہ السلام

---

[1] کشف الاسرار ۱۲
[2] فتح الرحمٰن ۱۲
[3] تکملہ ۱۲

کو آمادہ کرے (معاذ اللہ۔ ثم معاذ اللہ) اور نقل کلام پر عمل کرنے سے غصہ آجانا عام آدمی بھی نہیں کر سکتا چہ جائیکہ ایسی دیندار اور نیک گھرانے کی بی بی سے ممکن مانا جائے بلکہ قسم اٹھانے کی اصلی وجہ وہی ہے جو ہم نے اول میں ذکر کی ہے اور یہاں کے مقام کے لائق بھی وہی مناسب تر ہے۔

فاضرب۔ اس مجموعے سے اپنی زوجہ کو ماریئے۔

ولا تحنث۔ اور اپنی قسم میں حانث نہ ہوں اس لیے کہ قسم کا تحقق اسی طرح ہوگا اس پہ ایوب علیہ السلام نے سو تنکے لیے اور بی بی کو ایک بار مارا۔ بعض نے کہا کہ اگر زوجہ کو نہ مارتے تو حانث ہو جاتے۔

مسئلہ:۔ بعض نے کہا حانث ہونا گناہ ہے اور حنث ہر اس فعل کو کہا جاتا ہے جو قسم کھا کر ترک کیا جائے اور ترک کی قسم کھا کر اس پر عمل کیا جائے یہی دونوں امر حنث کا سبب ہیں یعنی حنث قسم کا جھوٹا ہو جانا۔ یہ لفظ فی سے متعدی ہوتا ہے اور گناہ والا ہونا۔[1]

سوال:۔ ایوب علیہ السلام کو فرمایا لا تحنث اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا قد فرض اللّٰہ لکم تحلۃ ایمانکم۔ ہم نے آپ پر قسم سے حلال ہونا فرض کیا۔

جواب:۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت سے پہلے قسم کا کوئی کفارہ نہ تھا اور یہ بھی امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا التحیۃ والثناء کے اکرام میں ہے اس کی دلیل لفظ لکم ہے۔[2]

فائدہ:۔ بعض مفسرین کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس امت سے قبل سابقہ امم پر یمین کا کفارہ نہ تھا اگر تھا تو صرف مستحب تھا ضروری اور واجب نہ تھا۔

نکتہ:۔ حضرت شیخ نجم الدین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ لا تحنث کے حکم سے اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کو دو لغزشوں سے بچایا:

(۱)۔ ظلم و حنث۔

(۲) محسنہ بی بی کو احسان فراموشی اور اس کے ساتھ خیر کا بدلہ شر سے دینا۔

نکتہ:۔ ان کی برکت سے یہ رخصت تمام بقایا امتوں کے لیے تاقیامت باقی رکھی گئی۔

نکتہ:۔ یہ رخصت بھی ایوب علیہ السلام پر رحمت اور بی بی کی خدمت اور ایوب علیہ السلام کا اس پہ راضی ہونے کی وجہ سے ہوئی یہاں تک کہ یہ رخصت حدود میں بھی ہے اس لیے کہ سزا یافتہ کو جب سو کوڑے مارے جائیں تو حکم ہے کہ اگر کھڑا کر کے مارا جائے تو اطراف پہ مارے جائیں اگر لٹا کر

---

[1] تاج المصادر ۱۲ [2] اسئلۃ الحکم ۱۲

مارنا ہو تو اعراض پر مارا جائے بشرطیکہ صورت ضرب موجود ہو۔

مسئلہ:۔ حیلۂ شرعیہ بالاتفاق جائز ہے[1]۔

حکایت:۔ لیث بن سعد نے قسم کھائی کہ وہ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو تلوار سے قتل کریں گے لیکن بعد کو نادم ہوئے تو اسی قسم سے آزاد ہونے کا حیلہ شرعیہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ تلوار لے کر اسے اُلٹا کر مجھے مار دیجئے اس طرح سے تم اپنی قسم کو پورا کر لو گے

حیلہ شرعیہ بر مذہب شافعیہ:۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر مریض پر حد لازم ہو اگر وہ تندرست ہے تو مرض کی وجہ سے سزا مؤخر کی جائے اگر بیماری سے صحت کی اُمید نہ ہو تو ایک کھجور کا گچھا لیا جائے جس کی ایک سو ٹہنیاں ہوں تو مجرم پر ایک بار اور اگر پچاس والا ہو تو اسے دو بار مارا جائے لیکن اتنا ضرور ہو کہ ٹہنیاں مجرم کے جسم کو ضرور مس کریں یا ٹہنیوں کو ایک دوسری پر باندھ دیا جائے تاکہ مجرم کم از کم درد تو محسوس کرے۔ اگرچہ بعد کو تندرست ہو جائے تب بھی مذکورہ بالا سزا کافی رہے گی۔ اور حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایسے بیمار کی سزا مؤخر کی جائے تندرستی کے بعد سزا دی جائے جیسا کہ امام شافعی کا مذہب ہے۔

مسئلہ:۔ اگر مجرم ضعیف اور کمزور ہو کہ جس پر سزا سے مر جانے کا خطرہ ہو کہ اگر اسے زور سے مارا جائے گا تو وہ مر جائے گا تو ایسے شخص کو اتنا مارا جائے کہ اسے وہ بچا سکے۔

مسئلہ:۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مجرم کو ڈنڈے سے اور مختلف جگہوں پر مارنا چاہیئے اور وہ جتنا مار کا مستحق ہے اس سے کم نہ کیا جائے اگر وہ مریض ہے تو سزا کو مؤخر کیا جائے یہاں تک کہ تندرست ہو جائے جیسا کہ امام شافعی و امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے۔ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسے جلد مارا جائے اس کی صحت کا انتظار نہ کیا جائے اگرچہ اس بیماری کے زائل ہونے کی بھی اُمید ہو اور ڈنڈے سے مارنا چاہیئے۔ اگر اس سے اس کے تلف ہونے کا خطرہ ہے اگر خطرہ ہے تو چھوٹی لکڑی سے اور ڈنڈے کے بجائے کپڑے کے اطراف اور کھجور کی ٹہنی بھی اس کے قائم مقام ہو سکتے ہیں اگر اس سے بھی خطرہ ہو تو سو تنکے والی جھاڑو سے ایک بار اسے مارنا چاہیئے جیسے امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا۔

---

[1] اس میں وہابیوں، دیوبندیوں کا رد ہے کہ وہ حیلۂ اسقاط کی شرعی حیثیت کو بھی حرام کہتے ہیں۔ تفصیل فقیر کے رسالہ "الاقساط فی حیلۃ الاسقاط" میں ہے ۱۲ = اویسی غفرلہٗ

مسئلہ :۔ اگر رجم کی سزا ہو تو بالاتفاق سزا کو مؤخر نہ کیا جائے گا۔

مسئلہ :۔ حاملہ عورت پر حد قائم نہ کی جائے جب تک دفع حمل نہ ہو اس میں بھی کسی کا اختلاف نہیں ۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا اس کی حد نفاس کے اختتام تک مؤخر کی جائے ۔ ہاں رجم کی سزا ہو تو وضع حمل کے بعد فوراً رجم کی جائے ہاں اگر نو مولود کی پرورش کا کوئی سبب نہ ہو تو جب تک بچہ خورد و نوش سے خود کفیل نہ ہو رجم کو مؤخر کر سکتے ہیں اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کی تاخیر دودھ پلانے والی کے انتظام تک ہو سکتی ہے یا دو سال تک دودھ چھڑانے کا انتظار کیا جائے ۔ امام مالک و امام احمد رحمہما اللہ نے فرمایا وضع حمل کے بعد فوراً رجم کی جائے ۔

انا وجدناہ صابراً ۔ بیشک ہم نے اسے بچوں اور اہل و عیال کی مصیبت پر صابر پایا۔

تفسیر صوفیانہ :۔ اس میں اشارہ ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام مصائب پر صابر ہوتے اگر ہم اسے صابر نہ بناتے ۔ اسی معنیٰ پر دلالت کرتا ہے جب اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرمایا واصبر و ما صبرك الا باللہ اور صبر کیجئے اور تمہارا صبر اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہو گا یعنی وہی تمہیں صبر کی توفیق دے گا۔ اگر تم صبر نہ کرو گے تو وہی صبر کی توفیق بخشے گا۔[1]

اعجوبہ :۔ مروی ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کا معاملہ یہاں تک پہنچ گیا کہ سارے جسم سے فارغ ہو کر کیڑے دل اور زبان تک پہنچ گئے ان میں سے ایک نے دل کو کاٹا تو دوسرے نے زبان کو اُس وقت حضرت ایوب علیہ السلام نے دُعا مانگی تو ایک پانی میں گرا تو دوسرا جنگل میں جو پانی میں گرا وہ جونک ہوئی اور جو جنگل میں گرا وہ مکھی جس سے شہد حاصل ہوتا ہے ۔

بعض کہتے ہیں کہ باقی صرف چار کیڑے رہ گئے :۔

اعجوبہ :۔ ۱۔ اُڑ کر شجرۂ توت پر جا بیٹھا تو وہ ریشم کا کیڑا بنا ۔

۲۔ پانی میں گرا تو جونک ہوا ۔

۳۔ دانوں میں گرا تو وہ دیمک بنا ۔

۴۔ پہاڑوں اور درختوں پر گرا تو شہد کی مکھی بنا یہ اس کے بعد ہے جب ایوب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے تکلیف سے نجات بھی بخشی ۔ (زہرۃ الریاض)

سوال :۔ علماء کرام کا وہ قاعدہ کہاں گیا جو مشہور ہے کہ الانبیاء معصومون من الامراض المنفرۃ

---

[1] تاویلات نجمیہ ۱۲

انبیاء علیہم السلام ایسی بیماریوں سے معصوم ہوتے ہیں جو نفرت کا سبب بنیں۔ یہ بیماری (جسم پر کیڑے پڑنا) بھی متنفرہ ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام پر ایمان لانے والے بہت سے لوگ اس بیماری کے بعد مرتد ہو گئے (معاذ اللہ)

جواب: حضرت ایوب علیہ السلام اس بیماری سے مستثنیٰ ہیں اس لیے کہ یہ بیماری نہ تھی بلکہ ابتلاء و آزمائش تھی۔ یہ خرقاً للعادۃ میں شامل ہے ورنہ عام انسان کو اس بیماری سے بچنا اور صابر و شاکر رہنا محال ہے۔

سوال: حضرت ایوب علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو اپنا شکوہ کیوں پیش کیا یہ تو انبیاء علیہم السلام کی شان کے خلاف ہے۔

جواب: وہ شکوہ صبر کے خلاف ہے جو غیر اللہ کو کہا جائے اللہ تعالیٰ کے سامنے شکوہ ظاہر کرنا اظہارِ عبودیت ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کو اپنے لیے دکھ درد ٹالنے کا نہ کہنا اس کے قہر و غضب کے مقابلہ کرنے کے مترادف ہے اور یہ تو آدابِ عبودیت کے خلاف ہے اسی لیے حضرت ایوب علیہ السلام کا اظہارِ شکوہ الی اللہ عین رضائے حق ہے تاکہ افتقار و محتاجی عبودیت اور استغنائے ربوبیت کی شان ظاہر ہو۔ اسی لیے حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے بارگاہِ حق میں عرض کیا۔

چار چیز آوردہ ام شاہا کہ در گنج تو نیست
نیستی و حاجت و عجز و نیاز آوردہ ام

ترجمہ: اے بادشاہ حقیقی تیری درگاہ میں یہ چار چیزیں لایا ہوں اور وہ تیرے خزانۂ کرمی میں بھی نہیں ہیں۔

۱۔ نیستی ۲۔ ضرورت مندی ۳۔ عاجزی ۴۔ نیاز

حکایت: ایک بزرگ بھوک سے روئے تو کسی نے جھڑکا کہ تم کیسے درویش ہو کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی مصیبت (بھوک) سے روتے ہو۔ انہوں نے فرمایا کہ اس کریم نے مجھے بھوک دی تاکہ میں اس کے سامنے رو کر سوال کروں۔

نعم العبد: کیسے اچھے بندے تھے حضرت ایوب علیہ السلام۔

انہ اواب: یہ آپ کی مدح کی تعلیل ہے یعنی وہ اچھے اس لیے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف بہت رجوع رکھتے تھے انہیں اسباب کی طرف بالکل توجہ نہ تھی بلکہ اپنے وجود کو طاعت میں صرف کرتے تھے یا معنیٰ یہ ہے کہ وہ طلب صبر میں حضرت حق تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے رہے کہ بلاء پر راضی اور قضاء پر خوش رہے۔

اللہ تعالیٰ نے دو بندوں کی مدح فرمائی ۱۔

اعجوبہ:- ۱۔ مصائب میں مبتلا ہونے پر صبر کرنے والے۔

۲۔ نعمتوں کے ملنے پر شکر کرنے والا۔

ان کو برابر کا مدح و ستائش کا مستحق بنا یا چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے وصف میں بھی یہی فرمایا : نعم العبد انه اواب ۔ اور ایوب علیہ السلام کے لیے بھی یہی فرمایا نعم العبد انه اواب ۔

فائدہ:- اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ایوب علیہ السلام کا بیماری میں مبتلا ہونا کسی گناہ یا غلطی کی سزا سے نہیں بلکہ ابتلاء آزمائش تھی جیسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

نکتہ:- خواص کا عیش ابتلاء و آزمائش میں ہے اور عوام کا عیش عافیت و راحت میں ہے اس لیے کہ ابتلاء آزمائش میں خواص کو آزمانے والے کا دہ مشاہدہ بلا و مصیبت تکلیف و دکھ محسوس ہوتا ہے اسی لیے وہ ناصبر کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

صابرین کا سردار:- حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قیامت میں حضرت ایوب علیہ السلام صبر کرنے والوں کے سردار ہوں گے۔

تصوف کی باتیں:- بلا اولیاء خود مانگتے ہیں بلکہ یہ اصفیاء کا پسندیدہ شغلہ ہے اور محبوبان خدا کے مختلف طریق سے امتحان ہوئے مثلاً نوح علیہ السلام اپنی قوم کے ہاتھوں گرفتار ہوئے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام آتش نمرود میں۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ذبح کی آزمائش میں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام فراق فرزند میں۔ حضرت زکریا و یحییٰ علیہما السلام شہادت (قتل) میں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون و قبطیوں کی تکالیف میں آزمائے گئے۔ ایسے ہی ہر ولی اور محبوب خدا کا حال رہا کہ کسی کو غربت سے، کسی کو ذلت سے، کسی کو بھوک اور فاقہ سے، کسی کو بیماری اور علت سے، کسی کو قتل و شہادت سے، کسی کو کچھ اور کسی کو کچھ۔

حدیث شریف:- حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے بلا کو اولیاء کے لیے اور شہادت احباء کے لیے چھپا رکھی ہے۔

اعجوبہ:- حضرت ایوب علیہ السلام سے جب اللہ تعالیٰ نے دکھ ٹالا تو ایک دن حضرت ایوب علیہ السلام کے دل میں خیال گزرا کہ ماشاء اللہ میں نے خوب صبر کیا۔ ندا آئی اے ایوب علیہ السلام تم نے صبر کیا ہم نے تمھیں صبر سے نوازا۔ اگر ہم تیرے ہر بلا کے لیے بال کے نیچے صبر کا پہاڑ نہ رکھتے تو تمھیں صبر نصیب نہ ہوتا۔

روحانی اعجوبہ

(۱)۔ جس نے بلاء کو بلا سے دیکھا تو بلاء سے روٹھے گا اور جو بلا بلا بخشنے والے سے سمجھے گا وہ اٹھا بلا کو دعوت دے گا۔

(۲) حضرت عطار نے فرمایا کہ جب یہ سمجھو گے کہ بلا بلا بخشنے والے کا عطیہ ہے تو تمہیں بلاء کا درد ہلکا محسوس ہوگا۔

مسئلہ:۔ ہر بلاء پر نیک صلہ نصیب ہوتا ہے۔ دنیا میں یا آخرت میں یا ہر دونوں میں۔

حضرت صائب مرحوم نے فرمایا ؎

ہر محنتے مقدمہ راحتے بود

شد ہم زبان حق چو زبان کلیم سوخت

ترجمہ:۔ ہر دکھ و راحت کا مقدمہ ہے۔ موسیٰ علیہ السلام جو کبھی حق سے ہم کلام اُس وقت ہوئے جب اُن کی زبان جلائی گئی۔

حضرت ایوب علیہ السلام پر دنیوی انعام:۔ مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام سے بلاؤ محنت دور فرمائی تو آپ کے لیے دو کپڑے سفید آسمان سے نازل فرمائے۔ ایک کی آپ نے چادر اوڑھ لی۔ دوسری کو تہبند بنا کر گھر کو روانہ ہوئے۔ راستہ میں بادل برسا تو اس سے سونے کے گندم کے دانے برسے اس سے آپ نے اپنا کشکول بھر لیا۔ دوسرا بادل چاندی سے۔ اس سے بھی اپنا کشکول بھر لیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی زوجہ محترمہ کا شباب و جمال لوٹا دیا۔

تفسیر عالمانہ:۔ واذکر عبادنا۔ ہماری مخصوص عنایت والے بندوں کو یاد کیجئے۔ ابراھیم واسحاق۔ ابراھیم اور اسحٰق بن ابراھیم علیہما السلام۔ ویعقوب اور یعقوب بن اسحاق علیہما السلام اس کے بعد ان کی وجہ اختصاص بیان فرمائی کہ انھیں بارگاہِ حق سے کبھی خصوصیت تھی تو فرمایا۔

اولی الایدی۔ قوت والے۔ ایدی ید کی جمع ہے عضو معروف ہے یعنی ہاتھ لیکن یہاں پر مجازاً بمعنی قوت ہے جیسا کہ مقام کا تقاضا ہے وہ اس لیے کہ اکثر اُمور ہاتھ کی قوت سے انجام پاتے ہیں اس سے ہی انسان گرفت و قہر و جبر کرتا ہے اور قوت کی جمع نہیں لائی گئی اس لیے کہ وہ قوت پر دلالت

کرتی ہے۔

والابصار۔ بصیرت والے

حل لغات:۔ بصر کی جمع ہے اور قلب کی بصر پر محمول کیا گیا ہے اسے بصیرۃ کہا جاتا ہے۔ یہ وہ قوت ہے جس سے انسان معقولات کا ادراک کرتا ہے۔

فائدہ:۔ المفردات میں ہے کہ البصر دیکھنے والے عضو اور اس قوت کو کہتے ہیں جو اس میں ہے یعنی آنکھ اور بینائی اور قلب کی قوت مدرکہ کو بصیرۃ و بصر کہا جاتا ہے لیکن عضو مخصوص یعنی آنکھ کو بصیرۃ نہیں کہا جاتا۔ البصر کی الابصار اور البصیرۃ کی البصائر جمع آتی ہے۔ یعنی وہ حضرات جو طاعت میں قوت والے اور اُمور دین میں بصیرۃ والے تھے۔

فائدہ:۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے اعمال جلیلہ مراد ہوں اس لیے کہ اکثر اعمال انہیں کے ذریعے ہوتے ہیں اسی لیے ہاتھوں کے اعمال کا باقی اعمال پر غلبہ رکھنے کی وجہ سے انہی کا نام لیا گیا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ابصار سے معارف و علوم شریفہ مراد ہوں کیونکہ بصر و نظر ان کے اقوئ مبادی سے ہیں اور وہ ارباب کمالات علمیہ و نظریہ تھے اور جو لوگ دیانت دار فکر مندوں کی طرح نمودار نہیں کرتے۔ سمجھو کہ وہ بے نظر و بے بصر ہیں۔

تفسیر صوفیانہ:۔ اس میں ان جاہل باطل پرستوں کو تعریض ہے جو عمل صالح سے لنگڑے لُنجے اور اندھے کی طرح رہتے ہیں کہ انہیں آخرت کے عمل کی کوئی فکر نہیں اور نہ ہی دین حق میں غور و فکر کرتے ہیں اور انھیں ترک مجاہدہ و تأمل پر زجر و توبیخ کی گئی ہے کہ باوجودیکہ یہ لوگ اس پر قادر ہیں لیکن محروم ہیں ؎

اندریں رہ می تراش و می خراش
تا دم آخر دمی فارغ مباش

ترجمہ۔ اس راہ میں جد و جہد کر آخر دم تک فارغ نہ ہو۔

تفسیر عالمانہ:۔ انا خلقنا ھم بخالصۃ۔ یہ علت ہے اس کی کہ وہ حضرات ایسے اوصاف سے کیوں موصوف ہیں اور ان کو شرف عبودیت اور مرتبہ علو کیسے نصیب ہوا۔ خالصۃً کی تنکیر تفخیم کی ہے یعنی ہم نے انھیں خصلۃ خالصۃ عظیم الشان میں ایسا خالص کیا کہ ذرہ برابر بھی اس میں غیر کی ملاوٹ نہیں۔

ذکری الدار مصدر بمعنی تذکر اور اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے اور یہ مبتدا محذوف کی خبر اور خالصۃ کی صفت ہے دراصل عبارت ہی تذکرہم للدار الآخرۃ الخ یعنی یہ اُن کی دائمی دار آخرت کے

یاد کی وجہ سے ہے اور اس کے سوا ان کا اور کوئی ارادہ نہ تھا اور اسی کو دار کہنے اور مراد آخرت کی یعنی اسمیں اشارہ ہے کہ حقیقی دار ہے بھی وہی یہ دنیا تو صرف گزرگاہ ہے۔

سوال:۔ ان حضرات کو خالص للہ کیسے مانا جائے جبکہ وہ تو طاعت میں مستغرق رہتے یا اس میں مصروف تھے جو طاعت کا سبب ہے یا دار آخرت کی یاد میں۔

جواب:۔ طاعت کا استغراق بھی تو صرف اسی لیے تھا کہ اس سے دیدار الٰہی کا شوق ہوتا اور وہ چونکہ آخرت میں نصیب ہوگا اسی لیے آخرت کی یاد بھی ان کی مشغولیت میں داخل تھا اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام کو آخرت کی آرامگاہ مطلوب نہ تھی بلکہ وہ لقائے حق کے گرویدہ تھے لیکن چونکہ وہ دار آخرت میں ہی ہوگا اسی لیے اس کی یاد میں بھی رہتے۔

تفسیر صوفیانہ: اور ہم نے انہیں صفات نفوس کی ملاوٹ اور انانیت کی کدورت سے صاف ستھرا کیا اور انہیں محبت حقیقیہ کیساتھ خاص کیا اسی لیے انہیں ہمارے سوا اور کوئی خیال نہ تھا اور نہ ہی محبت عارضی اور غیر اللہ کی طرف مائل تھے اور نہ ہی انہیں نفسوں کی طرح جھکاؤ تھا یہ صرف اسی خصلت خالصہ کی وجہ سے جو غیر کی ملاوٹ سے پاک اور صاف تھی اور یاد کرتے تھے تو صرف اسی دار کو جو باقی اور ان کی اصلی آرام گاہ ہے یعنی ہم نے انہیں صرف اپنے لیے خاص بنایا اس لیے کہ وہ ہر وقت عالم قدس کو یاد کرتے رہتے ہیں اور رجس اور پلیدی کے معدن سے رو گرداں ہیں اور انوار حق کو ہر وقت جھانکتے رہتے ہیں نہ انہیں دنیا کی طرف توجہ ہے نہ اس کی ظلمات کی طرف[1]۔

فائدہ: فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ یہاں مراد ہے کہ دنیا تاریکی ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے جلال کی مظہر ہے اور آخرت نور ہے اس لیے کہ وہ جمال الٰہی کا جلوہ گاہ ہے اور آخرت کی تاد تخصیص کی ہے دراصل آخر وہی اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ آخرت میں بالآخر بندے اس کی طرف لوٹیں گے۔

تفسیر عالمانہ: وانھم عندنا لمن المصطفین۔ اور بیشک وہ ہمارے ہاں ہیں برگزیدہ لوگوں سے۔

حل لغات: عند محذوف کا ظرف ہے اس پر المصطفین دلالت کرتا ہے اس لیے کہ اس میں الف لام بمعنی الذی ہے اور لفظ صلہ کی جگہ پر ہے اور وہ اپنے موصول پر

---

[1] تاویلات نجمیہ ۱۲:

مقدم نہیں ہو سکتا۔

حل لغات: المصطفین بفتح الفاء والنون ۔ مصطفیٰ کی جمع ہے دراصل مصطفیین تھا۔ دو یاء اور پہلی کی کسرہ ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ البتہ وہ ان برگزیدہ لوگوں سے تھے جو ان جیسے پہلے گزرے ہیں یا بعد کو آئیں گے ۔

الاخیار ۔ خیر میں ان سے برگزیدہ ۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات میں ہے کہ حضرت واحدیہ میں وہ ہیں جنہیں ان کے ہم جنسوں سے ہم نے اپنے لیے چن لیا وہ پسندیدہ اور متوائب شر و امکان وعدوم و حدثان سے منزہ ہیں ۔

فائدہ: عندیۃ کے لفظ کے ساتھ اصطفائیت ملانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان کی اصطفائیہ فی العبودیت ازلی ہے کہ ابھی کون کا وجود بھی نہ تھا اور ان کا شرف خاص اور بلا علت عطاء خالصہ ہے ۔

الاخیار ۔ خیر کی جمع ہے جیسے اشرار شر کی جمع ہے اس لیے کہ یہ اسم تفضیل ہے ۔ یا خیر (بالتشدید یا بالتخفیف) کی جمع ہے جیسے اموات میّت (بالتشدید و بالتخفیف) کی جمع ہے ۔

تفسیر عالمانہ: واذکر اسماعیل (اور یاد کیجئے اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام کو) یہ وہ اشمویل بن ہلقاشان نہیں جیسے قتادہ نے فرمایا ۔

سوال: ان کا ذکر باپ اور بھائی سے علیحدہ کیوں ؟

جواب: چونکہ صبر میں آپ اپنی نظیر خود تھے اور یہاں موضوع بھی صبر کا ہے اسی مناسبت سے ان کا مستقل طور علیحدہ ذکر ضروری تھا ۔ ان کی ذکر کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے راہِ حق میں ذبح ہونے کے لیے خود کو پیش کر دیا یا اس لیے کہ یہ تعظیم و اکرام کے زیادہ مستحق تھے ۔ اس لیے کہ یہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جدامجد ہیں اور آپ افضل الانبیاء والمرسلین ہیں (صلی اللہ علیٰ نبینا وعلیہم وسلم) ۔

والیسع ۔ وہ ابن اخطوب یعنی بڑھیا کے بیٹے ہیں انہیں الیاس علیہ السلام نے بنی اسرائیل پر اپنا نائب بنایا ۔ اس کے بعد مستقل نبی مقرر فرمایا ۔ اسم علم پر الف و لام داخل ہے کیونکہ وہ نکرہ اس لیے ہے کہ اس پر اشتراک طاری ہے ۔ اسم پر الف لام عہد کا داخل کیا جاتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے الیسع الفلانی ۔ فلاں یسع ہے ۔ ایک شاعر کے قول میں ہے ۔

ع ۔ رأیت الولید بن الیزید. مبارکاً

میں نے ولید بن یزید کو بابرکت دیکھا

وذاالکفل۔ اور ذوالکفل۔ حضرت یسع کے چچازاد بھائی تھے یا یہ بشیر بن ایوب علیہ السلام ہیں۔ آپ اپنے والد گرامی کے بعد شام کے علاقوں میں کسی ایک قوم کے نبی بن کر مبعوث ہوئے۔ آپ کی نبوت میں اختلاف ہے اکثر علماء کہتے ہیں کہ آپ نبی تھے ان کی دلیل یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں انبیاء علیہم السلام میں ذکر فرمایا ہے اور یہ بھی اختلاف ہے کہ ذوالکفل سے الیاس یا یوشع یا زکریا علیٰ نبینا وعلیہم السلام مراد ہیں۔ اور آپ کو ذوالکفل اس لیے کہا جاتا ہے کہ آپ کے ہاں ایک سو نبی علیہم السلام نے پناہ لی۔ جب بنو اسرائیل نے انبیاء علیہم السلام کو شہید کیا تو یہ حضرات بنی اسرائیل سے بچ نکلے اور ذوالکفل علیہ السلام کے ہاں آکر پناہ لی انہوں نے ان سب کو نہ صرف پناہ بلکہ ان کی کفالت بھی فرمائی اور انہیں پوشاکیں پہنائیں اور بنی اسرائیل سے چھپا دیا۔

فائدہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ بعض مفسرین نے فرمایا کہ ذوالکفل اور الیسع دونوں بھائی تھے اور ذوالکفل نے اس صالح مرد کے عمل کی کفالت کی جو اس دور میں فوت ہوا جو روزانہ ایک سو دوگانہ پڑھا کرتا تھا۔ ان کے اس عمل کی کفالت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف فرمائی۔

کل من الاخیار۔ اور یہ سب کے سب خیر و بھلائی میں مشہور تھے اور یہ پچھلے مضمون سے بدل بھی ہے۔

فائدہ: آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی و تشفی دی جاری ہے کہ سابقہ انبیاء علیہم السلام جب طاعات میں جد و جہد کرتے اور شدائد و آفات اٹھاتے اور بلاؤں و ایذاؤں اور دشمنوں کی ہر تکلیف پر صبر کرتے اور وہ آپ سے شان میں کم تر تھے اسی لیے آپ ان تمام کے زیادہ حق دار ہیں اس لیے کہ ان سے افضل ہیں اور افضل کو مفعول سے زیادہ برداشت ضروری ہے تاکہ رفعتِ شان و بلندیٔ مراتب کا ظہور ہو۔

عشق صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نمونہ

حضرت اسماء بنت صدیق رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کفار کی مجلس سے گزرے تو اُن میں ایک نے اُٹھ کر آپ سے کہا تم ہمارے معبودوں کو گالی دیتے ہو۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں کہتا ہوں کہ تمام عالمین کا خدا صرف ایک ہے وہ بے شریک و بے نظیر ہے تم بت پرست ہو اور باطل کام کر رہے ہو۔ یہ سن کر کفار کا غول حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ٹوٹ پڑا اور زد و کوب

کی ان میں سے ایک بھاگا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی کہ تمہارا دوست دشمنوں کے نرغے میں ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوراً موقعہ پر پہنچے اور کفار سے کہا افسوس ہے تم ایسی شخصیت کو مارتے ہو جو کہتے ہیں میرا پروردگار اللہ ہے اور تمہیں پروردگار کی نشانیاں دکھاتے ہیں۔ ان بدبختوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر حملہ کر دیا اور بہت سخت پیٹا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زلفیں لمبی تھیں گھر آکر ایک ہاتھ سے زلف کو پکڑ کر کھینچا اور ایک بال ہاتھ میں لے کر کہا۔ تبارکت یا ذا الجلال والاکرام۔ رب العالمین یہ تمام رنج و بلا اپنے دوستوں کو دیتا ہے اور دوستوں کی دو چیزوں سے پیار کرتا ہے۔

(۱)۔ چشم گریان۔

(۲) دل بریان۔ اور چاہتا ہے کہ دوست روئے اس کے رونے کی تعریف فرماتا ہے۔ تفیض من الدمع[۲] اور وہ چاہتا ہے کہ بندہ رو کر اس کی درگاہ میں زاری کرے اس کی بھی تعریف فرماتا ہے وجلت[۳] مثنوی شریف میں ہے ؎

با سیاستہائے جاہل صبر کن
خوش مدارا کن بعقل من لدن

ترجمہ:۔ جاہل کی زیادتیوں پر صبر کیجیے من لدن کی عقل اس کی خاطر مدارات کر۔

صبر بر نا اہل آنرا جلیست
صبر صافی می کند ہر جا دلیست

ترجمہ:۔ نااہل سے صبر اہل لوگوں کا جلا ہے۔ صبر صفائی کرتا ہے جہاں کا دل ہو۔

آتش نمرود ابراہیم را
صفوت آئینہ آمد در جلا

ترجمہ:۔ آتش نمرود ابراہیم علیہ السلام کے لیے صفائی تھی جو اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل کو آئینہ کی طرح صاف و شفاف بنایا۔

لہ۔ کشف الاسرار ۱۲

عہ۔ آنسو بہاتے ہیں ۱۲ =

عہ ان کے دل ڈرتے ہیں ۱۲ =

جور کفر نوحیاں و صبر نوح
نوح را شد صیقل مرآت نوح

ترجمہ :۔ قوم نوح کا جور و ستم نوح علیہ السلام کے صبر کا امتحان تھا۔ وہ نوح علیہ السلام کے قلب کی صفائی کے لیے صیقل بنا۔

انبیاء رنج خساں بس دیدہ اند
از چنیں مارا بسے پیچیدہ اند

ترجمہ :۔ انبیاء علیہم السلام نالائقوں سے بہت رنج دیکھتے ہیں۔ ایسے سانپوں سے بہت بل کھاتے ہیں۔

رو بکش خنداں و خوش بار حرج
از پے الصبر مفتاح الفرج

ترجمہ :۔ جا خوش دلی سے تنگی کے بار کھینچ۔ اسی لیے حدیث میں ہے کہ "صبر کشادگی کی چابی ہے"۔
اے اللہ صبر پر ہماری مدد فرما۔

تفسیر عالمانہ :۔ ھذا ۔ یہ جو آیات مبارکہ میں انبیاء کرام علیہما السلام کی مجالس مقدسہ کا ذکر ہوا۔

ذکر۔ ان کی بزرگی اور ان کا ذکر جمیل ایسا ہے کہ ہمیشہ تک ہوتا رہے گا جیساکہ مشہور ہے کہ فلاں مر گیا لیکن اس کا نام باقی ہے اس کی یاد ہمیشہ رہے گی اور کہتے ہیں سوار مر گیا لیکن اس کا میدان باقی رہے گا۔

؎ یادگار است چوں حدیث بشر
یادگارت بخیر بہ کہ بشر

ترجمہ :۔ یادگار انسان کی بات کی طرح ہے تیری یادگار خیر سے ہو اچھا ہے نہ کہ شر سے۔

فائدہ :۔ تفسیر فارسی میں ہے کہ یہ انبیاء علیہم السلام کی خبر اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمہاری اور قوم کی خبر تمہاری یاد کا سبب ہے جیساکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا و انہ لذکر لك ولقومك ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ ذکر ان انبیاء علیہم السلام کا ہے جو پہلے گزر چکے ہیں اور تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یہ قرآن گزشتہ خبروں اور انبیاء علیہم السلام کے ذکر پر مشتمل ہے اور ان کے قصے بھی بیان کیے گئے ہیں تاکہ تم ان سے عبرت حاصل کرو اور ان کی اقتداء بھی کرو۔

و ان للمتقین ۔ (اور بیشک وہ لوگ جو صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں) یہ اس لیے کہ جنت عدن صرف اور صرف ایسے لوگوں کے لیے ہے جو اللہ تعالیٰ کے مخصوص ہیں۔

لحسن مآب۔ (اچھا انجام ہے آخرت میں) ان کا مرجع اچھا ہے اور دنیا میں ان کی ثنائے جمیل کے علاوہ یہ اضافت الصفۃ الی الموصوف کے قبیل سے ہے۔ دراصل مآبا حسنا تھا۔

جنات عدن۔ یہ حسن مآب کا عطف بیان ہے۔ عدن دراصل اقامت کو کہا جاتا ہے پھر علی طریقہ غلبہ علم ہو گیا ہے۔

حدیث شریف :۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت عدن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دستِ قدرت سے بنایا اس کی ایک اینٹ سونے کی اور ایک اینٹ چاندی کی ہے۔ اس کا گارہ مشک خالص کا ہے۔ اس کی مٹی زعفران کی۔ اس کی بجری یاقوت ایسی چیزوں سے تیار کر کے جنت عدن کو (اللہ تعالیٰ) نے فرمایا کہہ کیا کہتی ہے۔ عرض کی قد افلح المومنون تحقیق اہل ایمان کامیاب ہوئے۔ فرشتوں نے کہا تجھے مبارک ہو تو بادشاہوں کا گھر ہے۔

فائدہ :۔ فقیر (صاحب رُوح البیان) کہتا ہے کہ حدیث شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ جنت عدن خواص و مقربین کا ٹھکانہ ہے اور وہ عوام میں ایسے میں جیسے بادشاہ رعایا کے اور قد افلح المومنون کے اطلاق کا تقاضا بھی یہی ہے اس لیے کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مومن کے برگزیدہ صفات کا ذکر فرمایا ہے اور وہ سوائے خواص کے اوروں کے نصیب کہاں۔ اس سے خود اندازہ لگائیے کہاں مزدور اور کہاں سلاطین ہیں۔

مفتحۃ :۔ درانحالیکہ جب وہ حضرات جنت عدن میں پہنچیں گے تو کھلے ہوئے ہوں گے۔

لھم الابواب (ان کے لیے دروازے) ابواب مفتحۃ کا مفعول ہے یعنی وہ لوگ جب جنت عدن کے قریب جائیں گے تو اس کے دروازے کھلے ہوں گے انھیں کسی کی مدد کی ضرورت نہ ہو گی کہ دروازہ کھولنے کے لیے کسی کو کہیں اور ہی نہ اُن کے آگے کوئی حجاب ہو گا اور نہ ہی کسی سے اجازت طلبی کرنی پڑے گی بلکہ ملائکہ ان کا اہلاً سہلاً مرحبا کہتے ہوئے استقبال کریں گے اور نہایت تعظیم و تکریم کے ساتھ انہیں جنت عدن میں لے جائیں گے اور لے جاتے وقت کہیں گے سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار۔ تمھارے لیے سلامتی ہو یہ اس کا صلہ ہے جو تم نے صبر کیا اور بہترین ٹھکانہ ہے۔ یہ اس محاورہ سے ہے جب تم اپنے دوست کو کہو کہ جب تم آؤ گے تو ہمارے دروازے کھلے ہوں گے۔ تجھے داخل ہونے کے لیے کوئی رکاوٹ نہ ہو گی۔

سوال :۔ فتح مجرد کے بجائے تفعیل مزید باب لانے کی کیا ضرورت ہو گئی۔

جواب :۔ مبالغہ مطلب ہے اس کا یہ معنی نہیں کہ دروازوں کی کثرت ہو گی بلکہ یہ مبالغہ عظمت پر دلالت

کرتا ہے جیسا کہ اس کی وسعت اور داخل ہونے والوں کی کثرت پر مبالغہ ہے ممکن ہے اس میں اشارہ ہو کہ اس کے داخل ہونے والوں کی کثرت پر مبالغہ ہے ۔ ممکن ہے اس میں اشارہ ہو کہ اس . . . . . کے داخل ہونے کے لیے اسباب کثیر ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ بہشت کو مکارہ گھیرے ہوئے ہیں یہ اس لیے کہ جب جبریل علیہ السلام نے بہشت کی عظیم نعمتوں کو دیکھا تو عرض کی یا رب اس میں تو کوئی داخل نہ ہو سکے گا۔

متکئین فیہا۔ لھم سے حال ہے یعنی وہ ایسے بیٹھے ہوں گے جیسے اہل تنعم بیٹھتے ہیں بوجہ راحت و فرحت کے اور ظاہر ہے کہ ایسا بیٹھنا تنعم کی دلیل ہے ۔

ربط :۔ اب بتاتے ہیں کہ بہشت میں ان کا کیا حال ہو گا تو فرمایا **یدعون فیہا** ۔ بہشت میں مانگیں گے ۔ **بفاکہۃ کثیرۃ** ۔ بہت سے میوے جن کے مختلف رنگ ہوں گے اور وہ محض لذت کے طور رہیں گے نہ کہ بوجہ غذا کے ۔ اسی لیے ان کے میوہ جات کی طلب کا ذکر فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ ان کے ذائقے محض تلذذ و تفکہ کے طور ہو گا نہ کہ انھیں غذا کی ضرورت ہو گی اس لیے کہ غذا تو تحلل کے لیے ہوتی ہے اور تحلل کیسا ۔ وشراب اور وہاں طلب کریں گے پینے کی چیزیں ۔ بعض نے کہا کہ یہ در اصل شراب کثیر تھا ۔ اور کثیر کو پہلے کثیر کی وجہ سے حذف کیا گیا ہے ۔ یہاں بھی یہی مراد ہے کہ وہ پینے کی چیزیں مختلف رنگ کی ہوں گی ۔

فائدہ :۔ قرآن میں بہشت کی پینے کی دس چیزوں کا ذکر ہوا ہے مثلاً شراب جو چشموں اور نہروں کے ذریعے حاصل ہو گا اور دودھ اور شہد وغیرہ وغیرہ ۔ اور ظاہر ہے کہ دنیا میں ان چیزوں کا معنوی اور متنوع ذوق ہوتا ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ بہشت میں بھی ایسے ہو لیکن وہاں تو تجلیات کا ذوق ہو گا خواہ پینے کی چیزیں ہوں یا کھانے کی ۔

وعندھم ۔ اور متقیوں کے پاس **قاصرات الطرف** ۔ نیچی آنکھیں والی ہوں گی یعنی ان کی بیویاں صرف انھیں دیکھنے والی ہوں گی غیر کی طرف ان کا خیال تک نہ ہو گا یعنی ان کی بیویاں غیروں سے آنکھ چرائیں گی اور صرف شوہروں کو دیکھیں گی ۔

فائدہ :۔ بعض نے فرمایا کہ یہ اس محاورہ سے ہے کہ کہا جاتا ہے فلانۃ عند فلان یعنی وہ اس کی بیوی ہے [1] ۔ اتراب ۔ ترب (بالکسر) کی جمع ہے یعنی نوخیز عورتیں جسے عربی میں لدۃ کہا جاتا ہے اس کی

---

[1] کشف الاسرار ۱۲

ہاء یعنی تاء ہے۔ اس کے واؤ کے عوض کی ہے جو فن صرف کی وجہ سے اوّل سے گر گئی اور آخر میں تاء لائی گئی کہ
دراصل و لدٌ تھا از ولادة۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ نوخیز بیویاں جو شوہروں کی ہم سن ہوں گی۔ تساوی و تماثل
کی وجہ سے انھیں ترائب سے تشبیہہ دی جاتی ہے بمعنی سینے کی پسلیاں اور بوجہ ان کے زمین پر وقوع
کے یعنی انھیں بیک وقت مٹی مس کرتی ہے۔

فائدہ:۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ سن میں برابر ہوں گی نہ بوڑھی ہوں گی نہ چھوٹی چھوکریاں[1]۔
بعض نے یہ معنیٰ کیا کہ وہ اپنے شوہروں کے سن کے مطابق ہوں گی یعنی بہشت کی بیویاں اپنے
شوہروں کے سن کے مطابق ہوں گی جن کا مجموعی طور تینتیس سال ہے۔ نہ اس سے بڑی ہوں گی نہ چھوٹی۔

فائدہ:۔ بعض نے کہا کہ یہ فطرت انسانی کے خلاف ہے اس لیے کہ عورت مرد سے کم عمر ہو تو اس سے محبت
زیادہ مکمل اور آپس میں محبت راسخ تر ہوتی ہے اسی لیے مذکورہ بالا صفت بہشت کی عورتوں کے
لیے مدح نہ ہوئی اسی لیے بعض نے کہا کہ یہاں پر اتراب سے مراد یہ ہے کہ بہشت میں تمام عورتیں حسن و جمال
میں برابر ہوں گی۔ کسی ایک کو دوسری پر ترجیح نہ ہوگی۔ تاکہ کسی کی کسی دوسری عورت کی طرف رغبت نہ ہو۔

حدیث شریف:۔ میں ہے کہ بہشت میں بہشتی جرد مرد یعنی بے ریش اور بہت کم بالوں والے ہو کر داخل
ہوں گے اور اُن کی آنکھیں سرمگیں اور تینتیس (۳۳) سال کے ہوں گے اور ہر مرد کی
دو عورتیں اور ان عورتوں پر ستر پوشاک ہوں گی۔ ان کی پنڈلیوں کے اندرونی حصہ باہر سے نظر آئے گی۔

هذا۔ انہیں ملائکہ کہیں گے کہ یہ جو ثواب اور نعمتیں تیار ہیں **ما توعدون** وہ ہیں اسے متقیو نبی علیہ السلام
کی مبارک سے جن کا تمھیں وعدہ کیا جاتا رہا **لیوم الحساب**۔ حساب کے دن کے لیے کیونکہ حساب جزا
تک پہنچنے کی علت ہے۔

فائدہ:۔ فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ اس کا اصل یوں ہو۔ **ما توعدون بوقوعہ الخ**
یعنی یہ وہ ہے جس کے وقوع کا یوم حساب و جزاء کا تم کو وعدہ کیا جاتا رہا۔

ان هذا۔ بیشک وہ جو نعمتیں اور کرامتیں مذکور ہوئی ہیں **لرزقنا** البتہ ہمارا رزق ہیں یعنی ہماری عطا
ہے جو ہم نے تمھیں بخشی ہے۔ **ما له من نفاد**۔ اسے ختم نہیں ہونا یعنی نہ انھیں ہمیشہ منقطع ہونا اور نہ ان پر
زوال ہے دفنا۔

حل لغات:۔ المفردات میں ہے **النفاد** بمعنی **الفناء** ہے۔

---

[1] کشف الاسرار ۱۲

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ کا قانون ہے کہ جو کچھ جس شئے سے کھا لیا جائے گا
فائدہ:۔ اس طرح اس کے بعد تیار ہو جائے گا اور وہاں کے حیوانات اور پرندوں کا بھی یہی حال ہو گا کہ جب انہیں کھا لیا جائے گا تو وہ پھر پہلے کی طرح زندہ ہو جائے گا۔

تفسیر صوفیانہ:۔ جنات عدن سے لے کر یوم الحساب تک میں اشارہ ہے کہ یہ جنات ایسی صفات سے ان کے دروازے کھلے ہیں اور بہشت کے بعض دروازے وہ ہیں جو مخلوق کیطرف کھلتے ہیں بعض وہ ہیں جو خالق کیطرف لیکن کوئی انمیں ایک بھی بند نہیں ہوتا وہ خالق کے دروازہ سے داخل ہو کر بہشت کی نعمتوں سے بہرہ ور ہو کر خالق کے دروازے سے نکل کر مقعد صدق میں ملیک مقتدر کے ہاں جا کر بیٹھیں گے انہیں جنت کی نعمتیں مقید نہیں کریں گی تاکہ وہ صرف اہل جنت رہیں جیسے وہ دنیا کی نعمتوں سے دوزخی نہیں ہو جاتا ایسے جلیس وا رہیں اور دونوں منزلوں کے انعامات سے دو کنے سے خالص کر دیتا ہے اور انہیں اہل اللہ و خاصان خاص بنا دیتا ہے ۔ ان ھذا لرزقنا مالہ من نفاد ۔ یعنی یہ وہ ہے جو انہیں ہم نے ازل میں عطا فرمایا ہے وہ ہمیشہ تک ختم نہ ہو گی ۔

سبق:۔ سمجھ دار وہ ہے جو لذاتِ فانیہ سے منہ پھیرتا اور اذواق باقیہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ فنا بقا تک پہنچاتی ہے جیسے فقر غنا تک پہنچاتا ہے اور ہر محتاج کے لیے استغنا رہے۔

حکایت:۔ ایک شخص بہت بڑا مالدار تھا اس کے دل میں خیال گزرا کہ مال کو کسی کاروبار میں لگائے چنانچہ ایک کشتی پر سوار ہوا وہ جس کشتی میں بیٹھا تھا وہ کشتی اچانک ٹوٹ گئی اور اس کا تمام مال دریا میں غرق ہو گیا ایک تختہ بچ گیا جس پر وہ بیٹھا تھا۔ کئی سال مفلسی میں گزارے نہ کوئی یار نہ غمگسار۔ ایک رات غمگین ہو کر دریا کے کنارے بیٹھا تھا پیالہ ہاتھ سے گرا پریشانی سے یہ شعر پڑھا ؎

اذا شاب الغراب اتیت اھلی
و ھیھات الغراب متی یشیب

ترجمہ:۔ جب کوا بوڑھا ہو گا تو میں گھر آؤں گا لیکن کوا کب بوڑھا ہو گا۔

اس کے شعر کے جواب میں دریا سے آواز آئی ؎

عسی الکرب الذی امسیت فیہ
یکون وراءہ فرج قریب

ترجمہ:۔ عنقریب تیرا وہ دکھ جس میں گزار رہا ہے اس کے پیچھے کشادگی قریب ہے۔

دوسرے دن اسی کی نگاہ دریا پر پڑی تو ایک بڑی شے دیکھی جب قریب آئی تو کشتی دلہن کی طرح آراستہ پیراستہ تھی جب اس کشتی والوں نے دیکھا تو کہا تیرا کیا ماجرا ہے۔ تمام کہانی سنائی اور اپنے شہر کا پتہ دیا انہوں نے

پوچھا تیرا کوئی بیٹا بھی تھا کہا ہاں اُس کے ایسے ایسے نشانات ہیں۔ سب نے سنتے ہی اُس شخص کو چوما اور کہا کہ یہ کشتی تیرے بیٹے کی ہے اور ہم سب اُس کے نوکر چاکر ہیں۔ یہ جو کچھ ہے سب تیرا ہے۔ یہ کہہ کر اُسے نہلایا دھلایا۔ حجامت بنائی اور بہترین پوشاک پہنا کر اسے اپنے گھر لے آئے۔

اس شخص کا تو یقین ہو چکا تھا کہ بس اَب تاموت یہی حال رہے گا اور عیش کے دن گزر گئے لیکن

فائدہ: اللہ تعالیٰ نے اسے پہلے سے بھی ابتر اور بر تر وقت بخشا۔ اس سے معلوم ہُوا کہ اس کا رزق ختم نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کی عطا کی کوئی انتہا ہے۔

ھذا۔ یعنی متقین کا یہ معاملہ وہ ہے جسے ہم نے ذکر کیا۔

بعض مفسرین نے فرمایا یہ ھذا اس قبیل سے ہے کہ جونہی لکھنے والے ایک مضمون سے فارغ ہو

ربط:: کر دوسرے مضمون کو شروع کرتے ہیں تو ارادہ کرتے ہیں کہ پچھلے مضمون پر کوئی حد بندی ہو تاکہ معلوم ہو کہ آنے والا مضمون ایک علیٰحدہ شے ہے۔ وہ ھذا بمعنی احفظ ھذا الخ کے ہے یعنی گزشتہ مضمون کو خوب یاد کرے اور آنے والے مضمون کا انتظار کیجئے۔

وان للطاغین۔ اور بیشک اُن کے لیے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم پر سرکشی اور رسل کرام علیٰ نبینا وعلیہم السلام کی تکذیب کی۔ اس سے کفار مراد ہیں۔

فائدہ:۔ امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ الطغیان بمعنی گناہوں سے حد سے بڑھ جانا۔

شر مآب۔ آخرت میں بہت بُرا ٹھکانہ ہے جھنم وہ جہنم ہے۔ یہ شر مآب سے عطف بیان ہے۔

یطغونہا۔ طاغین کی ضمیر منوی سے حال ہے یعنی درانحالیکہ قیامت میں وہ اس میں داخل ہو کر اس کی گرمی پائیں گے جس کے لیے آج وہ اپنے راستہ پر خود کانٹے بچھا رہے ہیں۔

فبئس المھاد۔ تو وہ جہنم بہت بُرا ٹھکانہ ہے۔ مہد و فراش نائم کے فراش (بستر) سے مستعار ہیں اس لیے کہ جہنم میں نہ تو بچھونے ہوں گے اور نہ بستر۔ ان کا اوڑھنا بچھونا صرف اور صرف آگ ہوگی اور بس جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لھم من جھنم مھاد۔ ان کے جہنم کے بچھونے ہوں گے یعنی ان کے نیچے بچھونے کی طرح آگ ہوگی۔ ومن فوقھم غواش۔ اور ان کے اُوپر آگ کے خیمے تنے ہوں گے۔ غواش بمعنی اغطیہ کے خیمے یعنی ان کے اُوپر نیچے آگ ہی آگ ہوگی (معاذاللہ)

ھذا فلیذوقوا۔ یہی عذاب چکھیں۔ الذوق بمعنی منہ سے کسی شے کا چکھنا۔ دراصل یہ قلیل شے کے لیے مستعمل ہوتا ہے لیکن یہ کثیر کی بھی صلاحیت رکھتا ہے یعنی کھانا کھانا اور بطور تہکم قرآن میں بکثرت مستعمل ہوا ہے۔

حمیم ۔ گرم پانی ۔ حمیم بمعنی شدید گرم پانی ۔ یعنی وہ گرم پانی کہ جس کی گرمی انتہا کو پہنچ جائے کہ جونہی لبوں تک پہنچے انھیں جلا کر راکھ بنا دے ۔ اور جب وہ پیٹ میں جائے تو ٹکڑے ٹکڑے کر دے (معاذ اللہ)

و غساق ۔ اور پیپ ۔

حل لغات :۔ غساق وہ گندا پانی جو اہل نار کے آنکھ میں پگھلنے سے نکلے ۔ یہ غسقت العین سے ہے یعنی اس کے آنسو بہ نکلے ۔

فائدہ :۔ حضرت کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس سے پیپ مراد ہے جو کہ دوزخیوں کے گوشت پوست اور زانیوں کے فروج سے خارج ہوتا ہے اسے جمع کر کے ان دوزخیوں کو پلایا جائے گا (معاذ اللہ)

فائدہ :۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا غسّاق سے زمہریر مراد ہے اس کی ٹھنڈک انھیں ایسے جلا دے گی جیسے آگ کی گرمی جلاتی ہے ۔ الغساق بر وزن سحاب[1] یعنی بدبودار ٹھنڈک کی سختی کہ اگر اس کا ایک قطرہ مشرق میں ہو تو اس کی بدبوئی سے مغرب والے بدبو پائیں ۔ ایسے ہی مغرب میں قطرہ ہو تو مشرق والے بدبو پائیں ۔

فائدہ :۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ وہ ایسا عذاب ہے جو لوگوں سے مخفی ہے جیسے اطاعت گزاروں کا ثواب ان سے مخفی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا فلا تعلم نفس ما اخفی لھم ۔ کوئی نفس نہیں جانتا کہ ان کے لیے کیا چھپا ہوا ہے ۔ چونکہ گنہ گاروں نے گناہ چھپ کر کیے اسی لیے ان کی سزا بھی ان سے اب مخفی ہے ۔ یہ بھی ایک قسم کی سزا ہے ۔ بعض نے کہا کہ وہ جہنم میں ایک گڑھا ہے جو بچھو سانپ کی زہر سے پُر کیا جاتا ہے اس میں کافر وغیرہ کو غوطہ دیا جائے گا ۔ اس سے اس کے جسم کی ہڈیوں سے چمڑہ اور گوشت اُتر جائے گا ۔

تفسیر صوفیانہ :۔

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یہ وہ دن ہے جسے تم نے خود تیار کیا ۔ فلیذوقوا قیامت میں اسے چکھو یعنی آج قیامت میں تمھیں اپنے کردار کی صورت کا معنیٰ حاصل ہوا ہے وہ ہے حمیم و غسّاق ۔ اس کا چکھنا صرف اور صرف ان کے کرتوتوں کا نتیجہ ہوگا جو انہوں نے دنیا میں کیے ؎

ہر کہ دو نیک می کند یابد
نیک و بد ہر کہ می کند یابد

ترجمہ :۔ جو کوئی نیکی یا برائی کرتا ہے اُس کی سزا پائے گا ۔

---

[1] القاموس ۱۲

خلاصہ یہ کہ مومن بہشت میں میوہ جات پائے گا تو کافر کو جہنم میں حمیم دغساق ملے گا۔

تفسیر عالمانہ: و اخر۔ ان کا دوسرا چکھنا یا دوسرا عذاب من شکلہ اس شکل کا ہوگا یعنی شدت اور خرابی میں پہلے چکھے ہوئے یا پہلے عذاب کی طرح ہوگا۔ ازواج۔

ترکیب: آخر پہلا مبتدا اور ازواج دوسرا مبتدا ہے اور من شکلہ ازواج کی خبر ہے پھر جملہ آخر پہلے مبتدا کی خبر ہے۔

فائدہ: ازواج بمعنی اجناس کیونکہ عذاب گوناگوں ہونا ممکن ہے یعنی یہ عذاب گوناگوں ہوگا تعذیب وایلام میں ایک دوسرے کے مشابہ ہوں گے۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے اور قسم کے عذاب جو پہلے عذاب کی طرح ہوں گے اس میں اشارہ ہے کہ ہر گناہ کا عذاب گناہ کی نوعیت پر گوناگوں ہوگا۔ جیسے زمین میں جو بیج ڈالا جائے وہی ثمرہ حاصل ہوگا جو بیج کی مناسب ہوگا۔ ؎

ہم نیت بسند است گر بشنوی
کہ گر خار کاری سمن ندروی

ترجمہ: تجھے اتنا کافی ہے اگر غور سے سنو کہ اگر کانٹا بوؤ گے تو گلاب نہیں کاٹو گے۔

تفسیر عالمانہ: هذا فوج مقتحم معكم ۔

حل لغات: فوج بمعنی جماعت اور لوگوں کا گروہ اور افاج بمعنی اسرع وعداوند امام راغب نے فرمایا کہ چلنے اور عجلت والی جماعت کو کہتے ہیں۔ یہ لفظاً منفرد اور معنی جمع ہے اسی لیے اس کی صفت مقتحم آئی ہے نہ کہ مقتحون الاقتحام بمعنی شدت کے ساتھ کسی شے میں داخل ہونا اور القحمہ بمعنی الشدۃ۔ القاموس میں ہے کہ قحم فی الامر قحوماً نصر کا باب ہے جو بغیر دیکھے اپنے آپ کو پھینک مارے۔

فائدہ: کفار کے رؤسا جب دوزخ میں داخل ہوں گے تو انہیں دوزخ کے فرشتے ان کے ان تابعداروں کی طرف اشارہ کرکے کہیں گے جنہیں انہوں نے گمراہ کیا ہوگا کہ یہ فوج بھی دوزخ میں داخل ہونے میں بالاضطرار تمہارے ساتھ ہوگی جیسے وہ کفر و گمراہی میں بالاختیار تمہارے تابع ہوئے۔ اب دیکھ لو کہ تمہارا اب اتنا تعلق منقطع ہے کہ تم ایک دوسرے کی مدد بھی نہیں کرسکتے بلکہ ایک دوسرے کے جانی دشمن ہو۔

فائدہ: بعض مفسرین نے کہا کہ دوزخ کے داروغے تابع متبوع کفار کو ایک ہی کوڑے سے ماریں گے تو کوڑوں کے ڈر سے اکٹھے ہی دوزخ میں دھڑام کرکے گریں گے۔ اسے اقتحام سے تعبیر کیا گیا ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ یہ وہ گروہ ہے کہ تمہارے ساتھ رنج و سختی سے دوزخ میں آئیں گے جو بھی حرص و شہوت سے کسی

جگہ پر ہوتا ہے تو وہ چاہتا ہے اسے یہاں سے کوئی نہ ہلائے لیکن وہاں اُس کی خواہش کے خلاف ہوگا۔

لا مرحبا بھم :۔ انھیں کوئی خوش آمدید نہیں۔

حل لغات :۔ مرحبًا مصدر بمعنی رحب ہے بمعنی وسعت اور بہم مدعو کا بیان ہے اور اس کا منصوب ہونا فعل محذوف کے مفعول بہ کی وجہ سے ہے۔ دراصل لا یصادفون مرحبًا وسعۃ وہ ان سے وسعت سے ملاقات نہیں کریں گے یا دراصل لا یاتون رحب عیش ولا وسعۃ۔ اور وہ فراخ عیش اور وسیع مکان میں نہ آئیں گے۔ خلاصہ یہ کہ انھیں کسی قسم کی عزت نصیب نہ ہوگی یا یہ مفعول مطلق ہے کہ دراصل لا رحبھم عیشھم و منزلھم رحبا۔ نہ ان کا عیش فراخ ہوگا نہ ان کی منزل بلکہ انھیں تنگی ہی تنگی ہوگی خلاصہ ترجمہ یہ ہے کہ خدا کرے۔ انہیں کسی قسم کی مرحبا نہ ہو۔

فائدہ :۔ حضرت کاشفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا مرحبا ایسا کلمہ ہے کہ مہمان کی آمد پر اس کے اکرام میں کہا جاتا ہے اور بعض نے کہا کہ جب کوئی کسی دوسرے کو مرحبا کہتا ہے تو اُس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تو بلا محنت سے چھوٹا اور وسعت و خیر کثیر میں آپہنچا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ کلمہ ہر آنے والے کے اکرام و اظہار مسرت پر کہا جاتا ہے تاکہ اس کا آنا مبارک منصور ہو اور جب اس پر لفظ لا آتا ہے تو اس سے بد دعا مراد ہوتی ہے۔

مسئلہ :۔ بعض شروح الحدیث میں ہے کہ مرحبا کہنا سنت اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اقتدار ہے کہ آپ نے فرمایا مرحبا یا ام ھانی۔ خوش آمدید اے اُم ہانی۔ یہ اُس وقت ہوا جب فتح مکہ کے موقع پر بی بی اُم ہانی رضی اللہ عنہا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔

تعارف حضرت اُمّ ہانی رضی اللہ عنہا

حضرت اُمّ ہانی رضی اللہ عنہا ابو طالب کی صاحبزادی ہیں۔ آپ نے فتح مکہ کے دن اسلام قبول کیا اور مکہ معظمہ کے ابواب میں سے ایک باب کا نام باب اُمّ ہانی ہے اس لیے کہ آپ رضی اللہ عنہا کا گھر اسی جانب تھا اور صحیح یہی ہے کہ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج اسی بی بی کے دولت کدہ سے ہوئی۔ حضرت مولا جامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ؎

چو دولت شد زبد خاہاں نہانی
سوئے دولت سرائے اُمّ ھانی

ترجمہ :۔ جب دولت دشمنوں سے پوشیدہ ہو کر اُمّ ہانی کے گھر کو روانہ ہوئی۔

انہم صالوا النار۔ یہ دوزخ کے داروغوں سے تعلیل ہے اس لیے کہ وہ کفار اس بددعا کے اس لیے مستحق ہیں کہ وہ اپنے بُرے اعمال اور استحقاق کی وجہ سے دوزخ میں داخل ہوں گے۔

قالوا۔ جب لا مرحبا کہا جائے گا تو کفار کی اتباع (ان کی تابعداری کرنے والے) اپنے لیڈروں کو کہیں گے بل انتم لا مرحبا بکم۔ بلکہ تمھیں خوش آمدید نہ ہو کیونکہ تم ہی اس کے لائق ہو۔ لیڈروں کو خطاب کریں گے حالانکہ ظاہراً مضمون کا تقاضا یہ ہے کہ وہ دوزخ کے داروغوں سے معذرت کرتے لیکن اس کے برعکس لیڈروں کو لا مرحبا کہنے کی صداقت اور اپنے لیڈروں سے مخاصمت کا اظہار اور داروغوں کی طرف اپنا فیصلہ پیش کرنے کے لیے اس طمع پر شاید انھیں عذاب سے تخفیف نصیب ہو یا کم از کم یہ ہو کہ اُن کے لیڈروں کے عذاب میں اضافہ ہو۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے لیڈرو خدا کرے تمھیں کوئی خوش آمدید نہ ہو۔ یہ جو ہمیں لا مرحبا کہا گیا ہے یہ تمھاری وجہ سے ہے کہ نہ تم ہمیں گمراہ کرتے نہ ہم یہ مصائب دیکھتے۔ اور اے بدبختو! تم خود تو گمراہ تھے اور ہمیں بھی لے ڈوبے۔

انتم قدمتموہ لنا۔ یہ لیڈروں کے زیادہ مستحق ہونے کی تعلیل ہے کہ تم ہی ہمارے لیے عذاب لائے یا تم نے ہی ہمیں جہنم میں دھکیلا یا تم ہی جہنم میں لے ڈوبے بوجہ تمھارے ان گندے عقائد اور برے اعمال کے کہ تم نے انھیں ہمارے سامنے سنگار کر کے پیش کیے اور ہمیں ان کے کاربند ہونے پر اُبھارا ورنہ کب تھے ایسے عقائد و اعمال کے ارتکاب کرنے والے۔

فائدہ:- اتباع یعنی لیڈروں کی تابعداری کرنے والوں کو عذاب اُن کے گندے عقائد اور بُرے اعمال کی وجہ سے لیڈروں نے انھیں مجبور تو نہیں کیا تھا بلکہ اُنھوں نے اختیار پر الکار تکاب کر کے ان سے موصوف ہوئے ہاں لیڈروں نے یہ ضرور کیا کہ انھیں گمراہ کر کے ان پر اُبھار اور ترغیب و تحریص دلائی اور تقدیم عذاب و دخول نار کی ان کی طرف منسوب کرنے میں سببیت کے لیے اتنا قدر کافی ہے۔

فبئس القرار۔ تو جہنم بُرا ٹھکانہ ہے۔ اتباع نے لیڈروں کی مذمت بھی اسی لیے کی کہ ان کو اس بُرے ٹھکانے میں لانے کے سبب تھے۔

قالوا۔ لیڈروں سے جھگڑا ختم کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف عجز و نیاز اور انکساری سے کہیں گے ربنا من قدم لنا ھذا۔ اے ہمارے رب ہمیں جو کبھی اس عذاب یا جہنم میں لایا۔

فائدہ:- تفسیر فارسی میں ہے کہ وہ جس نے ہمارے سامنے کفر و گمراہی پیش کی اور جس نے ہمارا راستہ مارا۔ فزدہ عذابا ضعفا من النار۔ تو اس کا جہنم کا عذاب دوہرا فرما یعنی جتنا وہ پہلے عذاب میں مبتلا اس سے اس کا عذاب دوگنا کر دے۔

فائدہ: جس نے مَنْ کو شرطیہ بنایا ہے وہ فزادہ کو اس کا جواب کہتا ہے اور یہ موصولہ بمعنی الذی بھی ہو سکتا ہے تو اس وقت مرفوع المحل بتدا اور اس کی خبر خوفزدہ ہے اور فار زائدہ اور بتدا متضمن شرط کے معنیٰ کا ہے اور ضعفا عذابا کی صفت اور بمعنی صفاعفا ہے اور فی النار زدہ کی ظرف ہے یا عذابا کی لغت اصفت ہے۔

فائدہ: امام راغب نے فرمایا ضعف ان متضایفہ اسمار سے ہے کہ جسکے ایک کے وجود سے دوسرے کا ہونا ضروری ہو جیسے ضعف وزوج بمعنی جفت یعنی دو برابر قدر والوں سے مرکب اور یہ اسمائے عدد کے ساتھ خاص ہے۔ جب کہا جائے ضعفت الشئ وضاعفۃ تو اس کا معنیٰ ہوگا کہ میں نے شے کے ساتھ اس جیسا یا اس سے بڑھ کر اور ملایا۔ اب عذابًا ضعفا کا معنیٰ ہوگا عذاب دوہرا کیا ہوا کہ پہلے عذاب جیسا اور اس معنیٰ پر ضعفین بمعنی مثلین ہوگا۔ اس لیے شے کا ضعف وضعیف اس کا ہم مثل ہوتا ہے جیسے قرآن مجید میں کفار کی اس جیسی اور دُعا ہے کہ ربنا وآتھم ضعفین من العذاب اے پروردگار انھیں دوہرا عذاب دے۔

سوال: وہ عذاب جسے دوصرا کہا جا رہا ہے اگر وہ اس کے مستحق تھے تو اسے دوہرا کہنا کیسا۔ اگر اس کے مستحق نہ تھے تو ظلم میں شمار ہوگا۔ پھر قیامت میں اللہ تعالیٰ سے اس کے لیے کفار کہنا کیسا۔

جواب: تضعیف (دوہرا کرنا) بایں طور ہوگا کہ ایک عذاب ان کے اپنے گمراہی کی وجہ سے دوسرا دوسروں کو گمراہ کرنے کا۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے برے طریقہ کی بنیاد ڈالی تو قیامت میں اس پر اس کا اور ان لوگوں کا گناہ ہوگا جنھوں نے اس پر عمل کیا ہوگا اسے یوں سمجھیے کہ دو کافروں میں سے ایک نے زنا اور قتل کا ارتکاب کیا تو نفس کفر کے عذاب میں دونوں کافر برابر ہیں لیکن زانی وقاتل کو زنا و قتل کا عذاب بھی ہوگا اس معنیٰ پر یہ بہ نسبت دوسرے کافر کے اسے دوہرا عذاب ہوگا ایک کفر کا دوسرا قتل اور زنا کا۔

اعجوبہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دوہرے عذاب سے چھوٹے بڑے سانپ مراد ہیں اس لیے کہ مضل (گمراہ کرنے والے) نے دنیا میں جسے گمراہ کیا اس کی روح کو ایذا دی تو اللہ تعالیٰ آخرت میں ایذا دیتے ہوئے کو ایذا دینے والے پر مسلط کرے گا کیونکہ جیسا عمل ویسی سزا۔

سبق: سالک عاقل کو چاہیئے کہ وہ باطن کی اصلاح اور اخلاق ذمیمہ واوصاف قبیحہ کا تزکیہ کرے اور ظاہر کی بھی اصلاح اور اسے اقوال شنیعہ واعمال فظیعہ سے سنگار ے۔ بُری صحبت پر مغرور

نہ ہو کیونکہ کل قیامت ہر دوستی اور یاری کا دم بھرنے والے ساتھ نہ دیں گے کل صرف اور صرف قلب سلیم اور علم نافع اور عمل صالح کام آئیں گے۔ ؎

بضاعت بچند آنکہ آری بری
و گر مفلسی شرمساری بری

ترجمہ جتنی پونجی لاؤ گے اتنا نفع پاؤ گے اگر مفلس ہو تو شرمساری اٹھاؤ گے۔

اے اللہ ہمیں رحمت والوں سے بنا زحمت والوں سے نہ بنا۔

و قالوا۔ اور سرکش لوگ جیسے ابوجہل اور اُس جیسے کافر بڑے کافر یعنی دوزخ میں قریش کے لیڈر کہیں گے ما لنا۔ آج ہمیں کیا ہو گیا ہے۔

فائدہ: ما استفہامیہ بتدار اور لنا اس کی خبر ہے جیسے مالی لا اری الهدهد۔ میں استفہامیہ الخ ہے یہ استفہام اپنے حقیقی پر نہیں بلکہ تعجب کا ہے اس لیے کہ سمجھ دار آدمی اپنی ذات سے استفہام نہیں کرتا۔

لا نری رجالا۔ فعل منفی مالنا کے معنیٰ فعل سے حال ہے جیسے کہا جاتا ہے مالك قائمًا بمعنی ما تصنع قائمًا اور اس عبارت کا اصل یوں ہوا کہ ما تصنع حال کوننا نرا ئین اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم کس حال میں ہیں کہ دوزخ میں آج ہم ان مردوں کو نہیں دیکھ رہے۔ کنا جنہیں ہم دنیا میں کنا نعدھم من الاشرار۔ انھیں اشرار یعنی مردودوں سے گنتے تھے۔ اشرار۔ شر کی جمع ہے۔ ہر وہ شے جس سے سب کو نفرت ہو جیسے خیر وہ جس میں ہر ایک رغبت ہو۔ ان سے ان کی مراد وہ فقراء مسلمان ہیں جنہیں وہ رذیل سمجھ کر ان کی مذاق اُڑایا کرتے جیسے حضرت صہیب رومی و حضرت بلال حبشی اور حضرت سلمان فارسی اور حضرت خباب و حضرت عمار رضی اللہ عنہم و دیگر وہ فقراء و مساکین جنہیں رذیل سمجھ کر ان کے متعلق کہا کرتے یہی ہیں جنہیں ہماری بجائے اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے منتخب فرمایا ہے۔

فائدہ: اشرار یا تو بمعنی ارذال ہے اور وہ کمینے لوگ جنہیں ذرہ بھر خیر نہ ہو اور نہ ہی ان سے کسی فائدہ کی اُمید ہو جیسے کہا جاتا ہے ھذا من شر المتاع۔ یہ سامان کسی کام کا نہیں۔ یا اس لیے کہ وہ چونکہ ان کے دین کے خلاف تھے تو لامحالہ وہ ان کی نظروں میں اشرار ٹھہرے۔

اتخذ ناھم سخریا۔ یہ ہمزہ استفہام قطعی ہے۔ دراصل أ اتخذ ناھم تھا۔ ہمزہ استفہام کی وجہ سے ہمزہ وصلی حذف کر دیا گیا۔

حل لغات: سخریا (بالضم السین وکسرہا) سخر السخری ہے۔ سخر بمعنی ہزا استخر یعنی ٹھٹھا مخول کرنا۔ اس کا

اسم السخریہ والسخری آتا ہے اور بالکسر بھی آیا ہے۔ بالنسبت کی مبالغہ کے اور بڑھا دی گئی ہے کیونکہ یہ فعل میں قوت پیدا کرنے کے لیے لائی جاتی ہے جیسے خصوص میں خصوصیۃ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ کیا تم نے ٹھٹھا مخول بنا رکھا ہے۔ یہ بطور انکار و ملامت کے کہیں گے کیونکہ یہ استفہام انکاری و توبیخی ہے اس سے انھیں جھڑکنا اور ان کی ملامت مراد ہے۔

ام زاغت عنھم الابصار۔ یہ زاغ بمعنی مال عن الاستقامت و ذاغ البصر سے ہے۔ اور اَم متصلہ جو اتخذ ناھم کے معنیٰ میں برابری پیدا کرنے کے لیے ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ دو امروں میں ایک ضروری ہے۔ ان سے ٹھٹھا مخول کر رہے ہو یا ان کی تحقیر و اہانت اس لیے کہ کسی سے آنکھ پھیرنا اور اس طرف توجہ نہ کرنا تحقیر و اہانت کے لوازمات سے ہے کہ جب کسی کی اہانت مطلوب ہوتی ہے تو اس سے آنکھ چرالی جاتی ہے خلاصہ یہ کہ ان ہر دونوں امروں سے توبیخ و زجر مراد ہے۔

فائدہ: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ ہر دونوں فعل ہوئے یعنی ان سے ٹھٹھا مخول بھی ہوا اور ان کی تحقیر و اہانت کرتے ہوئے ان سے آنکھیں بھی پھیر لی گئیں۔ اس سے صرف اور صرف زجر و توبیخ مطلوب ہے اور بس۔

فائدہ: یہ بھی ممکن ہے کہ ام منقطعہ ہو اب معنیٰ یہ ہوگا کہ تم نے ان سے ٹھٹھا مخول کیا بلکہ دنیا میں ہم نے انھیں سمجھ کر آنکھیں بھی پھیر لیں حالانکہ در حقیقت یہ ہم سے بہتر تھے اور ہمیں علم نہ تھا کہ ان سے ٹھٹھا مخول اور ان کی تحقیر و اہانت اور ان سے منہ پھیرنا اور انھیں ذلیل سمجھنا ہمارے لیے وبال ثابت ہوگا۔

حدیث شریف: احادیث میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ فقرائے اسلام کو بہشت کے بالاخانوں میں بٹھائے گا اور حکم فرمائے گا کہ کفار کی طرف جھانک کر دیکھیں تاکہ ان کی حسرت اور پریشانی میں اضافہ ہو۔

ان ذلک۔ بیشک وہ جو ان کے احوال مذکور ہیں۔

لحق۔ ہیں ان کا وقوع لازمی اور ضروری ہے۔ تخاصم اھل النار۔ جہنمی لیڈروں اور ان کے تابعداروں کا جھگڑنا۔ آنے والے وقت کی قبل از وقوع خبر دی گئی ہے ان کی باہمی گفتگو کو جھگڑنے سے تشبیہ دی گئی ہے جیسے ایک دوسرے سے جھگڑا کرنے والوں کی باتیں ہوتی ہیں وہ بھی دوزخ میں ایسے باہم گفتگو ہوں گے۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے و قالوا و مالنا میں اشارہ ہے کہ ان کا جھگڑنا اپنے نفس سے ٹھٹھا مخول کریں گے جیسے وہ دنیا میں اہل ایمان سے ٹھٹھا مخول کرتے تھے

ے قاموس ۱۲

اور کہیں گے ہمیں کیا ہوا کہ جن کو ہم اشرار سمجھتے تھے آج وہ ہمیں نظر نہیں آتے ہم نے ان سے ٹھٹھا مخول کیا تھا حالانکہ وہ اشرار نہ تھے۔

اَم زاغت عنہم الابصار۔ کیا ہماری آنکھیں اُن سے پھر گئی ہیں حالانکہ وہ ہمارے ساتھ ہیں۔

ان ذلک۔ بیشک ان کا یہ جھگڑا۔ لحق۔ اپنے نفس سے حق ہے۔ تخاصم اہل النار۔ اہل نار کا جھگڑنا ندامت سے ہوگا اور یہ ندامت انھیں کوئی فائدہ نہ دے گی اور نہ ہی جھگڑنے سے ان کو کوئی نفع ہوگا۔

مسئلہ: آیت میں کفار کی مذمت ہے۔

حدیث شریف: فقراء و مساکین کے ہاں دولت پہنچنے سے پہلے امداد کیا کرو کیونکہ قیامت میں اللہ تعالیٰ فقراء و مساکین کو جمع کرکے فرمائے گا کہ اب دولت مندوں سے منہ پھیر لو لیکن ان کو تلاش کرکے بہشت میں لے جاؤ جنھوں نے تمھیں ایک لقمہ دیا یا کپڑے پہنائے یا پانی کا گھونٹ پلایا یا تمھاری کوئی تکلیف دفع کی۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

از کراں تا بکراں لشکر ظلمت ولے
از ازل تا ابد فرصت درویشاں ست

ترجمہ: ایک کنارہ سے دوسرے کنارے تک ظلم ہی ظلم ہے لیکن ازل سے ابد تک درویشوں کو فرصت و فراغت ہے۔

حدیث شریف: بہشت کے بادشاہ وہ ہوں گے جو آج اُجڑے بالوں اور پرانے کپڑے والے ہیں کہ دنیا میں جب بھی کسی کے گھر داخل ہونے کی اجازت طلب کرتے تو اجازت نہ ملتی۔ اگر کسی عورت سے نکاح کے خواہاں ہوتے تو محروم رہتے۔ جب وہ کوئی بات کرتے تو نہ سنی جاتی اگر اُن کے نور کی تقسیم تمام اہل دنیا پر ہو تو بھی ان کا نور گنجائش رکھتا ہے۔[1]

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

نظر کردن بدرویشاں منافی بزرگی نیست
سلیماں با چناں حشمت نظرہا بود با مورش

ترجمہ: درویشوں کی طرف نظر التفات بزرگی کے خلاف نہیں سلیمان علیہ السلام باوجودیکہ بہت بڑے

---

[1] انیس المنقطعین ۱۲

قُلْ إِنَّمَآ أَنَا مُنذِرٌ ۖ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا ٱللَّهُ ٱلْوَٰحِدُ
ٱلْقَهَّارُ ○ رَبُّ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا
ٱلْعَزِيزُ ٱلْغَفَّٰرُ ○ قُلْ هُوَ نَبَؤٌا۟ عَظِيمٌ ○ أَنتُمْ عَنْهُ
مُعْرِضُونَ ○ مَا كَانَ لِىَ مِنْ عِلْمٍۭ بِٱلْمَلَإِ ٱلْأَعْلَىٰٓ إِذْ
يَخْتَصِمُونَ ○ إِن يُوحَىٰٓ إِلَىَّ إِلَّآ أَنَّمَآ أَنَا۠ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ○
إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَٰٓئِكَةِ إِنِّى خَٰلِقٌۢ بَشَرًا مِّن طِينٍ ○
فَإِذَا سَوَّيْتُهُۥ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِى فَقَعُوا۟ لَهُۥ سَٰجِدِينَ ○
فَسَجَدَ ٱلْمَلَٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ ○ إِلَّآ إِبْلِيسَ ٱسْتَكْبَرَ
وَكَانَ مِنَ ٱلْكَٰفِرِينَ ○ قَالَ يَٰٓإِبْلِيسُ مَا مَنَعَكَ أَن
تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَىَّ ۖ أَسْتَكْبَرْتَ أَمْ كُنتَ مِنَ
ٱلْعَالِينَ ○ قَالَ أَنَا۠ خَيْرٌ مِّنْهُ ۖ خَلَقْتَنِى مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُۥ
مِن طِينٍ ○ قَالَ فَٱخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ○ وَإِنَّ
عَلَيْكَ لَعْنَتِىٓ إِلَىٰ يَوْمِ ٱلدِّينِ ○ قَالَ رَبِّ فَأَنظِرْنِىٓ
إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ○ قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ ٱلْمُنظَرِينَ ○ إِلَىٰ
يَوْمِ ٱلْوَقْتِ ٱلْمَعْلُومِ ○ قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ○
إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ ٱلْمُخْلَصِينَ ○ قَالَ فَٱلْحَقُّ وَٱلْحَقَّ أَقُولُ ○
لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنكَ وَمِمَّن تَبِعَكَ مِنْهُمْ أَجْمَعِينَ ○
قُلْ مَآ أَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَآ أَنَا۠ مِنَ ٱلْمُتَكَلِّفِينَ ○
إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَٰلَمِينَ ○ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَأَهُۥ بَعْدَ حِينٍۭ ○

ترجمہ: تم فرماؤ میں ڈر سنانے والا ہی ہوں۔ اور معبود کوئی نہیں مگر ایک اللہ سب پر غالب مالک آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے صاحب عزت بڑا بخشنے والا۔ تم فرماؤ وہ بڑی ہے۔ تم اس سے غفلت میں ہو۔ مجھے عالم بالا کی کیا خبر تھی جب وہ جھگڑتے تھے مجھے تو یہی وحی ہوتی ہے کہ میں نہیں مگر روشن ڈر سنانے والا۔ جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں مٹی سے انسان بناؤں گا۔ پھر میں جب اسے ٹھیک بنالوں اور اس میں اپنی طرف کی رُوح پھونکوں تو تم اس کے لیے سجدے میں گرنا تو سب فرشتوں نے سجدہ کیا ایک ایک نے کہ کوئی باقی نہ رہا مگر ابلیس نے غرور کیا اور وہ تھا ہی کافروں میں۔ فرمایا اے ابلیس تجھے کس چیز نے روکا کہ تو اس کے لیے سجدہ کرے جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا۔ کیا تجھے غرور آ گیا یا تو تھا ہی مغروروں میں بولا میں اس سے بہتر ہوں۔ تو نے مجھے آگ سے بنایا اور اسے مٹی سے پیدا کیا۔ فرمایا تو جنت سے نکل جا کہ تو راندھا گیا اور بیشک تجھ پر میری لعنت ہے قیامت تک۔ بولا اے میرے رب ایسا ہے تو مجھے مہلت دے اُس دن تک کہ اُٹھائے جائیں۔ فرمایا تو تو مہلت والوں میں ہے اس جانے ہوئے وقت کے دن تک۔ بولا تو تیری عزت کی قسم ضرور میں ان سب کو گمراہ کروں گا مگر جو ان میں تیرے چنے ہوئے بندے ہیں فرمایا تو سچ یہ ہے اور میں سچ ہی فرماتا ہوں بیشک میں ضرور جہنم بھر دوں گا تجھ سے اور ان ان میں سے جتنے تیری پیروی کریں گے سب سے۔ تم فرماؤ میں اس قرآن پر تم سے کچھ اجر نہیں مانگتا اور میں بناوٹ والوں میں نہیں۔ وہ تو نہیں مگر نصیحت سارے جہانوں کے لیے اور ضرور ایک وقت کے بعد تم اس کی خبر جانو گے۔

بقیہ صہ ۴۲۵

شہنشاہ تھے لیکن اُن کی ہر وقت فقراء و مساکین کے حال پر نگاہ رہتی تھی۔
اے اللہ و فقراؤ مساکین کے حال پر کی عادت بنا اور دنیاؤ آخرت میں ہمارا فقراؤ مساکین کے ساتھ بود و باش بنا۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ: قل۔ فرمایئے اے محمد عربی (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) مشرکین مکہ کو کہ انما انا المنذر۔ بیشک میں اللہ تعالیٰ کے رسول منذر رہوں تاکہ کفر و معاصی پر تمھیں عذاب الٰہی سے ڈراؤں۔

وما من الٰہ ۔ اور عالم وجود میں کوئی معبود نہیں الا اللہ الواحد ۔ اللہ تعالیٰ واحد کے سوا وہ شرکت کو قبول کرتا ہے نہ کثرت کو نہ ذات میں نہ صفات میں نہ افعال میں اسی لیے اس کے سوا کوئی جائے پناہ نہیں اور نہ ہی اس کے سوا کہیں بھاگنے کی راہ ہے یعنی جس نے مانا کہ وہ واحد ہے تو قلب کو صرف اسی کے لیے فارغ کر دیا پھر وہ اس کے ساتھ ہی یگانہ ہوا۔

حدیث شریف: حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفسیر فرمائی کہ بیشک اللہ تعالیٰ یگانہ ہے اور یگانگی کو پسند کرتا ہے یعنی اس قلب کو جو صرف اسی کا ہو کر رہے۔ ؎

اذا کان ما تهوره فی الحسن واحدا
فکن واحدًا فی الحب ان کنت تهواه

ترجمہ: جسے تم چاہتے ہو جب وہ حسن میں یکتا ہے تو بھی اگر اس سے محبت کرتا ہے تو اس کی محبت میں یکتا ہو جا۔

وظیفہ: اس اسم کی خاصیت یہ ہے کہ اگر کوئی اسے (روزانہ) ایک ہزار بار پڑھے تو اس کے دل سے مخلوق کا تصور خارج ہو جائے گا۔

القہار ۔ ماسوا پر قہر و غلبہ والا ہے اشیاء میں ان کے معبودان باطلہ بھی ہیں وہ ان پر بھی غالب ہے۔ جب اس کی یہ شان ہے تو اس کے شریک کہاں نیز اس کا یہ معنیٰ بھی ہے کہ وہ بندوں پر ان کے کفر و معاصی کی وجہ سے قہر و غلبہ رکھتا ہے۔

فائدہ: حضرت کاشفی مرحوم نے فرمایا کہ وہ قہار یوں ہے کہ وہ بندوں کی آرزؤں کی بناموت سے توڑتا ہے اور خبر دیتا ہے کہ شرکت وہمی اور کثرت بے اعتبار کا فی الواقع کوئی وجود نہیں اور عارف کی نظر میں یہ تمام اشیاء کچھ نہیں بلکہ ہیں نہیں ؎

ہے: غیرتش غیر در جہاں نگذاشت
وحدتش اسم ایں و آں برداشت

ترجمہ: اُس کی غیرت نے جہاں میں غیر کو نہ چھوڑا اس کی وحدت نے این و آن کا نام بھی ختم کر ڈالا۔

گم شود جملہ ظلمت پندار
نزد انوار واحد قہار

ترجمہ: ظلمت کے توہمات سب کے سب واحد قہار کے انوار کے ساتھ نیست و نابود ہو جاتے ہیں۔

پیر و مرشد کی تقریر دلپذیر: فقیر (صاحب رُوح البیان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ میں نے شیخ عالی وقار رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ اس آیت میں ایک

نہایت اعلیٰ تربیت ہے ۔ ذات احدیت اپنی وحدت سے کثرت کو اور اپنے قہر سے آثار کو ختم کرتی ہے اسی وقت کل کا کل ختم ہو جاتا ہے یہاں تک کہ ماسوی اللہ کے سوا باقی کچھ بھی نہیں رہتا ۔

فائدہ :- بعض نے کہا کہ قہار وہ ہے جس کا ظاہر و باطن کے جملہ اُمور میں کامل غلبہ ہو جو سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قہر بندوں پر ہے تو وہ اپنے مالک کی مراد کے سامنے اپنے نفس کی مراد کو بھلا دیتا ہے ۔ پھر وہ بندہ صرف اللہ تعالیٰ کا اور اس کے مقربین سے ہی ہو جاتا ہے اسے ماسوی کی کسی شے سے تعلق نہیں رہتا ۔

وظیفہ :- اس اسم کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ انسان کے دل سے حب دنیا اور عظمتِ ماسوی اللہ کو مار مٹاتا ہے اور جو شخص اس کی کثرت کرتا ہے تو دشمنوں پر اس کا غلبہ و قہر چھاجاتا ہے (ظالم تباہ) ظالم کی تباہی و بربادی کے لیے طلوع شمس اور آدھی رات کو ذیل کے طریقہ سے پڑھا جائے ۔

طریقہ وظیفہ :- یاجبار یا قہار یا ذا البطش الشدید الذی لا یطاق انتقامه " اے جبار ۔ اے قہار ۔ اے بڑی سخت گرفت والے کہ جس کے انتقام کی کوئی طاقت نہیں " ۔ ایک بار پڑھے ۔ پھر یہ دعا پڑھے خذ حقی لمن ظلمنی وعدا علیؐ [1]

نامردی دُور :- جسے اپنی عورت پر جماع کی قدرت نہ ہو یعنی اس کی قدرت جماع باندھی گئی تو مذکورہ بالا کلمات چاندی کے پیالے میں لکھ کر مریض کو پلائیں ۔

دشمن مغلوب :- قہر اعداء و مغلوبیت خصم کے لیے جنگی کے وہ کپڑے جو اس نے عین جنگ کے وقت پہن رکھے تھے اس سے ٹکڑا لے کر مذکورہ بالا کلمات لکھیں اور مریض کے گلے میں ڈالیں ۔

رب السموٰت والارض و ما بینهما ۔ اور وہ آسمانوں اور زمینوں اور جو ان کے درمیان ہے کا رب ۔ ء ۔ ما بینهما ۔ سے اس میں رہنے والی مخلوق مراد ہے ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ جمیع عوالم کا مالک ہے جب وہ ایسا رفیع الشان ہے تو اس کا شریک کیسا ۔

العزیز ۔ وہ ایسا غالب ہے کہ وہ کسی امر میں کسی سے مغلوب نہیں ہوتا نیز وہ مجرموں کے بدلہ لینے پر بڑی قوت رکھتا ہے اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ تمام عزت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے جسے چاہے وہ عزت دے تو مالک ہے اسی لیے ایک مقولہ ہے کہ جو عزت تمھیں اللہ تعالیٰ سے نصیب ہو وہ دائمی ہے اس لیے کہ عزت دینے والا دائم و قائم ہے ۔ اگر تمھیں کسی دوسرے سے ملی تو وہ عزت چند روزہ ہے اس لیے کہ جس نے

---

[1] جس نے میرا حق چھینا اور مجھ پر زیادتی کی اس سے میرا حق لے دے ۔ (الاربعین الادریسیہ)

عزت دی ہے وہ مرجائے گا تو اُس کے ساتھ تمھاری عزت بھی مرجائے گی۔

ملفوظ مرسی: حضرت ابو العباس المرسی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے عزت صرف اس میں پائی کہ جس نے دنیا والوں سے تعلق توڑ ڈالا۔

وظیفہ: اس اسم (عزیز) کو جو چالیس دن تک چالیس بار روزانہ پڑھے گا اس کی اللہ تعالیٰ غیبی مدد فرمائے گا اور وہ عزت بخشے گا کہ وہ کسی کا محتاج نہ ہو۔

دشمن ذلیل اور لشکر دشمن کو شکست

حضرت سہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ جو اس اسم کو سات دن مسلسل ایک ہزار بار روزانہ پڑھا کرے تو اس کا مقابلہ کرنے والا دشمن تباہ و ہلاک ہو اگر دشمن کے لشکر کی طرف دم کیا جائے تو لشکر شکست کھا کر بھاگے گا۔

الغفار: بہت بڑی مغفرت والا ہے۔ بندوں کے گناہ ڈھانپتا بلکہ انھیں مٹاتا ہے۔ المغفرت بمعنی اس کے گناہ ڈھانپنا جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے۔ بعض نے کہا غفار بمعنی بندوں کے گناہ بخشنے والا۔ المغفرہ بمعنی الستر علی الذنوب۔ گناہوں پر پردہ ڈالنا۔ پھر ان کا مواخذہ نہ کرنا۔

فائدہ: جو اسماء فعّال کے وزن پر آئے ہیں اس میں مبالغہ یعنی فعل کی کثرت کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔

حدیث شریف (۱): جب بندہ کہتا ہے اے پروردگار مجھے بخش دے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بندے نے گناہ کیا اور سمجھا کہ اس کا کوئی رب ہے جو اس کے گناہ بخشتا اور اس کا مواخذہ کرتا ہے تو گواہ ہو جاؤ میں نے اسے بخش دیا۔

وظیفہ: اس اسم کی خاصیت وجود المغفرۃ ہے فلہذا جو اسے جمعہ کی نماز کے بعد ایک سو بار پڑھے گا وہ اپنے میں مغفرت کے آثار پائے گا۔

حدیث شریف (۲): حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو استغفار کی کثرت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ہر غم والم سے نجات اور ہر تنگی سے کشادگی اور اسے ایسی غیبی مدد بخشے گا جس کا اسے وہم و گمان تک نہ ہوگا۔

حدیث شریف (۳): حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم رات کو نیند سے اُٹھتے تو کہتے **لا الٰہ الا اللہ الواحد القہار رب السمٰوٰت والارض وما بینھما العزیز الغفار**۔

حل لغات: حدیث شریف کا لفظ تضور بمعنی تلوّی ہے یہ اُس وقت بولتے ہیں جب کوئی نیند سے بیدار ہو۔ تاج المصادر میں ہے کہ التضور بمعنی بھوک یا زخم سے کوئی شے اپنے اُوپر لپیٹنا۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ کی یہ صفات اس کی توحید پر دلالت اور اس کا اثبات کرتی ہیں مثلاً واحد اس کی وحدانیت ثابت کرتا ہے اور قہار و عزیز بتاتے ہیں کہ مشرکین کے لیے وعید ہے اور غفار ثابت کرتا ہے کہ موحدین کو وعدۂ مغفرت ہے اور وعید کے لیے دو صفتیں۔

فائدہ: پھر ان میں قہاریت کی تقدیم بر غفاریت اس لیے ہے کہ یہاں مقام انذار ہے اور اس کا حق یوں ہی پورا ہوگا جیسے یہاں اوصاف کا ذکر ہوا۔

قُلْ هو۔ فرمایئے وہ قرآن اور جس کی اُس نے خبر دی امر توحید و نبوۃ اور قیامت اور حشر و جنت و نار اور دیگر غیبی خبریں۔ **نبأ عظیم**۔ بہت بڑی خبر و شان عظیم ہے کیونکہ یہ رب قدیر کا کلام ہے اور کریم خدا کی طرف سے وارد ہے۔ یہ میرے دعوائے نبوت کی صداقت پر اس سے استدلال کیا جاتا ہے۔ **النبأ**[ل] وہ جو نبی اللہ تعالیٰ سے خبر دے اور اس کا اطلاق صرف اسی خبر پر آئے گا جو کسی فائدہ پر مشتمل ہو۔

انتم عنه معرضون۔ تم اس سے ہی روگردانی کرنے والے ہو اس میں کبھی فکر نہیں کرتے ہو بلکہ الٹا اس کو جھوٹی خبر کہتے ہو یہ تمہاری انتہائی گمراہی اور پرلے درجے کی دلیل ہے اسی لیے کہ تم اس پر ایمان نہیں لاؤ گے اگرچہ یہ خبر کتنی عظیم الشان ہے اور اس طرف مکمل طور متوجہ ہونا ضروری ہے اور اسے حسن قبول کے ساتھ قبول کرنا چاہیئے کیونکہ اس کی تصدیق نجات اور اس کی تکذیب تباہی و ہلاکت ہے۔

ما کان لی۔ حفص نے عاصم سے بفتح الیاء سے قرأت نقل کی ہے اور باقیوں نے باسکان الیاء پڑھا ہے یعنی نہیں مجھے اس بارہ میں جو گزرا۔

من علم۔ کوئی علم کسی وجہ سے بھی۔ اس میں حرف استغراق سے یہی معنیٰ نکلتا ہے۔

بالملا الاعلٰی۔ ملاء الاعلیٰ کے حالات سے کوئی خبر۔ اس سے فرشتے اور آدم علیہ السلام اور ابلیس علیہ اللعنۃ مراد ہیں۔

سوال: ابلیس کو اس جماعت میں شامل کرنے کا کیا معنیٰ۔

[ل] اسی سے نبی مشتق ہے۔ اب نبی کا معنیٰ ہوا وہ نبی بندۂ خدا جو اللہ تعالیٰ سے خبر دے اور ظاہر ہے جو خبر اللہ تعالیٰ سے دی جائے گی وہ غیب پر مشتمل ہوگی۔ اسی لیے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے النبی بمعنی غیب کی خبریں دینے والا لکھا اور الحمد للہ حق لکھا۔ (اویسی غفرلہٗ)

جواب:۔ یہاں ملاء الاعلیٰ سے لغوی معنیٰ مراد ہے اور وہ بھی چونکہ آسمانوں میں رہا اسی لیے اسے ملاء الاعلیٰ میں لایا گیا ہے اس لیے کہ مکالمہ آسمانوں پر ہُوا تھا۔

فائدہ:۔ امام راغب نے فرمایا دراصل ملأ الاعلیٰ اس جماعت کو کہتے ہیں جن کا کسی نکہ و رائے پر اجتماع ہو چونکہ ان کے اجتماع سے آنکھوں میں رعب بھر جاتا ہے اور دلوں پر ان کی جلالت و عظمت کا سکہ بیٹھ جاتا ہے۔ اس معنیٰ پر انھیں ملاء الاعلیٰ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اذ یختصمون۔ جب وہ اپنے کسی معاملہ میں جھگڑتے تھے یعنی آدم علیہ السلام کے بارے میں ایک دوسرے کے ساتھ باہم گفتگو تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس گفتگو کی خبر اتجعل فیہا من یفسد فیہا میں دی ہے اور خود اپنا بھی بیان فرمایا کہ انی جاعل فی الارض خلیفۃ جس کے متعلق کتب سابقہ میں بھی ذکر تھا لیکن یہ ایک ایسی خبر ہے کہ جسے کسی سے نہ سُنا گیا نہ کسی کتاب سے مطالعہ کرکے بتایا گیا۔ یہ تو سوائے وحی الٰہی کے کسی کو معلوم ہی نہیں ہو سکتی۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اگر میرے ہاں نبوت کی سند نہ ہوتی تو ملاء الاعلیٰ کی خبر دینے کا مجھ سے تصور تک نہ ہو سکتا تھا۔

فائدہ:۔ اِذْ حال کے متعلق ہے جو محذوف ہے جیسا کہ مقام کا تقاضا ہے اس لیے کہ یہاں ان کے احوال سے علم کی نفی مطلوب ہے نہ کہ ان کی ذات سے لاعلمی کا اظہار اور حال اِن اُمور سے متعلق ہے جو ان کے درمیان گفتگو ہوئی یا جو کچھ اُنھوں نے کردار ادا کیا مثلاً ملائکہ کا سجدہ میں گر جانا اور ابلیس کا انکار کر دینا اور کفر کا مرتکب ہونا۔

ان۔ نافیہ ہے۔ نہیں ہے وہ جو میری طرف یوحیٰ الیّ وحی کی گئی یعنی ملاء الاعلیٰ کی باتیں اور دیگر اُمورِ غیبیہ

الا اَنّما۔ بفتح الہمزۃ کہ دراصل لِاَنّما تھا لام گرا دی گئی ہے۔

انا نذیر۔ بیشک میں نبی ہوں ڈرانے والا اللہ تعالیٰ کی جانب سے۔ مبین روشن اور میرا ڈرانا دلائل واضحہ سے ہے۔ نبی کو نذیر سے تعبیر اس لیے کیا کہ نذیر نبی کی صفت ہے۔

سوال:۔ یہاں نذیر کی تخصیص کیوں حالانکہ بشیر بھی تو لایا جا سکتا تھا۔

جواب:۔ مقام کا تقاضا یونہی تھا۔

فائدہ:۔ یہ خبر بناءعظیم تین وجوہ سے ہے:۔

۱۔ موت کی ہولناکی۔ ۲۔ حساب قیامت

۳۔ آتش دوزخ۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگر یہی تابن خبریں آسمانوں اور زمینوں کے لیے ہوتیں تو وہ نہایت خشوع وخضوع سے سر تسلیم خم کر کے عملی کارروائی میں ہوتے لیکن ابن آدم یعنی انسان سن کر ٹس سے مس نہیں ہوتا حالانکہ اسے یقین ہے کہ اس کی موت منتظر ہے اس نے حساب بھی دینا ہے اگر حساب غلط ہوا تو دوزخ میں جانا ہوگا۔[1]

فائدہ:۔ انسان کو مرنے کے بعد کئی وادیاں (گھاٹیاں) طے کرنی ہیں جن کا بار ہا ذہن میں تصور گھومتا ہے لیکن چونکہ دنیا کے دریائے عشق میں ایسا غرق ہے کہ نہ اسے اپنے سابقہ کی خبر نہ لاحقہ (خاتمہ) کا پتہ۔ حالانکہ ہر صبح کو روزانہ ایک فرشتہ پکارتا ہے کہ اے آدم زاد تم تو بہت بڑے کام کے لیے پیدا کئے گئے تھے لیکن افسوس کہ غفلت میں وقت گنوا رہے ہو۔

فائدہ:۔ اگر کوئی اپنے انجام کار پر غور و فکر کرے تو کبھی بھی اس سے وہ جھوٹ کا مرتکب نہ ہو۔ لیکن اب انسان کی حالت یہ ہے کہ دل کو خلاف حق میں آلودہ کر دیا اور سر کو خیانت سے حالانکہ یہ سر وہ تھا جہاں امانتِ الٰہی رکھی گئی تھی لیکن اس نے اس کی جگہ پر خیانت رکھ دی اور دل تقویٰ کا خزینہ تھا لیکن اس نے اسے خلافِ حق کی زنگ سے بھر دیا اور زبان صرف تصدیق حق کے لیے بنائی لیکن اس نے جھوٹ پر وقف کر دی۔ اب اس کی ہر بات دھوکہ پر مبنی ہے اور دین کو منافقت پر لگا دیا ہے

اذا ما الناس جربھم لبیب
فانی قد اکلتھم و ذاقا
فلم ادودّھم الا خداعًا
و لم ار دینھم الا نفاقا

ترجمہ:۔ لوگوں کو دانا نے خوب آزمایا ہے۔ میں نے انہیں کھایا اور خوب چکھا تو میں نے ان کی دوستی میں دھوکہ پایا اور ان کے دین میں منافقت۔

نسخہ روحانی:۔ اگر تم دردِ غفلت کا علاج کرنا چاہتے ہو تو منافقت کو دل سے چشم گریاں سے دھو ڈالو اس راہ سے کوسوں دور رہ جاؤ جو ندامت کی طرف لے جائے۔ شرع کے مکتب میں حاضری دو اور دل پر سورۂ اخلاص لکھو اور اللہ تعالیٰ سے عرض کرو کہ الٰہی مجھے ان بندگان مخلصین میں شامل فرما جن میں اخلاص ہے جن کے لیے تو فرماتا ہے و ما اُمِروا الا لیعبدوا اللّٰہ مخلصین اور نہیں مامور ہوئے مگر صرف اس لیے کہ وہ عبادت کریں تو مخلص ہو کر۔

حدیث شریف:۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ عمل خلوص سے کرو اگرچہ تھوڑا ہو۔

---

[1] کشف الاسرار ۱۲

اللہ تعالیٰ ہی اس کی توفیق بخشنے والا ہے۔

اذ قال ربک للملائکۃ۔ یہ اذ یختصمون سے بدل ہے یعنی یاد کرو جب تیرے رب نے ملائکہ سے فرمایا۔

سوال:۔ فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیوں جھگڑا کیا حالانکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جھگڑا کرنا کفر ہے۔

جواب:۔ مانا کہ اللہ تعالیٰ اور ملائکہ کے درمیان سوال وجواب ہوا اور بظاہر مخاصمت (جھگڑا نے) اور مناظرہ سے مشابہت رکھتا ہے اور اسی مشابہت کی وجہ سے اس پر مخاصمت کا اطلاق مجازاً ہے کہ مشبہ بہ کا مشبہ پر اطلاق کیا گیا ہے اسی اعتبار سے گفتگو اور سوال وجواب کو مجازاً جھگڑا ہو کہا۔

سوال:۔ سابقہ گفتگو اور سوال وجواب اللہ تعالیٰ اور ملائکہ کے درمیان ہوئی ہے لیکن اس کا اسناد صرف اور صرف ملائکہ کیا جارہا جیسا کہ یختصمون سابقہ جملہ میں ہے اور پھر اس جملہ کو اس سے بدل بنانا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے حالانکہ اس میں صرف ملائکہ کی گفتگو کا ذکر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ بھی اس میں ہے تو پھر اس جملہ کو اذ یختصمون سے کس طرح بدل بنایا جاسکے گا۔

جواب:۔ اگر اس سوال وجواب میں اللہ تعالیٰ آگیا کیونکہ اسی کا حکم ہے لیکن اس کی گفتگو بھی تو فرشتہ کے واسطہ سے ہوئی تھی اسی لیے اب سوال وارد نہیں ہوسکتا۔ ملائکہ کی تفصیل سورۂ حجر میں تفصیل بسط کے ساتھ عرض کیا جاچکا ہے۔ اس کا مطالعہ کیجئے۔

انی خالق۔ جس کا ذکر آنے والا ہے اس کا خالق میں ہوں۔

بشرًا۔ انسان۔

نکتۂ عالمانہ:۔ امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ انسان کو بشر اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کا چمڑا ظاہر ہے یعنی اس پر کسی قسم کے گھنے بال اور اُون نہیں بخلاف دوسرے حیوانات کے۔

نکتۂ صوفیانہ:۔ ارباب الحقائق فرماتے ہیں کہ انسان یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو بشر اس لیے کہا گیا کہ اسے اللہ تعالیٰ نے براہِ راست اپنے دستِ قدرت سے پیدا فرمایا ہے اس لیے اس اسم کے لائق آپ ہیں تاکہ آپ کی ذات پر کسی قسم کے توہمات نہ ہوں۔

سوال:۔ یہاں بشر کو مباشرت سے لیا گیا ہے بمعنی دو جسموں کا بلا حائل ایک دوسرے کو لگنا اسی لیے جماع کو بھی مباشرت کہا جاتا ہے اور اللہ کا ہاتھ لگانا آدم علیہ السلام کو کیسا جبکہ وہ ذات جسمانیات سے منزہ و مقدس ہے۔

جواب:۔ یہاں اس کا ہاتھ لگانا اس کی شان کے لائق ہے جیسے بھی ہے ہم صرف الفاظ کا اطلاق تو

کہہ سکتے ہیں لیکن اس کی حقیقت کا علم اللہ تعالیٰ کو سپرد کریں گے۔

من طین۔ وہ مٹی جو پانی سے تر کی جائے یعنی گارہ۔

فائدہ: بعض مشائخ نے یہاں عجز و ضعف مراد لیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا الذی خلقکم من ضعف۔ اسی لیے مشائخ نے فرمایا کہ مٹی کا مقام تواضع و انکساری ہے اور تواضع سے ہی رفعت و بلندی نصیب ہوتی ہے اسی لیے وارد ہے من تواضع للّٰہ رافعہ۔ جو اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے مرتبے بلند فرماتا ہے۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دعا میں اکثر و بیشتر عرض کیا کرتے اللّٰھم احینی مسکینا و امتنی مسکینا۔ اے اللہ! مجھے مسکین کر کے زندہ رکھ اور مسکین بنا کر موت دے۔

فاذا سویتہ۔ پس جبکہ تو نے اسے برابر کیا یعنی اسے انسانی شکل و صورت میں لایا اور بشری خلقت سے نوازا یا تو نے اس کے بدن کے اعضاء برابر کئے اور ہر جیڑا اور رونگٹا مکمل اور معتدل بنایا جیسا کہ وارد ہے کہ جنین یعنی پیٹ کے اندر بچے پر جب چار ماہ گزرتے ہیں تو اس کی انسانی شکل و صورت کی تکمیل ہو جاتی ہے تو اس وقت اس میں روح پھونکی جاتی ہے۔ اور ایسے وقت میں روح پھونکی جانی چاہیئے۔ یہ اس مسئلہ تصوف سے مناسبت رکھتا ہے کہ جب انسان کی تکمیل شریعت و طریقت سے ہوتی ہے تو اس وقت اس میں حقیقت کی روح پھونکی جاتی ہے۔ اسے مکمل طور پر یاد رکھئے جیسا کہ شیخ نجم الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاویلات میں فرمایا متن یہ ہے۔

تفسیر صوفیانہ:

فاذا سویتہ۔ یہ تسویۃ اس روح کی نفخ کی صلاحیت رکھتی ہے جو ذات حق تعالیٰ کی طرف مضاف ہے کما قال تعالیٰ۔ ونفخت فیہ من روحی (اور میں نے اس میں اپنی روح پھونکی)۔

حل لغات: النفخ بمعنی اس کھوکھلے جسم میں پھونکنا جسے اس کے روکنے کی صلاحیت ہو اور وہ اپنے اندر اسے سمو سکے۔ یاد رکھئے یہاں نفخ کا حقیقی معنی مراد نہیں اس لیے کہ وہاں نافخ بمقابلہ منفوخ اس میں تو ایک قسم کی تمثیل ہے کہ مضاف ما بہ الحیوۃ بالفعل طرف اس مادہ کے جو اس حیوٰۃ کے قابل ہے یعنی جب آدم کی استعداد مکمل ہو گئی تو میں نے وہ شے اسے عطا فرمائی جس سے وہ زندہ رہ سکے یعنی روح جو میرے امر سے ہے اور روح کو اپنی طرف اضافت بوجہ اس کی شرافت و طہارت کے ہے یا علیٰ سبیل التعظیم ہے کیونکہ عظمت والے کی طرف مضاف ہونے والا بھی عظیم الشان ہو جاتا ہے جیسے بیت اللہ۔ ناقۃ اللہ۔ (ایسے ہی رسول اللہ (نور اللہ) وغیرہ وغیرہ۔

حلولیہ کا رد: اس سے حلولیہ فرقہ کا رد ہو گیا وہ کہتے ہیں کہ یہ من تبعیضیہ ہے اس معنی پر روح

اللہ تعالیٰ کا جز مقصور ہو گا۔ تردید یوں ہو گی کہ یہ رُوح اللہ تعالیٰ کے اجزا دات نہیں اور نہ ہی وہ اجزا والا ہے بلکہ روح سے اس کی ذاتِ اقدس مراد ہے اور اجزا ممکن کے ہوتے ہیں جو اس کے حادث ہونے کی دلیل ہے اور اللہ تعالیٰ منزہ و مقدس ہے۔

مسئلہ: حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ شفاء شریف میں لکھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے لیے کسی شے میں حلول ہونے کا دعویٰ کرے یا جائز مانے وہ باجماع اہلِ اسلام کافر ہے۔

فائدہ: امام راغب نے فرمایا کہ رُوح نفس کا نام ہے کیونکہ یہ رُوح کا بعض ہے اسے رُوح کہنا تسمیۃ النوع باسم الجنس کے قبیل سے ہے جیسے انسان کو حیوان سے موسوم کرنا اور اسے اس جزء کا نام دیا گیا ہے جس سے حیوٰۃ و تحرک اور نفع اٹھانا اور ضرر دفع کرنا حاصل ہوتا ہے۔ قل الروح من امر ربی۔ و نفخت فیہ من روحی۔ میں یہی مراد ہے۔ اس کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف تملیک کی وجہ سے ہے اور اس سے اس کی تعظیم و تشریف مطلوب ہے جیسے طھر بیتی الخ میں۔

رُوح کی اقسام: حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ رُوح دو قسم ہے:۔

۱۔ حیوانی یہ ہے جس کے طباء مزاج کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ یہ ایک جسم ہے لطیف بخار والا اور معتدل اس بدن میں حلول کرتا ہے جو حواس ظاہرہ و قوائے جسمانیہ کا حامل ہے یہ روح بدن کے فنا ہونے پر فانی اور موت سے معدوم ہو جاتی ہے۔

۲۔ روحانی یہ ہے جسے نفس ناطقہ اور لطیفہ ربانی اور عقل اور قلب کہا جاتا ہے۔ یہ مختلف اسماء سے موسوم ہے لیکن حقیقۃً ایک شے ہے اسے نفس حیوانیہ کے قوٰی سے تعلق ہے۔ یہ رُوح بدن کے فانی ہونے سے فنا نہیں ہوتا اور نہ ہی موت سے معدوم ہوتا ہے بلکہ موت کے بعد بھی باقی ہے[1]۔

رُوح البیان کے پیر و مرشد قدس سرہما کی تقریر دلپذیر

فقیر (صاحب رُوح البیان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ میرے شیخ قدس سرہٗ نے اپنی بعض تحریروں میں لکھا

---

[1] یہی مضمون "کتاب الروح" ابن القیم میں ہے۔ یہی اہلِ سنت و جماعت کا مذہب ہے اسی سے ہمارا مسلک "سماع موتیٰ۔ استمداد از اولیاء بعد وصال ثابت ہے اور وہابی مذہب اس کے برعکس چلتا ہے۔ تفصیل تصانیف اہلِ سنت میں ہے ۱۲

کہ روح من حیث الجوہر والتجرد اور اس کے عالم ارواح مجردہ سے ہونے کے بدن کے مغایر۔ اور تدبیر و تصرف کی طرح اس کے ساتھ متعلق اور قائم بذاتہ ہے اور اپنی بقاؤ دوام میں اس کا محتاج نہیں۔ ہاں اس معنیٰ پر محتاج ضرور ہے کہ بدن اس کی صورت اور عالم شہادت میں اس کے کمالات اور قوی کو ظاہر کرتا ہے لیکن اس سے کبھی جدا نہیں ہوتا بلکہ ہر وقت اس میں ایسے سرایت کیے ہے لیکن حلول نہیں کرتا جیسے حلولیین کا مذہب ہے بلکہ اس کا سرایت کرنا ایسے ہے جیسے وجود مطلق حق کا جمیع موجودات میں اس اعتبار سے ان دونوں میں من کل الوجوہ مغایرت نہیں جسے اشیاء میں ظہورِ حق کی کیفیت معلوم ہے (وہ اشیاء کس وجہ سے اس کی عین اور کس وجہ سے غیر ہیں) وہی سمجھ سکتا ہے کہ روح کا ظہور بدن سے کس کیفیت سے ہوتا ہے اسے خبر ہو سکتی ہے کہ روح بدن کا کس وجہ سے عین اور کس وجہ سے اس کا غیر ہے اس لیے کہ روح بدن کی مربی ہے۔ جو رب و مربوب کے تعلق کی کیفیت جانتا ہے اسے ہماری مذکورہ بالا تقریر سمجھ آئے گی۔ وہی علم و فہم کی ہدایت بخشتا ہے۔ یہ شیخ کامل کی تقریر ہے اسے یاد کرے باقی قیل وقال کو چھوڑ کر اسے سمجھ لے تاکہ ہر طرح کے اختلاف سے حفاظت ہو۔

فائدہ: امام سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ظاہر یہ ہے کہ یہ نفخ کسی فرشتے کے ذریعے اور سبب سے نہیں اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ فرشتے کے ذریعے سے ہو بھی تب بھی اس کی اجازت سے ہو جیسا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے تصریح فرمائی ہے۔ چنانچہ بنو آدم کی تخلیق میں فرمایا کہ پھر اللہ تعالیٰ فرشتے کو بھیجتا ہے تاکہ اس میں روح پھونکے الحدیث۔ اس میں طویل کلام ہے[1]۔ فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ یہ تقریر قابل قبول نہیں اس لیے کہ یہ مقام تشریف کے خلاف ہے۔ بالخصوص فرمان الٰہی ونفخت فیہ من روحی اور خلقت بیدیّ کے بالکل واضح طور پر منافی ہے۔ ایسی تصریحات کے باوجود مجاز کا ارتکاب کیوں۔ ہاں اولاد آدم کے متعلق مذکورہ بالا تقریر (سمرقندی) صادق آسکتی ہے کیونکہ ان میں وسائط کی تصریحات موجود ہیں مثلاً عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت (ظہور) ان کے واسطہ سے ہوئی ان کے متعلق ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان کی روح جبریل علیہ السلام نے پھونکی۔ اگرچہ اسے بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا کما قال فنفخنا فیہ من روحنا۔ تو ہم نے اس میں اپنی روح پھونکی۔

فائدہ: فقیر (صاحب روح البیان) کہتا ہے کہ نفخ روح میرے نزدیک اظہار روح اپنے محل سے عبارت ہے اور اظہار کو نفخ سے اس لیے تعبیر کیا جاتا ہے کہ بدن میں روح کے آنے کے

---

[1] بحر العلوم ۱۲

بعد ایسے ہو جاتا ہے کہ گویا رُوح کے بعد وہ منفوخ اور پُر ہو گیا ہے لیکن نہیں دیکھتے ہو کہ میّت کے رُوح سے خالی ہو جانے کے بعد سوکھی لکڑی کی طرح ہو جاتا ہے اس میں ایک عجیب وغریب اشارہ بھی ہے جسے ہم نے سورۃ الحجر میں بیان کیا ہے۔

لطیفہ: رُوح کو اللہ تعالیٰ کی طرف اضافت میں اشارہ ہے کہ انسانی اَرواح ملائکہ وغیرہ کی تخلیق سے پہلے پیدا کیے گئے کیونکہ وہ شے جو قدیم کی طرف مضاف ہو وہ بھی قدیم ہو گا یعنی سب سے پہلے اگرچہ بعض اشیاء کے اجسام بعض سے پہلے اور بعض کے بعد کو پیدا ہوئے۔

فقعوا له۔ یہ وقع یقع کا اَمر ہے یعنی آدم علیہ السلام کے لیے سر کے بل پڑ گئے۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ محض سر جھکانا نہ تھا بلکہ سر کے بل گرنا تھا۔

ساجدین میں بھی سر کے بل گرنا مراد ہے اس لیے کہ سجدہ کی حقیقت یہی ہے کہ ماتھا زمین پر ہو۔[۱] اب معنیٰ یہ ہوا کہ در اصل ایسا کہ وہ ملائکہ زمین پر ماتھا رکھنے والے تھے تاکہ ظاہر ہو کہ خلافت کے صرف وہی مستحق ہیں۔

مسئلہ: یہ سجدہ تحیہ و تکریم کے باب سے ہے کیونکہ عبادت کا سجدہ سوائے خدا تعالیٰ کے کسی اور کو ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ نہ اس اُمت میں نہ اُمم سابقہ میں اور سجدۂ تحیہ کا بھی پہلے جائز تھا جسے اسلام نے حرام کر دیا۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے امام اہلسنت وجماعت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کی کتاب "الزبدۃ الزکیہ فی تحریم سجدۃ التحیہ")۔

فسجد الملائکۃ۔ آدم علیہ السلام کو پیدا کر کے ان کے جسم کی مکمل تعمیر اور اس میں رُوح پھونکنے کے بعد ملائکہ نے سجدہ کیا اس لیے کہ آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی خلافت حاصل تھی کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے تجلیات کا مرکز تھا اس لیے کہ ملائکہ پر اللہ تعالیٰ کی ہیبت تھی۔ اس لیے اس کی ہیبت سے سجدے میں گر گئے۔

فائدہ: سب سے پہلے اسرافیل علیہ السلام نے سجدہ کیا اسی لیے لوحِ محفوظ کی ولایت آپ کے سپرد ہوئی۔ (نقاش سے سہیلی رحمۃ اللہ علیہ سے ایسے ہی نقل ہے)۔

کلھم۔ سب نے یہاں تک کہ کوئی ایک بھی اس سعادت سے محروم نہ رہا۔ سب نے سجدہ کیا۔ اجمعون

---

[۱] اس سے وہابیہ کا رَدّ ہے کہ ہاتھ پاؤں چومنے کو وہ صرف اس لیے شرک کہتے ہیں کہ اس سے جھکنا پڑتا ہے حالانکہ جھکنا سجدہ نہیں بلکہ زمین پر ماتھا رکھنا سجدہ ہے ۱۲۔

تمام نے مل کر کہ کوئی ایک بھی پیچھے نہ رہا اور نہ بعد کو سجدہ کیا۔ یہ افادہ جملہ حالیہ سے نہیں ہو سکتا تھا۔ اجمعون سے جہاں جملہ ملائکہ کے سجدہ کا حکم ثابت ہوا وہاں ان کے سب کا مل کر سجدہ کرنا بھی واضح ہوا ؎

چوں ملک انوار حق دروے بیافت

در سجود افتاد و در خدمت شتافت

ترجمہ:۔ جب فرشتے نے انوار حق آدم علیہ السلام میں پائے تو سجدہ میں گر کر خدمت کے لیے دوڑا۔

الا ابلیس :۔ مگر ابلیس کہ اُس نے سجدہ نہ کیا۔ یہ استثناء متصل ہے اس لیے کہ وہ عملاً فرشتوں میں سے تھا اگرچہ جنات کی نوع سے ہے اسی لیے جو امر ملائکہ کو ہوا وہ اس میں شامل تھا۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامیدی سے پہلے اس کا نام عزازیل و حارث تھا کنیت ابو کردوس و ابو مرہ تھی اس کے بعد سوال ہوا کہ اُس نے سجدہ کیوں نہ کیا اسے تأمل تھا یا کوئی اور وجہ تھی تو فرمایا۔ **استکبر** استکبار بمعنی سرکشی کرنا یعنی اپنے آپ کو بڑا سمجھنا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اپنے آپ کو بڑا خیال کر کے سجدہ نہ کر کے نافرمان ہوا۔

فائدہ:۔

لطیفہ :۔ اس کا سبب ایک یہ بھی تھا کہ وہ ازلی بھینگا تھا کہ اسے آدم علیہ السلام پر تجلی کے انوار کے آثار نظر نہ آئے۔ ؎

در محفلے کہ خورشید اندر شمار ذرہ است

خود را بزرگ دیدن شرط ادب نیست

ترجمہ:۔ جہاں سورج ایک ذرہ ہو وہاں اپنے آپ کو اونچا سمجھنا خلافِ ادب ہے۔

و کان من الکافرین :۔ اور علم الٰہی میں وہ ازلی و ابدی کافر تھا کہ اس نے امر الٰہی کی قدر نہ کی اسی لیے اس کی شقاوت عارضی نہیں بلکہ ذاتی تھی اور درمیان کی اسے جو سعادت نصیب ہوئی وہ عارضی تھی نہ کہ ذاتی۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

من آں نگیں سلیمان بہیچ نستانم

کہ گاہ گاہ برو دست اہرمن باشد

ترجمہ:۔ میں اس نگین سلیمانی کو مفت لینے کو تیار نہیں کہ جس پر گاہے گاہے شیطان کا قبضہ ہو جائے۔

فائدہ:۔ شے کا اعتبار اس کے ذاتی ہونے پر ہے کہ وہ لازوال ہوتا ہے نہ کہ عارضی کا کہ وہ لمحاتی ہے یہی بلعم باعور اور برصیصا کی سعادت کی کیفیت ہے۔ ان جیسوں اور بے شمار کہ جنہیں ابتداءً تو سعادت نصیب ہو لیکن انجام بربادی پر۔

مسئلہ :۔ جملہ نافرمان بندے مشیت ایزدی پر ہیں بلکہ اطاعت گزاروں کو یونہی سمجھنا چاہیئے کہ نامعلوم

خاتمہ کیسا ہو۔

درسِ عبرت :۔ جرائم ومعاصی پر اصرار وتکرار انسان کو انجام بر کفر کی طرف کھینچ کرلے جاتا ہے (العیاذ باللہ) جیسا کہ کان عاقبۃ الذین اساؤ االسوء ان کذبوا بآیات اللّٰہ) کی تفسیر میں آیا ہے۔

مسئلہ :۔ اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب بُرے خاتمہ کو لے جاتی ہے تو ان سے استہزاء بھی خاتمہ خراب کرتی ہے بلکہ شرعاً استہزاء بالآیات کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو تکذیب واستہزاء اور اُن کے ان اسباب سے بھی، بچائے جو اس کی طرف لے جاتے ہیں۔ اور دُعا ہے کہ وہ کریم ہمیں ملت اسلام پر موت دے اور ہمیں ان لوگوں سے بنائے جو اس کے نزدیک مقبول ہیں۔ وہ ہر دُعا کو سنتا اور جملہ حالات میں ہر اُمید کو برلاتا ہے۔

تفسیر عالمانہ :۔ قال: اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو بالمشافہ فرمایا جب وہ سجدہ کا منکر ہوا مامنعك تجھے کس چیز نے روکا۔ یہ بالمشافہ گفتگو ابلیس کی تکریم پر دلالت نہیں کرتی کیونکہ کبھی سردار اپنے غلام سے غصہ سے بھی بات کرتا ہے (اس کی تفصیل سورۂ حجر میں ہے)۔

ما۔ کون سی شے ہے۔ منعك جس نے تجھے روکا ہے۔ ان تسجد وا۔ سجدہ کرنے سے۔ یعنی کس سبب نے تجھے ترک سجدہ کی دعوت دی ہے۔

لما خلقت بیدی۔ اس سے کہ جسے میں نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا ہے یعنی صرف اسے اپنے ہاتھ سے پیدا کرنے کو خاص کیا ہے اور یہ اس کی بزرگی کی دلیل ہے کہ میں نے اسے بلا واسطۂ ابوین پیدا کیا ہے چونکہ اللہ تعالیٰ اعضاء سے منزہ ہے اسی لیے ہم نے اسے بلا واسطہ ابوین کی قید لگائی ہے کہ صرف آدم کی بلا سبب تخلیق ہوئی کہ جو شخص بغیر واسطہ کے پیدا ہو وہ اس کے مشابہ ہے کہ گویا اسے خود باری تعالیٰ نے اپنے ہاتھوں سے بنایا اور ید (ہاتھ) کے تثنیہ میں مزید قدرت اور فعل کے مختلف ہونے کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا خمیر چالیس سال گوندھا گیا اس معنیٰ پر آپ کی تخلیق آپ کی اولاد کی تخلیق سے مختلف ہوئی جبکہ ان کی تخلیق ابوین یا صرف ماں کے نطفے سے ہوتی ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی عجیب قدرت کی دلیل ہے۔

حضرت حکیم سنائی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ؎

ید او قدرتست و وجہ بقاش
آمدن حکمتش و نزول عطاش

اصبعینش نفاذ حکم قدر
قدمینش جلال و قہر و خطر

ترجمہ:۔ ہاتھ سے اس کی قدرت اور وجہ سے اس کی بقاء اور آمد سے اس کا حکم اور نزول سے اس کی عطا اور اصبعین سے اس کی تقدیر کے حکم کا نفاذ اور قدمین سے اس کا جلال و قہر و خطر مراد ہے۔

فائدہ:۔ بعض تفاسیر میں آیا ہے کہ ہاتھ سے قدرت و نعمت مراد ہے اور فتوحات میں لکھا ہے کہ قدرت و نعمت تمام موجودات کو شامل ہے اس لیے کہ جس قدرت سے آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی اسی سے ابلیس کو پیدا کیا گیا۔

سوال:۔ جب ابلیس و آدم علیہ السلام کی تخلیق کا ایک ہی سبب ہے تو پھر آدم علیہ السلام کی خصوصیت و شرافت پر تو کوئی دلیل نہ ہوئی۔

جواب:۔ آدم علیہ السلام کی شرافت لفظ یدین سے واضح ہے کہ اس میں تخلیق بلا واسطہ اور نعمت خاص کارفرما ہے اسی طرح سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ و تقدیس بھی ہوئی اور آدم علیہ السلام کے لیے یدین میں دو صفتوں کی طرف اشارہ ہے کہ وہ لطف و قہر کا جامع ہے اور یہی دونوں صفتیں جمیع صفات کو شامل ہیں اس لیے کہ ہر صفت یا لطف کے قبیل سے ہو گی یا قہر کے قبیل سے اور جملہ مخلوق میں سے یا صفت لطف کی مظہر ہے یا صفت قہر کی مثلاً ملک صفت لطف حق کا مظہر ہے اور شیطان صفت قہر حق کا لیکن انسان ہر دونوں لطف و قہر کا مظہر ہے یہی وجہ ہے کہ جملہ عالم میں سے بعض مخلوق اس کی صفت لطف کا آئینہ ہے اور بعض صفت قہر کا اور آدمی ذات و صفات ہر دونوں کا آئینہ ہے اور بعض صفت قہر کا اور آدمی ذات و صفات ہر دونوں کا آئینہ ہے کما قال اللہ تعالیٰ سنریھم ایاتنا فی الآفاق و فی انفسھم حتیٰ یتبین لھم انہ الحق۔ ہم انھیں آفاق و انفس میں اپنی آیات دکھاتے ہیں یہاں تک کہ انھیں واضح ہو گیا کہ بیشک وہ حق ہے۔ اسی جامعیت کی وجہ سے وہ مسجودیت ملائکہ کا مستحق ہوا کسی نے کیا خوب فرمایا ؎

آمد آئینۂ جمیلہ ولی
ہیچو آئینہ نکردہ جلی

ترجمہ:۔ ولی بہترین آئینہ ہے لیکن وہ آئینہ روشن نہ تھا۔

گشت آدم جلاد ایں مرآت
شد عیاں ذات او بجملہ صفات

ترجمہ:۔ آدم علیہ السلام ان تمام آئینوں سے روشن ہے یہی وجہ ہے کہ اس میں ذات جملہ صفات سمیت ظاہر ہوئی۔

مظہرے گشت کلی و جامع
سرّ ذات و صفات از ولا مع

ترجمہ:۔ یہ کلی اور جامع مظہر ہیں ذات وصفات کے اسرار اسی سے روشن ہیں۔

خلاصہ تقریر:۔ اللہ تعالیٰ نے جملہ عالم کو صاحب خوف و رجاء بنایا اور ہم الحمدللہ ہر دونوں خوف ورجاء کے جامع ہیں اور یہ دونوں صفت غضب ورضا کے اثرات ہیں اور اللہ تعالیٰ نے خود کو صاحب جمال وجلال بتایا یعنی وہ صفات جمالیہ سے موصوف ہے اور لطف ورحمت جمال سے متعلق ہیں اور صفاتِ جلالیہ سے بھی موصوف ہے اور قہر وغلبہ اسی سے متعلق ہیں اس سے انس ہے اس لیے کہ وہ صاحبِ جمال ہے اور ہیبت اس لیے ہے کہ وہ صاحبِ جلال ہے ایسے ہر صفت جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے منسوب ہوگی اس کا یہی حال ہوگا ایسے ہی متضاد صفات کے اسماء متقابلہ ہوں گے مثلاً ہدایت کا بالمقابل اضلال اور اعزاز کا اذلال وغیرہ وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں پیدا فرما کر ہمیں مختلف صفات سے موصوف فرمایا اور ان صفات کے اثرات ہمارے میں ظاہر فرمائے۔ انہی دو متقابل صفات کو یدین سے تعبیر فرمایا ہے چونکہ یہ دو ہاتھ آپس میں متقابل ہیں اور ان سے اُمور کا صدور ہوتا ہے۔ اسی سے اللہ تعالیٰ نے اپنی جملہ صفات متقابلہ کو انسان کی تخلیق کی طرف متوجہ فرمایا اسی وجہ سے وہ جملہ عالم بلکہ جمیع حقائق کا جامع ہے اور جملہ عالم کے مفردات جو کہ جمیع اسماء کا مظہر ہیں۔ انسان ان سب پر حاوی ہے۔ ہماری اس تقریر سے واضح ہوگیا کہ آیت میں یدان (تثنیہ) کا لانا اسی راز مخفی کی طرف متوجہ کرنا مطلوب تھا۔

سوال:۔ ایک آیت میں جمع بھی آیا ہے کما قال اللہ تعالیٰ مما عملت اید ینا۔

جواب (۱):۔ یہاں صرف تعظیم مطلوب ہے جیسا کہ شاہانِ عالم کی عادت ہے کہ وہ اپنے لیے جمع کے صیغے استعمال کرتے ہیں۔

جواب (۲):۔ اہلِ عرب کبھی جمع بول کر تثنیہ مراد لیتے ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ فقد صغت قلوبکما۔ یہاں تثنیہ بول کر جمع مراد لی گئی ہے۔

سوال:۔ یَد واحد بھی آیا ہے کما قال تعالیٰ ید اللہ۔

جواب:۔ یہاں ید باعتبار مبداء و مآل کے ہے کہ وہی ملک متعال ہے۔

استکبرت:۔ یہ ہمزہ قطعی ہے دراصل أاِستکبرت تھا ہمزہ استفہام توبیخ وانکار کا ہے

ہمزہ وصلی ہمزہ استفہام کے داخل ہونے کے بعد محذوف ہوگیا کیونکہ اب اس کی ضرورت نہیں اور ہمزہ استفہام مفتوح پڑھا جائے گا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے ابلیس تو نے بلا استحقاق تکبر کیا۔

ام کنت من العالین۔ کیا تو فوقیت و علو کے مستحقین سے ہے نیز یہ احتمال بھی ہے کہ یہاں عالین سے وہ ملائکہ عالی قدر مراد ہیں جنہیں سجدہ کا حکم نہیں ہوا تھا اس لیے کہ وہ ہر وقت شہود حق میں مستغرق ہیں یعنی ارواح مجردہ جیسا کہ ان کا بیان سورۂ حجر میں تفصیل کے ساتھ مذکور رہوا۔

قال۔ ابلیس نے کہا یہاں سجدہ کے تارک کی تقریر کا آغاز ہے۔

فائدہ:۔ حضرت کاشفی مرحوم نے فرمایا کہ ابلیس نے دوسری شق اختیار کی اور کہا انا خیر منہ میں آدم علیہ السلام سے بہتر اور افضل ہوں۔

مثنوی شریف میں ہے:۔

علتی بد تر ز پندار کمال
نیست اندر جان تو اے ذو دلال

ترجمہ:۔ خود کو اعلیٰ سمجھنے کی بیماری سے بڑھ کر اور کوئی نہیں اور یہ تیری جان کو تباہ کرنے والی بیماری تیرے اندر ہے۔

علت ابلیس انا خیر بدست
ایں مرض در نفس ہر مخلوق ہست

ترجمہ:۔ ابلیس کی انا خیر بہت بُری بیماری تھی اور یہ بیماری تقریباً ہر نفس میں ہے۔

گرچہ خود را ابلیس بس شکستہ بیندار
آب صافی دان و سرگین زیر جو

ترجمہ:۔ اگرچہ خود بظاہر شکستہ حال ظاہر کرے لیکن اُوپر سے صاف پانی نظر آتا ہے لیکن نیچے گوبر ہے۔

چو بشورانند ترا در امتحان
آب سرگیں رنگ گردد در زمان

ترجمہ:۔ امتحان کے وقت جب تجھے چھیڑا جاتا ہے تو نیچے والی گوبر باہر صاف نظر آجاتی ہے۔

ربط:۔ ابلیس نے اپنی افضلیت کی وجہ یہ بتائی کہ خلقتنی من نار۔ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور وہ سراسر لطافت و نورانیت ہے۔

سوال:۔ ابلیس نے صرف آگ سے تخلیق کا اظہار کیوں کیا حالانکہ اُس میں ہوا بھی تو ہے۔

جواب :۔ چونکہ اس میں نار کا مادہ تھا غالب اور زائد ہے اسی لیے اسی کا نام لیا اگرچہ ہمارا عقیدہ ہے اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ وہ ابلیس وغیرہ کو سراسر آگ سے پیدا فرمائے یا کسی اور شئے سے جس میں کسی شے کی ملاوٹ بھی ہو اس کا انکار صرف فلسفی اور جاہل کو ہو گا۔

وخلقتہ من طین ۔ اور آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا جس میں سراسر کثافت و ظلمانیت ہے ۔ یہاں بھی آدم علیہ السلام کی طرف مٹی کی طرف منسوب کیا گیا ہے حالانکہ اس میں دیگر عناصر بھی ہیں تو صرف غلبہ کی وجہ سے اور بس ۔

فائدہ :۔ ابلیس کا مقصد یہ تھا کہ آدم علیہ السلام اگر آگ سے ہوتا تو میں اسے سجدہ کرتا کیونکہ وہ میری ہم مثل ہوتے وہ چونکہ مٹی سے ہیں اور اس کا درجہ آگ سے کم ہے اسی لیے اب میرا اسے سجدہ کرنا میری توہین ہے اور مٹی کو تو آگ کھا جاتی ہے اور وہ مٹی پر غلبہ رکھتی ہے اسی لیے اعلیٰ ادنیٰ کو کیسے سجدہ کرے اور نہ ہی افضل کو ادنیٰ کے سجدہ کرنے کا حکم ہو ۔ بیوقوف نے عقل کو امام بنایا اور یہ سمجھا کہ شرافت مالک کے فرمان کو تسلیم کرنے میں ہے اسی یقین پر غلط فہمی ہو گئی کہ وہ فضیلت کا موجب مادہ وعنصر کو سمجھ بیٹھا اور یہ نہ دیکھا کہ فضیلت عنصر کو نہیں بلکہ اس نسبت کو ہے جس نے اسے اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا[1] ۔ کما قال لما خلقت بیدی ۔ اور اس نے ظاہری صورت کو دیکھا لیکن اسے اس پر نگاہ نہ پڑی کہ ونفخت فیہ من روحی ۔ اس ڈھانچہ کو دیکھا اسے نظر نہ آیا کہ اسے اللہ تعالیٰ نے معلم اسماء بنایا کہ جن پر جملہ امور موقوف ہیں اسی لیے تو ملائکہ کو سجدہ کا حکم ہوا ۔ جب ثابت ہوا کہ وہ ان سے بہت بڑے علم والے ہیں اور اسی علم پر زمین کی خلافت کا دار و مدار ہے اور پھر آدم علیہ السلام میں وہ خصوصیات ہیں جو دوسروں میں نہیں ۔

آیت کی تفسیر کے عجائبات

نار بزرگ تر فلک کو قریب تر ہے یعنی سورج و چاند کو کہ وہ بھی روشنی ہیں اور یہ بھی اور یہ فلک ارض سے

---

[1] اہلسنت وجماعت کے دستور کی تائید ہے کہ وہ نسبت کے عاشق ہیں یہی وجہ ہے کہ ہم مدینہ طیبہ کی گلی کو بھی جنت سے برتر سمجھتے ہیں کہ ؎

نہ جنت نہ جنت کی گلیوں میں دیکھا
مزہ جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی گلیوں میں دیکھا

لطیف تر ہے کیونکہ یہ چمکدار ہے اور اسے رُوح سے مشابہت ہے اور سب کو معلوم ہے کہ اشرف الاعضاء قلب و رُوح ہیں اور یہ نار کی طبیعت رکھتے ہیں اور ہر وہ جسم جو آگ کے مشابہ ہو جیسے سونا یا قوت وہ دوسری چیزوں سے اشرف ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ سورج اشرف الاجسام ہے کیونکہ طبع و صورت میں آگ کے مشابہ ہے اور سب کو معلوم ہے کہ مزاج حرارت سے تکمیل پاتا ہے۔ ان دلائل سے معلوم ہوا کہ اس کا اصل افضل ہے فلہذا ابلیس اپنی اصالت کی وجہ سے قابل فخر ہونا چاہیئے لیکن بدبخت کو سمجھ نہ آیا کہ یہ وجہ غلط ہے کسی نے خوب فرمایا ؎

اتفخر بالصالك من علیّ
واصل البوته الماء القراح
و لیس بنافع نسب زکی
تدنسه صنائعك القباح

ترجمہ:۔ کیا فخر کرتا ہے کہ تیری نسل علوی ہے حالانکہ بول کا اصل تو پانی ہی ہے اور صاف ستھری نسل کوئی فائدہ نہیں دیتی اس لیے کہ اسے بدکرداریاں گرد آلود کر دیتی ہیں۔

فائدہ:۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دو چیزوں میں سے کسی ایک کا اصل افضل ہو لیکن اصل کے ساتھ ایسے اُمور ملائے جائیں جو اس کی افضلیت کو ختم کر ڈالیں جیسے ابلیس علیہ اللعنۃ کے لیے ہوُا کہ اس نے اپنے اصل کے ساتھ ردی عوارض جیسے کبر۔ حسد۔ عجب۔ عصیان ملا دیئے اسی لیے لعنت کا مستحق ہوا اور آدم علیہ السلام کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔

فائدہ:۔ مذکورہ بالا شبہ ابلیس نے محض عذر برائے عذر پیش کیا بلکہ یہ بنائے تعنّت (سرکشی) تھا ورنہ اس کے سجدہ کا انکار کبر و کفر اور سراسر انکار و حسد سے تھا ورنہ اسے خود بھی معلوم تھا کہ یہ عذر نامعقول اور سراسر باطل ہے۔ مثلاً دعویٰ کیا کہ میں آدم سے اس لیے افضل ہوں کہ وہ مٹی سے اور میں آگ سے اور آگ مٹی سے اعلیٰ ہے اور اعلیٰ ادنیٰ کے لیے جھکنے ناموزوں ہے۔

ابلیس علیہ اللعنۃ کے دلائل کی تردید

ابلیس کی بتائی ہوئی علت بوجوہ ذیل باطل ہے:۔

(۱)۔ آگ کی طبیعت میں فساد ہے بلکہ اسے جو بھی متعلق ہوا سے برباد کیے بغیر نہیں رہتی بخلاف مٹی کے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ برکت رکھی ہے کہ اس میں چند دانے ڈالو تو کتنی من اناج حاصل

کرہ اور آگ اُلٹا کھاجاتی ہے اور اسے راکھ بنا کر چھوڑتی ہے ۔

(۲)۔ آگ کی طبع میں خفت ۔ طیش ۔ حدت ہے اور مٹی میں عاجزی ، سکون ، ثبات ہے ۔

(۳)۔ مٹی میں قوت تکوین ہے مثلاً اسی سے حیوانات کا رزق و روزی اور بندوں کا لباس و زینت اور ان کے آلات و مساکن ہیں اور آگ ان جملہ اُمور سے محروم ہے ۔

(۴)۔ حیوان کو مٹی کی ایسی ضرورت ہے کہ اس کے سوا اس کا کوئی چارہ نہیں بلکہ جو ضروریات اس کی مٹی میں رکھی گئی ہیں اس کے بغیر تو اس کی زندگی موت ہے ۔ اور آگ سے عموماً حیوان مستغنی ہے بلکہ مہینوں سالوں تک اس کے بغیر گزار سکتا ہے ۔

(۵)۔ آگ بغیر محل کے قائم نہیں ہو سکتی ایسا محل ضروری ہے جس پر یہ اپنا وجود قائم رکھ سکے اور مٹی نہ محل کی محتاج ہے نہ حامل کی اس اعتبار سے وہ آگ سے درجہا کامل و مکمل ہوئی ۔

(۶)۔ آگ مٹی کی محتاج ہے لیکن مٹی کو آگ کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ جہاں بھی آگ اپنا وجود قائم رکھے گی وہ مٹی ہی ہوگی یا مٹی سے تیار کردہ کوئی شے ۔

(۷)۔ ابلیس کا مادہ تخلیقیہ آگ نہیں بلکہ مارج یعنی لو اور وہ ہر لحاظ سے کمزور ہے کہ وہ ہواؤں کی گویا کھلونا ہے کہ جہاں ہوا اسے ہلاتے اس کے ابرو اشارہ پر چلتی ہے یہی وجہ ہے کہ عام مخلوق پر ہوا غالب ہے اور ہر شے اس کی قید اور قہر سے مغلوب ہے اور آدمی کا مادہ مٹی ہے اور یہ ایسی قوی ہے کہ کسی طرح بھی ہوا سے مغلوب نہیں بلکہ اس پر ہوا کا قہر و غلبہ ہے ۔ ہاں اس کا رجوع اللہ تعالیٰ کی طرف ہے اسی لیے اسے اللہ تعالیٰ نے برگزیدہ بنایا اگرچہ انسان کے مادہ میں ہوا بھی ہے تو وہ سریع الزوال ہے ۔ اصل مادہ اس کی مٹی ہے جو اس کے لیے لازوال ہے ۔ اس سے ثابت ہوا کہ مٹی کے مادہ میں عاجزی و ثبات ہے یہی اسے افضل بنا گئی اور ابلیس کا مادہ اس کے برعکس ہے ۔ اس تقریر سے واضح ہوا کہ ابلیس و آدم ہر ایک کو اپنے اصل کی طرف لوٹنا پڑا کہ آدم علیہ السلام کا اصل طیب اور شریف ہے ۔ اور ابلیس کا اصل ردی اور خبیث ۔

(۸)۔ اگرچہ آگ سے بعض منافع حاصل ہوتے ہیں مثلاً کھانا پکانا بعض اشیاء کا گرم کرنا ۔ روشنی حاصل کرنا لیکن اس میں شر دائمی ہے اور وہ اس سے ہٹنے کا نہیں ۔ جب تک اسے بند نہ رکھا جائے اگر اسے بندش نہ ہو تو کھیتیاں اور جانور بلکہ جملہ اشیاء کو تباہ و برباد کر ڈالے بخلاف مٹی کے کہ اس میں خیر و برکت دائمی ہے کہ اسے جونہی کام میں لاؤ خیر و برکت پھیلاتی ہے اور اس کے ثمرات جملہ عالم کو بھر دیتے ہیں ۔ انصاف کیجئے کہاں آگ اور کہاں مٹی ۔

(۹) - اللہ تعالیٰ نے مٹی کا قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ذکر فرمایا ہے بلکہ اس کے منافع کی تصریح فرمائی اور اسے انسان کا مہاد - فراش - بساط - قرار - کفات بنایا - نہ صرف زندگی کا بلکہ موت کا بھی اور انسان کو اس میں غور و فکر اور اس کی آیات و عجائبات کی طرف دیکھنے کی دعوت دی اور فرمایا کہ اس میں بے شمار امانات پوشیدہ ہیں بخلاف آگ کے کہ اس کا جہاں بھی ذکر کیا تو عقوبت - تخویف - عذاب کے ساتھ صرف دو ایسے مقام بتائے جس میں اس کے نفع کا پتہ چلتا ہے مثلاً فرمایا کہ وہ مسافروں کے لیے تذکرہ و متاع ہے اور بس یعنی تذکرہ اس لیے کہ اس سے آخرت کی آگ یاد آجاتی ہے اور مقوین کے لیے متاع بایں معنی ہے کہ بعض اوقات ان کو اس سے وقتی طور فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ جب وہ سفر میں ہوں اور موسم سرما میں کوئی انکا یار و مددگار نہ ہوا تو آگ جلا کر وقت گزارتے ہیں انصاف کیجئے کہ قرآن مجید میں مٹی کے ان گنت منافع کہاں اور آگ کے صرف یہ دو فائدے کہاں ۔

(۱۰) - اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مٹی کے ان گنت منافع گنائے ہیں چنانچہ فرمایا و بارك فيها اور خصوصیت سے قوم لوط کے لیے فرمایا ونجيناه ولوطا الى الارض التى باركنا فيها - وغیرہ - بخلاف آگ کے کہ اس کے لیے برکت کی خبر کہیں بھی نہیں بلکہ وہ تو الٹا مشہور ہے کہ برکتوں کو سلے ڈوبتی ہے - غور کیجئے کہاں برکت پھیلانا اور کہاں اسے اُلٹا کھا جانا ۔

(۱۱) - زمین کو اپنے ان گھروں کا مرکز بتایا جہاں اس کا ذکر ہوتا ہے اور اس کی تسبیح کی گونجیں اُٹھتی ہیں اور وہ مقامات صبح و شام اس سے سرشار ہوئے ہیں - یہ عموماً اور خصوصیت وہ بیت اللہ جو حرم معلّی کے نام سے موسوم ہے اس کے لیے فرمایا وہ لوگوں کے قیام اور عالمین کے لیے برکت ہے - زمین کو اور کوئی بزرگی نہ ملتی تو صرف اس پر بیت اللہ کا ہونا بھی اس کی شرافت کے لیے کافی ہے اور آگ پر اس کی یہ شرافت اتنی بھاری ہے کہ اس پر نہ دلیل کی ضرورت ہے اور نہ ہی انکار کی گنجائش ہے ۔

(۱۲) - زمین میں ہی امعادن - انہار - عیون - ثمرات - حبوب - اقوات - اصناف الحیوانات - امتعہ - جبال - ریاض - مراکب بہیہ - صورہ بہجہ (رونق دار) ہیں کہ آگ کو ان سے ایک بھی نصیب نہیں بھلا بتایئے آگ میں کتنے باغات ہیں یا معدن - یا صورتیں اور چشمے یا نہریں یا ثمرات لذیذ ہیں۔

(۱۳) - آگ کا حق یہ ہے کہ وہ زمین کی خادمہ بن کر رہے اور ہر وہ کام جو آگ سے ہوتا ہے وہ پہلے زمین کی محتاج بنے گی تو پھر ضرورت پوری ہوگی - اس معنیٰ پر وہ زمین خادمہ نہ ہوئی تو کیا ہوئی کہ جب

بھی ضرورت پوری ہو جائے گی آگ کو بجھا دیا جائے گا بلکہ اسے کوئی بھی اپنے پاس رکھنے کا روادار نہیں ہاں بوقت ضرورت اسے لایا جائے گا جیسے ہر مخدوم اپنے خادم کو جب چاہے بلا لے جب چاہے ہٹا دے۔

(۱۴) لعین نے اپنی کوتاہ نظری وضعف بصری کی وجہ سے مٹی کے ظاہر کو دیکھا کہ وہ مٹی پانی سے ملی جلی ہے اسی لیے حقارت کی نگاہ سے دیکھا حالانکہ اسے یہ نظر نہ آیا کہ وہ دو اصل چیزوں سے مرکب ہے۔

۱۔ پانی کہ جس سے اللہ تعالیٰ نے ہر شے کو زندہ فرمایا۔

۲۔ مٹی جسے جملہ منافع اور نعمتوں کا خزانہ بنایا ہے لیکن خبیث نے گارہ سے آگے منافع اور اسباب کو نہ دیکھا اگر اس کی نگاہ گارہ سے مادہ ونہایت سے آگے بڑھتی تو یہ ہرگز نہیں کہتا کہ آگ مٹی سے بہتر اور افضل ہے۔

فائدہ: اگر مان لیا جائے کہ آگ واقعی مٹی سے افضل ہے تو اس سے کب لازم آتا ہے کہ مال سے تیار کردہ مخلوق بھی افضل ومفضول ہوں کیونکہ وہ بڑی قدرت والا ہے کہ مفضول مادہ سے افضل پیدا کرے اور ہر شے کا دارومدار انجام اور نتیجہ پر ہوتا ہے اس شے کے مادہ کو نہیں دیکھا جاتا ہے لیکن لعین کی نگاہ مادہ سے متجاوز نہ ہوئی اور اس کی صورت کے کمال اور نتیجہ کو نہ دیکھا۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے آگ جدائی اور فراق اور مٹی وصال وو صلۃ کا وسیلہ اور ذریعہ ہے آگ سے توڑ پھوڑ اور مٹی سے میل ملاپ دیکھئے۔ آدم علیہ السلام خاک سے پیدا کیا گیا ہے اسی لیے ثم اجتباہ ربہ سے برگزیدہ کیا گیا اور ابلیس آگ سے بنایا گیا اسی لیے توڑا گیا تو فاھبط منھا سے مردود ہو گیا۔

حکایت: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کسی شوریدہ حال نے کہا کہ کاش خاک بے باک نہ ہوتی آپ نے فرمایا اے بے خبر اگر یہ خاک نہ ہوتی تو عشق کی آگ روشن نہ ہوتی اور نہ ہی سوز سینہ ہوتا اور نہ ہی آنکھوں کے آنسو ظاہر ہوتے اگر خاک نہ ہوتی تو نہ مہر ازل بونہ ہوتی اور نہ ہی آشنائی قرب لم یزل ہوتی ؎

اے خاک چہ خوش طینت قابل داری
گلہا لطیفت کہ در گل داری

ترجمہ: اے خاک تو کیسی اچھی ہے اور تیرا جوہر کتنا پاکیزہ ہے کہ تیرے اندر کیسے کیسے خوشنما پھول ہیں۔

در مخزن کشت کنز ہر گنج کہ بودی
تسلیم تو کردند کہ در دل داری

ترجمہ:۔ کنت کنزاً کے جتنے خزانے تھے وہ سب تجھے سپرد ہوئے اور تو ان سب کو اپنے دل میں چھپائے ہوئے ہے۔

تفسیر صوفیانہ:۔ آیت میں اشارہ ہے کہ مدعی اور منکر انبیاء و اولیاء کے درجات و کمالات کو نہیں پہنچ سکتے اور یہ قطعی فیصلہ ہے کہ وہ ہمیشہ کے لیے محروم ہیں اور نہ ہی انہیں جمال و جلال کے انوار کو دیکھ سکیں گے اور نہ ہی انہیں بردو وصال کی حلاوت کا ذوق نصیب ہوگا بلکہ وہ منجانب اللہ قیامت تک طرد و ابعاد نیں گے۔ ؎

مدعی خواست کہ آید بتماشا کہ راز
دست غیب آمد بر سینۂ نامحرم زد

ترجمہ:۔ مدعی نے چاہا کہ وہ بھی راز کا تماشہ میں آئے۔ غیبی ہاتھ باہر نکل کر اسے سینہ پر تھپیڑ مارا۔

تفسیر عالمانہ:۔ قال۔ اللہ تعالیٰ نے قہر و غضب سے فرمایا۔ فاخرج منھا۔ فاء ترتیب کی ہے۔ ابلیس کی مخالفت پر امر کو مرتب کرنا اور اس کے معاملہ کو باطل بتانے کی تعلیل ہے یعنی اے ابلیس جنت یا زمرۂ ملائکہ سے نکل جا۔

ہبوط:۔ (اترنے) سے یہی مراد ہے نہ کہ آسمان سے زمین کی طرف اترنا۔ اس لیے کہ وسوسہ کا معاملہ اس خروج و طرد کے بعد ہوا۔

فائدہ:۔ فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ ابلیس کی بہت بڑی غلطی کا تقاضا یہ ہے کہ آسمان سے زمین کی طرف فوراً گرایا گیا اسے وسوسہ تک موقوف رکھنا کسی طرح بھی صحیح نہیں۔

سوال:۔ پھر وہ زمین سے آسمان کی طرف کیسے پہنچا جب اسے زمین پر پھینکا گیا۔

جواب:۔ آسمان پر امتحان کے لیے لایا گیا اور بہشت میں داخل کیا گیا۔

سوال:۔ اسے بہشت میں کیسے داخل کیا گیا۔

جواب:۔ جب آسمان پر جانا مان لیا گیا تو بہشت میں داخل ہونے کا اشکال کیسا جبکہ بہشت بھی آسمانوں میں ہے ہاں اشکال اس وقت ہے جب اسے اعزازاً بہشت میں داخل کیا گیا۔ ایسے ہی زمین سے آسمانوں

فائدہ:۔ کذا قال البیضاوی ۱۲

کی طرف لے جایا جانا بھی اعزازاً ہو۔ تو جب ہم نے لکھا ہے کہ اسے امتحاناً آسمان پر لایا گیا تو اب اشکال نہ رہا۔

اعجوبہ: اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت باہرہ سے ابلیس کی اصلی شکل و صورت تبدیل فرما دی کیونکہ وہ اپنی شکل و صورت پر فخر کرتا تھا۔ وہ سفید تھا اسے سیاہ بنا دیا حسین تھا تو قبیح کر دیا۔ نورانی تھا تو اسے ظلمانی بنا دیا۔ یہی نافرمان بندوں کا حال ہے کہ باطنی طور ان کے حالات متغیر ہو جاتے ہیں کبھی ان کی ظاہری صورتیں بھی متغیر محسوس ہوتی ہیں[1]۔ فراست و حقیقت کی نگاہ سے دیکھا جائے تو ایسے لوگوں کی سیاہی خود بتاتی ہے وہ اس لیے کہ گناہ ظلمت ہے اور گنہ گار ظلمانی اور طاعت نور اور طاعت گزار نورانی ہے اس کے بعد جو چاہے جیسی پوشاک پہنے۔ گناہوں کی یا اطاعت و عبادت کی۔

فانك رجیم۔ اس لیے کہ تو رجیم ہے اُمر بالخروج کی تعلیل ہے یعنی اے ابلیس تو ہر خیر و کرامت سے ہٹایا ہوا ہے وہ اس لیے کہ جسے ہر خیر و برکت سے محروم کیا جائے اسے پتھروں سے سنگسار کیا جاتا ہے اس سے اس کی اہانت مطلوب ہوتی ہے یا اس لیے کہ شیطان کو سماوی یا کرہ اثیر سے سنگسار کیا جاتا ہے۔ دوسرے معنیٰ کی طرف بعض اہل حقائق کا رجوع ہے۔

وان علیك لعنتی۔ اور بیشک تجھ پر ہے میری لعنت یعنی رحمت سے دُور کرنا اس لیے کہ لعن بمعنی کو کسی کو غصہ و غضب سے ہٹانا جب یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے منسوب ہو تو معنیٰ ہوتا ہے آخرت میں کسی کو عذاب دینا اور دنیا میں فیض و قبول سے منقطع کرنا اور انسان سے کسی کو بد دعا کرنا۔ یہاں اضافت کے ساتھ ہے اور دوسرے مقام پہ بغیر اضافت کے ہے کما قال تعالیٰ **وان علیك اللعنة** اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسرے لعنت کنندگان جیسے ملائکہ اور جن و انس کی لعنت سے بھی لعنتِ خداوندی مراد ہوتی ہے۔ ان کی لعنت میں یہی مطلوب ہوتا ہے کہ وہ ملعون کو رحمت ایزدی سے دور کرنے کی بد دعا کر رہے ہیں۔

فائدہ: فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ مطلق لعنت میں بھی لعنت خداوندی مراد ہوتی ہے گویا اضافت وغیرہ ہر دونوں کا مقصد ایک ہے نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت اس کے بندوں کی زبانوں کے ذریعے ہے کہ وہ اس ملعون پر لعنت کرتے ہیں۔

---

[1] ۔ جیسے گستاخانِ انبیاء و اولیاء و صحابہ و دیگر بدمذاہب کے چہرے خشک اور سیاہی مائل نظر آتے ہیں غور کر کے دیکھیئے۔

الی یوم الدین ۔ جزا و سزا کے دن تک یعنی اے ابلیس دنیا کے خاتمہ تک تجھ پر لعنت ہو۔

سوال :۔ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پر لعنت صرف دنیا میں ہو حالانکہ وہ جیسے دنیا میں ملعون ہے ایسے ایسے ہی آخرت میں بھی ہے ۔

جواب :۔ بظاہر اگرچہ آیت سے دنیا کے انقطاع تک اس پر لعنت ثابت ہوتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس سے دائمی لعنت مراد ہے اس لیے کہ اسے دنیا کے کسی لمحہ میں بھی لعنت سے خالی نہ رکھا گیا تو اسے رحمت سے دائمی محرومی ملی اس معنیٰ پر وہ دائمی لعنتی ٹھہرا۔ اس لیے کہ دنیا میں وہ رحمت سے محروم رہا تو کافر ہی تو تھا اور پھر آخرت میں بھی کافر ہو گیا اور آخرت میں کافر کی جزا جہنم کے دائمی عذاب میں مبتلا رہنا ہے اور یہ قرآنی نص سے ثابت ہے ایسے ہی دائمی لعنت سمجھئے کما قال اللہ تعالیٰ فاذن موذن بینھم ان لعنۃ اللّٰہ علی الظالمین ۔ پھر جب اسے سخت عذاب میں مبتلا کیا جائے تو لعنت کے باوجود اسے محسوس تک نہ کرے گا (العیاذ باللہ) ابلیس کا رحمتِ الٰہی سے ہو جانا اس کے عجب اور خود بینی کی وجہ سے ہے تاکہ دیگر مخلوق کو عبرت حاصل ہو۔

فائدہ :۔ بعض نے کہا کہ یہ طرد و خذلان انسان اور ملائکہ کی نصیحت کے لیے ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے غیر پسندیدہ امور کے ارتکاب سے بچیں اور عبرت پکڑیں ؎

این خود را خرج کن اندر خدا
تا نمانی ہمچو آن ابلیس جدا

ترجمہ :۔ خودی کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر تاکہ تجھے ابلیس جیسی جدائی نہ ہو۔

کن خدا را ز سطوت قہاریش
بوی حضرت غفاریش

ترجمہ :۔ اللہ تعالیٰ کے غلبۂ قہاری سے بےخطر ہو اس کی غفاری شان کی طرف راہ تلاش کر۔

عبرت پیشینیاں گیر اے خلف
تا خلاصی یابی از قہر و تلف

ترجمہ :۔ اے آنے والے جانے والوں سے عبرت حاصل کرو تاکہ تجھے قہر و تلف سے نجات نصیب ہو۔ اللہ تعالیٰ سے عصمت و توفیق نصیب ہوتی ہے۔

قال :۔ ابلیس نے کہا رب اے میرے پروردگار فانظرنی ۔ انظار بمعنی امہال و تاخیر یعنی مہلت دینا ۔ فا رفصیحہ ہے یعنی اے پروردگار جب تو نے مجھے رجیم بنایا تو مجھے مہلت دے

اور مجھ سے موت کو دور فرما۔ الی یوم یبعثون اُس وقت تک کہ لوگ قبور سے جزا وسزا کے لیے اٹھائے جائیں یعنی قیامت تک اور اُٹھائے جانے والوں سے آدم و بنو آدم (علیہ السلام) مراد ہیں۔

البعث۔ یعنی مردہ کو زندہ کرنا اس مطالبہ سے اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ بنو آدم کو دیسلع پیمانہ میں گمراہ کر سکے گا اور ان کی تمام عزت کو ضائع کر دے گا اور موت سے بالکلیہ نجات پالے گا کیونکہ بعث کے بعد موت نہیں لیکن اس کی مراد پوری نہ ہوئی اور نہ ہی اپنا دلی مقصد پا سکا۔

قال۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فانك من المنظرین بیشک تو ان سے ہے جنہیں ہمیشہ تک بتقاضائے حکمت مہلت دی جاتی ہے جیسے ملائکہ وغیرہ۔

الی یوم الوقت المعلوم۔ وقت معلوم کے دن تک۔ یعنی وہ وقت جو اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو فنا کرنے کے لیے مقرر کر رکھا ہے اس سے نفخ اولیٰ مراد ہے نہ کہ بعث جس کے متعلق ابلیس کا سوال تھا۔

فائدہ:- قرآن کی ظاہری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مہلت ابلیس سے مخصوص نہیں نیز اس سے یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ اس انظار اس کی اولاد و قبیلہ بھی داخل ہے[1]۔

فائدہ:- بعض نے کہا کہ شیاطین بچے جنتے ہیں لیکن تانفخہ اولیٰ نہیں مرتے اور جنات بچے جنتے اور مرتے بھی ہیں۔

فائدہ:- ممکن ہے بعض جنات بعض انسانوں (خضر علیہ السلام) کی طرح مہلت دے دیئے جاتے ہوں گے۔

فائدہ:- خضر علیہ السلام پر موت آئے گی لیکن وقوع قیامت سے ایک عرصہ پہلے یعنی جیسے دوسرے اہل ایمان پر موت آئے گی خضر علیہ السلام بھی موت سے نہیں بچ سکیں گے۔

فائدہ:- فانك الخ مہلت مقدرہ کی خبر دینا ہے جو اللہ تعالیٰ نے پہلے لکھ رکھی تھی نہ یہ کہ ابھی اس کے لیے مہلت مقدر ہوئی کہ یہ انظار صرف اس سے خاص کیا جائے کہ اس کی دعا مستجاب ہوئی تاکہ کہا جا سکے کہ ملعون اور مستجاب الدعوات یہ کیسے، نیز اس کا مہلت مانگنا بھی صرف تاخیر موت کے لیے تھا نہ کہ عذاب کی تاخیر کے لیے[2]۔

فائدہ:- فقیر (صاحب رُوح البیان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کی دعا قبول فرمائی کہ اسے دنیا میں طویل عمر عطا فرما دی۔ یہ اس کا بدلہ ہے کہ اس نے لعنت سے پہلے طویل زمانہ عبادت

---

[1] اکام المرجان ۱۲ • [2] الارشاد

میں زندگی گزاری اور کافر کی دُعا اُمور دنیا میں مستجاب ہو جایا کرتی ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا انظار مہلت دینا از قبیل انشاء ہو جیسا کہ اس کا امر حادث کی دُعا مانگنے کی ترتیب بتاتی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا مہلت دیا جانا ازل میں مقدر ہو چکا ہو کیونکہ اگرچہ یہ امر حادث ہے لیکن امر قدیم کی طرف منسوب ہے اور جو تقدیم کی طرف منسوب ہوتا ہے وہ بھی قدیم ہوتا ہے مثلاً اس کا کفر اگرچہ اللہ تعالیٰ کے امر قبیح سمجھنے سے ہے لیکن یہ چونکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے مقدر ہو چکا تھا تو اسی لیے اسے قدیم سمجھا جائے گا اگرچہ اس کا ظہور حادث ہے اور ابلیس نے مہلت بھی اسی لیے مانگ لی تاکہ وہ جلدی کے عذاب سے بچ جائے اور اس لیے بھی کہ وہ بنو آدم کو گمراہ کر کے اپنے دل کی بھڑاس نکال لے گا۔ اس لیے کہ آدم علیہ السلام ہی اس کے ملعون بننے کے سبب ہوئے۔

تفسیر صوفیانہ:۔ آیت میں اشارہ ہے کہ جو بھی حق تعالیٰ سے دُور ہوتا ہے تو اس کے حالات بگڑ جاتے ہیں یہاں تک کہ شقاوت کے اسباب خود بن جاتا ہے مثلاً ابلیس نے طویل زندگی مانگ کر اپنی بدبختی میں خود اضافہ کیا اس لیے کہ جتنی عمر طویل ہوگی اتنے ہی اس کے جرائم و معاصی میں اضافہ ہوگا اور یہی جرائم و معاصی اس کی سزا و عذاب کا سبب ہیں اس بیوقوف نے طویل عمر سے دھوکہ کھایا ورنہ جو سزا و عذاب ملنا ہے وہ آکر رہے گا آج نہ سہی دیر سے سہی اس لیے عمر کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو لیکن جب موت نے نہیں چھوڑنا تو پھر طویل العمری کا کیا فائدہ۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ایک ہزار سال عمر بسر کی لیکن آج ہزاروں سال گزر گئے آپ اس جہان میں نہیں ہیں ؎

دریغا کہ بگذشت عمر عزیز
بخواہد گزشت ایں دم چند نیز

ترجمہ:۔ افسوس کہ عمر عزیز گزر گئی اور یہ چند لمحات بھی بالآخر گزر جائیں گے۔

نکتہ:۔ ابلیس کی طویل العمری کی دعا اس لیے مستجاب ہوئی کہ اس نے اپنی دعا میں لفظ رب سے اللہ تعالیٰ کو یاد کیا اور جو بھی اللہ تعالیٰ کو اس اسم سے یاد کرتا ہے اس کی دُعا مستجاب ہوتی ہے جیسے آدم علیہ السلام نے کہا ربنا ظلمنا الخ ان کی دعا مستجاب ہوئی اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے فرمایا و تاب علیہ و ھدیٰ۔

تفسیر عالمانہ:۔ ابلیس نے کہا اس پر دہی ہو جو اس کا مستحق ہے یعنی لعنت۔ فبعزتک۔ باء قسمیہ ہے یعنی تو مجھے تیری عزت اور قہر و سلطان کی قسم۔

سوال:۔ یہاں اغواء کو اپنی طرف اور دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا مثلاً کہا فبما اغویتنی الخ یہ تضاد کس لیے۔

اس کا گمراہ کرنا قدرتِ ایزدی کے اثرات کا اثر ہے یعنی چونکہ ہر ایک کے فعل کا خالق وہی ہے اسی کے بجواب اس لیے اُس کی طرف فعل کو منسوب کیا ہے اور پھر چونکہ کسب بندہ کا ہوتا ہے اسی لیے کبھی وہی فعل بندے کی طرف ہوتا ہے اسی لیے ابلیس نے قسم میں عزتِ الٰہی کا ذکر کیا حالانکہ قسم کے لائق اور صفات بھی لا سکتا تھا۔ اور تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ چونکہ ابلیس بدبختی کی انتہا کو پہنچ چکا تھا اسی لیے فبعزتک الخ کہا ورنہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی عزت کی حقیقت سے آگاہ ہوتا تو کبھی اس کے حکم کے خلاف نہ کرتا۔

لاغوینھم اجمعین۔ میں اُن سب کو گمراہ کردوں گا یعنی گمراہی پر انہیں برانگیختہ کردوں گا۔

فائدہ: غوایۃ (گمراہی) رشد (ہدایت) کی نقیض ہے یعنی میں اولادِ آدم کی گمراہی کا سبب بنوں گا بایں طور کہ اُن کے سامنے معاصی و جرائم سنگاروں گا اور اُن کے قلوب میں شکوک و شبہات ڈالوں گا۔

الاغواء بمعنی گمراہ کرنا۔ اس کے بعد ایک سچی بات کہی وہ یہ کہ محبوبانِ خدا کا استثناء کیا کہ الا عبادک منھم المخلصین مگر وہ تیرے بندے جو مخلص ہیں یعنی بنو آدم میں سے مخلص بندے کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کے لیے خالص بنائے اور انہیں گمراہی سے بچایا۔

المخلصین (بکسر اللام) پڑھا گیا ہے بصیغۂ اسم فاعل یعنی وہ حضرات جن کے قلوب و اعمال اللہ تعالیٰ کے لیے خالص ہیں کہ ذرہ برابر بھی ان میں ریا کا شائبہ نہیں۔

فائدہ: تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ یہاں پر شیطان نے اپنے عجز اور محبوبانِ خدا کی عزت کا اعتراف کیا کہ میں ان حضرات کو گمراہ نہ کر سکوں گا جو عبودیت میں تیرے مخلص بندے ہیں۔

فائدہ: بعض نے کہا المخلص وہ بندہ ہے جس کا صرف اللہ تعالیٰ سے تعلق ہو اس کے فعل کی خبر نہ فرشتوں کو ہو اور نہ شیطان کو اسی لیے فرشتے اُس کے اعمال نہیں لکھ سکتے اور نہ ہی ابلیس ان کے افعال کو بگاڑ سکتا ہے اور نہ اسے خواہشاتِ نفسانی کسی طرف جھکا سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض محبوب بندے ایسے بھی ہیں کہ جب شیطان اُن کی ولایت کی سلطنت کا اثر اور اُن کے حالات کی عزت دیکھتا ہے تو ایسے پگھل جاتا ہے جیسے نمک پانی میں ان کے سامنے نہ کوئی حیلہ کر سکتا ہے نہ مکر اور دھوکہ کرنے کی اسے سکت ہوتی ہے بلکہ ان کو دیکھتے اپنے تمام مکر و فریب بھول جاتا ہے اسے فرصت نہیں ہوتی کہ وہ ان کے قلوب پر وسوسہ کے تیر پھینک سکے خلاصہ یہ کہ وہ سب کو گمراہ کر سکتا ہے سوائے محبوبانِ خدا کے۔ یہی حال شیطان کے وارثین منکرین مفسدین کا ہے کہ وہ سب کو نقصان دے سکتے ہیں سوائے محبوبانِ خدا کے کہ وہ ان کے شر اور فساد سے محفوظ ہوتے ہیں بلکہ وہ تو ماسوی اللہ سب کے سب شر و فساد سے

محفوظ و مامون ہو جاتے ہیں ۔[1]

قال۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

فالحق ۔ مرفوع ہے اس لیے کہ مبتدا ہے اس کی خبر محذوف ہے یعنی مجھے حق کی قسم جب حق اللہ تعالیٰ کا نام مانا جائے جیسا کہ فرمایا ان اللّٰہ ھو الحق المبین ۔ بیشک اللہ تعالیٰ وہی حق مبین ہے یا باطل کی نقیض مراد ہو کہ اس میں اس کی قسم یاد فرما کر اس کی عظمت فرمائی ہے یا عبارت محذوف ہے ۔ دراصل الحق منی تھا جیسے دوسرے مقام میں ہے الحق من ربك ۔ حق تیرے رب سے ہے ۔ والحق اقول اور حق کہتا ہوں یہ منصوب ہے اس لیے اقوال کا مفعول ہے اور اس کی تقدیم قصر کے لیے ہے کہ دراصل عبارت یوں ہے لا اقول الا الحق ۔

لاملئن جہنم منك ۔ اور تیری جنس سے جہنم کو بھر دوں گا ۔ و ممن تبعك اور انہیں جو تیری اتباع کریں گے غوایۃ و ضلال میں اپنے بُرے اختیار سے ۔ منہم ۔ اولاد آدم علیہ السلام سے ۔ اجمعین ۔ یہ کاف اور اس کے معطوف علیہ کی تاکید ہے یعنی جہنم کو اتباع و متبوعین سے بھر دوں گا کسی کو بھی نہیں چھوڑوں گا ۔

فائدہ: تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ ابلیس ملعون نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ گفتگو میں جرأت کی اور حد سے بڑھ کر خلاف حکم کا مظاہرہ کیا بلکہ قسم کھا کر خلاف کیا اسی لیے امتناع سجود کے بعد بہت زیادہ اور قبیح ترین لعنت کا مستحق ہوا ۔

درسِ ادب: عقل مند وہ انسان ہے جو اللہ تعالیٰ کے حضور میں ادب کو ملحوظ رکھے اس کے سامنے جرأت و جسارت نہ کرے اور نہ ہی شیطان کے قدموں پر چلے یعنی اس کی اطاعت نہ کرے تاکہ وہ اس کے ساتھ جہنم میں نہ جائے ۔

حدیث شریف: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صبح کے وقت ابلیس اپنا لشکر بھیج کر کہتا ہے کہ جو بھی کسی مسلمان کو گمراہ کر کے آیا میں اسے تاج پہناؤں گا

---

[1] اس سے دشمنانِ اولیاء کو عبرت حاصل کرنے کے لیے کافی سامان ہے ۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ ابلیس سے یہ صاحبان دو قدم آگے ہیں کہ وہ تو اُن کی ولایت کی سلطنت کا اعتراف کر گیا لیکن ان قسمت کے ماروں کو تا حال اقرار تو نہ ہے نصیب الٹا ان کو گمراہ کن سمجھتے ہیں ۔ اویسی غفرلہٗ ۔

واپسی پر ابلیس کو ایک شیطان اطلاع دیتا ہے کہ میں ایک مسلمان سے عورت کی طلاق دلوا آیا ہوں۔ ابلیس کہتا ہے کیا ہوا وہ دوسری جگہ نکاح کر لیں گے۔ دوسرا کہتا ہے کہ میں مسلمان سے ماں باپ یا کسی ایک کی نافرمانی کرا چکا ہوں۔ ابلیس کہتا ہے کیا ہے وہ کسی وقت بھی ان کی خدمت کر کے انھیں راضی کر لے گا۔ تیسرا کہتا ہے میں ایک مسلمان کو شراب پلا چکا ہوں۔ ابلیس کہتا ہے خوب میں تجھ سے بہت راضی ہوں۔ چوتھا کہتا ہے کہ ایک مسلمان سے زنا کرا چکا ہوں اسے کہتا ہوں واہ۔ واہ۔ بہت خوب۔ پانچواں کہتا ہے میں مسلمان کو مسلمان کے ہاتھوں قتل کرا چکا ہوں اسے کہتا ہے شاباش تو نے بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے یہی میرا مقصد تھا اسی میں بہت خوش ہوتا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے قتل کی سزا پر سخت وعید بتائی ہے چنانچہ فرمایا ومن قتل مؤمنا متعمدا فجزاءہٗ جہنم خالدًا فیھا وغضب اللہ علیہ ولعنہ واعدلہ الخ اس لیے ابلیس ایسے شیطان کی کارروائی پر بہت خوش ہوا۔

مومن کی موت پر شیطان کا رونا

بعض مشائخ نے فرمایا کہ شیطان ہر مومن پر بہت روتا ہے جب وہ فوت ہوتا ہے اس لیے کہ وہ دنیا میں اس کا کھلونا تھا جسے وہ کھو بیٹھا۔

فائدہ: منقول ہے کہ جب ابلیس نے مہلت مانگی اور زمین پر اُتارا گیا تو اُسے دنیا کا منشور دیا گیا اس کی سب سے پہلی نگاہ پہاڑوں پر پڑی اُس کی یہ نحوست ہوئی کہ اب پتھروں پر پانی نہیں ٹھہرتا بلکہ نیچے گر جاتا ہے اور جو بھی ابلیس کے طریقہ پر ہوگا وہ کل پُل صراط پر صحیح سالم نہ چل سکے گا بلکہ گر کر نیچے چلا جائے گا جہاں جہنم ہے بڑا افسوس ہے کہ اس بدبخت انسان پر جو اس کے ساتھ دوزخ میں داخل ہوا۔

قل۔ اے (محبوب) محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) مشرکین کو فرمایئے ما اسئلکم میں تم سے نہیں مانگتا علیہ قرآن جو تمھارے پاس لایا ہوں یا تبلیغ وحی اور ادائے رسالت پر من اجر کوئی مزدوری دنیوی مال لیکن میں تمھیں بغیر اُجر کے بتاتا ہوں اس لیے شرط خالص عبودیت میں ہے کہ اس پر جزا اور سزا شکریہ کا ارادہ نہ ہو۔

مسئلہ: کوئی شخص دارالحرب میں کافر کا سر کاٹ کر یا قید کر کے اس نیت پر لائے کہ اسے امیر لشکر انعام دے گا اس سے اس کا اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا ارادہ نہیں تو اس سے ثواب نہ پائے گا اگرچہ انعام حاصل کر سکتا ہے اسی طرح تمام نیک کاموں کا یہی حال ہے ۔

فردا کہ پیش گاہ حقیقت شود پدید
شرمندہ رہروے کہ عمل بر مجاز کرد

ترجمہ:۔ کل قیامت میں کہ حقیقت ظاہر ہو گی وہ سالک نہایت شرمسار ہو گا جس نے مجاز پر عمل کیا ہو گا۔

و انا من المتکلفین۔ اور میں تکلیف والا یعنی ان لوگوں سے نہیں کہ کسی صفت کی نااہلی کے باوجود خود کو اس صفت کا دم بھرے۔ علاوہ ازیں تم لوگ میرے دعوائے نبوت سے پہلے ہر معاملہ سے باخبر ہو لہٰذا آج کا میرا دعویٰ نبوت جھوٹا ہے اور نہ ہی قرآن میں اپنی طرف سے بنا کر سناتا ہوں۔ خلاصہ یہ کہ میں وہ نہیں کہ یہ تصنع کوئی شے ظاہر کروں یا وہ بتاؤں جو میرے میں نہیں اور نہ ہی میں یہ پیغام از خود لایا ہوں بلکہ میں اللہ کی طرف سے بھیجا گیا ہوں جو بھی اپنی جانب سے کچھ کہتا ہے وہ تکلف کا ارتکاب کرتا ہے۔

فائدہ:۔ التکلف دراصل ایسی شے میں طلب کی جدوجہد کرنا جو عقل کا مقتضیٰ نہ ہو۔ اور تاج المصادر میں ہے التکلف کہ شے میں رنج جھیلنا اور اپنے سے ایسی چیز ظاہر کرنا جو اس میں نہ ہو۔ المتکلف اس شے کے درپے ہونے والا جس کا وہ ارادہ نہ رکھتا ہو۔ اور المفردات میں ہے کہ کلفۃ کے اظہار سے کسی شے کو عمل میں لانا ساتھ مشقت کے جو اس کے عمل میں لانے سے پہنچے اور عرف میں کلفۃ ہر مشقت کو کہا جاتا ہے اور تکلف ہر وہ فعل جو مشقت یا تصنع یا تشبع سے عمل میں لایا جائے۔

فائدہ:۔ تکلیف دو قسم ہے:۔

۱۔ محمود ۲۔ مذموم

محمود وہ ہے ایسے کام میں کوشش کرنا کہ جس سے اس کے مقصد کا حصول آسان ہو جائے اور وہ اس کے ساتھ محبت و پیار رکھتا ہے ایسی تکلیف عبادات میں ہوتی ہے۔

مذموم وہ ہے جسے وما انا المتکلفین میں ذکر کی گئی ہے۔

حدیث شریف (۱):۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اور میری اُمت کے صالحین تکلف سے بیزار ہیں۔

حدیث شریف (۲):۔ حضور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعا میں مسجع الفاظ لانے سے روکا ہے کیونکہ یہ بھی تکلف میں داخل ہے۔

حدیث شریف (۳):۔ حضور نبی پاک صاحبِ لولاک فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اور جملہ متقی لوگ تکلف سے بیزار ہیں۔

مسئلہ:۔ اہل الحقائق فرماتے ہیں کہ نماز کی قرأۃ کے لیے کسی سورت و آیت کو متعین نہ کرے بلکہ جو

بھی ذہن میں آجائے پڑھئے یہ مسلک ہے جسے اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا ہے۔

حدیث شریف (۴)۔ حضور سرورِ عالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ متکلف کی تین علامات ہیں ا۔

(۱)۔ اپنے سے بڑے اور غالب سے کوئی شے چھیننا چاہے۔

(۲)۔ اس چیز کو حاصل کرنے کی کوشش کرے جو اس کے مقدور سے باہر ہے اور وہ بات کہے جس کا اسے علم نہیں۔

(۳)۔ ایسی بات کہے جو وہ خود نہیں جانتا۔

مسئلہ :۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو کچھ تو جانتا ہے اسے کہہ سکتے ہو اور جسے نہیں جانتے تو کہہ دیا کرو واللہ اعلم۔ کیونکہ لاعلمی پر اللہ اعلم کہنا بھی علم ہے اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وما انا من المتکلفین۔

حدیث شریف (۵)۔ جس نے بغیر علم کے فتویٰ دیا اُس پر آسمانوں اور زمینوں کے فرشتے لعنت کرتے ہیں۔

ان ھو۔ نہیں وہ جو میں اللہ تعالیٰ سے لایا ہوں یعنی قرآن اور پیامِ رسالت۔

الا ذکر۔ مگر پند و نصیحت منجانب اللہ اور وہ شرافت اور باقی رہنے والا ذکر ہے للعالمین تمام عالم یعنی ثقلین (جن و انس) کے لیے۔

ولتعلمن۔ اور اے مشرکو! عنقریب جان لو گے نباہ۔ قرآن کی خبر جو وہ وعد و وعید بتاتا ہے ایسے ہی اس کے دیگر ارشادات کا انجام اور تمھیں اس کی صحتِ خبر کا علم ہو جائے گا کہ وہ مبنی بر حق و صدق ہے۔

بعد حین۔ موت یا یومِ قیامت کے بعد کہ اُس وقت کا جاننا نفع نہ دے گا اس میں تہدید ہے۔

فائدہ :۔ المفردات میں ہے کہ الحین بمعنی بلوغ وحصول شے کا وقت اور یہ مبہم المعنیٰ ہے مضاف الیہ کے ساتھ خاص ہو جاتا ہے جیسے ولات حین مناص۔

سوال :۔ بعض مفسرین نے تو اس کے خاص معانی بیان کیے ہیں :۔

(۱)۔ اجل جیسے توتی اکلھا کل حین ہر سال میوے دیتا ہے۔

(۲)۔ اجل جیسے ومتعناھم الی حین اور ہم نے اسے اجل تک نفع دیا۔

(۳)۔ ساعۃ۔ جیسے حین تمسون۔ جب تم شام کرتے ہو۔

(۴)۔ مطلق زمانہ جیسے هل اتی علی الانسان حین من الدهر۔ کیا انسان پر دہر میں سے ایک زمانہ آیا اور ولتعلمن بنأبعد حین اسی قبیل سے ہے۔

جواب:۔ یہ معانی بھی منسوب الیہ سے حاصل ہوئے ہیں ورنہ حین کا حقیقی معنٰی وہی ہے جو ہم نے بیان کیا ہے۔

فائدہ:۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اے ابن آدم تجھے موت کے وقت ہی پکی خبر ملے گی۔

سبق:۔ مؤمن پر لازم ہے کہ جب اُس کے پردے اُٹھیں تو یقین سے بھرپور ہو جائے۔

ملفوظ حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر پردہ اُٹھے تو بھی میرا یقین بڑھے گا۔

حال خلد و جحیم دانستم

بے یقین آں چنانکہ می باید

ترجمہ:۔ بہشت و دوزخ کا حال مجھے معلوم ہے اس یقین کے ساتھ جیسے اہل یقین کو ہوتا ہے۔

گر حجاب از میانہ برگیرند

آں یقین ذرۂ نیفزائد

ترجمہ:۔ اگر درمیان سے پردہ ہٹ جائے تو ذرّہ برابر بھی یقین جدید کا اضافہ نہ ہو گا۔

شرح ابیات مذکورہ:۔ اشعار کا مطلب یہ ہے کہ دنیا رائے حجاب ہے اور قیامت کے جملہ اُمور مثلاً حشر و نشر اور ثواب و عقاب اور نعیم و جحیم وغیرہ وغیرہ کا مجھے ایسا یقین ہے کہ اگر دنیا کا حجاب اُٹھ بھی جائے اور میں اُن کو آنکھوں سے دیکھوں تب بھی میرے یقین میں کوئی فرق نہ آئے گا اس لیے کہ آج کا علم الیقین میرے لیے عین الیقین ہے۔

فائدہ:۔ قرآن مجید میں کفار کے متعلق خبر دی گئی ہے کہ وہ موت کے وقت ایمان لائیں گے لیکن انکا اُس وقت کا ایمان قابل قبول نہ ہو گا۔

فائدہ:۔ حضرت ابوالقاسم حکیم سے پوچھا گیا کہ عاصی گناہ سے توبہ کرے یا کافر کفر سے لوٹے ان میں کیا فرق ہے۔ فرمایا کہ عاصی گناہ سے توبہ کرتا ہے تو عارف ہے اس لیے کہ گناہ کے ارتکاب کے وقت اس کا عرفان اَب چھن نہیں جاتا اور کفر سے رجوع کرنے والا کافر تو اپنے رب سے اجنبی ہے جب وہ کفر سے لوٹ کر ایمان کی طرف آتا ہے تو وہ اجانب سے معارف کی طرف

آتا ہے اور عاصی گناہوں سے تائب۔ معارف کے درجات سے نکل کر احباء کے مقام میں پہنچ جاتا ہے۔

فائدہ: توبہ و توجہ الی اللہ ضروری ہے لیکن موت سے پہلے تاکہ تہدید و وعید زائل اور وعد و تائید ظاہر اور جملہ مقامات پہ خوشی حاصل اور اس کے لطف و کرم سے ظاہر و باطن میں فیض نصیب ہو۔

صاحب رُوح البیان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ سورت ص کی تفسیر اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت سے ۲ر جمادی الآخرہ ۱۱۱۲ھ میں ختم ہوئی۔

فقیر قادری محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہ، نے سورۃ ص کی تفسیر کے ترجمہ سے ۳ر رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ بروز جمعہ پورے دس بجے فراغت پائی۔ (فللہ الحمد و منہ التوفیق والمنہا وصلی اللہ علی حبیبہ الکریم صاحب الشفاعۃ والعزۃ وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

ھذا آخر مارقمہ قلم الفقیر القادری محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہ،

دار الغربۃ ——— بہاولپور ——— پاکستان

۲۴ر مئی ۱۹۸۵ء

سورۃ زمر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ○ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ
اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ○
اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ۭ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ
اَوْلِيَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ۭ اِنَّ اللّٰهَ
يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا
يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ○ لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ
يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ
هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ○ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
بِالْحَقِّ ۚ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ

وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُسَمًّى ۗ
أَلَا هُوَ الْعَزِيزُ الْغَفَّارُ ۝ خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ
ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ الْأَنْعَامِ ثَمَانِيَةَ
أَزْوَاجٍ ۚ يَخْلُقُكُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ خَلْقًا مِنْ بَعْدِ
خَلْقٍ فِي ظُلُمَاتٍ ثَلَاثٍ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۖ لَا
إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ فَأَنَّىٰ تُصْرَفُونَ ۝ إِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ
عَنْكُمْ ۖ وَلَا يَرْضَىٰ لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۖ وَإِنْ تَشْكُرُوا يَرْضَهُ لَكُمْ ۗ
وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۗ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ مَرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ
بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ وَإِذَا
مَسَّ الْإِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهُ مُنِيبًا إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا خَوَّلَهُ نِعْمَةً
مِنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُو إِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلَّهِ أَنْدَادًا
لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِهِ ۚ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيلًا ۖ إِنَّكَ مِنْ
أَصْحَابِ النَّارِ ۝ أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِدًا وَ
قَائِمًا يَحْذَرُ الْآخِرَةَ وَيَرْجُو رَحْمَةَ رَبِّهِ ۗ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي
الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۗ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ ۝

ترجمہ:۔

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا

کتاب اُتارنا ہے اللہ عزت وحکمت والے کی طرف سے۔ بیشک ہم نے تمھاری طرف یہ کتاب حق کے
ساتھ اُتاری تو اللہ کو پوجو نرے اس کے بندے ہوکر۔ ہاں خالص اللہ ہی کی بندگی ہے۔ اور وہ

جنھوں نے اس کے سوا اور والی بنا لیے۔ کہتے ہیں ہم تو انھیں صرف اتنی بات کے لیے پوجتے ہیں
کہ ہمیں اللہ کے پاس نزدیک کر دیں۔ اللہ ان میں فیصلہ کر دے گا اس بات کا جس میں اختلاف
کر رہے ہیں۔ بیشک اللہ راہ نہیں دیتا اسے جو جھوٹا بڑا ناشکرا ہو۔ اللہ اپنے لیے بچہ بنا تا تو اپنی
مخلوق میں سے جسے چاہتا چن لیتا۔ پاکی ہے اُسے وہی ہے ایک اللہ سب پر غالب۔ اُس نے
آسمان اور زمین حق بنائے۔ رات کو دن پر پیٹتا ہے اور دن کو رات پر پیٹتا ہے۔ اور اُس نے
سورج اور چاند کو کام میں لگایا ہر ایک ایک ٹھہرائی میعاد کے لیے چلتا ہے۔ سنتا ہے وہی صاحب
عزت بخشنے والا ہے۔ اُس نے تمھیں ایک جان سے بنایا۔ پھر اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور تمھارے
لیے چوپایوں میں سے آٹھ جوڑے اُتارے۔ تمھیں تمھاری ماؤں کے پیٹ میں بناتا ہے ایک
طرح کے بعد اور طرح۔ تین اندھیریوں میں۔ یہ ہے اللہ تمھارا رب اُسی کی بادشاہی ہے۔ اس کے
سوا کسی کی بندگی نہیں۔ پھر کہاں پھیرے جاتے ہو۔ اگر تم ناشکری کرو تو بے شک اللہ بے نیاز ہے
تم سے۔ اور اپنے بندوں کی ناشکری اسے پسند نہیں۔ اور اگر شکر کرو تو اسے تمھارے لیے پسند فرماتا
ہے۔ اور کوئی بوجھ اُٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھائے گی۔ پھر تمھیں اپنے رب ہی
کی طرف پھرنا ہے تو وہ تمھیں بتادے گا جو تم کرتے تھے۔ بے شک وہ دلوں کی بات جانتا ہے۔
اور جب آدمی کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے۔ اپنے رب کو پکارتا ہے اس کی طرف جھکا ہوا۔ پھر جب
اللہ نے اسے اپنے پاس سے کوئی نعمت دی تو بھول جاتا ہے جس لیے پہلے پکارا تھا۔ اور اللہ کے
لیے برابر والے ٹھہرانے لگتا ہے تاکہ اس کی راہ سے بہکادے تم فرماؤ تھوڑے دن اپنے
کفر کے ساتھ برت لے بیشک تو دوزخیوں میں ہے۔ کیا وہ جسے فرمانبرداری میں رات کی گھڑیاں
گزریں۔ سجود اور قیام میں آخرت سے ڈرتا اور اپنے رب کی رحمت کی آس لگائے کیا وہ نافرمانوں
جیسا ہو جائے گا۔ تم فرماؤ کیا برابر ہیں جاننے والے اور انجان۔ نصیحت تو وہی مانتے ہیں جو
عقل والے ہیں۔

سورۃ الزمر مکیہ اور اس کی پچھتر یا تہتر آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیر عالمانہ تنزیل الکتاب نازل کرنا کتاب یعنی قرآن کا بالخصوص یہی سورۃ بزرگ
یہ مبتدا ہے اس کی خبر۔

من اللہ العزیز الحکیم ۔ یہ اللہ عزیز حکیم سے ہے نہ کہ اس کے غیر سے جیسے مشرکین کہتے تھے کہ (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے ۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ کتاب کا نزول اللہ تعالیٰ سے ہے فلہذا اسے سُن کر اس پر عمل کرو اسی معنیٰ پر کتابِ عزیز ہے جو رب عزیز سے عبد عزیز پر بلسان ملک عزیز (فرشتہ) اُمت عزیز کی شان میں نازل ہوئی ہے ۔ وصف عزت وحکمت میں اشارہ ہے کہ ان دونوں صفتوں کے اثرات کتاب میں ظاہر ہیں کہ اس کے احکام کا اجراء اور اس کے اوامر و نواہی کا نفاذ ہے نہ اسے کوئی دفع کرنے والا ہے نہ کوئی روکنے والا اور یہ جمیع حکم باہرہ کی اساس اور بنیاد ہے ۔

فائدہ : حضرت کاشفی مرحوم نے فرمایا کہ وہ مالک ہے اور اپنی تقدیر پر غالب ہے ۔

الحکیم ۔ اور اپنی تدبیر میں دانا ہے اور فتح الرحمٰن میں ہے کہ اپنی قدرت میں عزیز اور اس کی نئی طرز میں پیدا کرنے میں حکیم ہے ۔

انا انزلنا الیک الکتاب بالحق ۔ یہ منزل الیہ کی شان کا بیان ہے اور ان اُمور کا ذکر ہے جو ضروری ہیں اس سے پہلے یہ ذکر تھا کہ منزل کیا ہے اور جس سے نازل ہوا وہ کیسی شان والا ہے ۔ ہماری اس تقریر سے یہ وہم زائل ہوا کہ لفظ کتاب کا تکرار کیوں حالانکہ یہاں ضمیر کافی ہے ۔ اسم ظاہر کتاب لانے میں اس کی تعظیم اور اس کی شان کا اعزاز مطلوب ہے اور بار انزال کے متعلق ہے یعنی بسبب حق واثبات و اظہار کے یا محذوف کے متعلق ہے جو نون عظمۃ (تکلم) سے حال ہے یعنی ہم نے تمہاری طرف نازل کیا درانحالیکہ ہم اسے حق کے ساتھ نازل کرنے والے ہیں یا الکتاب سے حال ہے یعنی ہم نے اسے نازل کیا حق وصواب کے ساتھ متلبس ہے یعنی جو کچھ اس میں ہے حق ہے جس میں کسی قسم کا شک نہیں اور حتمی طور عمل کا موجب ہے ۔

فائدہ : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ " یہ کتاب حق سے اور حق کے ساتھ اور حق پر نازل ہوا اور برہان القرآن میں ہے کہ قرآن مجید میں جہاں اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو انا انزلنا الیک سے خطاب فرمایا ہے وہاں تکلیف کا معاملہ ہوگا اور جہاں انزلنا علیک سے خطاب فرمایا ہے وہاں تخفیف ہے چنانچہ اول سورۃ میں الیک ہے تو اس میں اخلاص فی العبودیت کا متکلف بنایا گیا ہے اور سورۃ کو ختم فرمایا تو علیک سے چنانچہ فرمایا وما انت علیھم بوکیل ۔ یعنی تم ان کے متعلق سوال نہیں کیے جاؤ گے ۔ اس میں تخفیف ہے ۔

فاعبد اللہ ۔ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو درآنحالیکہ تم مخلصا لہ الدین اس کے لیے دین کے لیے مخلص ہو ۔

فائدہ : اخلاص یہ ہے کہ بندہ عمل ونیت میں صرف اپنے خالق کے ساتھ مقصد رکھے اور بس ، اس کا کام کسی غرض غیر سے متعلق نہ ہو ۔ یعنی عبادت کرے تو خالص اسی کے لیے کہ اس میں ذرہ بھر

شرک وریاء کا شائبہ نہ ہو۔ کیونکہ دین اطاعت کا نام ہے۔[1]

تفسیر صوفیانہ:- اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حکم فرمایا ہے کہ اس کی ایسی عبادت کریں کہ عبودیت میں خود کو بھی بھول جائیں بلکہ کونین اور جملہ اہل کائنات کا تصور تک ختم ہو۔ مشاہدۂ ربوبیت میں حدّ عبودیت سے متجاوز نہ ہو جب بندے سے عرش سے تحت الثریٰ کی تمام لذات ختم ہوں تو پھر سمجھا جاتا ہے کہ یہ بندہ عبودیت خالصہ کی راہ چل رہا ہے۔ ع

گر نباشد نیت خالص چہ حاصل از عمل

ترجمہ:- اگر نیت خالص نہ ہو تو عبادت و عمل کا کیا فائدہ۔[2]

فائدہ:- بعض اکابر مشائخ نے فرمایا کہ عبادت خالصہ یہ ہے کہ حکم کی تعمیل میں نہایت درجہ کی عاجزی و انکساری ہو نفس کا اخلاص یہ ہے کہ ہر قسم کی کمی سے دُوری ہو اور قلب کا اخلاص یہ ہے کہ اشخاص کے دیکھنے سے آنکھیں اندھی ہوں اور رُوح کا اخلاص یہ ہے کہ مطلب اختصاص کی نفی ہو اور اس طرح کی عبادت کرنے والے ہر زمانہ میں ہوتے ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ لایزال اللہ یغراس فی ھذا الدین غرسًا یستعملھم فی طاعتہ۔ اللہ تعالیٰ اسی کے دین کا باغ ہر زمانہ میں بوتا رہے گا اور انہیں اپنی طاعت میں لگائے گا۔

فائدہ:- کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ یہ خطاب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہے لیکن مراد اُمت ہے کہ وہی طاعت و عبادت کے اسی طرح مامور ہیں کہ ان کی عبادت شائبہ شرک وریاء سے پاک ہو۔

فائدہ:- کشف الاسرار میں ہے کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس خطاب پر ایسا عمل کر دکھایا کہ جبریل علیہ السلام نے حاضر ہو کر عرض کی کہ آپ نبی بادشاہ بننا چاہتے ہیں یا عبد نبی۔ آپ نے فرمایا کہ میں عبد نبی بننا چاہتا ہوں مجھے بادشاہ بننے کی خواہش نہیں اس لیے کہ شاہی تو صرف اللہ تعالیٰ کے لائق ہے اور بندگی ہمیں۔ اگر میں بادشاہی اختیار کروں تو ملک میں محدود ہو جاؤں گا اور اسی پر فخر کرسکوں گا لیکن مجھے بندگی پسند ہے تاکہ تیرا بندہ کہلاؤں اور مجھے تیرے ملک پر فخر ہو اسی لیے فرمایا انا سید ولد اٰدم ولا فخر۔ میں اولاد آدم کا سردار ہوں لیکن اس کا مجھے فخر نہیں۔ بلکہ مجھے اپنے خالق پر فخر ہے کیونکہ سوائے اس کے مجھ پر کسی کا قبضہ نہیں اگر اس کے سوا کسی اور پر فخر کروں تو وہی میرا مطمح نظر ہوگا اور فاعبد اللہ مخلصًا کے خلاف ہو جائے گا اور میں اس کے کسی حکم کو چھوڑنا نہیں چاہتا

---

[1] جلالین وغیرہ ۱۲۔ [2] عرائس البیان ۱۲۔

اور نہ ہی اس کے سوا کسی کو مطمع نظر بنانا چاہتا ہوں اسی لیے مجھے اس کے سوا کسی پر فخر نہیں۔
حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

گدائی در جاناں بسلطنت مفروش
کسی ز سایۂ ایں در بآفتاب رود

ترجمہ:- محبوب کے دروازہ کی گدائی کو سلطنت کے لیے نہ بیچ وہ کونسا بے عقل ہے جو اس دروازہ کے سایہ سے نکل کر سورج کی تپش میں جائے گا۔

تفسیر عالمانہ:- الا - خبردار - للّٰہ - اللہ تعالیٰ کے لیے واجب اور اس کا حق ہے الدین الخالص - دین کا شرک سے خالص ہونا - یعنی خبردار اس اللہ کے لیے دین خالص کو خاص کرو جو صرف وہی عبادت کا حقدار ہے کیونکہ وہ صفاتِ اُلوہیت میں اور اطلاع علی الغیوب و اسرار میں منفرد ہے اور نعمتیں صرف اُسی کی ہیں اور اُسی سے اسے کوئی فائدہ و نفع کی ضرورت بھی نہیں۔

فائدہ:- اس کا ایک معنیٰ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے وہ دین پیش کرو جو خواہشات سے اور شک و شرک سے دور ہو اس سے ہی اس کا قرب حاصل ہوتا ہے اور یہ اس کی رحمت محض ہے نہ یہ کہ اس کی اسے ضرورت اور حاجت ہے[۱]

تفسیر صوفیانہ:- تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ دین خالص وہ ہے جو سارے کا سارا اسی کا ہو اس میں بندے کو ذرہ برابر بھی اپنا فائدہ ملحوظ نہ ہو اور مخلص وہ بندہ ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے جود و کرم سے حبس وجود سے نجات بخشے اس میں بندے کی جد و جہد کو دخل نہ ہو۔

فائدہ:- حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ دین خالص سے اسلام مراد ہے اس لیے کہ اسلام کے سوا باقی تمام ادیان غیر خالص ہیں کیونکہ ان میں شرک کی ملاوٹ ہوتی ہے جس میں شرک کی ملاوٹ ہو وہ اللہ تعالیٰ کا دین نہ ہوگا اور نہ ہی اس کے لیے داخل ہونے کا حکم ہے اللہ تعالیٰ صرف وہی دین قبول کرتا ہے جو اسلام ہے اور بس۔

حدیث شریف (۱):- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم

---

[۱] الکواشی ۱۲

سے عرض کی کہ میں کچھ صدقہ کرنا چاہتا ہوں لیکن اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے ساتھ لوگوں کی تعریف بھی چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے وہ اللہ تعالیٰ اس شے کو قبول نہیں کرتا جس میں غیر کو شریک کیا جائے اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی الا للہ الدین الخالص۔

حدیث شریف (۲): حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو عمل میرے لیے کیا جائے لیکن اس میں دوسرے کو شریک کیا جائے تو وہ عمل اس کا ہوگا لیکن میں اس سے بیزار ہوں اور میں شرک سے بالکل لاپرواہ ہوں۔

حدیث شریف (۳): حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ وہ عمل بالکل قبول نہیں کرتا جس میں ذرّہ برابر ریا کی ملاوٹ ہو۔

ز عمرو اے پسر چشم اُجرت مدار
چو در خانۂ زید باشی بکار

ترجمہ: اے عزیز عمرو سے اُجرت کی اُمید نہ رکھو جب تک کہ وہ زید کے گھر میں کام کرتے ہوں۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ کو وہ عبادت لائق ہے جو منافقت سے پاک ہو اور وہ طاعت چاہیئے جس میں ریا نہ ہو گوہرِ اخلاص وہ حاصل کرے گا جس کا دل سچا اور دریائے سینہ صاف ہو۔

حدیث شریف (۴): حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا اخلاص کیا ہے آپ نے فرمایا کہ میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا اخلاص کیا ہے اُنہوں نے کہا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ اخلاص کیا ہے تو فرمایا یہ میرے اسرار میں سے ایک راز ہے یہ میں نے اس بندے کے دل میں امانت رکھا ہے جو میرا محبوب ہے بلکہ میرے خزینۂ اسرار سے یہ ایک گوہر ہے جسے میں اسے باہر لایا ہوں اور اپنے محبوبوں کے دل کی گہرائی میں امانت کے طور رکھا ہے اور میری دوستی کا نتیجہ اسی اخلاص میں ہے کہ بندگی کا لباس پہن کر محبت اسی سے نصیب ہوتی ہے اگر یہ نہ ہو تو بندگی کی خلعت اُتار لی جاتی ہے۔ بندہ جو کام کرتا ہے دل سے ہی کرتا ہے لیکن اس کے ساتھ محبت حق میں پراگندہ امور کو جمع کرے یہ نہ ہو سکے گا۔ جسم کا کام ہے نماز و روزہ اور دل کا کام ہے دوستی حق اور دوستی حق کی نشانی یہ ہے کہ جو کچھ بھی دوست سے آجائے اگرچہ کتنا ہی کڑوا ہو وہ میٹھا محسوس ہو۔

از دوست بتو آید بہ دیدۂ تنہی
ولو بید الحبیب سقیت سمًا

ترجمہ :۔ دوست سے کچھ بھی آئے اسے آنکھوں پر رکھو اگر دوست سے زہر ملے تب بھی پی لو۔

لکان اسم من یداہ یطیب
زہر یکی بیاد تو خورم نوش آید

ترجمہ :۔ دوست کے ہاتھ سے زہر بھی حلوہ ہے کیونکہ وہ زہر جو تمھاری یاد میں پیوں گا وہ زہر پینے کے لائق ہو گی۔

دیوانہ ترا بیند و باہوش آید
آں دل کہ تو سوختی ترا شکر کند

ترجمہ :۔ دیوانہ تجھے دیکھ لے تو ہوش میں آجائے گا وہ دل جو تجھ سے جل گیا اسے شکر کرنا چاہیئے۔

و آں خون کہ تو ریختی بتو فخر کند
ان دل کہ تو سوختی ترا شکر کند

ترجمہ :۔ اور وہ خون جو تیرے لیے گرا اسے فخر کرنا چاہیئے۔ وہ دل جو تو نے جلایا وہ تیرا شکر کرے گا۔

تفسیر عالمانہ :۔ والذین اتخذوا من دونہ اولیاء۔ اور جن مشرکوں نے بنا رکھا ہے یعنی معبود بنا لیا ہے اللہ کے سوا) یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کی عبادت سے متجاوز ہو کر دوسروں کو رب اور معبود بنایا) جیسے ملائکہ اور عیسیٰ علیہ السلام اور عزیز علیہ السلام اور بتوں کو یہ عبادت الٰہی میں مخلص نہیں بلکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ دوسروں کی عبادت کو ملایا ہے درانحالیکہ وہ قائل ہیں۔

ما نعبدھم۔ ہم ان اولیاء من دون اللہ کی کسی اور ارادہ پر پرستش نہیں کرتے۔

الا لیقربونا الی اللہ زلفیٰ۔ زلفیٰ بمعنی تقریب ہے یہ مفعول مطلق ہے جملہ کی تاکید کرتا ہے اس لیے کہ اس کا ہم معنیٰ ہے۔ مشرکین سے جب پوچھا جاتا کہ زمین و آسمان کا خالق کون ہے تو کہتے اللہ ان پر سوال ہوتا کہ تو پھر تم بتوں کی پرستش کیوں کرتے ہو تو جواب دیتے کہ ہم ان کی اس لیے پرستش کرتے ہیں تاکہ وہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیں۔

فائدہ :۔ تفسیر کاشفی میں ہے تاکہ یہ بت ہماری سفارش کریں اور ہم ان کی شفاعت سے بلند مراتب پائیں۔

بُت پرستی کی اصل وجہ

امام عبدالوہاب شعرانی قدس سرہٗ نے فرمایا بُت پرستی کی اصل وجہ یوں ہے کہ بت پرستوں کے بیٹے اللہ تعالیٰ کو ہر طرح سے منزہ و مقدس منوانے کی کوشش کرتے اسی پر عوام کو مجبور کرتے لیکن اس سے انھیں محسوس ہُوا کہ اس عقیدہ سے اللہ تعالیٰ کی تعطیل (معطل ہونا) ذہنوں میں اثر انداز ہو رہی ہے تو بت (مجسمے) بنا کر انہیں ریشمی لباس اور زیورات و جواہر سے مزین کیا اور ان کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تاکہ انھیں اللہ تعالیٰ کی ذات کی یاد نصیب ہو کہ وہ اگرچہ ان سے غائب ہے لیکن ان بتوں کی وجہ سے یاد آتا رہے گا اور یہ حرام اس لیے ہے کہ یہ منصوبہ اُنھوں نے اپنی طرف سے گھڑ لیا۔[1]

ان اللّٰہ ۔ یہ اسم موصول کی خبر ہے۔

یحکم بینھم ۔ بیشک اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے گا درمیان بت بنانے والے غیر مخلصین اور حق پرست مخلصین کے درمیان یہاں اسے اس لیے حذف کیا گیا کہ قرینہ حالیہ اس پر دلالت کرتا ہے۔

فیما ھم فیہ یختلفون ۔ اس میں کہ وہ اختلاف کرتے ہیں جیسا ان کا اختلاف مشہور ہے کہ اہل ایمان اللہ تعالیٰ کی توحید کے مدعی ہیں اور مشرکین اس کے ساتھ شریک کے قائل ہیں ہر ایک اپنے دعویٰ پر بڑے دعاوی پیش کرتا ہے اللہ تعالیٰ ان کے لیے قیامت میں یوں فیصلہ فرمائے گا کہ اہل ایمان کو بہشت عطا فرمائے گا اور اہل کفر و شرک کو دوزخ میں داخل فرمائے گا۔

ھم ۔ ضمیر ان ہر دو نوں کی طرف راجع ہے۔

ان اللّٰہ لا یھدی ۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہدایت الی الحق کی توفیق نہ بخشے گا حالانکہ یہی حق ان کی نجات از تکالیف اور فائز الی المطلوب کا موجب ہے۔

من ھو کاذب کفار ۔ وہ جو جھوٹا اور ناشکرا ہے یعنی راسخ فی الکذب اور بہت بڑا کفر کا خوگر ہے۔ **کاذب** میں مبالغہ کا معنیٰ ہے اس لیے کہ بعض قرأتوں میں کذاب و کذوب بھی آیا ہے کیونکہ یہ بصیرت سے کورے اور ہدایت کو قبول کرنے والے نہیں اس لیے کہ وہ گمراہی میں منہمک ہونے کی وجہ سے

---

[1] چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان ھی الا اسماء سمیتموھا ما انزل اللّٰہ بھا من سلطان اس سے انبیاء و اولیاء کی شفاعت کا انکار یا ان کو بت پرستی شامل کرنا جہالت ہے اس لیے کہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے وسیلہ بنانے اور ان کی شفاعت طلب کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

ہدایت فطرت اصلیہ کھو چکے ہیں۔

فائدہ: الوسیط میں ہے کہ یہ حکم اس بدقسمت کے لیے ہے جس پر محرومی از ہدایت تقدیر بن چکی ہے ایسا بدبخت کبھی صدق و ایمان کی طرف راہ نہ پائے گا۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

گر جان بدہد سنگ سیہ لعل نگردد
با طینت اصلی چہ کند بدگہر افتاد

ترجمہ:۔ جان کی بازی لگانے سے سیہ پتھر لعل (گوہر موتی) نہ ہو سکے گا طینت وصلی کے ساتھ بدگوہر کا کیا مقابلہ۔

فائدہ:۔ کذب سے مراد ان کا عقیدہ کہ بعض بندگان خدا اللہ تعالیٰ کی اولاد ہیں اور ان کے بت ان کی شفاعت کریں گے اور ان کی پرستش اللہ تعالیٰ کے قریب کرتی ہے اور ان کا کفران کی بعض بندگانِ خدا کی پرستش کرنا منعم حقیقی کو بھول کر اس کی نعمتوں کی ناشکری کرنا۔

تفسیر صوفیانہ:۔ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ اپنے اور عالم کے صانع کی معرفت انسان کی جبلت اور اس کی عبادت اس کی مقتضائے طبع میں ہے اور اس کا تقرب فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا کی خصوصیت سے ہے لیکن معرفت فطری اور عبادت طبعی کا اعتبار اس لیے نہیں کہ اس میں شرکت بغیر اللہ کی ملاوٹ ہو جاتی ہے کیونکہ یہ اُس کے نفس کی نشاط اور اتباع خواہشات سے ہوتی ہے ہاں وہ معرفت معتبر ہے جو توحید خالص سے حاصل ہو اس کی علامت یہ ہے کہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت قبول کرے اور ان پر ایمان لائے اور ان پر نازل شدہ کتب کو مانے اور خواہشات نفسانیہ کے خلاف کرے اور وہ عبادت قبول ہے جو بہ موافق شرع ہو طبع کی موافقت میں عبادت ناقابل قبول ہے اور تقرب الی اللہ ادائیگی فرائض و نوافل سے ہوتا ہے اور ان طریقوں سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کردہ ہیں یا وہ جو ان کے موافق ہیں (یعنی بدعات حسنہ) دلیل یہ ہے کہ شیطان بھی اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتا ہے لیکن بموافق طبع کے چنانچہ جب اسے اس کی طبع کے خلاف سجدۂ آدم کا حکم دیا گیا تو اس نے انکار کر دیا بلکہ اُلٹا تکبر کیا اسی لیے وہ کافر ہو گیا باوجودیکہ اس سے قبل وہ ملائکہ مقربین کی صف میں تھا یہی حال ان فلاسفہ کا ہے جو انبیاء علیہم السلام کی اتباع کے منکر ہیں باوجودیکہ وہ بھی معرفت الٰہی و تقرب الی اللہ کے مدعی ہیں اور ان کے پاس علوم و فنون اور طاعات و عبادات کی بھی بہتات ہے لیکن یہ سب ان کی طبع کی موافقت میں ہے اگر وہ شرع کے موافق ہوتے تو انبیاء

علیہم السلام کی اتباع کا انکار نہ کرتے یہ تمام اُمور وہ اپنی خواہشات کے مطابق کرتے ۔ امرالٰہی کی اُنہوں نے کوئی پرواہ نہ کی ۔ پھر نتیجہ وہی ہوا جسے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ وقدمنا الی ما عملوا من عمل فجعلناہ هباءً منثورا (اور ہم آگے گیا وہ جو اُنہوں نے عمل کیے ہم نے اُڑتی غبار کی طرح بنا دیا) آج ہر ایک اپنی مرضی پہ دین و مذہب میں حقیقت کا مدعی ہے اور ہر ایک کے اپنے اصول ہیں لیکن ان کا فیصلہ اللہ تعالیٰ خود کرتا ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ۔ دنیا میں یوں کہ اہل حق کے سینے نور اسلام سے اور اُن کے قلوب میں ایمان لکھ کر اور اپنی روح سے اُن کی تائید کرکے اور شواہد حق اُن کے سامنے واضح کرکے اور اُن کی اَرواح کو تجلیات جمالی وجلالی سے روشن کرکے حق کو ثابت کرتا ہے اور اہل ہوا و بدعت کے سینے تنگ کرکے اور اُن کے قلوب کو سخت کرکے اور اُن کی آنکھوں سے اسرار کو پوشیدہ رکھ کر اور ان کی رُوح کو حجابات سے ڈھانپ کر باطل کو مٹاتا ہے اور آخرت میں یوں کہ اہل حق کے چہرے سفید ہوں گے اور اعمال نامے اُن کے سیدھے ہاتھ میں دیئے جائیں گے اور اُن کے اعمال کے ترازو بوجھل ہوں گے اور پلصراط پر ان کا سلامتی سے گزر ہو گا اور اُن کے آگے اور دائیں جانب نور ہی نور ہو گا اور انھیں بہشت میں داخل کیا جائے گا اور اُن کے درجات بلند کیے جائیں گے اور اہل باطل کے قیامت میں چہرے کالے سیاہ ہوں گے اور اُن کے عملنامے بائیں ہاتھ میں اور پیٹھ سے دیئے جائیں گے اور اُن کے اعمال کے ترازو ہلکے ہوں گے اور پلصراط سے ان کے قدم ڈگمگا جائیں گے انہیں جہنم میں داخل کیا جائے گا اور جہنم کے گہرے گڑھے میں اُن کی رہائش ہو گی ۔

فائدہ :- ان اللہ لا یھدی الخ میں ان لوگوں کی تہدید ہے جو اپنے مرتبہ سے بڑھ کر غیر مقام کے درپے ہوتا ہے اور اس مرتبہ کا مدعی ہے جس میں اسے ذرّہ برابر بھی صداقت نہیں ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ کبھی سیدھی راہ نہیں دکھائے گا اور اس کی سزا یہ ہے کہ اسے غلط دعویٰ کی بناء پر ایسے مرتبہ سے اسے ہمیشہ محروم رکھے گا ۔

حضرت حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ؎

گر انگشت سلیمانی نباشد
چہ خاصیت دہد نقش نگینی

ترجمہ :- اگر انگشت سلیمانی نہ ہو تو نگینہ کا نقش کیا خاصیت دے گا ۔

خدا ازاں خرقہ بیزار است صد بار
کہ صد بت باشدش در آستینی

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ ایسے فرقہ سے سو بار بیزار ہے کہ جس کی آستین میں سو بُت ہوں۔
حقیقت حال کے تحقق سے پہلے ہی دعویٰ کرنے سے بچنے کی اللہ تعالیٰ سے دعا ہے وہی منعم ہے وہی متعال ہے۔

تفسیر عالمانہ: لو اراد اللہ ان یتخذ ولدا۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اپنے لیے اولاد بناتا جیسے مشرکین کا دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد بنا رکھی ہے۔

لاصطفیٰ۔ تو البتہ اختیار کرتا

مما یخلق۔ اس میں سے کہ جسے وہ پیدا کرتا ہے اپنی مخلوق کی کسی جنس میں سے۔

مایشاء۔ جو چاہتا۔ صرف مریم و عیسیٰ و عزیر (علیہم السلام) کی تخصیص نہ کرتا اس کی مخلوق میں سے ان سے اور بھی معزز و مکرم تر موجود ہیں۔ انھیں ہی اولاد بنا لیتا لیکن وہ ایسا نہیں کرتا کیونکہ یہ اس کے لیے ممتنع ہے اور ممتنات سے اللہ تعالیٰ کی قدرت و ارادہ کا کوئی تعلق نہیں ورنہ اصطفاء از خلق اس کے اختیار میں پہلے موجود ہے مثلاً اس نے چاہا تو ملائکہ وغیرہ سے رسول بنائے چنانچہ فرمایا اللہ یصطفی من الملائکۃ رسلا ومن الناس۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں اور انسانوں میں جن سے چاہتا ہے چن لیتا ہے۔ اسی لیے اتخاذ کے بجائے اصطفاء کہا ہے۔

فائدہ: بعض نے کہا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اگر وہ اولاد بنانا چاہتا تو نہ بنا سکتا کیونکہ یہ تحت قدرت نہیں ہاں اپنی مخلوق میں جسے چاہے مراتب کے لیے چن لے تو وہ اختیار رکھتا ہے۔

فائدہ: حضرت کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو چاہتا اپنی مخلوق میں سے کسی کو بنا لیتا۔ عزیز ترین و مکرم ترین اشیاء میں سے ایسے ہی احسن و اکمل اشیاء سے لیکن ایسا نہیں کرتا اس لیے کہ مخلوق خالق کے مماثل اور مجانس نہیں حالانکہ والد اور اولاد کے درمیان مجانست شرط ہے اس لیے اس کا کوئی فرزند نہیں۔

سبحانہ۔ سبح کا مصدر ہے بمعنی یعبد یعنی وہ ایسے اتخاذ سے بالذات منزہ ہے اور اس سے بھی منزہ ہے جو اس کی طرف اولاد و اولیاء (شریک) منسوب کرتے ہیں۔ سبحان بتسبیح کا علم ہے جو بندوں کی زبانوں پر بولا جاتا ہے۔ اس کا معنیٰ ہے میں اس کی تسبیح پڑھتا ہوں جو اس کے لائق ہے یا معنیٰ یہ ہے کہ اس کی وہ تسبیح پڑھو جو اس کی شان کے لائق ہے۔

ھو۔ مبتدا ہے اس کی خبر اللہ ہے وہ اللہ جو الوہیت سے موصوف ہے الواحد وہ واحد ہے کہ اس کا کوئی ثانی نہیں اور اولاد باپ کا ثانی اور اس کی جنس اور اس کی شبہ ہوتا ہے۔ بحر العلوم میں ہے

کہ واحد بمعنی وہ موجودہ جو ترکیب و مماثلت سے ذاتاً وصفاتاً منزہ ہے اسی لیے اس کی اولاد نہیں کیونکہ اولاد باپ کا ذات وصفت میں مماثل ہوتا ہے۔

القھار۔ وہ اپنی قہاریت کی وجہ سے جنس و شبہ کو قبول نہیں کرتا۔

فائدہ:۔ الارشاد میں ہے کہ وہ کل کائنات پر غالب ہے تو پھر اس کے لیے اولاد کا کس طرح تصور کیا جاتا ہے جبکہ یہ تمام اشیاء فانی ہیں اور فانی باقی کے لائق کب ہوسکتی ہیں۔

خلق السمٰوٰت والارض۔ آسمان اور زمین اور اُن کے مابین کی تمام اشیاء کو اس نے پیدا کیا ہے۔ تمام موجودات اسی کی پیدا کردہ ہیں درانحالیکہ وہ ملتبس ہیں۔

بالحق۔ اور صواب کے ساتھ جو ہزاروں حکمتوں اور بے شمار مصلحتوں پر مشتمل ہیں۔ ان میں باطل اور عبث کو دخل ہے۔

فائدہ:۔ حضرت کاشفی مرحوم نے فرمایا کہ آسمان و زمین کو سچائی کے ساتھ پیدا فرمایا نہ کہ باطل و عبث سے بلکہ ان کے ہر ایک میں ہزاروں آثار و قدرت اور بے شمار اطوار حکمت ہیں تاکہ انھیں عبرت کی نگاہ سے دیکھا جائے اور اس سے معرفت کے دلائل کا مطالعہ کریں ؎

نوشتہ است بر اوراق آسمان وزمیں
خطے کہ فاعتبروا منہ یا اولی الابصار

ترجمہ:۔ اوراق آسمان وزمین پر لکھا ہے کہ اسے عقل والو اس سے عبرت حاصل کرو۔

یکور الیل علی النھار ویکور النھار علی الیل۔

حل لغات:۔ تاج المصادر میں ہے کہ تکویر اللیل علی النہار کا معنیٰ ہے رات کو دن سے ڈھانپ لینا امام راغب نے مفردات میں لکھا کہ تکویر الشی بمعنی شے کا پھرنا اور ایک شے کو دوسری شے سے ملانا جیسے پگڑی کے بل ایک دوسرے کے ساتھ ملائے جاتے ہیں۔

یکور اللیل الخ میں سورج کا اپنے مطالع کی طرف جاری ہونے اور رات دن کے بڑھنے گھٹنے کی طرف اشارہ ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ دن رات ہر ایک دوسرے کو ڈھانپتے ہیں ایسے جیسے لباس لباس والے کو ڈھانپ لیتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ رات کو دن میں لاتا ہے کہ رات کے ظلمانی پردے دن کی نورانیت کو پوشیدہ کردیتے ہیں اور دن کو رات پر یوں لاتا ہے کہ اس کے شعلے اور روشنی رات کی تاریکی کو چھپا لیتے ہیں۔ دراصل وجہ یہ ہے کہ نور و ظلمت اللہ تعالیٰ کے دو بھاری اور عظیم لشکر ہیں ہر ایک دن اور رات میں ایک دوسرے پر حملہ کرکے غلبہ پاتے رہتے ہیں[1]۔ یا ہر ایک دوسرے میں ایسے چھپ جاتا ہے

[1] تفسیر الکبیر ۱۲

جیسے ملفوف لفافہ میں کہ دیکھنے والا نہیں دیکھ سکتا یا یوں سمجھو کہ جیسے پگڑی کا بل دوسرے کو لپیٹ کر اسے اندر چھپا لیتا ہے۔ ایسے رات دن میں اور دن رات میں چھپ جاتے ہیں۔

وسخر الشمس والقمر۔ اور سورج اور چاند کو مسخر کیا یعنی ان دونوں کو امرالٰہی کے تابع فرمایا کل۔ ہر دونوں۔ یجری چلتے ہیں اپنے بروج پر لاجل مسمّٰی میعاد مقررہ کے لیے یعنی ہر دن یا مہینے یا منقطع حرکت میں دورہ کے منتہیٰ تک یعنی سیر کے انقطاع تک اس سے قیامت کا دن مراد ہے اور یہ سب کچھ بنی آدم کے منافع کے لیے ہے۔

حدیث شریف:۔ سورج پر سات فرشتے مقرر ہیں جو اس پر برف پھینکتے رہتے ہیں اگر ایسا نہ ہوتا تو جس پر اس کی دھوپ پڑتی اسے جلا دیتی۔

فائدہ:۔ آسمان کے ستارے دو قسم ہیں:۔

(۱)۔ سورج پر گزر کرنے والے جو اس سے روشنی پاتے ہیں۔

(۲)۔ سورج ان پر گزرتا ہے اور ان کو روشنی بخشتا ہے۔

ایسے ہی مومن کی بھی دو قسم ہیں:۔

(۱)۔ جدوجہد یعنی اطاعت و ریاضت سے بارگاہِ حق تک پہنچنے والے تاکہ نور ہدایت حاصل کریں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا والذین جاھدوا فینا لنھدینھم اور وہ جو ہمارے لیے مجاہدہ کرتے ہیں ہم انھیں ہدایت دیں گے۔

(۲)۔ ان پر عنایت ازلی کا گزر ہوتا ہے انھیں اللہ تعالیٰ نور معرفت عطا فرماتا ہے چنانچہ فرمایا افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام فھو علیٰ نور من ربہ۔ (تو وہ کہ جس کا اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے سینہ کھولا ہے تو وہ اپنے پروردگار کے نور پر ہے)۔

الا۔ جان لو کہ ھو صرف وہی العزیز غالب اور ہر شے پر قادر ہے تو بے فرمانوں کو سزا دینے پر قدرت رکھتا ہے۔ الغفار۔ بہت بڑی مغفرت والا ہے اسی لیے وہ کسی کو سزا دینے پر جلدی نہیں کرتا اور صنائع عجیبہ کے فوائد بھی کسی کے گناہ سے سلب نہیں کرتا یہ بھی اس کی رحمت کے آثار اور عموم منفعت سے ہے یعنی بندوں سے معصیت و شرک کے صدور کے باوجود ان سے نعمت سلب نہیں کرتا۔

فائدہ:۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ غفار وہ ہے جو اچھے فعل کو ظاہر اور قبائح اور ذنوب کو دنیا میں ڈھانپتا اور آخرت میں اُن کی سزا سے تجاوز کرتا ہے۔

ستّاری کے دلائل

الغفر بمعنی الستر۔ اللہ تعالیٰ کی ستاری کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ انسان کے بدن کے قبائح و عیوب کو ایسے طریقے سے جوڑا ہے کہ ان پر کسی کی نگاہ نہیں پڑتی کہ جس سے کسی کو حقارت و نفرت کا موقعہ مل سکے۔ انسان کے وہ قبائح پوشیدہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے بندے کے باطن میں اس کے ظاہری جمال سے چھپا رکھا ہے۔ غور کیجئے کہ انسان میں کتنا اندرونی قبائح ہیں جو پوشیدہ ہیں اس کے کتنے حسین منظر ہیں جو ظاہر ہیں کیسا کریم ہے وہ جس نے بندے کے قبائح کو چھپایا اور اُس کے حسین منظر کو ظاہر فرمایا اور اُس کی دوسری ستاری کی دلیل یہ ہے کہ انسان کے مذموم خیالات کی استقرارگاہ قلب کو بنایا کہ اس پر کوئی بھی آگاہ نہیں ہو سکتا۔ اگر مخلوق کو معلوم ہو جائے کہ وہ دل میں کیا تصور رکھتا ہے اور کھوٹ اور خیانت ۔۔ لوگوں سے بدظنی کے کیا کیا ارادے رکھتا ہے تو اس سے نہ صرف بیزار ہو جائیں بلکہ اس کی جان نکال لیں۔ دیکھا تم نے کہ اس نے کس طرح انسان کے اسرار و عوارف کو پوشیدہ رکھا ہے۔ اس کی ستاری کی تیسری دلیل یہ ہے کہ بندے کے وہ گناہ بھی بخش دیئے کہ جن کا وہ بھرے مجمع میں رسوائی کا مستحق تھا بلکہ بندے سے وعدہ فرمایا کہ اس کے سیئات کو حسنات سے بدل دے گا تاکہ اُس کے گناہوں کے قبائح نیکیوں کے ثواب سے چھپ جائیں بشرطیکہ اس کا خاتمہ ایمان پر ہو۔

فائدہ: بندے کا اس اسم سے حظ یہ ہے کہ دوسرے (مومن بھائی) کے وہ عیوب ڈھانپے جن کے ظاہر ہونے کو وہ نہیں چاہتا۔

حدیث شریف: حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اپنے مسلم بھائی کے عیوب چھپائے تو قیامت میں اللہ تعالیٰ اُس کے عیب چھپائے گا۔

مسئلہ: گلہ گو، عیب کا متلاشی، برائی کا برائی سے بدلہ دینے والا اس حدیث سے مستغنی ہیں اور نہ وہ ایسی اعلیٰ صفت سے موصوف ہو سکتے ہیں اور وہ شخص اس صفت سے موصوف ہو سکتا ہے جو مخلوق میں کسی کا عیب ظاہر نہ کرے بلکہ ہو سکے تو ان کے ساتھ احسان کرے کیونکہ مخلوق میں حسن بھی ہے تو نیکی ہے تو بُرائی بھی اور کمال ہے تو نقص بھی۔ جو شخص مخلوق کے قبائح سے بے خبر ہے لیکن اُن کے محاسن کو کھول کر بتاتا ہے تو ایسا شخص خوش نصیب اور کوئی نہ ہوگا ایسے شخص کو اسم غفار سے وافر حصہ نصیب نہیں ہوا۔

حکایت: حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے حوارین کے ساتھ مردار (کتے) پر گزرے تو آپ کے حواری

کتے (مردار) کے قبائح بتاتے اور کہتے یہ کتنا بدبودار ہے تو آپ فرماتے اس کے دانت کیسے بہترین اور سفید ہیں۔

سبق :۔ اس میں تشنیہ بخشی کہ شے کے قبائح کے بجائے اس کے محاسن کا ذکر کیا جائے ۔

حضرت شیخ قدس سرہٗ نے فرمایا۔

مکن عیب خلق اے خرد مند فاش
بعیب خود از خلق مشغول باش

ترجمہ :۔ مخلوق کا عیب ظاہر نہ کر اے خرد مند ۔ مخلوق کے بجائے اپنے عیب میں مشغول ہو جا۔

چو باطل سرایند مگمار گوش
چو ستر بینی نظر را بپوش

ترجمہ :۔ جب بُرائی کا ذکر ہو تو اس طرف کان نہ لگا۔ جب کوئی عیب نظر آئے تو آنکھ بند کر دے۔

تفسیر عالمانہ :۔ خلقکم ۔ اے لوگو! تمھیں اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا من نفس واحدۃ ایک ہی نفس یعنی آدم علیہ السلام سے ثم جعل منہا ۔ پھر پیدا فرمایا اس جنس سے یا اس کی چھوٹی ہڈی سے اس سے وہ ہڈی مراد ہے جو انسان کی کمر میں ہے ۔ یہی اس کی ہڈیوں میں سے آخری ہڈی ہے یعنی انسان کی بائیں جانب کی پسلی ہیں ۔

زوجہا ۔ اس کی زوجہ یعنی بی بی حوّا (علیٰ نبینا وعلیہا الصلوٰۃ والسلام) ثم کا عطف محذوف پر ہے اور وہ نفس کی صفت ہے ۔ دراصل عبارت یوں ہے من نفس واحدۃ خلقھا ثم جعل منہا و زوجہا فشفعہا ۔ یعنی اسے ایک ہی نفس سے پیدا فرمایا۔ پھر اس کی زوجہ کو پیدا فرما کر اس کے ساتھ ملایا۔

بظاہر آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ ذریۃ آدم بی بی حوا (علیٰ نبینا وعلیہا الصلوٰۃ والسلام) سے پہلے پیدا فرمائی حالانکہ ایسا ہرگز نہیں (جیسا کہ سب کو معلوم ہے) ۔

تفسیر صوفیانہ :۔ انسان کو ایک نفس سے پیدا فرمایا اس سے رُوح مراد ہے اور اس سے اس کی زوجہ کو بنایا اس سے قلب مراد ہے کیونکہ اسے رُوح سے پیدا فرمایا گیا ہے جیسے بی بی حوا حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہا السلام کی بائیں پسلی سے پیدا کی گئی ہیں ۔ نتیجہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ ایسی تخلیق میں منفرد ہے اسی لیے لازم ہے کہ اس کا عرفان حاصل کیا جائے اور بلا اشراک صرف اسی کی عبادت کی جائے ۔

وانزل لکم ۔ اور تمھارے لیے فیصلہ فرمایا اور قسمت میں لکھا۔

سوال ۔ تم نے نزول کو فیصلہ اور قسمت سے کیوں تعبیر فرمایا ۔

جواب :۔ اللہ تعالیٰ کے فیصلے اور بندوں کی قسمتیں نزول من السماء سے تعبیر کی جاتی ہیں اس لیے کہ انھیں لوح محفوظ

میں کہا جاتا ہے یا انزال بمعنی احدث و انشاء ہے یعنی تمہارے لیے پیدا فرمائے ہیں ساتھ ان اسباب کے جو آسمان سے نازل ہوتے ہیں جیسے بارش اور ستاروں کی شعاعیں۔ اس کی نظیر قد انزلنا علیکم لباسًا ہے ظاہر ہے کہ آسمان سے لباس تو نہیں اُتارا گیا ہاں اس کا سبب آسمان سے اترا ہے یعنی بارش کا پانی کہ جس سے روئی اُون پیدا ہوئے اور ان سے لباس تیار ہوا۔ من الانعام۔ جانوروں میں سے ثمانیۃ ازواج آٹھ جوڑے نر مادہ اس سے۔ اُونٹ۔ گائے۔ بھیڑ اور بکری کے نر مادہ مراد ہیں۔

سوال:۔ انہیں ثمانیۃ ازواج کیوں کہا گیا۔

جواب:۔ اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک کا نر اپنی مادہ کا زوج اور اس کی مادہ اپنے نر کے لیے زوج ہے اسی اعتبار سے یہ تمام آٹھ ہوئے مثلاً اُونٹ اور گائے۔ بھیڑ اور بکری کا نر مادہ۔ ان کا مجموعہ آٹھ ہوا۔ گھوڑا خچر اور گدھا اس حکم سے خارج ہیں۔

فائدہ:۔ بحر العلوم میں ہے کہ شے اگر اکیلی ہو تو فرد کہلاتی ہے اگر اس کے ساتھ اس کی جنس میں سے دوسری ملائی جائے تو ان میں سے ہر ایک کو زوج کہا جاتا ہے۔ اس معنیٰ پر وہ زوجان بھی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا خلق الزوجین الخ زوجین کو پیدا فرمایا یعنی نر مادہ کو لیکن گنتی کے وقت زوج فرد کے خلاف کا نام ہے جیسے چار۔ آٹھ بخلاف تین۔ سات۔ وغیرہ کے کہ وہ زوج کے خلاف یعنی طاق ہیں۔

سوال:۔ انعام میں ان چاروں کی تخصیص کیوں؟

جواب:۔ چونکہ انسان ان سے بہت زیادہ نفع حاصل کرتا ہے اسی لیے ان کی تخصیص ہوئی مثلاً گوشت اور چمڑا اور بال۔ اُون وغیرہ وغیرہ۔

تفسیر صوفیانہ

:۔ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ پیدا فرمائے آٹھ جوڑے جانوروں کے۔ اس سے آٹھ صفات مراد ہیں:۔

۱۔ کھانا	۲۔ پینا	۳۔ ٹٹی پھرنا	۴۔ پیشاب کرنا
۵۔ شہوت	۶۔ حرص	۷۔ طمع و لالچ	۸۔ غضب

ان آٹھ کی اصل صرف دو صفتیں ہیں:۔

شہوت اور غضب

اس لیے ہر حیوان میں ان دو کا ہونا ضروری ہے اس لیے کہ حیوان کی بقا ان دونوں پر ہے کیونکہ شہوت سے اپنے نفس سے منافع حاصل کر کے اور غضب سے نقصانات کو دفع کرتا ہے۔

تفسیر عالمانہ:- یخلقکم فی بطون اُمھٰتکم۔ تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں تمہیں پیدا فرمائیگا۔ اُمھات اُم کی جمع ہے اس میں ہاء اہراق کی طرح زائد ہے کہ یہ دراصل اراق تھا۔ خلقًا من بعد خلق۔ ایک تخلیق کے بعد دوسری تخلیق یعنی ایک تخلیق دوسری تخلیق میں درج ہوتی چلی جاتی ہے مثلاً پہلے ہڈیاں نہیں ہوتیں صرف گوشت ہوتا ہے پھر گوشت میں ہڈیاں ملائی جاتی ہیں ایسے ہی پہلے صرف لوتھڑا ہوتا ہے جس میں انسانی اعضاء کی صورت اور شکل تیار ہوتی ہے جبکہ اس سے قبل صرف لوتھڑا تھا جس میں صورت وشکل کا کوئی نقشہ نہ تھا اور اس سے قبل علقہ اس سے پہلے نطفہ تھا اس کی نظیر دوسرا ارشاد باری تعالیٰ ہے وقد خلقکم اطوارًا۔ فی ظلمٰت ثلٰث۔

تین اندھیریوں میں وہ یہ ہیں:-

۱۔ ظلمۃ البطن ۲۔ ظلمۃ الرحم ۳۔ ظلمۃ المشیمہ

فائدہ:- مشیمہ (بالفتح) بمعنی بچہ دانی یعنی وہ رقیق چمڑا جو بچہ کے اُوپر ہوتا ہے۔

یا اس سے مندرج ذیل تین ظلمات مراد ہیں:-

۱۔ ظلمۃ الصلب ۲۔ ظلمۃ البطن ۳۔ ظلمۃ الرحم

تفسیر صوفیانہ:- اس میں اشارہ ہے کہ انسان تین ظلمات میں گھرا ہوا ہے:-

۱۔ ظلمۃ الخلقیۃ ۲۔ ظلمۃ وجود الروح ۳۔ ظلمۃ البشریۃ

یا یوں کہو وہ مندرجہ ذیل تین ظلمات میں ہے:-

۱۔ ظلمۃ الجسد ۲۔ ظلمۃ الطبیعۃ ۳۔ ظلمۃ النفس

جیسے بچہ ولادت کے وقت ظلمات مذکورہ سے نکل کر عالم ملک وشہادت کی طرف آتا ہے ایسے سالک راہِ حق ولادتِ ثانیہ میں ظلمات مذکورہ مسطورہ ظلمات سے نکل کر عالم ملکوت کے نور کی طرف آتا ہے اور عالم غیب مقام قلب در درج میں ہے۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

بال بکشا و صفیر از طوبےٰ زن
حیف باشد چو تو مرغے کہ اسیر قفسی

ترجمہ:- پر کھول کر شجر طوبیٰ کو آواز دے تجھ پر بڑا افسوس ہے کہ تیرے جیسا عالی شان پرندہ پنجرے میں قیدی ہے۔

تفسیر عالمانہ:- ذٰلکم۔ یہ اشارہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہے جمع اس لیے کہ افعال مذکورہ بھی اس میں شامل ہیں یہ محلاً مرفوع اور مبتدا ہے یعنی وہ ذات جو عظیم الشان ہے

جس کے افعال اُوپر مذکور ہوئے۔

اللہ۔ بتدا ربکم خبر ہے۔ یہ دونوں مبتدا خبر مل کر ذٰلکم (مبتدا) کی خبر ہیں یعنی وہ اللہ تمہارے مختلف اطوار مذکورہ میں تمہارا مربی ہے ایسے ہی تمہارے بعد کو آنے والی صفات کا مربی اور مالک ہے اسی لیے وہ عبادت کی خصوصیت کا وہی محتق ہے۔

تفسیر صوفیانہ:۔ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ میں نے تمہیں پیدا کیا اور تمہاری صورت بنائی اور میں وہ ہوں کہ تم پر اپنا انعام مکمل فرمایا اور اپنے جمیع اکرام کے ساتھ تمہیں مخصوص فرمایا اور تمہیں اپنے افضال کے دریا میں غرق کیا اور تمہیں اپنے جمال وجلال کے شہود کے استحقاق کا عرفان بخشا اور تمہیں اپنی توحید کی ہدایت دی اور تمہیں اپنی وحدانیت کی طرف بلایا پس تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم میری طرف مکمل طور پر چل کر نہیں آتے اور تمہیں کیا ہے کہ تم میرے طالب نہیں اور نہ ہی مجھ سے کچھ طلب کرتے ہو اور میں نے تمہیں خوشخبری سنائی ہے کہ الا من طلبنی وجدنی۔ خبردار جو مجھے طلب کرتا ہے مجھے پائے گا۔ ومن کان لی کنت لہ ومن کنت لہ یکون لہ ما کان لی۔ جو میرا ہے میں اس کا ہوں اور جس کا میں ہوں اُس کا وہ سب کچھ ہے جو میرا ہے۔

تفسیر عالمانہ:۔ لہ الملک۔ علی الاطلاق اسی کا ہے ملک دنیا و آخرت کا اس میں کسی وجہ سے بھی اس کا کوئی شریک نہیں یعنی اس کو شاہی مطلق لائق ہے اس کی شاہی کو فنا ہے نہ زوال۔

تفسیر صوفیانہ:۔ بعض اکابر نے اس کا معنیٰ یہ بتایا ہے کہ مقامات علیہ و کراماتِ سنیہ کی طرف بندوں کو پہنچانے کی قدرت صرف اسی کو ہے۔ بندے کو چاہیئے کہ وہ اس سے ناامید نہ ہو کیونکہ وہ قادر ہے اس کے عجز کا تصور تک نہیں۔

تفسیر عالمانہ:۔ یہ جملہ دوسری خبر ہے ایسے ہی لا الہ الا ھو۔ نہیں کوئی معبود سوا اس کے۔ ایسے ہی کوئی مقصود نہیں سوا اسی کے بلکہ اس کے سوا کوئی موجود نہیں وجود مطلق وہی ہے اور اسی کو لائق ہے۔ ہویت مطلقہ اور وحدۃ ذاتیہ۔

فانی تصرفون۔ انی بمعنی کیف ومن ای وجہ ہے یعنی کیسے اور کہاں پھیرے جا رہے ہو کہ مالک حقیقی کے دروازے کو چھوڑ کر اپنے جیسی مخلوق اور عاجز کے دروازے پر جھک رہے ہو یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت کے بجائے بتوں کی عبادت میں مشغول ہو رہے ہو حالانکہ ان کی عبادت کا داعی بھی کوئی نہیں بلکہ ان کی پرستش کے ترک کرنے کے بیشمار اسباب موجود ہیں۔

سوال علی رضی اللہ عنہ جواب نبی صلی اللہ علیہ وسلم

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا کیا آپ نے کبھی کسی بت کو پوجا۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ عرض کیا کیا آپ نے شراب پی۔ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ مجھے قدرتی طور پر معلوم ہو جاتا تھا کہ کافروں کا یہ فعل یعنی بت پرستی کفر ہے ورنہ اس سے پہلے مجھے از خود معلوم نہ تھا کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا۔

فائدہ:۔ عقل کے دلائل بھی کافی ہیں اس بارہ میں کہ بت پرستی یعنی غیر اللہ کی عبادت باطل ہے پھر جب اس پر دلائل شرعی بھی معاون ہو گئے تو مزید براں تائید ہو گئی۔ بندے پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دروازے کی طرف متوجہ ہو کیونکہ وہی منعم حقیقی اور عبودیت کے لائق صرف وہی ہے کیونکہ وہی سب کا خالق ہے۔

فائدہ:۔ حضرت ابو سعید خراز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا عبودیت تین چیزوں کا نام ہے:۔

(۱)۔ حقیقی طور پر اللہ تعالیٰ کے ساتھ وفا کا ثبوت۔

(۲)۔ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شریعت میں اُن کی تابعداری۔

(۳)۔ تمام اُمت کے لیے خیر خواہی۔

فائدہ:۔ تمام اشیاء کی تخلیق سے مقصود حقیقی اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے چنانچہ فرمایا وماخلقت الجن والانس الا لیعبدون۔ اور میں نے انسان اور جن کو صرف اس لیے پیدا فرمایا تاکہ وہ میری عبادت کریں۔ عبادت کی تفسیر معرفت سے ہو یا کسی اور معنی سے اس لیے کہ معرفت حقیقی عبادت کے سوا حاصل نہیں ہوتی۔

حدیث شریف:۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا کہ مجھے ایسا عمل بتایئے جو مجھے بہشت میں داخل کر دے اور دوزخ سے دور رکھے۔ آپ نے فرمایا کہ تو نے سوال تو بہت بڑا کیا ہے لیکن جس پر اللہ تعالیٰ آسان فرما دے تو آسان ہے اور وہ یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا اور زکوٰۃ دینا اور رمضان کے روزے رکھنا اور بیت اللہ کا حج کرنا۔ پھر فرمایا کہ میں تمہیں ابواب الخیر کی خبر نہ دوں وہ یہ کہ روزہ ڈھال ہے اور صدقہ گناہوں کو ایسے مٹاتا ہے جیسے آگ کو پانی ختم کر ڈالتی ہے اور ایسے ہی آدھی رات کی نماز اس کے بعد آپ نے پڑھا تتجافی جنوبھم عن المضاجع الآیۃ یعنی وہ لوگ جن کی کروٹیں بستروں سے خالی ہوتی ہیں پھر فرمایا کیا تمہیں راس الامر کی خبر نہ دوں جو جملہ اُمور کا ستون اور تمام کاموں کے کوہان

کی چوٹی ہے وہ ہے جہاد۔ اس کے بعد فرمایا ایسا عمل نہ بتاؤں جو تمام کا اصل ہے۔ میں نے عرض کی ہاں آپ نے اپنی زبان پکڑ لی اور فرمایا اسی کو بند رکھنا۔ میں نے پوچھا یا رسول اللہ کیا ہم اس کی وجہ سے پکڑے جائیں گے۔ فرمایا تجھے تیری زبان روئے جہنم میں اپنے چہرے کے بل یا فرمایا اپنے ناک کے بل تھیں گرائیں گے مگر سب زبان کی کرتوتوں سے ہے

ترا دیدہ در سر نہادند و گوش
دہن جائے گفتار و دل جائے ہوش

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے تمھارے سر پر آنکھیں اور کان اور منہ میں گفتار اور دل میں ہوش کی جگہ رکھی ہے۔

مگر باز دانی نشیب از فراز
نگوئی کہ ایں کوتہ است آں دراز

ترجمہ: تاکہ تم نشیب و فراز جانو لیکن یہ ہرگز نہ کہنا کہ فلاں پستہ قد ہے اور فلاں لمبے قد والا۔

تفسیر عالمانہ: ان تکفروا بہ انتم و من فی الارض۔ اگر تم سارے زمین والے کفر کرو۔ فان اللہ غنی عنکم۔ سن لو کہ تو بیشک اللہ تعالیٰ تمھارے سے اور جملہ عالم سے مستغنی ہے یعنی یقین کر لو کہ وہ تمھارے ایمان اور شکر سے بے نیاز ہے ان کے نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ غنی وہ ہے جو ہر شے سے بے نیاز اور اپنی ذات و صفات میں کسی شے کا محتاج نہ ہو کیونکہ وہ از جملہ جہات واجب ہے۔

ولا یرضی لعبادہ الکفر۔ وہ اپنے بندے کے کفر سے راضی نہیں اگرچہ ان کے بعض کو کفر سے اس کا ارادہ متعلق ہے لیکن وہ ان کے کفر سے راضی نہیں ان کا نفع اور ان سے دفع کا ضرر ان کی رحمت ہے ایسا نہیں کہ اس سے اسے کسی قسم کا نقصان ہے۔

سوال: لِعِبَادِہٖ کے بجائے لکم کیوں نہیں فرمایا۔

جواب: عموم مطلوب ہے تاکہ اہل ایمان و اہل کفر تمام کو شامل ہو کیونکہ عبودیت میں سب شامل ہیں اور اظہارِ علت ہے کہ اس کی عدم رضا اسی لیے ہے کہ وہ اس کے بندے ہیں۔

فائدہ: رضا بمعنی ترک السخط یعنی غصہ کا ترک اور اللہ تعالیٰ کافروں سے غصہ ترک نہیں فرماتا اسی غصہ کی وجہ سے ان کے لیے جہنم تیار فرمائی ہے اس سے عدم ارادہ لازم نہیں اس لیے کہ جو استحسان رضا میں ہے وہ ارادہ میں نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ خیر و شر ہر دونوں کا ارادہ تو کرتا ہے لیکن شر یعنی کفر و فسق و عصیان سے راضی نہیں اس لیے کہ رضا کا تعلق اچھے افعال سے ہے قبیح سے نہیں۔ یہی

اہل سنت اور معتزلہ کا متفقہ مذہب ہے۔

فائدہ:۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان اہل ایمان سے کفر سے راضی نہیں جن کا ذکر ان عبادی لیس لك علیهم سلطان (بیشک میرے بندوں پر تیرا کوئی قابو نہیں) اس تقریر میں عباد یہاں مخصوص عنہ البعض ہے جیسے عینا یشرب بها عباد الله (وہ چشمے جسے اللہ تعالےٰ کے بندے پئیں گے) میں عباد سے مخصوص بندے مراد ہیں۔ یہی اہلسنت اور بعض کا مذہب ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کافر کے کفر اور عاصی کی معصیت سے راضی ہے جیسے کہ ان کے لیے ان دونوں کا ارادہ ہے اسی طرح خصاف نے تصریح کی ہے[۱]۔

حکایت قدری کی

غیلان قدری المذہب کو ہشام بن عبد الملک نے علمائے شام کے اشارہ پر اسی مسئلہ پر قتل کرا دیا۔ جب اُس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے کفر پر راضی نہیں۔ ہشام نے سوال کیا تو وہ کافر کے کفر کو دفع نہ کر سکا اس معنیٰ پر وہ عاجز ہو گیا اور عاجز معبود ہونے کے لائق نہیں اگر قادر ہے اور عمداً دفع نہ کیا تو پھر اس سے راضی ہوا (اور یہ بھی اس کی ذات کے لائق نہیں) اس کا جواب غیلان سے نہ بن سکا تو قتل کر دیا گیا۔

سوال:۔ کیا اللہ تعالیٰ کافر کے کفر پر راضی ہے۔

جواب (۱):۔ اللہ تعالیٰ نے کافر کا کفر پیدا کیا اس طرح سے وہ راضی ہے ایسے ہی اہل ایمان کے ایمان کو پیدا کیا اور وہ اس سے راضی ہے اور وہ علی الاطلاق مالک الملک ہے[۲]۔

جواب (۲) بعض اہل اصول نے بتکلف یہ جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کافر کے کفر سے بحیثیت دین کے راضی نہیں اور نہ وہ اسے اچھا سمجھتا ہے اس لیے کہ وہ اس کے وجود سے راضی ہے کیونکہ وہ ایک فعل ہے اور ہر فعل کا خالق وہی ہے اور اسے پیدا نہ کرتا تو بھی حسن ہے یہی ہے۔ بایں معنیٰ قول باری تعالیٰ کا کہ والله لا یحب الفساد۔ اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتا۔

انتباہ:۔ ہمارے دور میں اس مسئلہ میں الجھنا نہیں چاہیئے بس یہ عقیدہ رکھنا لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کے کفر سے راضی نہیں کافر ہو یا مومن۔

مسئلہ:۔ فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ازل

---

[۱] احکام القرآن ۱۲ ؁ [۲] الاسئلۃ المقحمہ ۱۲ ؁

میں بندوں کے اختیار کے بعد کافر کے کفر اور عاصی کی معصیت سے راضی ہے۔ اسی لیے اس کا حکم تا ابد متغیر نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اس کی مدح و ثنا میں فرق آتا ہے اور نہ ہی ایسے لوگوں سے اس کا غضب متروک ہو گا۔ اس طرح سے نزع اٹھ گیا۔ جو شخص مامن دابۃ الا ھو آخذ بناصیتھا ان ربی علی صراط مستقیم۔ (نہیں کوئی جاندار مگر وہی ہے جو اس کی پیشانی کو پکڑے ہوئے ہے بیشک میرا پروردگار سیدھے راہ پر ہے) کا معنیٰ سمجھے گا تو اس پر یہ عقدہ کھل جائے گا اور حقیقت حال منکشف ہو جائے گی۔

وان تشکروا۔ اور اگر تم شکر کرو یعنی اس پر ایمان لاؤ اور اس کی وحدانیت کا اقرار کرو۔

سوال:۔ تم نے شکر کا معنیٰ ایمان اور توحید کہاں سے سمجھا۔

جواب:۔ چونکہ یہ کفر (اصطلاحی) کے مقابلہ میں مذکور ہوا ہے اسی لیے ہم نے شکر سے ایمان و توحید مراد لی ہے۔

یرضہ لکم:۔ اس سے تمہارے لیے اللہ تعالیٰ راضی ہے۔ دراصل یرضاہ تھا ضمیر شکر کی طرف راجع ہے اور الف عامل جازم (ان) کے وجہ سے گر گیا ہے۔ اہل مدینہ و عاصم و حمزہ کے نزدیک ہا کو مضموم اور ابی عمرو کے نزدیک ہا کو ساکن اور باقی قراء کے نزدیک اشباع ضمۃ الہاء کے ساتھ پڑھا گیا ہے اس لیے کہ الف کے گر جانے پر یہ ہاء موصول متحرک ہو کر فعل کا صلہ بن گئی ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے شکر و ایمان سے راضی ہے تو وہ بھی تمہارے لیے کہ اس میں تمہارا نفع ہے کیونکہ اسی میں تمہارا دارین کا فائدہ ہے نہ یہ کہ اسے خود اس سے کوئی فائدہ ہے۔

تفسیر صوفیانہ:۔ تاویلات نجمیہ میں ہے اللہ تعالیٰ تمہارے کفر کو پسند نہیں کرتا اس لیے کہ وہ تمہارے لیے عذاب شدید کا موجب ہے ہاں تمہارے شکر پر راضی ہے کیونکہ وہ تمہارے لیے مزید نعمتوں کا ذریعہ ہے وہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے۔ گویا فرماتا ہے کہ اے میرے مسکین بندہ میں تجھ سے راضی نہیں اگر تو صرف میرے لیے نہیں اے میرا بے وفا بندہ اور بہت غلطیاں کرنے والا میرا بندہ۔ اگر تو میری اطاعت کرے گا تو تجھے انعام دوں گا اگر مجھے یاد کرے گا تو میں تجھے یاد کروں گا۔

تفسیر عالمانہ:۔ ولا تزر وازرۃ وزر اخرٰی۔ اور نہ کوئی کسی دوسرے کا بوجھ اٹھائے گا۔ اس میں اس کا بیان ہے کہ کافر کا کفر کسی دوسرے پر اثر انداز نہ ہو گا۔ الوزر بمعنی الحمل الثقیل یعنی بوجھ اٹھانا یعنی ہر ایک اپنے گناہوں کا بوجھ خود اٹھائے گا بلکہ ہر ایک اپنے گناہ کا خود ذمہ دار ہے۔ کسی ایک کا گناہ دوسرے کے عمل نامے میں نہ لکھا جائے گا۔

ع کہ گناہ دگران بر تو نخواہند نوشت

ترجمہ:۔ دوسروں کا گناہ تیرے عمل نامے میں نہ لکھا جائے گا۔

ثم الی ربکم مرجعکم:۔ پھر مرنے کے بعد اٹھائے جانے کے وقت تمہارا لوٹنا صرف اللہ تعالیٰ کی طرف ہو گا نہ کہ اس کے غیر کی طرف۔ فینبئکم:۔ پھر اس وقت تمہیں خبر دے گا۔ بما کنتم تعملون ان اعمال کفر و ایمان کی جو تم دنیا میں کرتے تھے۔ یعنی اس کی تمہیں جزا و سزا کا بدلہ دے گا۔ چنانچہ حضرت کاشفی مرحوم نے فرمایا کہ اس کا خبر دینا یہ ہے کہ وہ محاسبہ کرے گا اور ان اعمال کی جزا و سزا دے گا۔

تفسیر ابو السعود میں ہے خبر دینا کئی مقامات (قرآن) میں آیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ

فائدہ:۔ اظہار اور اخبار کو آپس میں گہرا تعلق ہے وہ یہ کہ یہ دونوں علم کا سبب ہیں۔ اس میں تنبیہ ہے کہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں اس سے بے خبر اور جاہل اور اپنے بد انجام سے غافل ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ کل قیامت میں اللہ تعالیٰ تمہیں بر سرِ عام تمہارے لیے ظاہر کرے گا اور خبر دے گا کہ دنیا میں تم کس برے عمل پر مداومت کرتے رہے اسی پر تمہاری سزا کا ترتب ہو رہا ہے۔

انہ:۔ بیشک اللہ تعالیٰ علیم بذات الصدور:۔ سینہ والی باتوں کو جانتا ہے یہ خبر دینے کی علت ہے یعنی جب وہ قلوب کے اندر چھپے ہوئے رازوں کو خوب جانتا ہے تو پھر تمہارے ظاہری اعمال سے کب بے خبر ہو سکتا ہے۔ یہ عبارت دراصل علیم بمضرات صاحبۃ الصدور تھی (اس کا ترجمہ اُوپر ہم نے عرض کر دیا ہے)۔

انتباہ:۔ آیت میں اشارہ ہے کہ کفر و طغیان کا ضرر لوٹ کر کافر کی طرف آئے گا جیسے شکر و ایمان کا نفع شاکر یعنی مومن کی طرف لوٹ کر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جملہ عالمین سے بے نیاز ہے۔

حدیث قدسی شریف:۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تمہارے پہلے اور پچھلے اور تمہارے تمام جن و انس ایک متقی قلب پر متفق ہو جائیں یعنی سب کے سب اعلیٰ درجہ کے متقی اور پرہیزگار بن جائیں تو میرے ملک میں ذرہ برابر بھی اضافہ نہ ہو گا اور اے میرے بندو تم سب پہلے اور پچھلے اور تمام جن و انس ایک فاجر قلب پر متفق ہو جاؤ تو میرے ملک میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں آئے گی۔ اس حدیث شریف کے آخر میں فرمایا کہ جو نیکی کرے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد کرے کہ اس نے اسے نیکی کی توفیق بخشی ہے اور جو اس کے برعکس پائے تو خود کو ملامت کرے (کہ اس کی اپنی شامت سے برا عمل اس سے سرزد ہوا)۔

فائدہ:۔ شکر اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا سبب ہے جیسا کہ فرمایا و ان تشکروا یرضہ لکم۔

اس کی شرافت ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں (علیہم السلام) کو اس کا حکم فرمایا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا۔ فخذ ما اٰتیتک وکن من الشاکرین۔ جو کچھ میں نے تمہیں دیا ہے اسے لیجئے اور شکر گزاروں سے ہو جائیے۔

حکایت:۔ مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب تورات حاصل کی تو وہ پانچ یا نو یاقوت کی تختیاں تھیں ان میں لکھا تھا اے موسیٰ علیہ السلام جو میرے فیصلوں پر صبر نہیں کرتا اور نہ ہی میری نعمتوں کا شکر بجا لاتا ہے تو اسے چاہیئے کہ وہ میرے سوا کسی دوسرے پروردگار کی تلاش کرے۔

فائدہ:۔ شکر میں بہت بڑی بزرگی ہے تو انبیاء علیہم السلام اس کی ادائیگی میں بہت جلدی کرتے چنانچہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کا یہ حال تھا کہ آپ کے قدم مبارک (قیام نماز کی وجہ سے) سوج جاتے یعنی طول قیام سے درد ہوتا تو قدم مبارک سُوج جاتے۔ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی یا رسول اللہ! کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کی اگلی پچھلی لغزشیں بخش نہیں دیں یعنی آپ کی بدولت جب دوسروں کی بخشش ہو گی تو پھر آپ کو خشیتِ الٰہی سے اتنا تکلیف اٹھانے کا کیا معنیٰ؟ تو آپ نے فرمایا کیا میں اپنے پروردگار کا بہت بڑا شکر گزار نہ بنوں۔

فائدہ:۔ اس سے رات کو طویل قیام کے ساتھ عبادت کرنے کی فضیلت ثابت ہوئی اس لیے کہ اسے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے شکر نعمت کا سبب بتایا ہے اور یہ بہت بڑی نعمتوں کی ادائیگی کے وقت ایسے کہا جاتا ہے۔ نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر اللہ کی نعمتیں بہت عظیم ہیں تو اس کا شکر بھی عظیم عمل ہے کہ اس کے مقابلے میں اسی کو لایا گیا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شکر اعظم الطاعات و افضل العبادات ہے۔

حدیث شریف:۔ حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری مسجد (نبوی) میں نماز ادا کرنا دوسری مساجد کی بہ نسبت دس ہزار نماز کا ثواب ہے سوائے مسجد حرام کے اور مسجد حرام میں ایک نماز کا ثواب بخلاف دوسری مساجد کے اس میں ایک لاکھ نماز کا ثواب ہے۔ اس کے بعد صحابہ کرام کو فرمایا کیا تمہیں اس سے اور افضل عمل نہ بتاؤں عرض کی ہاں۔ آپ نے فرمایا کہ جو شخص آدھی رات کو اٹھکر اور اچھی طرح وضو کر کے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے دو رکعت نماز (نفل) ادا کرے (وہ مسجد حرام کی ایک لاکھ ثواب والی نماز سے بہتر ہے)

تہجد کی قضا:۔ حضرت بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے رات کی نماز تہجد کسی عذر سے نہ پڑھی جاتی تو آپ دن چڑھے اس کی قضا کرتے۔

انتباہ :۔ یہ آپ پر واجب نہ تھا بلکہ بطور احتیاط ایسے کر لیتے۔

مسئلہ :۔ اوراد و وظائف اگر وقت مقررہ سے رہ جائیں تو انہیں دوسرے وقت میں پڑھ لینا مناسب ہے تاکہ اجر و ثواب مسلسل جاری رہے اور فیضِ الٰہی منقطع نہ ہو کیونکہ قاعدہ ہے توجہ دائمی سے دائمی عطا نصیب ہوتی ہے۔

فائدہ :۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عبادت و اطاعت میں رضائے الٰہی کی قید اسی لیے لگائی ہے کہ اللہ تعالیٰ وہ عبادت قبول ہی نہیں کرتا جو اس کے غیر کے ارادہ پر ہو اسی لیے مشائخ نے انہ علیم بذات الصدور کو وعید میں شمار کیا ہے کیونکہ جس شخص کا سینہ خلوص سے پُر ہو گا وہ اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب سے نجات پا جائے گا اور جس کا عمل مبنی بر شرک و ریا ہو تو اللہ تعالیٰ کو تو اس کا علم ہے پھر وہ اس کا پورا حساب دے گا۔

اگر جز بحق می رود جادہ است
در آتش فشانند سجادہ است

ترجمہ :۔ اگر تیرا طریقہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہے تو تیرا مصلےٰ آگ میں ڈالیں گے۔

اگر جانب حق نداری نگاہ
بگوئی بروز اجل آہ آہ

ترجمہ :۔ اگر حق کی جانب تیری نگاہ نہیں روز اجل میں ہائے ہائے کہو گے۔

چہ وزن آورد جائے انبان باد
کہ میزان عدلست و دیوان داد

ترجمہ :۔ ہوائی باتوں کا کیا وزن ہوگا جبکہ قیامت میں عدل و انصاف سے ہر عمل تولا جائے گا۔

مرائی کہ چنداں عمل می نمود
بدیدند ہیچش در انبان نبود

ترجمہ :۔ ریاکار نے بہت بڑے عمل کیے لیکن جب عدل میں ترازو میں دیکھا گیا تو کچھ بھی نہ تھا۔

منہ آبروئے ریا را محل
کہ ایں آب در زیر دارد وحل

ترجمہ :۔ ریا کو کسی عمل میں جگہ نہ دو اس لیے کہ اس کے نیچے کیچڑ ہے۔

ہم سب کو اللہ تعالیٰ صالحین اور ان لوگوں سے بنائے جو اقوال و افعال و احوال میں سچے اور مخلص

ہیں اور ان سے نہ بنائے جو فاسق کاذب ریاکار ہیں۔ اسے قبول فرما۔ اے کریم اے معاف کرنے والے
اے بہت بڑے عطا والے۔

تفسیر عالمانہ: و اذا مس الانسان ضر۔ اور جب انسان کو پہنچتا ہے ضر یعنی برا حال مثلاً فقر و مرض یا اُن کے ماسوا کوئی اور تکلیف اور سختی وغیرہ۔ امام راغب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ المس۔ اسی حادثہ کے لیے مستعمل ہوتا ہے جو انسان کو کسی قسم کی ایذا پہنچے اور الضر۔ سکھ اور نعمت کا اور ضر نفع کے بالمقابل ہے۔

دعا ربہ۔ ایسے دکھ ٹالنے کے لیے اپنے پروردگار کو پکار

منیبا الیہ۔ درانحالیکہ وہ اس کی طرف رجوع کرنے والا ہو جیسے کہ وہ عاجزی کرتے ہوئے اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کا معنیٰ یہ ہے کہ اس کے حضور میں توبہ اور عمل خالص پیش کیے جائیں۔

النوب۔ بمعنی شے کی طرف یکے بعد دیگرے رجوع کرنا اور یہ جنس انسان کی وصف ہے۔ جیسا کہ بعض افراد انسان کا حال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان الانسان لظلوم کفار۔ بیشک انسان ظلم کرنے والا اور بڑا ناشکرا ہے (اس سے جنس انسان مراد ہے)۔

تفسیر صوفیانہ: اس میں اشارہ ہے کہ طبیعت انسان کا تقاضا ہے کہ جب اسے دکھ پہنچتا ہے تو خشوع و خضوع اور اپنے رب کی طرف رجوع کرتا اور اس کے آگے عجز و نیاز اور زاری کرتا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

بندہ می نالد بحق از درد و نیش
صد شکایت می کند از رنج خویش
حق ہمی گوید کہ آخر رنج و درد
مر ترا بہ کان او راست کرد
در حقیقت ہر عدود را روئے تست
کیمیا و نافع دل جوئی تست
کہ ازو اندر گریزی در خلا
استعانت جوئی از لطف خدا

در حقیقت دوستاں دشمن اند
کہ ز حضرت دور و مشغولت کنند

ترجمہ :۔ بندہ اللہ تعالیٰ کے حضور درد اور تکلیف سے لدتا ہے اپنی رنج کی سینکڑوں شکایتیں کرتا ہے
اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ بالآخر رنج و درد ۔ تجھے درد بہتر ہے کہ اس نے تجھے درست کیا ہے ۔
درحقیقت وہ دشمن جس کا منہ تیری طرف ہے وہ تیرے لیے کیمیا اور دل جوئی کرنے والا ہے ۔
اس لیے کہ اس کی وجہ سے تو خلا میں بھاگ ۔ یا ہے لطف خدا اس کی وجہ سے تلاش کر رہا ہے ۔
درحقیقت تیرے دوست تیرے دشمن ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور سے دُور اور تجھے مشغول رکھتے ہیں ۔

تفسیر عالمانہ :۔ ثم اذا خولہ نعمۃ منہ ۔ پھر جب اسے اپنی طرف اسے بہت بڑی نعمتوں سے نوازتا اور اس سے دکھ ٹالتا اور اس کے جملہ اُمور کی کفایت کرتا اور اس کے معاملات سنوارتا اور اس کے احوال اچھے بناتا ہے ۔

فائدہ :۔ التخول بمعنی تعہد یعنی محافظت و مراعات یعنی اسے مال دنیا کا نگران بناتا ہے یہ فلان حائل مالہ سے ہے ۔ پھر اس شخص کو کہا جاتا ہے جو اپنے مال کی اچھی نگرانی کرے اور غنی سخی کی شان بھی یہی ہے کہ وہ فقراء کے احوال کی اچھی طرح جانچ پڑتال کرے یا یہ الخول سے ہے بمعنی افتخار ہے اس لیے عموماً دولت متکبر و مفتخر ہوتے ہیں ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اسے ایسا بناتا ہے کہ وہ اپنے مال کی وجہ سے متکبر و مفتخر ہوتا ہے ۔

نسی ما کان یدعوا الیہ ۔ بھول جاتا ہے اسے جس کے لیے اللہ تعالیٰ کو پکارتا تھا یعنی اس دکھ کو بھول جاتا ہے جس سے نجات پانے کی دعائیں مانگتا تھا ۔ من قبل ۔ دولت مند ہونے سے پہلے جیسے اللہ تعالیٰ دوسری جگہ پر فرماتا ہے مما کان لہ یدعنا الی ضر مسّہ ۔ گزرا گویا اس نے ہم سے دکھ ٹالنے کی دعا کی بھی نہ تھی) یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ اپنے پروردگار کو بھول گیا جس سے دکھ ٹالنے کی دعائیں مانگتا اور اس کے حضور میں گڑگڑاتا تھا اس اعتبار سے کہ ما بمعنی من ہے جیسے قول باری تعالیٰ وما خلق الذکر والانثیٰ میں ما بمعنی من ہے یا اس میں تنبیہ ہے کہ اس کا نسیان اس انتہائی مقام پر پہنچا ہے کہ گویا وہ مدعو (جس سے دُعا مانگتا تھا) کو جانتا تک نہیں چہ جائیکہ اسے یاد رکھتا ہو کہ وہ اس سے پہلے کسی سے دُعا مانگتا تھا اس لیے یہ بہت بڑا ناشکرا اور انتہائی درجہ کا مجرم سمجھا جاتا ہے بلکہ یہ اپنے معبود کے ساتھ دوسرے کو شریک ٹھہراتا اور اپنی غلطی اور انکار پر اصرار کرتا ہے اس لیے کہ اس کی دُعا محسوس کو پہنچے ہوئے ضرر کو معلول بنایا گیا ہے ۔ ایسا نہیں کہ وہ شوق سے ہی

اللہ تعالیٰ سے مانوس ہو کر اسے پکار رہا تھا۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

آں ندامت از نتیجہ رنج بود
نے ز عقل روشن چوں گنج بود

ترجمہ:۔ وہ ندامت رنج کا نتیجہ ہے نہ کہ عقل روشن سے جو کہ وہ ایک خزانہ ہے۔

چونکہ شد رنج آں ندامت شد عدم
می نیرزد خاک آں توبہ ندم

ترجمہ:۔ جب رنج آئی تو ندامت چلی گئی۔ ندامت سے توبہ کا کوئی خاص فائدہ نہیں۔

می کند او توبہ و پیر خرد
بانگ لو ردوا لعادوا می زند

ترجمہ:۔ بوڑھا خرانٹ بھی تو توبہ کرتا ہے لیکن اس کی اندرونی آواز یہ ہے کہ اگر لوٹ جائیں جوانی کی طرف۔

تفسیر صوفیانہ:۔ عرائس البقلی یعنی تفسیر عرائس البیان میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یقین میں کمزور لوگوں کی صفت بتائی ہے کہ جب انھیں آزمائش کا الم (درد) پہنچتا ہے تو پھر وہ اللہ تعالیٰ کو بلا معرفت پکارتا ہے جب اسے نعمت نصیب ہوتی ہے تو نعمتوں میں مغرور ہو کر منعم حقیقی سے محجوب ہو جاتا ہے۔ پھر ہر دونوں طرفوں سے جاہل بن جاتا ہے نہ تو بلا پر صبر کرتا ہے اور نہ ہی نعمت پر شکر۔ یہ اس کی اپنے پروردگار سے جہالت کی علامت ہے اگر اسے اس کی معرفت ہوتی تو اپنی جان اس کے نام پر قربان کر دیتا اور کہتا کہ اس کے ساتھ جو چاہو کرو۔

فائدہ:۔ بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ سب سے کم درجہ والا وہ بندہ ہے جو دکھ کے وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے اس لیے کہ جو بھی اللہ تعالیٰ کو کسی سبب سے یاد کرتا تو اس کی یہ دعا معلول ہے یعنی کسی علت و سبب سے پکارنا یہاں تک کہ شوق و رغبت سے یاد کرے تو پھر یہ حقیقی یاد اور پکار ہو گی۔

فائدہ:۔ حضرت حسین نے فرمایا کہ جو آرام و سکون کے وقت اللہ تعالیٰ کو یاد نہیں کرتا دکھ درد کے وقت بھی اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول نہیں کرتا اسی لیے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو فرمایا کہ سکھ کے وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کر تاکہ دکھ اور درد کے وقت وہ کریم تمھیں یاد فرمائے۔

فائدہ :۔ منعم کو بھلاکر نعمت سے فائدہ اُٹھانا دکھ اور تکلیف میں مبتلا ہونے کے قریب تر کر دیتا ہے ؎

ایں گلہ زاں نعمتے کن کت زند
از در ما دُور مطرابت کند

ترجمہ :۔ یہ گلہ اس نعمت سے کر کہ جو تجھے ہمارے دروازے سے دور ہٹا کر رکھ دے۔

وجعل للّٰہ اندادا :۔ اور عبادت میں اللہ کے شریک بنائے یعنی بتوں کی عبادت کی طرف لوٹا۔

اندادا :۔ ند کی جمع ہے ہر وہ شے جو کسی کے فقط جوہر واصل میں شریک ہو۔ [1] اور بحر العادم میں ہے ند بمعنی مثل مخالف یعنی اللہ تعالیٰ کی مثل ان کے متعلق اعتقاد رکھا کہ وہ بت اللہ تعالیٰ کی مخالفت اور اُس کے مقابلہ پر قدرت رکھتے ہیں۔

لیضل :۔ تاکہ اس ذریعہ سے وہ لوگوں کو گمراہ کرے۔

عن سبیلہ :۔ اللہ تعالیٰ کے راستہ سے یعنی توحید السبیل وہ راستہ جس پر عادۃً چلا جاتا ہے استعارۃً توحید کے لیے مستعمل ہوتا ہے کیونکہ وہ اللہ اور اُس کی رضا کا موصل ہے۔ بعض قرأتوں میں یضل بفتح الیاء پڑھا گیا ہے۔ اَب معنیٰ یہ ہوا تاکہ وہ گمراہی میں بڑھے اور اس پہ ثابت قدم رہے ورنہ جعل مذکور سے ضلال متاخر ہے اور لام عاقبت کی ہے کیونکہ نتیجہ کبھی فعل کی غرض اور کبھی غیر غرض ہوتا ہے اور ضلال و اصلال ہر دونوں غرض نہیں بلکہ ان دس کا نتیجہ و عاقبت جعل مذکور ہے۔

قل اعملوا ما شئتم :۔ یہ خطاب کفار کو تہدیداً ہے۔ اَب معنیٰ یہ ہوا کہ فرمایئے اے محبوب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ضال ومضل کو تہدیداً اور اس کا حال و مآل بتا کر فرمایئے۔

فائدہ :۔ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ اس انسان کو فرمایئے جس کی دکھ اور سکھ میں یہی طبیعت ہے۔

قل تمتع بکفرک قلیلاً ۔ قلیلاً مصدر یا زمان محذوف کی صفت ہے دراصل تمتعاً قلیلاً یا زمانا قلیلاً تھا۔ اَب معنیٰ یہ ہوا کہ دنیا میں اے کافر موت تک ہر طرح کا تھوڑا سا نفع اُٹھالے۔ تمتع بمعنی نفع اُٹھانا۔

انک من اصحاب النار :۔ بیشک تو آخرت میں دوزخیوں سے ہے یعنی ان لوگوں میں سے جو دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے اور ان کو دوزخ میں ہمیشہ عذاب پاتے رہیں گے اس لیے کہ دنیا کی تمام لذتیں آخرت کے عذاب کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں یہ قلت تمتع کی تعلیل ہے۔

فائدہ :۔ اس میں نجات سے بالکلیہ نا اُمیدی کا اظہار ہے گویا یوں کہا گیا کہ جب تو نے ایمان و طاعت کے

---

[1] المفردات

انکار کیا تو تیری سزا یہ ہے کہ جہنم کے عذاب میں ہمیشہ مبتلا رہے۔

تفسیر صوفیانہ:- اس میں اشارہ ہے کہ جو دوزخ والوں کی صحبت و دوستی کرے گا اور اپنے اور اپنے مالک کی مخالفت کرے گا اور خواہش نفسانی کی موافقت کرکے درکات سفلی کے راستے پر چلے گا وہی دوزخی و جہنمی ہے۔ نیز اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ دنیا کی عمر بالکل تھوڑی ہے اور انسان کی عمر تو بالکل نہ ہونے کے برابر۔ پھر دنیا سے نفع اُٹھانا انسان کے لیے کوئی فائدہ نہ ہوا۔ اسی لیے لازم ہے کہ اجل کے آواز دینے سے پہلے ہی سمجھ جانا چاہیئے۔

حکایت:- سیدنا ابو درداء (صحابی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دمشق کی جامع مسجد میں نماز ادا کرکے حاضرین کو فرمایا کہ اے دمشق والو! حیا نہیں کرتے ہو کب تک ان غلط آوازوں میں مبتلا رہو گے جنھیں حاصل کرنا تمھارے بس سے باہر ہے اور کب تک مال اسباب جمع کرتے رہو گے جسے تم کھا بھی نہ سکو گے اور کب تک مکانات بناتے رہو گے جبکہ ان میں ٹھہرنا بھی نصیب نہ ہو گا (کیونکہ ممکن ہے ان سے نفع پانے سے پہلے تمھیں گھیر لے) تمھارے سے پہلے لوگوں نے بڑی بڑی آرزوئیں کیں اور اُونچے اُونچے اور مضبوط اور پختہ مکانات بنائے لیکن ان کے مرنے سے ان کی تمام آرزوئیں خاک میں مل گئیں اور ان کے جمع کردہ جملہ اسباب ضائع ہو گئے اور ان کے تیار کردہ مکانات ان کی قبریں بنیں۔

حکایت:- منقول ہے کہ کسی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کی کہ میرے لیے دُعا فرمائیے تاکہ میں دولتمند ہو جاؤں۔ آپ نے اس کے لیے دُعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیج کر فرمایا کہ اس کے لیے تھوڑا مال مانگتے ہو یا زیادہ۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی یا الہ العالمین اس کے لیے بہت زیادہ رزق مانگتا ہوں۔ کہتے ہیں کہ وہ شخص اندھا ہو گیا موسیٰ علیہ السلام کو ملنے آرہا تھا تو اُسے درندہ کھا گیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی یا الہ العالمین یہ کیا ہو گیا اللہ نے فرمایا کہ تم نے اس کے لیے زیادہ کی دعا مانگی تو زیادہ تو آخرت ہے دنیا تو کوئی شے نہیں میں نے اسے اندھا کرکے درندے سے مروایا تاکہ آخرت میں اسے بہت زیادہ ثواب نصیب ہو۔

سبق:- اسے مبارک ہو جو دنیا سے بغض رکھتا ہے اور اس کے تعلق والی چیزوں سے وہ ناخوش ہے اور آخرت اور مولیٰ کو راضی کرنے کے لیے عمل کرتا ہے اور موت سے اور سستی کے غلبہ سے پہلے نیک اعمال کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں انہی لوگوں سے بنائے اور نا اُمیدوں سے بچائے۔

امن۔ باتشدید۔ یہ دراصل اَمْ مَنْ تھا۔ استفہام تقریری ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ کیا کافر ست

اور سنگدل اچھا ہے یا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ یہی معنیٰ زیادہ مشہور ہے اور عموماً اس میں ہر وہ شخص بھی داخل ہے جس میں سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی طرح تزکیہ و تصفیہ ہو۔ بعض قرأتوں میں امن مخفف ہے یہی مصحف کے تابع ہے اس معنیٰ پر ہمزہ استفہامیہ اور من موصولہ ہوگا معنیٰ میں کوئی فرق نہیں۔

ھو قانت ۔ وہ جو عبادت الٰہی کے لیے شب خیز ہے کیا اس کی طرح ہے جو ساری رات سوتا رہتا ہے۔

قنوت کے معانی

قنوت کئی معنوں میں آتا ہے:۔

(۱)۔ دُعا جیسے قنوت الوتر بمعنی دعاء الوتر۔ یہ اضافت بیانیہ ہے[۱]

(۲)۔ طاعت جیسے القانتات۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔

(۳)۔ القیام نمازی قانت ہے اس لیے کہ وہ قیام بھی کرتا ہے فقہ کی کتب میں عام آتا ہے وطول القیام اولیٰ من کثرۃ السجود۔ طویل قیام کثرت سجود سے افضل ہے۔ حدیث شریف میں ہے افضل الصلوٰۃ طول القنوت۔ افضل نماز وہ ہے جس میں قیام طویل ہو۔ یہاں قنوت بمعنی قیام ہے[۲]۔ ایک اور حدیث شریف میں ہے مثل المجاھد فی سبیل اللہ کمثل القانت الصائم۔ مجاہد فی سبیل اللہ قانت صائم کی طرح ہے۔ یہاں قانت سے نمازی مراد ہے[۳] یہاں یہی معنیٰ مراد ہے جیسے کہ اس کے بعد اناء اللیل وساجداً لایا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں قانت سے نمازی مراد ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کیا وہ جو قیام میں گزرتا ہے۔ اناء اللیل رات کی گھڑیوں میں اناء اِنْی (بکسر الھمزہ و فتحھا) مع فتح النون۔ کی جمع ہے یعنی ساعت ایسے ہی انی اور انو بالکسر و سکون النون مثلاً کہا جاتا ہے انوان و انیان من اللیل بمعنی ساعتان یعنی دو گھڑیاں۔

ساجداً۔ یہ قانت کی ضمیر سے حال ہے یعنی درانحالیکہ وہ سجدہ گزار رہتا ہے وقائماً اور درانحالیکہ وہ قیام میں رہتا ہے۔ قیام کی تقدیم سجود پر اس لیے کہ وہ عبادت کے معنیٰ میں زیادہ داخل ہے اور واؤ دو صفتوں کے درمیان جمع کے لیے ہے اور سجود و قیام دونوں سے نماز مراد ہے اس طرح

---

[۱] حواشی اخی چلپی ۱۲
[۲] الورد ۱۲
[۳] کشف الاسرار ۱۲

اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ یہ دونوں نماز کے اہم ارکان ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ رات کو طویل قیام والا جیسا کہ آناء اللیل میں اشارہ ہے کیونکہ جو ساری رات بیدار رہتا ہے وہ قیام طویل کرتا ہے بخلاف اس کے جو رات کے تھوڑے سے حصے میں عبادت کرے تو ضروری نہیں کہ وہ قیام بھی طویل کرے۔

یحذر الآخرۃ۔ یہ دوسرا عبادت کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو جواب ملاوہ جو آخرت سے ڈرتا ہے جیسے وہ دنیا و زینت سے ڈرتا ہے۔

ویرجوا رحمۃ ربہ۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت یعنی مغفرت یا جنت کی اُمید رکھتا ہے یہ کافر اس کی طرح نہیں جو دنیا کے ضرر سے ڈرتا اور اس کی بھلائی کی اُمید رکھتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: آیت میں اشارہ ہے کہ قیام ظاہراً و باطناً بغیر قصور و تقصیر کے ادائیگی عبودیت کے لیے ہو وہ آخرت اور اس کی نعمتوں سے ایسے ڈرتا ہے جیسے دنیا اور اس کی زینت سے ڈرتا ہے وہ رب تعالیٰ کی رحمت کی اُمید رکھتا ہے وہ اس کی نعمت کی اُمید میں نہیں رہتا۔[1]

مسئلہ:۔ آیت سے ثابت ہوا کہ مؤمن پر واجب ہے کہ وہ خوف و رجا میں ہو نیک عمل کرکے اس کی رحمت کا اُمیدوار رہے اور اپنی کوتاہیوں سے اس کے عذاب سے ڈرتا رہے۔

فائدہ:۔ جب اُمید حد سے متجاوز ہو اسے امن کہا جاتا ہے اور جب خوف حد سے بڑھ جائے وہ ایاس (نا اُمیدی) بن جاتی ہے۔ بالکل امن اور بالکل نا اُمیدی کفر ہے اسی لیے مومن پر واجب ہے کہ حد اعتدال میں رہے۔

حدیث شریف:۔ حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اگر مومن کا خوف و رجا تولے جائیں تو برابر نکلیں ؎

گرچہ داری طاعتے ز ہیبتش ایمن مباش
ور گنہ داری ز فیض رحمتش دل دار

ترجمہ:۔ اگر طاعت بہت کرتا ہے تب بھی اس کی ہیبت سے بے غم نہ ہو۔ اگر گنہ رکھتا ہے تو اس کی رحمت کے فیض سے دل برداشتہ نہ ہو۔

نیک ترساں شو کہ قہر اوست بیرون از قیاس
باش پس خوش دل کہ لطف اوست افزوں از شمار

ترجمہ:۔ بہت ڈرتا رہے کہ اس کا قہر قیاس سے باہر ہے نیز دل میں خوش بھی ہو کہ اس کا لطف شمار سے باہر ہے۔

---

[1] تفسیر الحدادی ۱۲

مسئلہ :- آیت میں شب خیزی کی ترغیب و تحریض ہے۔

حدیث شریف[1] :- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جو چاہتا ہے کہ قیامت کا موقف اس کے لیے آسان ہو تو رات کے اوقات اللہ تعالیٰ کے حضور میں سجدہ ریز اور قائم ہو اور آخرت کا خوف دل میں رکھے اور اس کی رحمت کی امید میں رہے۔

حدیث شریف[2] :- ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شب باش ہوتا تھا۔ ایک دن میں آپ کے لیے وضو کا پانی لایا۔ آپ نے فرمایا مانگ۔ میں نے عرض کی بہشت میں آپ کی رفاقت کا سوال ہے فرمایا کچھ اور میں نے کہا بس وہی سوال ہے۔ فرمایا میری مدد کر کثرت سجود سے یعنی کثرت صلوٰۃ سے۔

فائدہ صوفیانہ :- بعض عارفین نے فرمایا کہ سحر کے وقت جاگنے والوں کے قلوب پر اللہ تعالیٰ جھانکتا ہے یعنی تجلی خاص سے نوازتا ہے تو ان کے قلوب انوار سے پُر ہو جاتے ہیں جن میں سے فوائد ہی فوائد حاصل ہوتے ہیں وہ نور کی طرح قلوب سے باہر پھیلتے ہیں تو نہروں کی طرح جاری ہوتے ہیں ان سے عارفین کے قلوب کا استفادہ و استفاضہ کا موقعہ نصیب ہوتا ہے۔ ؎

خروسان در سحر گوید کہ قم یا ایہا الغافل
سعادت آنکہ دارد کہ وقت صبح بیدار است

ترجمہ :- مرغ صبح کے وقت کہتے ہیں کہ اے غافل اٹھ کھڑا ہو اس لیے کہ سعادت اسے نصیب ہوتی ہے جو صبح کے وقت بیدار ہوتا ہے۔

تفسیر عالمانہ :- قل۔ یہاں سے حق کا بیان ہے اور علم و عمل کی شرافت کا اظہار ہے۔ فرمایئے اے حبیب پاک (صلی اللہ علیہ وسلم)۔

هل یستوی الذین یعلمون۔ کیا برابر وہ جو اعمال کے حقائق کے عالم ہیں اور وہ اپنے علم کے مطابق عمل بھی کرتے ہیں جیسے قانت مذکور کی طرح۔

والذین لا یعلمون۔ اور وہ مذکورہ حقائق سے کچھ نہیں جانتے بلکہ وہ اپنے جہل کے موافق عمل کر کے گمراہ ہو جاتے ہیں جیسے کافر۔

---

[1][2] مشکوٰۃ شریف۔

فائدہ :۔ استفہام میں تنبیہ ہے کہ علم والے بہت بڑے مراتب خیر میں ہیں اور بے علم جاہل شر کے انتہائی مدارج میں ہیں۔

فائدہ :۔ یہ فعل بمنزلہ فعل لازم کے ہے اس کا کوئی مفعول مقدر نہیں اس لیے کہ مقدر بمنزلہ مذکور کے ہوتا ہے[1]۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ کیا برابر ہو سکتے ہیں کہ جن میں علم کے حقائق موجود ہیں اور جن میں نہیں۔ (یعنی ہر دو نوں برابر نہیں ہو سکتے)۔

انما یتذکر اولو الالباب۔ بیشک عقل والے ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں یہ مستقل کلام ہے کلام مذکور مامور بہ میں داخل نہیں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وارد ہے یعنی ان آیات بینات واضحہ سے وہ عقل والے نصیحت حاصل کرتے ہیں جن کے عقول شوائب خلل ووہم سے خالص ہیں اور کافر لوگ اس سے کوسوں دُور ہیں۔

فائدہ :۔ بعض علماء نے فرمایا کہ عقل والا وہ ہے جو آیات سے نصیحت حاصل کرے اور جو نصیحت حاصل نہ کرے تو گویا عقل سے بے بہرہ بلکہ جانوروں کی طرح ہے۔

حل لغات :۔ المفردات میں ہے اللب بمعنی عقل خالص کہ جس میں کسی قسم کا وہم وگمان نہ ہو اور اسے لب اس لیے کہتے ہیں کہ وہ انسان کے قوی میں شے کے خلاصہ کی طرح ہوتا ہے۔ بعض نے کہا لب بمعنی وہ عقل جو صاف ستھرا ہو کر مغز کی طرح ہو جائے اسی لیے ہر لب کو عقل کہہ سکتے ہیں لیکن ہر عقل لب نہیں اس لیے اللہ تعالیٰ اپنے ان احکام کو لب سے متعلق کیا ہے۔ جو عام عقول سے وراء ہیں مثلاً فرمایا ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا ومایذکر الا اولو الالباب اور جسے حکمت عطا ہوتی ہے وہ خیر کثیر عطا کیا جاتا ہے اور اس سے نہیں نصیحت حاصل کرتے مگر عقل والے۔ اس طرح کی دیگر آیات پر غور فرمائیے۔

تفسیر صوفیانہ :۔

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ھل یستوی الذین یعلمون۔ کیا وہ لوگ برابر ہیں جو اللہ تعالیٰ کے جوار و قربت کو جانتے اور جنت اور اس کی نعمتوں پر ذاتِ حق کو اختیار کرتے ہیں اور وہ جو اس کی قدر و منزلت نہیں جانتے۔ انما یتذکر۔ بیشک اس معنی کی حقیقت کو نہیں سمجھتے۔

الا اولو الالباب۔ مگر عقل والے اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو اپنے وجود سے بالکل فارغ ہیں بلکہ

---

[1] تفسیر بحر العلوم ۱۲

اپنی انانیت سے مٹ چکے ہیں اور اس کی ہویت میں اوقات بسر کرتے ہیں۔

فضائل علم و علماء

آیت میں علم کی فضیلت اور بے عمل علماء کی تحقیر کرتے ہیں کیونکہ بے عمل علماء اللہ تعالیٰ کے نزدیک جاہل ہیں اسی لیے علماء باعمل کو قانتین سے تعبیر فرمایا ہے۔

فائدہ:۔ حضرت الشیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ارباب الہمۃ وہ اہل علم ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے امن ھو قانت الی ان قال قل ھل یستوی الخ سے تعبیر فرمایا ہے ان کے لیے فرمایا کہ علماء وہ ہیں جو رات کو قیام میں وقت بسر کرتے ہیں۔ وہ اپنے علم کی تاثیر سے لوگوں کو اپنی طبیعت سے ہٹا کر اللہ تعالیٰ کی طرف لگانے اور اپنی نگاہوں سے حقائق کی چوٹیوں کی طرف لذات روحانیہ میں پہنچاتے ہیں یہی وہ علماء ہیں جن کے رات کے وقت بستر خالی رہتے ہیں وہ غفلت سے دور ہو کر بیداری میں زندگی بسر کرتے ہیں۔[1]

حدیث شفاعت:۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قیامت میں تین حضرات شفاعت کریں گے:۔

۱۔ انبیاء ۲۔ علماء ۳۔ شہداء

سلیمان علیہ السلام کی شاہی:۔ حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کو علم۔ مال۔ ملک پیش کر کے کہا گیا کہ ان میں سے جو چاہو اختیار کرو اُنہوں نے علم کو اختیار فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے علم کی برکت سے انہیں مال اور ملک ہر دونوں عطا فرما دیئے۔

آدم علیہ السلام کو علم کی دولت ملی:۔ حضرت جبریل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے تین چیزیں عقل و حیا اور ایمان دیکر آدم علیہ السلام کے پاس بھیجا اور فرمایا کہ ان میں سے ایک کو لے لو۔ اُنہوں نے عقل کو لیا تو اللہ نے باقی دونوں بھی عطا فرما دیئے۔ بعض روایات میں ہے کہ علم و حیاء و عقل ان کو بھیجا گیا تو علم ان کے دل میں اور آنکھ حیاء میں اور عقل دماغ میں سما گیا۔

طالب علم کی فضیلت:۔ جو چاہے کہ ان حضرات کی زیارت کرے جو اللہ تعالیٰ نے دوزخ سے آزاد رکھے ہیں تو وہ دین کے طالب علموں کی زیارت کرے مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان

---

[1] عوارف المعارف ۱۲

ہے جب طالب علم کی خاطر آتا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ایک ایک قدم پر سال بھر کی عبادت لکھتا ہے اور ہر قدم کے عوض بہشت میں ایک شہر تیار فرماتا ہے جب طالب علم زمین پر چلتا ہے تو زمین اس کے لیے بخشش مانگتی ہے بلکہ زمین پر ہر چلنے والی شے طالب علم کیلئے استغفار کرتی ہے اور وہ ہر صبح و شام گناہوں سے بخشا جاتا ہے اور فرشتے گواہی دیتے ہیں کہ یہی لوگ دوزخ سے آزاد شدہ ہیں۔

مسئلہ:۔ علم کی شرافت نسب کی شرافت سے بڑھ کر ہے اسی لیے بعض علماء نے کہا کہ عائشہ صدیقہ و فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہما سے افضل ہیں۔

فضیلت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا:۔ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میرے دین کی دو تہائی عائشہ رضی اللہ عنہا سے حاصل کرو۔

فضائل فاطمہ رضی اللہ عنہا:۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بعض خصائل سے افضلیت حاصل ہے تو بعض خصال سے بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ترجیح ثابت ہے چنانچہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مردوں میں بہت کامل ہوئے اور عورتوں میں سوائے مریم بنت عمران و آسیہ امراۃ فرعون و خدیجہ بنت خویلد و فاطمہ بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اور کوئی کامل نہیں ہوا۔

حدیث فضیلت علم اور اُس کی شرح

"علم کی طلب ہر مسلم مرد و عورت پر فرض ہے"

شرح:۔ احیاء العلوم میں ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ کونسا علم یہاں مراد ہے۔ متکلمین تو کہتے ہیں کہ علم کلام مراد ہے اس لیے اس کا حاصل کرنا تمام مسلمانوں پر فرض ہے کیونکہ اس سے توحید کا ادراک ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا علم نصیب ہوتا ہے۔ مفسرین و محدثین فرماتے ہیں کہ کتاب و سنت کا علم مراد ہے کیونکہ ان کے ذریعے علوم حاصل ہوتے ہیں۔ فقہاء نے کہا کہ اس سے علم فقہ مراد ہے کیونکہ اس سے ہی عبادات اور حلال و حرام کا پتہ چلتا ہے اور صوفیاء کرام نے فرمایا کہ اس سے علم تصوف مراد ہے کیونکہ اس سے ہی بندہ کو اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا علم ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ ہر صاحبِ فن نے اپنا فن مراد لیا ہے اور کل **مسلم** سے مکلف انسان مراد ہے مرد ہو یا عورت۔

فیصلہ:۔ شرح الترغیب میں ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ہر ضرورت کے حصول سے پہلے اس کے متعلقات معلوم کرنا مثلاً مومن ہونے کے لیے سمجھنا کہ زبان سے اقرار کرنا اور دل سے تصدیق کرنا اور اعتقاد رکھنا کہ مرنے کے بعد اُٹھنا حق ہے اور فلاں فلاں عبادات اسے ادا کرنا واجب ہے وغیرہ وغیرہ ایسے ہی معاش میں خرید و فروخت کرنے والے بیع کے احکام غرضیکہ جس کام کی مشغولیت کا ارادہ کرے

اس سے پہلے اس کے احکام سمجھنا اسے ضروری ہے مثلاً نمازی کو نماز کے وقت کے دخول سے پہلے ضروری ہے کہ وہ طہارت کے مسائل اور جتنا آسانی سے قرآن پڑھ سکتا ہے سیکھے اس کے بعد نماز کے احکام وغیرہ وغیرہ۔ ایسے ہی جب ماہِ رمضان آئے تو اسے روزے کے احکام سیکھنے واجب ہیں ایسے ہی حج فرض ہو جائے تو ادائیگی حج سے پہلے حج کے احکام سیکھے ایسے ہی مالدار ہو جائے تو زکوٰۃ کے مسائل سمجھے تاکہ مال پر سال گزرنے پہ ادائیگی زکوٰۃ کے احکام اسے معلوم ہوں اور وہ بھی جس مال کا صاحبِ نصاب ہوا ہو ایسے ہی ہر اُسے وہی علم حاصل کرنا واجب ہوگا جس کام کا ارادہ رکھتا ہے۔

سوال:۔ یہ تو مشکل ہوگا اس لیے کہ ادھر کام کرنا ہے اُدھر تحصیل علم تنگیٔ وقت کی وجہ کیا ہو سکے گا۔

جواب:۔ ہم نے کب کہا ہے کہ عین وقت میں وہی احکام سیکھے ہیں بلکہ ہم نے یہ کہا کہ جس کام کا ارادہ رکھتا ہے اس کو عمل میں لانے سے پہلے اس کے احکام سیکھنے چاہئیں مثلاً کوئی شخص نکاح و بیاہ کا خواہش مند ہے اور اُس کے اسباب بھی مکمل ہیں تو نکاح و بیاہ سے پہلے اس کے مسائل و احکام سیکھ لے۔ ہاں جب ایسا وقت بھی آجائے کہ کام سر پر آپڑا ہے تو اُس وقت بقدر ضرورت کچھ نہ کچھ معلومات حاصل کرے۔ یہ ایسے ہے جیسے طعام سامنے آجائے اور اس کی ضرورت بھی ہے تو بقدر ضرورت اسے کھانا ہوگا ورنہ اصل صورت وہی ہے کہ بیماری کے لیے جیسے علاج وہی ہوگا جیسی بیماری ہوگی۔

فائدہ:۔ عین العلم میں ہے کہ اس سے علم مکاشفہ مراد ہے یعنی علم تام جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:۔
"عالم کی جاہل پر وہی فضیلت ہے جو مجھے اُمتی پر۔"

ورنہ عام مراد وہی ہے جو ہم نے بیان کی کیونکہ وہ علم المعاملہ ہے اور وہ عمل کے تابع ہے اس لیے کہ اس کا ثبوت اس کے لیے شرط ہے ایسے ہی قلب کا معاملہ واجبہ کا حال ہے کہ اس پر قلب کی اصلاح کے لیے شرط ہے ایسے ہی قلب کا معاملہ واجبہ کا حال ہے کہ اس پر قلب کی اصلاح کے لیے احوال قلب مثلاً توکل وانابت وخشیت ورضا کا سمجھنا فرض ہے ایسے ہی جملہ اخلاق محمودہ و مذمومہ جیسے جود و بخل۔ بزدلی۔ جرأت۔ تکبر۔ تواضع۔ عفت۔ حرص (خواہش نفسانی) اسراف۔ فضول خرچی۔ وغیرہ وغیرہ۔ قلب کو اس کے ماسوا اور معاملات کی ضرورت نہیں۔

فائدہ:۔ توحید تو اسے ہر وقت ضروری ہے بخلاف نماز کے کہ اس کی اہلیت وصلاحیت ہوگی تو ادائیگی فرض ہے ورنہ نہیں مثلاً ایک شخص طلوع آفتاب کے بعد بالغ ہوا لیکن ظہر کے آنے سے پہلے مر گیا تو اس پر نماز کے مسائل سیکھنے فرض نہ ہوئے اس معنیٰ پر لفظ کل کل مسلم الخ میں عموم

نہ رہا ایسے ہی علم الآخرۃ کا حل ہے۔

هل يستوي الذين يعلمون والذين لا يعلمون میں مطلق مراد ہے جس میں مکاشفہ کو دخل ہے اسی لیے علما، کتنا پر پائیں صحابہ پر فضیلت نہیں پا سکتے اور متکلفین وفقہا وغیرہ کا اپنے علوم کا افضل بتانا بھی ناموزوں ہے اس لیے کہ یہ علوم تو ہیں ہی بدعت اگرچہ بدعت حسنہ سہی اگرچہ ان کی غرض وغایت اشرف واعلیٰ سہی لیکن پھر بھی بدعت کو کس طرح سنت کے مقابلہ میں لایا جا سکتا ہے۔

خلاصة البحث :- طلب العلم الخ میں علم التوحید[1] مراد ہے اور یہی اشرف العلوم ہیں ہے کیونکہ اس کا معلوم یعنی ذات باری تعالیٰ اشرف واعلیٰ ہے۔ ایسے ہی ہر علم نافع ہے جسے تقرب الٰہی سے تعلق ہو۔ یاد رکھیے کہ ایسا علم جسے تقرب الٰہی سے تعلق ہو سب سے زیادہ علم تصوف ہے جسے صوفیہ کرام نے اختیار فرمایا ہے اس کا امام ہمام محقق کامل حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اعتراف فرمایا ہے[2]۔ اور دوسرے اہلِ علم ظاہری متقی حضرات بھی معترف ہیں کہ اہل تصوف واقعی مقربین الٰہی ہیں بلکہ یہ علماء اُن کی مجالس کی حاضری کو غنیمت تصور کرتے تھے۔

حکایت :- امام شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے علم تصوف کو کیوں اختیار فرمایا۔ آپ نے فرمایا اس کی وجہ ظاہر ہے کہ تمھارے علم میں ہے پانچ اونٹوں کی زکوٰۃ ایک بکری ہے لیکن ہمارے علم میں تمام اُونٹ راہِ خدا میں دینے ضروری ہیں اور اس کی ہمارے ہاں دلیل ہے وہ یہ کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا تمام مال اللہ و رسول کے لیے خرچ کر دیا (جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) جو اپنا تمام مال خرچ کرتا ہے اس کے امام سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں جو بعض خرچ کرتا ہے اور بعض اپنے لیے رکھتا ہے اس کے امام سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہیں اور جو مال اللہ تعالیٰ کے لیے دیتا ہے اور نہیں دیتا تو اللہ تعالیٰ تو اس کا امام عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور جس نے دنیا اور اہل دنیا کے لیے چھوڑ دی اس کے امام سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہیں۔

مسئلہ :- وہ علم جو ترک دنیا کا سبق نہ سکھائے وہ علم نہیں جہالت ہے۔

حدیث شریف :- حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعا مانگی اعوذ بك من لا علم لا ينفع۔ یا اللہ اس علم سے پناہ دے جو نفع نہ دے۔

---

[1] وہابیہ والی توحید مراد نہیں کیونکہ یہ تو توحید کے نام پر توہین باری تعالیٰ ہے۔ اویسی ۱۲

[2] المنقذ من الضلال ۱۲

فائدہ :۔ اس سے وہ علم مراد ہے جو اہلِ علم کو منہیات سے نہ روکے اور مامور بہ پہ عمل کرنے کی ترغیب نہ دے۔

فائدہ :۔ علم تین ہیں :۔

(۱) خبری　　　　(۲) الہامی　　　　(۳) غیبی

علم خبری کو کان سنتے ہیں۔

علم الہامی کو دل سنتا ہے۔

علم غیبی کو رُوح سنتی ہے۔

علم خبری روایت سے حاصل ہوتا ہے۔

علم الہامی ہدایت سے حاصل ہوتا ہے۔

علم غیبی عنایت الٰہی سے حاصل ہوتا ہے۔

علم خبری کے لیے ارشاد باری تعالیٰ ہے **فاعلم انه لا اله الا الله** - اس میں علم کو مقدم کیا گیا ہے کہ علم عمل سے پہلے ہوتا ہے۔

علم الہامی کے لیے ارشاد باری تعالیٰ ہے **ان الذین اوتوا العلم من قبله**۔

علم غیبی کے لیے ارشاد باری تعالیٰ ہے **وعلّمناه من لدنا علمًا**۔

ان کے علاوہ ایک اور علم بھی ہے جہاں انسان کا وہم و گمان نہیں پہنچ سکتا وہ اللہ تعالیٰ کا اپنا علم - اپنی حقیقت کے لیے فرمایا **ولا یحیطون به علمًا**۔

ملفوظاتِ اولیاء :۔ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ علم خبر ہے اور خبر انکار ہے میرے نزدیک حقیقی علم وہ ہے جو مشائخ کے اقوال کے بعد حاصل ہوا ہے وہ یہ کہ علم کے ساتھ صفت حق سے موصوف ہونا کہ اس علم سے پہچان لے کہ حق کیا ہے۔ بعض اکابر مشائخ نے فرمایا کہ کل مقلات علم ہیں اور علم حجاب ہے یعنی جب تک معلوم تک نہ پہنچے اور اس میں فنا نہ ہو جائے حجاب ہے۔

مسئلہ :۔ قوانین و علومِ اسمیہ میں مشغول رہنا بھی حجاب ہے بلکہ یہ وصول الی اللہ سے مانع ہیں اس لیے کہ علم الٰہی جو حقائق الٰہیہ سے متعلق ہے وہ توجہ و افتقار تام و تفریغ القلب (قلب کو ماسوی اللہ سے فارغ رکھنا) اور اسے جمیع متعلقات کونیہ و علوم و قوانین سے خالی کر دینے سے حاصل ہوتا ہے۔

مسئلہ :۔ علم الحال سلوک کے مقدمات سے ہے اسے حجاب مانع نہیں کہا جا سکتا نہ ہی کوئی شخص مطلق علم کو حاجب و مانع کہتا ہے اور یہ حاجب کیسے ہو جبکہ یہی تو کشف و عیان کا سبب ہے لیکن عالم کے وجود میں فانی ہونا ضروری ہے اور فنا کا مطلب یہ ہے کہ افتخار، تکبر اور دوسروں پر بھروسہ کی علت ختم

قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا
حَسَنَةٌ ؕ وَ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ؕ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ
حِسَابٍ ○ قُلْ اِنِّيْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ○
وَ اُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ ○ قُلْ اِنِّيْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ
رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ○ قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِيْنِيْ ○
فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ؕ قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ
وَ اَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ○ لَهُمْ مِّنْ
فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَ مِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ؕ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ
عِبَادَهٗ ؕ يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ○ وَ الَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ
يَّعْبُدُوْهَا وَ اَنَابُوْۤا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ○ الَّذِيْنَ
يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ
وَ اُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ○ اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ؕ
اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِي النَّارِ ○ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ
مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ ۙ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ وَعْدَ اللّٰهِ ؕ
لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ ○ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ
مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا
اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا ؕ اِنَّ فِيْ
ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ○

ترجمہ:۔ تم فرماؤ اے میرے بندو جو ایمان لائے اپنے رب سے ڈرو جنہوں نے بھلائی کی اُن کے لیے اس

دنیا میں بھلائی ہے اور اللہ کی زمین وسیع ہے صابروں ہی کو ان کا ثواب بھرپور دیا جائے بے گنتی۔ تم فرماؤ مجھے حکم ہے کہ اللہ کو پوجو نرا اُس کا بندہ ہو کر اور مجھے حکم ہے کہ میں سب سے پہلے گردن رکھوں۔ تم فرماؤ بالفرض اگر مجھ سے نافرمانی ہو جائے تو مجھے بھی اپنے رب سے ایک بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے۔ تم فرماؤ میں اللہ ہی کو پوجتا ہوں نرا اُس کا بندہ ہو کر تو تم اس کے سوا جسے چاہو پوجو۔ تم فرماؤ پوری ہار انہیں جو اپنی جان اور اپنے گھر والے قیامت کے دن ہار بیٹھے ہاں ہاں یہی کھلی ہار ہے۔ ان کے اُوپر آگ کے پہاڑ ہیں اور ان کے نیچے پہاڑ اس سے اللہ ڈراتا ہے اپنے بندوں کو۔ اے میرے بندو تم مجھ سے ڈرو اور وہ جو بتوں کی پوجا سے بچے اور اللہ کی طرف رجوع ہوئے انہیں کے لیے خوشخبری ہے تو خوشی سناؤ میرے ان بندوں کو جو کان لگا کر بات سنیں۔ پھر اس کے بہتر پر چلیں۔ یہ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت فرمائی اور یہ ہیں جن کو عقل ہے تو کیا وہ جس پر عذاب کی بات ثابت ہو چکی نجات والوں کے برابر ہو جائے گا تو کیا تم ہدایت دے کر آگ کے مستحق کو بچالو گے لیکن جو اپنے رب سے ڈرے ان کے لیے بالے خانے ہیں ان پر بالاخانے بنے ان کے نیچے نہریں بہیں۔ اللہ کا وعدہ خلاف نہیں کرتا۔ کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اُتارا پھر اس سے زمین میں چشمے بنائے پھر اس سے کھیتی نکالتا ہے کئی رنگت کی۔ پھر سوکھ جاتی ہے تو تُو دیکھے کہ وہ پیلی پڑ گئی پھر اسے ریزہ ریزہ کر دیتا ہے۔ بے شک اس میں دھیان کی بات ہے عقلمندوں کو۔

بقیہ صفحہ
جائے ہاں اگر یہ باقی رہے تو واجب ہے اور علمائے رسوم میں سے بہت تھوڑے ہیں جو سلوک کی منازل طے کرتے ہیں۔

ھم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمارے ظاہر کو شرائع و احکام سے سنگار دے اور ہمارے باطن کو انواع علوم و الہام سے منور فرمائے اور ہمیں ان حضرات سے بنائے جو اہل علم ہیں جن کی وہ خود تعریف کرتا ہے اور ان لوگوں سے بچائے جو لاعلم ہیں جن کی اس نے مذمت فرمائی ہے (آمین) قبول فرمایا اللہ تو ہی ہمارا مددگار ہے۔

تفسیر عالمانہ: قل یاعبادی الذین اٰمنوا۔ انھیں میری طرف سے فرمایئے اے میرے بندو۔ اس میں بندوں کو شرافت و اکرام بخشا ہے کہ ان کو اپنی طرف اضافت

فرمائی۔ یہ دراصل یا عبادی تھا۔ یاء کو کسرہ پر اکتفاء کر کے حذف کیا گیا۔

فائدہ: یہ خطاب اُن لوگوں کو ہے جو خود کو ذات حق تعالیٰ کے موافق رکھتے اور اس کی رضا کو اپنی رضا پر ترجیح دیتے ہیں یہاں تک کہ ان میں صفت عبودیت ان پر مکمل ہو گئی اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام ملا کہ انھیں اپنی طرف مضاف فرمایا۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اپنے آپ کو ذاتِ حق تعالیٰ میں گم کیا اسے قیامت میں اللہ تعالیٰ عذاب سے امان دے گا۔

حکایت: حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ نے فرمایا اگر قیامت مجھ سے کسی آرزو کی اجازت ملی تو میں کہوں گا مجھے دوزخ میں بھیج دو اس لیے کہ مجھے دنیا میں کمینے نفس نے بڑا ستایا تھا اب میں اسے دوزخ میں لاؤں تاکہ اسے اپنے کیے کی سزا ملے[1]۔

تفسیر صوفیانہ: اخص الخواص وہ بندے ہیں جو دنیا و آخرت میں عبودیت غیر سے فارغ ہیں کیونکہ دنیا و آخرت بھی مخلوق ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ پر شوق و محبت سے ایمان رکھتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ: اتقوا ربکم۔ وہ اپنے رب سے ڈرتے یعنی تقویٰ پر ثابت قدم ہیں یہ معنیٰ ہم نے اس لیے کیا ہے کہ ایمان کفر و شرک سے بچنے کا نام ہے تو جب پہلے ایمان کا ذکر ہو چکا اب تقویٰ کا ذکر کیسا اسی لیے ہم نے ثابت قدمی مراد لی ہے تاکہ تکرار نہ ہو یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ طاعات کر کے اور گناہوں سے بچ کر اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچنے والے یا ماسوی اللہ سے کنارہ کشی کرنے والے یہاں تک کہ وہ ہجران سے محفوظ اور وصال یار اور جمال محبوب سے محفوظ ہوئے۔

للذین احسنوا فی ھٰذہ الدنیا۔ علیٰ طریقِ اخلاص اس دنیا میں نیک عمل کیے جن کا سرتاج کلمۂ شہادت ہے۔ اسے اپنے تمام اعمال کا سرتاج سمجھا جاتا ہے۔

حسنۃ۔ یہ مبتدا اور اس کی خبر للذین احسنوا اور فی ھذہ الدنیا احسنوا کے متعلق ہے۔

فائدہ: اس میں الدنیا مزرعۃ الآخرۃ (دنیا آخرت کی کھیتی ہے) کی طرف اشارہ ہے یعنی متقیوں کے لیے وہ حسنہ آخرت میں وہ عظیم اجر و ثواب ہے کہ جس کی کنہ کو کوئی نہیں جانتا اس سے بہشت اور مشاہدۂ حق مراد ہے اس لیے کہ احسان کا بدلہ احسان ہوتا ہے اور احسان ہے پس محسن وہی مشاہد

---

[1] کشف الاسرار ۱۲

ہے اللہ تعالیٰ کے مشاہدہ سے ماسوی اللہ غائب ہو جاتا ہے اور اس کے ماسوی کوئی شے باقی نہیں رہتی اور یہی حقیقی اخلاص ہے اور غیر محسن خطرہ میں ہوتا ہے کیونکہ اس میں ماسوی اللہ باقی ہوتا ہے ایسا انسان ریاء تبیع اور شرک سے مامون نہیں ہوتا اور جس کا عمل قبیح ہو اُس کی جزا احسن نہیں ہوتی۔

تفسیر صوفیانہ:- تاویلات نجمیہ میں ہے للذین احسنوا۔ ان لوگوں کے لیے جو میری طلب میں فی ھذہ الدنیا اس دنیا میں نیک عمل کرتے ہیں میرے سوا مجھ سے کوئی نیکی طلب نہیں کرتے انھیں کے لیے اچھی جزا اور میرا وجدان ہے یعنی حسن الوجدان حسن طلب میں امانت رکھی گئی ہے۔

حضرت جُجندی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ؎

بکوش تا بکف آری کلید گنج وجود
کہ بے طلب نتواں یافت گوہر مقصود

ترجمہ:- کوشش کر تاکہ تیرے ہاتھ لگے وجود کے خزانے کی کنجی کیونکہ طلب کے بغیر گوہر مقصود حاصل نہیں ہوتا۔

تو چاکر در سلطان عشق شو چو اباز
کہ ہست عاقبت کار عاشقاں محمود

ترجمہ:- ایاز کی طرح سلطان کے دروازہ کا نوکر ہو جا کیونکہ عاشقوں کا انجام کار بھلا ہوتا ہے۔

تفسیر عالمانہ:- وارض اللہ واسعۃ۔ اور اللہ تعالیٰ کی زمین فراخ ہے۔
مسئلہ:- جس سے اپنے وطن میں تقویٰ اور نیکی و عبادت مشکل پڑ جائے تو اسے وہاں سے ایسی جگہ ہجرت کر جانا چاہیئے جہاں اس سے نیکی وغیرہ آسان ہو یہی انبیاء و صالحین کا طریقہ ہے اس میں کوتاہی کا عذر غیر مسموع ہے۔

سبق:- اس میں ہجرت کی ترغیب ہے کہ جب اپنے وطن میں محسوس کرے کہ یہاں پر معاصی میں مبتلا ہو جائے گا تو وہاں سے ہجرت کر جائے۔

حدیث شریف:- وارد ہے کہ "جو شخص دین کی خاطر ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ کو ہجرت کر جاتا ہے اس کے لیے جنت واجب ہو گئی۔

فائدہ:- ہم نے دین کی قید اس لیے لگائی ہے کہ دنیا کی خاطر کوچ کر جانے والے کے لیے یہ اجر و ثواب نہیں وہ مجرم ہے اور اس میں معاصی میں گرفتار ہونے والا بڑھ کر اور کون ہوگا۔

اجر وثواب نہیں بلکہ وہ مجرم ہے اور اس سے معاصی میں گرفتار رہونے والا بڑھ کر اور کون ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ: اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات غیر منتہیٰ ہے اسی لیے سالک راہِ ہدیٰ سے دھوکہ نہ ہو کہ جب اس پر بعض مشاہدات و مکاشفات کے ابواب کھلیں تو وہ یہ سمجھے کہ مقصد اعلیٰ اور مرتبۂ بلند کو پہنچ گیا ہوں اس لیے مقاماتِ قرب کی کوئی انتہا نہیں اور نہ ہی مراتب وصال کی کوئی غایت ہے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

اے برادر بے نہایت در گہست
ہر کجا کہ می رسی باللہ ماکیست

ترجمہ:۔ اے برادر یہ درگاہ غیر منتہی ہے جہاں بھی پہنچو وہاں کھڑے نہ ہو جاؤ بلکہ آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔

انما یوفی الصابرون۔ بیشک وہ لوگ جو دین کے امور میں صبر کرتے اور اس میں تکالیف برداشت کر کے اسے نہیں چھوڑتے بلکہ اس کی حدود کی محافظت کرتے اور اس کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کرتے اگرچہ ان کو اس بارے کتنا ہی مشکلات در پیش ہوتے مثلاً اہل و عیال کو چھوڑنا اور وطن سے بے وطن ہو جانا تب بھی اس دھن میں لگے رہتے ہیں۔

حل لغات:۔ التوفیۃ بمعنی پورا پورا دینا۔ المفردات میں ہے شے کو پورا کامل مکمل خرچ کرنا استیفاء بمعنی شے کا پورا لینا۔ اب معنی یہ ہوا کہ وہ پورا پورا دیئے جائیں گے اجرھم اپنا اجر اس کا بدلہ جو انہوں نے دین کے معاملات میں صبر کر کے تکالیف برداشت کیں۔

بغیر حساب۔ بے شمار کہ جس کا احصار حصر ناممکن ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ نمازیوں اور صدقہ والوں اور روزہ داروں اور حاجیوں کے لیے قیامت میں ترازو کھڑا کیا جائے گا جس سے انھیں پورا پورا اجر دیا جائے گا لیکن بلاؤں اور مصیبتوں والوں کے لیے کوئی ترازو نہ ہوگا بلکہ ان پر اجر ثواب کی بارش کی جائے گی۔ اُس وقت ہر اجر والا آرزو کرے گا کاش دنیا میں اس کا جسم مصائب و تکالیف سے ٹکڑے ٹکڑے کیا جاتا تاکہ مجھے بھی ان مصیبتوں والے کی طرح بے شمار ان گنت اجر و ثواب نصیب ہوتا ؎

تو مبین رنجوریٔ غم دیدگان
کاندراں رنجیدہ از بگزیدگان

ترجمہ:۔ تو غم دیدہ لوگوں کے رنج و غم کو نہ دیکھ کہ وہ دکھ اور غم کے ستائے ہوئے ہیں۔

ہر کرا از زخمہا غم بیشتر
لطف بارش دادہ مرہم بیشتر

ترجمہ :۔ بلکہ یہ دیکھ کہ جس کے غم کے زخم بہت زیادہ ہوں گے اُسے دوست سے بھی مرہم پٹی زیادہ ہو گی۔

اُمت کا غم خوار نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب من جاء بالحسنة فله عشر امثالها (آیۃ) نازل ہوئی تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کی رب زد لامتی۔ اے اللہ میری اُمت کے لیے اور اضافہ کرم فرما اس پر نازل مثل الذين ينفقون اموالهم في سبيل الله كمثل حبة انبتت سبع سنابل في كل سنبلة مائة حبة۔ پھر بھی حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عرض کی یا اللہ میری اُمت کے لیے اور کرم ہو تو نازل ہوئی۔ من ذا الذي يقرض الله قرضا حسنا فيضاعفه له اضعافا كثيرة۔ پھر بھی حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کی، اے اللہ میری اُمت کو اور نواز تو یہی آیت اُتری انما يوفى الصابرون اجرهم بغير حساب۔ اس کے بعد آپ نے کوئی عرض معروض نہ کیا۔

حدیث شریف:۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا کہ سب سے بڑھ کر کون لوگ مصائب میں مبتلا ہوتے ہیں۔ آپ نے فرمایا انبیاء علیہم السلام۔ پھر ان کے بعد جو ان کے قریب تر ہوتے ہیں۔ اس کے بعد وہ جو ان کے قریب ہوتے ہیں جتنا قدر دین میں مرتبہ بلند ہو گا اتنا قدر مصائب کا ابتلاء زیادہ ہو گا۔ اگر دین میں مضبوط تر ہے تو مصائب بھی سخت تر اور اگر دین میں کمزور ہے تو اس پر مصائب کچھ نہیں اگر ہونگے تو نہ ہونے کے برابر۔ بندۂ خدا کو مصائب میں اتنا مبتلا کیا جاتا ہے کہ گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ دنیا میں ہی اس کا کوئی ایک گناہ بھی باقی نہیں رہتا۔

حدیث شریف:۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کسی بندے کا کوئی مرتبہ رہ جاتا ہے یعنی عمل سے وہ مرتبہ حاصل نہیں کر سکتا تو اللہ تعالیٰ اسے کسی جسمانی، مالی یا اولاد کی مصیبت میں مبتلا کر کے اسے وہ مرتبہ پورا کرتا ہے بشرطیکہ وہ اس میں صبر کرے۔

مسئلہ:۔ جتنا مصیبت میں ابتلا زیادہ اتنا ہی اجر و ثواب زیادہ۔

فائدہ:۔ اللہ تعالیٰ جب کسی سے پیار کرتا ہے تو اسے کسی مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے اگر وہ اس سے خوش ہو تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے خوش ہوتا ہے اگر وہ اس سے ملال کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ:۔ عرائس البیان للبقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں چار اوصاف سے لوگوں کی تعریف فرمائی:۔

۱۔ ایمان ۲۔ تقویٰ ۳۔ احسان ۴۔ صبر

ایمان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا عرفان کسی خارجی دلیل سے استدلال کیے بغیر اسے اس کی مدد سے ہی پہچانا جائے۔

تقویٰ یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو کونین کے تصوّر سے فارغ کرے یہاں تک کہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے آگے کوئی حجاب باقی نہ رہے۔

احسان یہ کہ قلوب وارواح کو ذات باری تعالیٰ کی ودیعت ایسے نصیب ہو جائے کہ اس کا جمال کھل کر اس کے سامنے آجائے۔

صبر یہ کہ بندہ احوال پر مواظبت اور کشف کو چھپائے۔

حقیقی صبر یہ ہے کہ اس سے موصوف ہونے کے بعد اپنے آپ کو اس کی مداومت کا مدعی نہ بنائے۔

والارض اللہ۔ اسعہ کا معنیٰ ہے کہ قلوب کی زمین وسعتِ حق سے وسیع ہے جب کوئی عارف سالک ان اوصاف سے موصوف ہوتا ہے تو اسے دو اجر نصیب ہوتے ہیں:۔

۱۔ دنیوی ۲۔ اُخروی

دنیوی تو یہی ہیں کہ اسے وجد و حال کے کوالف اور واردات عجیبہ نصیب ہوتے ہیں۔

اُخروی یہ ہے کہ بحار آزال وآباد میں غوطہ زن اور فانی فی الذات اور باقی فی الصفات ہوگا۔

فائدہ:۔ الحارث المحاسبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سہام بلاؤں کے نشانہ بننے کا نام ہے اور طاہر مقدسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ صبر کی بہت سی اقسام ہیں:۔

۱۔ صبر منہ ۲۔ صبر لہ ۳۔ صبر علیہ ۴۔ صبر فیہ

ان سب سے آسان یہ ہے کہ امر الٰہی پر صبر کیا جائے اور اسی کا ثواب اللہ تعالیٰ نے انما یوفی الصابرون میں بیان فرمایا ہے۔

فائدہ:۔ یوسف بن الحسین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ صابر وہ نہیں کہ مصیبت کے کڑوے گھونٹ پی کر کراہت کا اظہار کرے بلکہ صابر وہ ہے جو اس پر صبر کر کے لذّت پائے یہاں تک مقام رضا تک رسائی نصیب ہو

تفسیر عالمانہ:۔ قل۔ شانِ نزول: مروی ہے کہ مشرکین مکّہ اور کفار قریش نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عرض

کیا کہ آپ کو اس نئے دین لانے پر کس نے برانگیختہ کیا ہے کہ تم اپنے آباؤ اجداد کے دین لات وعزیٰ و دیگر بتوں کی پرستش کو چھوڑ دیا حالانکہ تمھیں اپنے آباؤ اجداد کا دین اختیار کرنا چاہیئے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم مشرکوں کافروں سے فرمایئے انی اُمرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہوں ان اعبد اللّٰہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں مخلصا لہ الدین درانحالیکہ میں اُس کے دین کے لیے اخلاص کروں بایں طور کہ میری عبادت میں شرک وریا نہ ہو یعنی میری عبادت کا مقصد صرف اور صرف معبود بالحق اور بس جیسے دوسرے مقام پر قرآن مجید میں ہے قل انما امرت ان اعبد اللّٰه ولا اشرك به۔ فرمایئے میں مامور ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤں۔ وامرت اور میں مامور ہوں لان اکون اول المسلمین کہ میں سب سے پہلا ماننے والا ہوں اسی اُمت میں تاکہ میں دنیا و آخرت میں ان سے پہلے ہوں کیونکہ سبقت سے مراد یہ ہے کہ دین میں اخلاص ہو جو بھی اخلاص کرتا ہے وہ سب سے مقدم ہوا کرتا ہے اور جب نبی علیہ السلام اپنی اُمت میں اخلاص سے موصوف ہوں گے تو وہ لازماً دارین میں ان سے مقدم ہوں گے اور ظاہر ہے کہ مسبوق سابق کا مرتبہ نہیں پا سکتا مثلاً صحابہ کرام سے بعد کو آنے والے ان کا مرتبہ نہیں پا سکتے۔

فائدہ:۔ لان اکون الخ کی لام زائدہ ہے اس معنیٰ پر یہ کہ وامرت ان اکون اول من اسلم کی طرح ہوگا اب معنیٰ یہ ہوا کہ میں مامور ہوں کہ میں اپنے ہم زبان لوگوں سے پہلا اسلام لانے والا ہوں اور سب سے پہلا دین آباء کے خلاف آواز اُٹھانے والا ہوں۔ اگرچہ آپ سے پہلے بھی دین حق والے کئی حضرات گزرے لیکن تقریر مذکور کے لحاظ سے یہ اولیت آپ کے لیے موزوں ہوگی۔

تفسیر صوفیانہ:۔ بعض نے فرمایا کہ اخلاص یہ ہے کہ ظاہراً و باطناً جملہ حرکات و سکنات اللہ تعالیٰ کے لیے ہوں اس میں غیر کی کوئی ملاوٹ نہ ہو۔

نکتہ:۔ سیدنا جنید قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسری جملہ مخلوق کو عبادت کا حکم دیا لیکن نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اخلاص کا حکم ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ اخلاص کے مقام پر پہنچنا صرف آپ ہی کا حصہ ہے۔

تفسیر عالمانہ:۔ قل انی اخاف ان عصیت ربی۔ فرمایئے کہ میں ڈرتا ہوں اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں کہ اخلاص چھوڑ دوں تا اس طرف مائل ہوں جس شرک میں تم مبتلا ہو۔ عذاب یوم عظیم۔ بڑے دن کے عذاب سے یعنی میں قیامت کے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں اور یہ بڑا دن اس لیے ہے کہ اس میں معصیت اور برے حال کی وجہ سے بہت بڑے وحشت ناک اُمور اور ہولناک باتیں ہوں گی۔

فائدہ:۔ اس میں بطریق مبالغہ معصیت سے زجر و توبیخ کی گئی ہے کیونکہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم باوجود جلیل القدر ہونے کے بتقدیر العصیان سے خائف ہیں تو اُمت کو بطریق اولیٰ ڈرنا چاہیئے۔

مسئلہ:۔ آیت سے معلوم ہوا کہ ضروری نہیں کہ معصیت سے عذاب ہو کیونکہ صغائر و کبائر سے معافی کا امکان ہے بلکہ انسان کو ویسے بھی اللہ تعالیٰ سے خوفزدہ ہونا ضروری ہے گناہ ہو یا نہ۔

حضرت صائب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ؎

محیط از چہرۂ سیلاب کردہ راہ می شود
چہ اندیشند کے باعفو حق از گرد زلتہا

ترجمہ:۔ جسے سیلاب ہر طرف سے گھیرلے اُس کے لیے ممکن ہے کہ راہ مل جائے لیکن جسے اللہ تعالیٰ کی معافی کا پروانہ مل جائے تو اس کا غلطیوں کی گرد کچھ نہ کرسکے گی۔

قل اللہ۔ اللہ منصوب ہے **اعبد** کی وجہ سے فرمایئے کہ میں صرف اللہ تعالیٰ کی ہی عبادت کرتا ہوں اس کے غیر سے مجھے کوئی تعلق نہیں نہ مستقلاً نہ بالاشتراک۔ **محلصا لہ دینی** اس کے لیے اپنے دین پر ملاوٹ سے خالص کرکے۔

سوال:۔ یہاں ضمیر کی کیوں اور اس سے پہلے ضمیر متکلم نہیں اس کی کیا وجہ ہے۔

جواب:۔ یہاں **اعبد** کا صیغہ متکلم ہے اور پہلے والا مضمون عام ہے اس لیے یہاں دینی کہا گیا اور پہلے والا مضمون مطلق ہے اسی لیے وہاں ضرورت نہیں ہے یعنی یہاں متکلم اپنی عبادت کی خبر دے رہا ہے اور وہاں امریت کی خبر دینا مطلوب ہے اس میں اس کا مابعد صلہ اور مفعول ہے اس تقریر سے دونوں کا فرق ظاہر ہوگیا۔

فائدہ:۔ کاشفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ وہ اپنے طریقے کو اللہ تعالیٰ کے لیے شرک سے پاک کرنے والا ہے یا وہ ریاء سے اپنے عمل کو خالص کرنے والا ہے۔

تفسیر صوفیانہ:۔ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ میں صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہوں نہ دنیا کی طلب ہے اور نہ عقبیٰ کی اور میں اپنی عبادت سے اپنے مولیٰ کا طالب ہوں اور صرف اسی کے لیے میں اپنا دین خالص کرتا ہوں ؎

لے برہان القرآن

و کل له سؤل و دین و مذهب
فلی انتمو سؤلی و دینی هوا کمو

ترجمہ:۔ سب کا کوئی مطلوب اور دین اور مذہب لیکن میرا مطلوب تم ہو اور میرا دین تمھارا عشق ہے۔

ز پشت آئینہ روئے مرادنتواں دید
ترا کہ روئے بخلق است از خدا چہ خبر

ترجمہ:۔ آئینہ کی پشت سے کیا دیکھ سکو گے تمھارا منہ بھی مخلوق کی طرف ہے اسی لیے تمھیں خدا کی کیا خبر۔

تفسیر عالمانہ:۔ فاعبدوا میں اپنے مامور بہ کا کاربند ہوں تو تم اے کافرو اور مشرکو عبادت کرو۔ ماشئتم جس کی چاہو۔ من دونہ۔ اللہ تعالیٰ کے ماسوائی کی۔ یہ امر تہدیدی ہے جیسے دوسرے مقام پہ فرمایا اعملوا ماشئتم۔ جو چاہو عمل کرو۔

فائدہ:۔ آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں پر سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے جیسے کہ کسی سے مخفی نہیں یعنی کفار کو دیکھا گیا کہ وہ احکام خداوندی کی پرواہ نہیں کر رہے تو انھیں ان کے اپنے حال پر چھوڑ دیا گیا تاکہ قیامت میں سخت سے سخت عذاب کے مستحق ہوں۔

شانِ نزول:۔ جب مشرکین نے کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے اپنے آباؤ اجداد کا دین چھوڑ کر گھاٹا پایا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا قل ان الخاسرین۔ فرمایئے کامل گھاٹے والے وہی ہیں جو اپنے مقصود کو ضائع کر دیں اور اپنے ضروری امر کو چھوڑ دیں۔ المفردات میں ہے کہ الخسران بمعنی راس المال کو گھٹانا اس کا استعمال مال وجاہ اور صحت و سلامتی اور عقل و ایمان و ثواب میں ہوتا ہے۔ ایمان ثواب کے ضائع ہونے کو اللہ تعالیٰ نے خسران مبین سے تعبیر فرمایا ہے۔ فارسی میں بمعنی زیان (نقصان) خاسر بمعنی زیان کار۔ آیت کا معنیٰ ہوا بیشک وہ لوگ نقصان والے ہیں الذین جنہوں نے یہ موصول ہے اس کا صلہ اگلا جملہ ہے یہ دونوں مل کر ان کی خبر ہیں۔

خسروا انفسھم۔ خسارہ میں ڈالا اپنے نفسوں کو گمراہی سے اور کفر کو اختیار کر کے یعنی انھیں ایسے ضائع کیا جیسے انسان اپنی تمام پونجی ضائع کر دیتا ہے۔ انفسھم۔ خسروا کا مفعول ہے۔ حضرت کاشفی مرحوم نے فرمایا کہ انھوں نے اپنے لیے نقصان کیا کہ خود کو گمراہ کیا۔ واھلیھم۔ اور اپنے اہل وعیال کو بھی کہ ان کو خسارہ میں ڈالا۔ گمراہ کر کے اور ان کے لیے کفر کو اختیار۔ یہ دراصل اھلین تھا۔ اہل کی جمع ہے بمعنی کنبہ اور رشتہ دار یعنی ازواج۔ اولاد۔ غلام۔ کنیزیں۔ بعض نے اقارب بعض نے دوست مراد لیے ہیں۔

بعض نے ہر دو نوں مراد لیے ہیں[۱]۔

یوم القیمة۔ قیامت ہیں کہ وہ بہشت کے بجائے دوزخ میں داخل ہوں گے جبکہ انہیں دائمی عذاب کے لیے پیش کیا جائے گا اور جہنم میں ڈالا جائے گا اور ایسے ہی تباہی و بربادی کا نشانہ بنایا جائے گا کہ اس جیسی کوئی تباہی و ہلاکت کوئی اور نہ ہوگی۔

الا ذلك۔ خبردار وہ تباہی۔ **هو الخسران المبين**۔ وہی ظاہر اور کھلا خسارہ ہے کہ انھیں جنت کے بجائے دوزخ میں جانا پڑے گا اور بڑے درجات کے حصول کے بجائے جہنم کے گڑھے نصیب ہوں گے[۲] اور کاشفی مرحوم نے اس کا ترجمہ لکھا کہ "جان لو اور آگاہ ہو جاؤ کہ وہی کھلا خسارہ ہے کہ کسی بھی مشرد الے سے پوشیدہ نہ ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ حقیقی خاسر وہی ہے جو خواہشاتِ نفسانیہ کی تابعداری کرکے دنیا کا گھاٹا پا گیا اور منہیات کا ارتکاب کرکے آخرت کا گھاٹا پا گیا اور غیر سے تعلق جوڑ کر اپنے مولیٰ سے دور ہو گیا۔

ربط۔ اس کے بعد اب بتاتے ہیں کہ ان کے گھاٹے کی صورت کیا ہوگی۔ اس کے لیے فرمایا **لهم من فوقهم ظلل من النار**۔ ان کے لیے ان کے اوپر سائبان ہوں گے آگ کے۔

لهم الخ ظلل من النار کی خبر ہے اور **ظلل ظلة** کی جمع ہے جیسے غرفہ کی غرف جمع ہے سایہ کا بادل یعنی ہر وہ شے صفہ کی مانند اوپر سے ٹانگ دی جائے یعنی سائبان۔ کشف الاسرار میں ہے ہر وہ شے جو اوپر سے سایہ کرے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ خسارہ والوں کے لیے دوزخ کے بہت سے سائبان تہ بتہ ہیں جو ان کے سروں پر کھڑے کئے گئے ہیں اس سے دوزخ کے طباق اور سائبان اور دھواں مراد ہے اور نار کو سایہ اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ غلیظ و کثیف ہیں اور اس لیے کہ وہ اوپر سے دیکھنے سے روکتا ہے۔

فائدہ:۔ اس میں اشارہ ہے کہ دوزخ میں ان کا بہت برا حال ہوگا اور ساتھ ہی ان کے ساتھ تہکم بھی ہے اس لیے کہ سائبان تو عموماً سایہ کرنے اور ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے ہوتے ہیں بالخصوص ان زمینوں میں جہاں گرمی بھی بہت زیادہ ہوتی ہے جیسے ارض حجاز بالخصوص جب خود وہی سائبان بھی آگ ہو تو پھر گرمی کے سوا اور کیا ہوگا اور پھر اور زیادہ برا حال ہوگا جب اس میں تاریکی بھی ہو۔

ومن تحتهم ظلل۔ اور ان کے نیچے سائے ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ انہیں آگ ہر چارسو

---

[۱] شرح المشارق لابن الملک ۱۲

[۲] کشف الاسرار

گھیرے گی۔ چنانچہ فرمایا احاط بھم سرادقھا۔ یعنی انھیں دوزخ کا سائبان گھیرے گا۔ آگ کے گھیرے کو سائبان سے تشبیہ دی گئی ہے جیسے سورۂ کہف میں تفصیل سے گزرا ہے اس کی نظیر دوسری آیت بھی یوم یغشاھم العذاب من فوقھم ومن تحت ارجلھم۔ اس دن کہ انھیں اوپر نیچے عذاب ڈھانپ لے گا) ہے اور ایک اور آیت میں ہے لھم من جھنم مھاد ومن فوقھم غواش۔ ان کے لیے جہنم کے بچھونے اور اُن کے اُوپر دوزخ کے سائبان ہوں گے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ان کے نیچے آگ کے طباق ہوں گے اور وہ بھی تہ بہتہ کہ ان سے نیچے والوں کے لیے سائبان کی طرح ہوں گے بلکہ ان کے دوزخ کے اندر گرنے پروہی طبقات ان کے لیے سائبان کی طرح ہوں گے۔ پھر اس طرح ہر نیچے گرنے والے کے لیے وہی سائبان کی طرح ہوتے چلے جائیں گے یہاں تک کہ گہرائی تک یہی حال رہے گا جہاں منافقین پڑے مار کھا رہے ہیں خلاصہ یہ کہ ہر اُوپر والے کے لیے دوزخ کا طبقہ بچھونا ہوگا تو اس سے نیچے والے کے لیے سائبان۔

سوال:۔ نیچے بچھے ہوئے دوزخ کے طبقہ کو سائباں کیوں کہا گیا۔

جواب:۔ چونکہ وہ اپنے نیچے والے کے لیے بمنزلہ سائبان کے ہے اسی لیے اضافی طور پر اس کا نام (سائبان) ہوا۔ ایسے ہی سدی مفسّر نے کہا ذالك۔ یہ ڈراؤنا عذاب وہ ہے یخوف اللہ بہ عبادہ جس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے تاکہ ایمان لائیں اور آیات وعید کے ذریعے اس بڑے عذاب سے اس لیے بھی ڈراتا ہے تاکہ اس گناہ سے بچ جائیں جو ان کو اس عذاب کا مستحق بناتا ہے۔

فائدہ:۔ اپنے ان بندوں کو آیات وعید سے ڈراتا ہے جو اہل ایمان ہیں ہاں وہ عذاب جو ابھی مذکور ہوا وہ صرف کفار کے لیے تیار کیا گیا ہے اور اہل ایمان کو بھی ضمناً ڈراتا ہے تاکہ وہ اللہ سے ڈرتے رہیں اور توحید کا اقرار کریں۔[1]

یاعباد۔ اے میرے بندو! یہ دراصل یا عبادی تھا فاتقون مجھ سے ڈرو وہ عمل ہرگز نہ کرو جو میری ناراضگی کا موجب ہے۔ یہ نصیحت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جو لطف و کرم پر مشتمل ہے۔

تفسیر صوفیانہ:۔ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دوزخ کا ڈنڈا پیدا فرمایا تاکہ انھیں اس سے ہانک کر جنت کی طرف لایا جائے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر کام حکمت

---

[1] اسئلۃ المقحمہ ۱۲ء [2] الوسیط ۱۲ء

ومصلحت سے خالی نہیں جو اللہ تعالیٰ کے ڈرانے سے ایسے خسارہ سے بچ جائے وہی اللہ تعالیٰ کا حقیقی بندہ ہے اور اس کا مستحق ہے کہ اضافت کی شرافت صرف اسی کو نصیب ہو۔

نکتہ:۔ سیدنا بایزید بسطامی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ لوگ یوم القیمۃ کے حساب سے ڈرتے ہیں لیکن میں اس سے خوش ہوں اس لیے کہ اگر ایک دفعہ وہ فرما دے کہ اے میرا بندہ تو مجھے اتنا کافی ہے۔

سبق:۔ عاقل پر لازم ہے کہ وہ عبودیت کی تحصیل و تکمیل میں کوشش کرے تاکہ خطاب الٰہی کا مستحق ہو اور اس کے ہاں محترم و معظم ہو لیکن نہیں دیکھتے ہو کہ بادشاہوں یا بڑے آدمیوں دنیا داروں کی خدمت کرتا ہے تو وہ اس کے ہاں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے حالانکہ وہ ایک مخلوق ہے تو خالق کے لیے تمہارا کیا خیال ہے۔

احناف کی مغفرت کا مژدۂ بہار

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ زندگی کے آخری حج کے لیے تشریف لائے تو کعبہ معظمہ کے نگرانوں سے فرمایا کہ ایک شب مجھے کعبہ شریف کے اندر اجازت دے دو تاکہ میں زندگی کے آخری حج میں جی بھر کر عبادت کر لوں۔ نگرانوں نے کہا کہ کعبہ شریف کے اندر عبادت کی عام اجازت کسی کے لیے نہیں لیکن چونکہ آپ اہل اسلام کے امام و مقتدا ہیں اسی لیے آپ کے لیے دروازۂ کعبہ کھول دیا جاتا ہے۔ آپ جب عبادت کے لیے مکہ معظمہ کے اندر تشریف لے گئے تو آپ دو ستونوں کے درمیان عبادت کے لیے کھڑے ہو گئے اور صرف سیدھے پاؤں پر آدھی رات تک قیام کیا اس میں نصف قرآن پاک ختم فرمایا۔ رکوع و سجود کے بعد بائیں پاؤں پر کھڑے رہے اور دایاں پاؤں پر رکھ دیا اسی طرح سالم قرآن مجید رات کو ختم کر ڈالا۔ سلام پھیر کر خوب روئے اور عرض کی یا اللہ میں تیری عبادت کا حق ادا نہ کر سکا اس لیے کہ یہ عبد ضعیف کون لگتا ہے کہ تیری عبادت کا حق ادا کر سکے ہاں تیرا عرفان ضرور نصیب ہوا۔ عبادت کا نقصان عرفان کے کمال کے طفیل پورا فرما۔ اس پر ہاتف غیبی نے کعبہ کے کونے سے آواز دی کہ اے ابوحنیفہ تم نے صحیح عرفان حاصل کیا اور اس میں خلوص کیا اور تو نے خدمت کا حق ادا کیا اسی لیے تجھے اور تیرے مذہب والوں کو جو قیامت تک تیری پیروی کریں گے میں نے سب کو بخش دیا[1]۔

فائدہ:۔ ایسی عبودیت تقویٰ اور خوف من اللہ اور مطالعۂ ہیبت و جلال الٰہی سے پیدا ہوتی ہے اور

---

[1] الفتاوی الظہیریہ۔

اور حضور نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب نماز پڑھتے تھے تو جیسے ہانڈی سے جوش دار آواز سنائی دیتی ہے ایسے ہی آپ کے سینے پاک سے رونے کی آواز سُنی جاتی تھی۔

فائدہ:۔ الاذیز بمعنی انعلیان یعنی ہانڈی کا جوش بعض نے کہا کہ اس کی آواز المرحل بمعنی تانبے کی ہانڈی۔

فائدہ:۔ ایسے ہی یہ آواز حضرت ابراھیم علیہ السلام کے سینے مبارک سے سنائی دیتی تھی۔

فائدہ:۔ جب خوف الٰہی کا غلبہ ہوتا ہے تو ایسی گرمی جسم کے ظاہر و باطن کو نہیں جلا سکتی۔

فائدہ:۔ جب وقت گزر جاتا ہے تو پھر تدارک حال مشکل ہو جاتا ہے انسان پر لازم ہے کہ فرصت کو نگاہ میں رکھے۔ ؎

وحشیٔ فرصت چو تیر از چشم بیرون جستہ است
تا تو زہ می سازی اے غافل کمان خویش را

ترجمہ:۔ فرصت کا وحشی شکار تیرے تیر کمان سے چھوٹ جائے گا جب تک کہ تو اے غافل کمان کو درست کرتا رہے گا۔

تفسیر عالمانہ:۔ والذین اجتنبوا الطاغوت (اور جنہوں نے بتوں سے کنارہ کیا۔

حل لغات:۔ الاجتناب بمعنی کنارہ کش ہونا مثلاً کہا جاتا ہے اجتنبہ بمعنی بعد عنہ (وہ اس سے ایک طرف سے ہوا)

الطاغوت۔ طغیان (گمراہی) کی انتہا کو پہنچنا یعنی گناہ میں حد سے بڑھ جانا بروزن فلعوت از طغیان بتقدیم اللام علی العین کہ یہ دراصل طغیوت تھا۔ یہ وزن مبالغہ کا ہے جیسے رحموت و عظموت پھر یہ صفت کے طور مبالغتاً مستعمل ہوتا ہے گویا شیطان طغیان کا عین ہے کیونکہ اس سے شیطان مراد ہے۔ تاء تانیث کی نہیں بلکہ زائدہ ہے۔

فائدہ:۔ طاغوت کی تاء اصلی نہیں ایسے ہی ملکوت و جبروت و لاہوت۔ ناسوت۔ رحموت۔ رہبوت میں تاء اصلی نہیں[1]

فائدہ:۔ طاغوت مذکر بھی ہے مونث بھی[2]

---

[1] کشف الاسرار ۱۲ [2] الکواشی

فائدہ :۔ مفرد و جمع ہر دونوں طرح مستعمل ہوتا ہے۔[1]

فائدہ :۔ امام راغب نے فرمایا کہ طاغوت بمعنی حد سے بڑھنے والا اور ہر وہ غیر اللہ جس کی پرستش کی جائے اور اہل کتاب کے سرکش لوگ اور کشف الاسرار میں فرمایا ہر وہ جو غیر کی پرستش کرے وہ طاغی ہے اور جس کی وہ پرستش کرتا ہے وہ طاغوت ہے اور قاموس میں ہے کہ طاغوت لات وعزیٰ اور کاہن اور شیطان اور غیر اللہ کے سوا جس کی پرستش کی جائے اور گمراہی کا سربراہ اور تمام بُت طاغوت ہیں۔

تفسیر صوفیانہ :۔ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہر ایک انسان کا نفس طاغوت ہے اور طاغوت سے کنارہ کشی کا مطلب یہ ہے کہ نفس کی مخالفت کی جائے اور اپنے مولیٰ کی رضا پر چلا جائے اور ماسوی اللہ سے منہ موڑ کر صرف اسی کی طرف رجوع کیا جائے۔

فائدہ :۔ حضرت سہل دستری) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ طاغوت دنیا ہے اس کا اصل جہالت اور اس کی فرع کھانے پینے اور ہار سنگار اور فخر و کبر کی اشیاء اور اس کا ثمرہ معاصی اور اس کی میراث قساوۃ قلبی اور عذاب و سزا ہے۔ آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ وہ لوگ جو شیطان یا بتوں یا گناہ سے کنارہ کشی کرتے ہیں یعنی بت پرستوں سے علیحدہ اور کنارہ کش رہتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ :۔ ان یعبدوھا۔ یہ کہ ان کی پرستش کریں یہ طاغوت سے بدل الاشتمال ہے اس لیے کہ غیر اللہ کی پرستش گویا شیطان کی عبادت ہے اس لیے کہ وہی اس کا حکم دیتا اور اسے سنگار تا ہے۔

فائدہ :۔ یہاں سے ثابت ہوتا ہے کہ یہاں پر طاغوت سے جمع مراد ہے۔

وانابوا الی اللہ۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے اور اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور غیر اللہ سے بالکل منہ پھیر لیتے ہیں۔

فائدہ :۔ تفسیر بحر العلوم میں ہے اجتناب الطاغوت سے ان کے ساتھ کفر اور انابت الی اللہ سے اس کی طرف رجوع کرنا مراد ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا فمن یکفر بالطاغوت ویؤمن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقیٰ۔ تو وہ جو طاغوت کے ساتھ کفر کرتا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے تو بیشک اس نے مضبوط رسی کو تھام لیا۔

نکتہ :۔ اجتناب طاغوت و کفر طاغوت کو ایمان باللہ پر مقدم کرنا کلمۂ توحید کے مطابق ہے کہ اس میں

---

[1] القاموس ۔ المفردات   [2] الکواشی ۔

لا الٰہ نفی پہلے اور الا اللّٰہ اثبات ۔ بعد کو ہے ۔ پہلے معبودانِ باطلہ کی نفی ضروری ہے ۔ پھر اثبات معبود برحق ۔

لہم البشریٰ ۔ انھیں خوشخبری ہو ثواب و رضوان اکبر بزبان رسل کرام علیہم السلام سابقہ وحی کے دنیا میں یا ملائکہ کے ذریعے موت کے وقت اور جب قیامت میں اُٹھائے جائیں گے اور اس کے بعد بھی ۔

فائدہ :۔ بعض اکابر مشائخ نے فرمایا کہ انھیں یہ خوشخبری دی جاتی ہے کہ تمہیں اہلِ ہدایت اور اللہ کے فضل والے ہو اور یہی بہت بڑی کرامت ہے ۔

فبشر عباد الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ ۔ تو میرے ان بندوں کو خوشخبری سناؤ جو بات سُن کر اس کی اچھی بات کی اتباع کرتے ہیں ۔ اس میں تصریح ہے کہ خوشخبری رسل کرام علیہم السلام کے ذریعے سُنائی جاتی ہے اور اس سے دنیا کی خوشخبری مراد ہے اور ملائکہ کی خوشخبری سنانا قیامت میں ہوگی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لہم البشری فی الحیوۃ الدنیا و فی الاخرۃ ۔ ان کے لیے دنیا کی زندگی اور آخرت میں خوشخبری ہے ۔

فائدہ :۔ یہ بھی ہے کہ آخرت کی خوشخبری دنیا کی خوشخبری سے مربوط ہے ۔ جو دنیا میں خوشخبری کا اہل ہے وہ آخرت میں خوشخبری کا مستحق ہوگا ۔

عباد دراصل عبادی تھا یا حذف کر دی گئی ہے ۔

شان نزول :۔ بعض کے نزدیک یہ آیت حضرت عثمان بن عفان و حضرت عبدالرحمٰن بن عوف و سعد و سعید و طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم کے حق میں نازل ہوئی ہے ۔ جب اُنہوں نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ابتدائے اسلام میں ایمان کے متعلق پوچھا تو ان کی تفصیل سنانے پر یہ حضرات ایمان لائے اسے مہدی نے بیان کیا[۱] ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ میرے ان بندوں کو خوشخبری سناؤ جنھوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اسلام کی باتیں سُن کر اس کی اچھی بات لا الٰہ الا اللّٰہ کے تبع ہوئے[۲] ۔

فائدہ :۔ الارشاد وغیرہ میں ہے کہ اس میں ضمیر کے بجائے اسم ظاہر کیا گیا ہے اور پھر عباد کو یاء متکلم کی طرف اضافت کی گئی ۔ اس میں ان کی شرافت اور بزرگی کا اظہار ہے نیز بتایا گیا ہے کہ ان کے وہ اس فضیلت کے لائق اس لیے ہیں کہ وہ بت پرستی سے اجتناب کرتے اور اللہ تعالیٰ کی طرح رجوع رکھتے ہیں ۔ یہ ان کے دین میں کھرے ہونے کی دلیل ہے کہ اس طرح سے وہ حق و باطل کی تمیز کرتے اور افضل سے افضل بات پسند کرتے ہیں ۔

---

[۱] تکملہ للمہدی ۱۲
[۲] کشف الاسرار

فائدہ :۔ اس لیے لفظ قول لایا گیا ہے تاکہ عموم پر دلالت کرے کہ وہ ہر قسم کے اچھے قول کو عمل میں ترجیح دیتے ہیں۔

فائدہ :۔ فقیر (صاحب رُوح البیان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ اچھی بات سنتے ہیں قرآن ہو یا کوئی اور بات تو وہ ان کے احسن قول کی اتباع کرتے ہیں مثلاً ایمان لاتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں اور اس سے صرف قرآن مراد ہو تو پھر بھی جائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے احسن الحدیث فرمایا۔ کما قال اللہ نزل احسن الحدیث۔ اللہ تعالیٰ نے احسن الحدیث نازل فرمائی۔ اس کی تفسیر آئے گی۔

فائدہ :۔ امام راغب نے فرمایا کہ فیتبعون احسنہ میں البعد من الشبہۃ مراد ہے یعنی وہ قول جو شبہ سے بعید تر ہو وہ اس پر عمل کرتے ہیں۔[1]

فائدہ :۔ بحر الرائق میں ہے کہ قول عام ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہو یا کسی فرشتہ کا یا انسان کا یا شیطان کا یا نفس کا یعنی ان میں جو احسن بات ہے وہ اس پر عمل کرتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی پر اس لیے کہ انسان حق و باطل اور نیک و بد بولتا ہے اور شیطان صرف معاصی کی طرف بلاتا ہے اور نفس آرزو و تمنا کی ترغیب دیتا ہے اور فرشتہ طاعتِ الٰہی کی دعوت دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ خود اپنی طرف بلاتا ہے چنانچہ فرمایا و تبتل الیہ تبتیلا اور اس کی طرف پورے طور رجوع کرو۔ اسی لیے خالص بندے وہ ہیں جو احسن الخطاب سُن کر عمل کرتے ہیں اور احسن الخطاب صرف اللہ تعالیٰ ہی کا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زبان فیض ترجمان سے سنا جاتا ہے۔

فائدہ :۔ القول میں الف لام عموم کا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ لوگ صرف احسن پر عمل کرتے ہیں۔ قرآن ہو یا کوئی اور چاہیئے بھی اُن کے لیے یہی کہ وہ اس پر عمل کریں جو بہتر ہو اور وہ اللہ تعالیٰ سے ہو گا یا اس کے لیے ہو گا جو اللہ تعالیٰ تک پہنچائے گا بولنے والے کا قول اسی قبیل سے ہو گا۔ یعنی بولنے والے کو نہ دیکھا جائے گا بلکہ اس کی بات کو دیکھا جائے گا کہ اس کی ہر اچھی بات پر عمل کرنا ہو گا۔

فائدہ :۔ الکلبی نے کہا کہ انسان جب کسی مجلس میں بیٹھتا ہے تو وہاں اچھی اور بُری ہر طرح کی باتیں ہوتی ہیں اس کو لازم ہے کہ اس بات پر عمل کرے جو اچھی ہے اور بُری کو چھوڑ دے اور اچھی بات پر نہ صرف عمل کرے بلکہ دوسروں تک پہنچائے اور اس کی عام دعوت دے۔

فائدہ :۔ لباب میں ہے کہ مجالس و محافل میں ہر طرح کی باتیں سننے میں آتی ہیں اچھے لوگ وہ ہیں جو اچھی باتوں کو لے لیتے ہیں اور بُری باتوں کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اس قسم کی محافل و مجالس باتوں کے لیے یہ مثال مشہور ہوئی۔

ع خذ ما صفا دع ما کدر

---

[1] تاویلات نجمیہ ۱۲

ترجمہ:۔ اچھی شے لے میلی کچیلی یعنی بُری بات چھوڑ دے۔

قول کس چوں بشنوی در وے تامل کن تمام
صاف را بردار و دردے را رہا کن والسلام

ترجمہ:۔ جب کسی کی بات سنو تو اس میں غور و فکر کرو صاف کو اُٹھا لو اور میلی کچیلی یعنی بُری کو چھوڑ دو۔

فائدہ:۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ استماع قول اور احسن سے قرآن مراد ہے اور اس کی اتباع اس قول پر ہو جو محکم ہے منسوخ کو سننا تو جائز ہے لیکن عمل نہیں کیا جاتا ہے ایسے ہی عزیمت پر عمل ہو نہ کہ رخصت پر۔

فائدہ:۔ صوفیہ کرام نے فرمایا کہ قرآن مجید میں اعلائے اسلام اور تبابع اور اولیائے کرام یعنی محبوبانِ خدا کے مدائح کا ذکر ہے۔ انسان پر لازم ہے کہ وہ محبوبانِ خدا کے مدائح پر عمل کرے مثلاً قرآن مجید میں موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا ذکر ہے تو ہمیں موسیٰ علیہ السلام کے طریقہ کی متابعت ضروری ہے اور فرعون کے طریقہ سے اجتناب واحتراز لازم۔

فائدہ:۔ کشف الاسرار میں ہے احسن فی الدین پر عمل کرنے کی ایک مثال بتائی ہے وہ یہ کہ مقتول کے وارث کا حق بنتا ہے کہ وہ قاتل سے بدلہ لے لیکن وہ اگر اسے معاف کر کے اسے بخش دے تو یہ احسن القول پر عمل کرنا ہے ایسے ہی جو شخص برائی کا بدلہ بُرائی دے تو بھی درست ہے لیکن اگر اسے معاف کر دے تو یہ احسن ہے۔ ایسے ہی شے پوری تول کر دے تو درست ہے لیکن اگر تھوڑی سی زائد بڑھا دے تو احسن ہے۔ ایسے ہی اگر سلام کا جواب صرف السلام علیکم سے دے تو درست ہے اگر اس پر اضافہ کر کے ورحمۃ اللہ (وبرکاتہ) کہے تو احسن ہے ایسے ہی وضو میں اعضاء کو ایک ایک بار دھوئے تو جائز ہے اگر دو یا تین بار دھوئے تو احسن ہے ایسے اگر کسی ظالم کو حکم کے مطابق سزا دے تو جائز ہے لیکن اگر معاف کر کے اُلٹا کچھ دے دے تو احسن ہے۔ ایسے ہی نماز میں صرف سجود و رکوع کرے یعنی کچھ نہ پڑھے تو جائز ہے اگر اس میں تسبیح بھی پڑھے تو احسن ہے۔ اس کی نظیر موسیٰ علیہ السلام کے متعلق ارشاد گرامی ہے کہ فخذھا بقوۃ وأمر قومك یاخذوا باحسنھا۔ اسے لیجئے اور قوم کا اس کا حکم فرمائیے کہ وہ اس کے احسن کو لیں ایسے دوسرا ارشاد گرامی اس کی نظیر ہے کہ واتبعوا احسن ما انزل الیکم من ربکم اور جو تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر اُتارا گیا ہے اس کے احسن پر عمل کرتے ہیں[۲]
یہ تمام تقریر کشف الاسرار کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی سن کر اس کے احسن کی اتباع اور اس کے افضل پر عمل کرتے ہیں یعنی قرآن کے پورے تابعدار ہیں کہ اس میں عفو و درگزر کا حکم ہے تو وہ اس کے عامل ہیں اس میں تکالیف برداشت کرنے اور

لہ المفردات ۱۲
۲ہ کشف الاسرار ۱۲

ان پر صبر کرنے کا اشارہ ہے تو بھی اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

نکتہ:۔ قرآن پاک کے تمام مضامین احسن ہیں صرف برتری عمل کرنے والے کی وجہ سے ہے اور بس۔

مسئلہ:۔ حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں اختلاف ہے کہ کیا قرآن مجید کا کوئی مضمون دوسرے مضامین سے افضل ہے یا تمام مضامین برابر ہیں۔ حضرت امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور بعض ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قرآن کے کسی مضمون کو دوسرے پر ترجیح نہیں کیونکہ سارا کلام خداوندی ہے اس میں ترجیح و تفضیل کیسی۔ اگر تفضیل مان لیں تو پھر مفضل علیہ کا نقص لازم آتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا کوئی کلام ناقص نہیں۔ لیکن محققین رحمہم اللہ تعالیٰ تفضیل کے قائل ہیں اور یہی قول حق بھی ہے۔ بایں طور جو مضمون ذات حق تعالیٰ کے لیے ہوگا وہ اس دوسرے سے افضل ہوگا جو اس کی مخلوق کے لیے ہے مثلاً قل ھو اللہ احد میں اللہ تعالیٰ کی توحید ہے اور تبت یدا ابی لہب الخ میں ابولہب کی مذمت ہے اور ظاہر ہے کہ توحید کا مضمون کافر کی مذمت سے افضل ہوگا علاوہ ازیں قل ھو اللہ الخ میں تین باتیں ہیں:۔

۱۔ کلام اللہ۔

۲۔ مذکور یعنی باری تعالیٰ کی ذات کریمہ۔

۳۔ اس کی توحید وصفات ایجابیہ وسلبیہ اور تبت یدا میں صرف فضیلۃ ذکرہ ہے یعنی کلام الٰہی اور بس۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ بعض سورتوں اور آیتوں کے متعلق احادیث مبارکہ میں تصریح وارد ہے اور ان کے ثواب و اجر کا ذکر مصرح ہے وغیرہ وغیرہ[1]

فیصلہ:۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ فلاں سورۃ و آیت دوسری سورتوں و آیات سے اشرف و افضل ہیں کیونکہ یہ سب کی سب اللہ تعالیٰ کا کلام ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان کے نور میں برکت دے یوں کہہ سکتے ہیں کہ اجر و ثواب کے لحاظ سے ایک سورت دوسری سورت سے یا ایک آیت دوسری آیت سے افضل و اشرف ہے مثلاً حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا لیٰس قرآن مجید کا دل ہے اور فرمایا فاتحۃ الکتاب قرآن مجید کا قلعہ ہے اور فرمایا آیت الکرسی قرآن مجید کی سردار ہے اور قل ھو اللہ احد یعنی سورۃ اخلاص قرآن مجید کے

---

[1] اتقان ۱۲۔

تہائی کے برابر ہے ان کی طرح دوسری سورتوں کے فضائل سے اجر و ثواب مراد ہے ورنہ ایک کو دوسری پر افضلیت کا قائل ہونا ناموزوں ہے اس لیے کہ کلام الٰہی میں افضلیت کی ترجیح کیسی؟[1] خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کا کلام اس حیثیت سے کہ اس کا کلام ہے اس میں کسی کو دوسرے پر افضلیت و شرافت کا قائل نہیں ہونا چاہیئے البتہ اجر و ثواب کے لحاظ سے ایک سورت کو یا آیت کو دوسری سورتوں یا آیتوں سے افضل واشرف کہنا جائز ہے۔ محققین و دیگر اکابر علماء کرام کے مختلف اقوال کی تطبیق اسی طرح دی جا سکتی ہے۔

مسئلہ صوفیانہ:۔ عارفین کے نزدیک استماع القول ہر شے سے ہو سکتا ہے اس لیے کہ عرش تا تحت الثریٰ ہر شے میں اللہ تعالیٰ ہی کلام کرتا ہے لیکن استماع صرف اور صرف اہل حقیقت کو ہی نصیب ہوتا ہے۔ ان کی علامت یہ ہے کہ وہ ہر اُس قول پر عمل کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے قریب لاتا ہے وہ امر ہو یا نہی وہ ذکر و ثنائے الٰہی ہو یا کوئی اور پند و موعظت وغیرہ وغیرہ اور وہ لوگ دوسروں کی غیبت اور بہتان و دیگر بُرے اقوال سننے سے بہرے بن جاتے ہیں اور نہ ہی وہ آیاتِ الٰہی میں طعن بازی کرتے اور نہ وقت وجدال کا ارتکاب کرتے ہیں اور نہ ہی گانے سرود وغیرہ سنتے ہیں بلکہ ہر وہ بات جس کے سننے سے شارع نے روکا ہے کبھی نہیں سنتے۔ ایسے لوگوں کے کان اللہ تعالیٰ کی باتوں کے سننے کے لیے ہر وقت کھلے رہتے ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

پنبہ آں گوش سرگوش سراست
تا نگردد ایں کران باطن کراست

ترجمہ:۔ اس کان کی روئی اسی کان کا سر ہے جب تک اس کا بہرہ پن نہ جائے گا باطنی بہرہ پن کبھی دور نہ ہو گا۔

فقیر (صاحب رُوح البیان قدس سرہٗ) کا بھی ایک شعر لیجئے ؎

پنبہ بیرون آر از گوش دلت
می رسد تا صوت از ہر بلبلت

ترجمہ:۔ دل کے کان سے روئی ہٹا دے پھر تجھے ہر بلبل کی آواز سنائی دے گی۔

---

[1] جواہر القرآن للغزالی ۱۲

تفسیر عالمانہ: اولئك ۔ یہی لوگ جن کے محاسن جمیلہ اُوپر مذکور ہوئے ۔ یہ مبتدا اور اس کی خبر الذین ھداھم اللہ ۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے دین حق اور انصاف پسندیدہ کی ہدایت بخشی ہے ۔ واولئك ھم اولوا الالباب اور یہی وہ ہیں جن کے عقول معارضۂ وہم اور منازعۂ خواہش نفسانی سے پاک ہیں صرف یہی ہدایت کے مستحق ہیں نہ اُن کے غیر ۔

مسئلہ :۔ آیت میں دلیل ہے اس مسئلہ کی کہ ہدایت اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور نفس انسانی کے قبول کرنے کی استعداد سے ہوتی ہے یعنی اس میں بندے کے کسب کو بھی دخل ہے جیسے عموماً افعال انسانی میں طریقۂ (اہلسنت) مشہور ہے ۔

فائدہ :۔ اس میں اشارہ ہے کہ یہی لوگ اشیاء کے چھلکوں کو چھوڑ کر ان کے حقائق کے مغز تک پہنچے ہیں ۔

افمن حق علیه کلمة العذاب افانت تنقذ من النار ۔

ربط :۔ بت پرستوں کے احوال میں شروع ہو رہے ہیں اس سے قبل ان حضرات کا ذکر تھا جو بت پرستی سے کوسوں دُور رہتے ۔

ترکیب :۔ ہمزۂ استفہام انکار کا اور فاء عاطفہ کا عطف محذوف پر ہے جیسا کہ کلام الٰہی سے معلوم ہوتا ہے من شرطیہ ہے لیکن حضرت کاشفی اور کشف الاسرار کی گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ من موصولہ اور حق بمعنی وجب و ثبت اور کلمة العذاب سے وہی کلمہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو فرمایا لاملئن جہنم منك وممن تبعك منھم اجمعین (میں تمہیں اور تیرے تابعداروں سے جہنم کو بھروں گا) اور ہمزہ جزائیں بھی دوبارہ لایا گیا ہے ۔ یہ انکار کی تاکید کے لیے ہے اور اس میں فاء جزائیہ ہے اور ضمیر کے بجائے اسم ظاہر یعنی من فی النار کو لایا گیا ہے ۔ تشدید انکار و استبعاد کے معنیٰ میں زیادتی کے اظہار کی وجہ سے ۔ نیز تنبیہ ہے کہ جس کے لیے جہنم کا حکم سنایا گیا ہے وہ گویا واقع فی النار ہے ۔

فائدہ :۔ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایمان کی دعوت دینا ان کو جہنم سے بچانے کی سعی ہے ۔ انقاذ بمعنی گہرے گڑھے سے نجات دلانا[1] ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا ان لوگوں کے لیے کیا خیال ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں کافروں کے متعلق طے ہو چکا ہے کہ اُنھوں نے جہنم میں جانا ہے تو کیا آپ ان کو ایسے قطعی عذاب سے نجات دلا سکتے ہیں ۔

فائدہ :۔ آیت شرط وجزاء وغیرہ سے مل کر ایک جملہ ہوئی ۔ خلاصہ یہ ہے کہ جس پر کلمۂ وعید واجب ہو چکا ہے تو

---

[1] المفردات ۱۲

اسے اس سے نجات دلاسکو گے یعنی ایمان کی دولت سے نوازسکو گے ہرگز نہیں کیونکہ یہ آپ کا کام نہیں کہ آپ قطعی جہنمیوں کو دوزخ سے نکالیں جیسے ابولہب اور اس کا لڑکا وغیرہ وغیرہ ۔

تفسیر صوفیانہ: اس میں ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے کہ جن کے لیے تقسیم ازل ابدی روز ازل سے لکھا جا چکا ہے کہ یہ صفات قہر کے مظہر ہیں اور ہمیشہ اسی صفت کے مظہر رہیں گے تو انہیں نہ کسی شافع کی شفاعت کام دے گی نہ کوئی اسے غضب و قہر ربانی اور لعنت حق سے بچا سکے گا نہ کوئی رسول ۔

مسئلہ: اہل ایمان کے لیے شفاعت حق ہے جیسا کہ آیت کنتم علی شفا حفرة من النار فانقذکم منہا ۔ تم تھے جہنم کے کنارہ پر تو اس سے تمہیں بچا لیا) ہاں آیت میں وہ لوگ مراد ہیں جن کے متعلق گزشتہ مضمون میں فرمایا لہم من فوقہم ظلل من النار ومن تحتہم ظلل ۔ یہ وہی ہے جن کو اوپر نیچے سے دوزخ کے سائبان ہوں گے ۔ چنانچہ خود ذیل کے مضمون میں بھی استدراک فرمایا ۔

تفسیر عالمانہ: لکن الذین اتقوا ربہم ۔ لیکن وہ لوگ جو آج شرک اور معاصی اور لغزشوں اور شہوات اور اتباع خواہش نفسانی اور غیر مرئی کی طرف جھکنے سے بچ گئے تو قسمت ازلی میں انہیں اللہ تعالیٰ نے کلمۂ عذاب کے اثبات سے بچا لیا بلکہ ان پر واجب ہوا کہ وہ مظہر لطف ربانی الی الابد کے مظہر ہوئے ۔

لہم غرف ۔ ان کے لیے بہشت میں بہت بڑی منزلیں و درجات ہیں یعنی انھیں یہ منزلیں ان کے تقویٰ کے مطابق نصیب ہوں گی ۔

فائدہ: غرف ۔ غرفہ کی جمع ہے وہ چوبارہ جو مکان کی چھت پر بنایا جاتا ہے اور بہشت کی منازل کو بھی غرف سے تعبیر کرتے ہیں[1]

من فوقہا غرف ۔ ان کے اوپر بالے خانے ہیں یعنی بہشت میں ان کے لیے بالاخانوں پر اور بالاخانے ہیں جیسے جہنمیوں کے لیے جہنم کے نیچے گڑھے در گڑھے ہیں ۔

مبنیۃ ۔ وہ مضبوطی کے ساتھ تیار کئے گئے ہیں جیسے زمین پر مکانات تیار کیے جاتے ہیں تو ان کی مضبوطی سیمنٹ بجری وغیرہ سے کی جاتی ہے ۔

فائدہ: حضرت سعدی المفتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس وصف سے بیان کرنے میں ان کی حقیقت کا

---

[1] المفردات ۱۲

اظہار مطلوب ہے اور واضح کرنا ہے کہ وہ بالاخانے سائبان نما ہوں گے جیسے کافروں کے لیے بھی سائبان مجازی لفظ بول کر ان کے ساتھ تہکم کیا گیا ہے۔

فائدہ: بحر العلوم میں ہے کہ وہ بالاخانے زبرجد۔ یاقوت۔ موتی و دیگر عجیب و غریب جواہر سے تیار کیے گئے ہیں اور کشف الاسرار میں ہے کہ وہ بالاخانے سونے چاندی کی اینٹوں سے تیار کئے گئے ہیں۔ اس میں اشارہ ہے کہ وہ بالاخانے نیک اعمال کے مطابق اور سالکین کے احوال کے موافق ہوں گے۔

تجری من تحتہا۔ جاری ہوں گی ان محلات اُوپر نیچے والوں میں۔ **الانہار** نہریں چار بغیر فرق کے اُوپر کے یا نیچے میں سب کو چاروں نہروں کا پانی برابر طور پہنچے گا۔

وعد اللّٰہ۔ مصدر مؤکد ہے اس لیے کہ لہم غرف الخ میں وعدہ کا مضمون ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے انھیں ایسے بالاخانوں کا پختہ وعدہ دے رکھا ہے۔

لا یخلف اللّٰہ المیعاد۔ اللہ تعالیٰ وعدہ کے خلاف نہیں فرمائے گا اس لیے کہ خلف الوعد نقص ہے اور ہر نقص و عیب اللہ تعالیٰ پر محال ہے۔

الاخلاف بمعنی وعدہ خلافی کرنا **المیعاد** بمعنی وعدہ۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس سے وہ وعدہ ہے جو تائبین کو مغفرت کا اور مطیعین کو جنت کا۔ مشتاقین کو دیدار کا اور عاشق صادقین کو قربت و وصال کا وعدہ دے رکھا ہے اس کا خلاف نہیں فرمائے گا۔ یعنی جب ان سے کمی واقع نہ ہوئی تو وہ بھی اپنی وعدہ سچا کر دکھائے گا۔ اگر اُن سے کوتاہی ہوئی تو پھر خود کو ملامت کریں (کہ نہ کرتے کوتاہی تو نہ ملتی انھیں سزا)۔

حدیث شریف مع شرح

متن:۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اہل جنت بالاخانہ والوں کو اپنے اُوپر ایسے دیکھیں گے۔

شرح:۔ بالاخانہ والوں سے مراد وہ اہل جنت ہیں جنہیں اہل منازل عطا ہوں گی اور نیچے والے انہیں ایسے دیکھیں گے جیسے ہم زمین سے پہلی رات کے چاند کو دیکھتے ہیں۔ حدیث شریف میں اسی محاورہ کی طرف اشارہ ہے۔

متن:۔ جیسے مشرق و مغرب میں دور کنارے پر چمکیلے ستارے کو لوگ دیکھتے ہیں۔

شرح:۔ بالاخانہ میں رہنے والوں اور عام بہشت میں رہنے والوں کا فاصلہ بتانا جا رہا ہے کہ جیسے مشرق و مغرب

کے دور کنارے پر چمکیلے ستارہ کی کیفیت ہوتی ہے۔ ایسے ہی بالاخانہ میں رہنے والے کی کیفیت ہوگی کہ گویا وہ عام بہشتیوں سے اتنا بلند اور اونچا ہوگا اور ان کے محلات ایسے ہوں گے جیسے ہمارے لیے دور سے نظر آنے والے چمکیلے ستارے۔

متن:۔ ان کے مابین فضیلت و شرافت کے فرق کی وجہ سے۔

شرح:۔ ان کے درجات کی بلندی بتائے گی کہ وہ اتنا بلند قدر اور رفیع المرتبت ہوں گے۔

متن:۔ صحابہ کرام نے عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا وہ انبیاء (علیہم السلام) ہوں گے کہ ان کے درجات کو عام مومنین نہیں پہنچ سکیں گے۔ آپ نے فرمایا مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے وہ لوگ ہیں۔

شرح:۔ یعنی وہ مراتب اہل اسلام کے ہیں جو ایسے مراتب حاصل کریں گے۔ آپ نے اس مضمون کو قسم سے بیان فرمایا کہ اتنے بڑے مراتب کے انبیاء ہوتے ہیں تو سامعین حیران ہو گئے کہ انبیاء علیہم السلام کے مراتب کو دوسرے کیسے پا سکیں گے۔ آپ نے ان کے تعجب کو دور کرتے ہوئے فرمایا۔

متن:۔ جو ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر اور رسل کرام علیہم السلام کی تصدیق کی۔

شرح:۔ اس میں اشارہ و بشارت ہے کہ ایسے درجات اس امت کے اہل ایمان حاصل کر سکیں گے سابقہ امتوں کے اہل ایمان کو ایسے درجات نصیب نہ ہوں گے اس لیے کہ سابقہ انبیاء کی تصدیق کلی طور اسی امت کے اہل ایمان کو نصیب ہوئی ہے۔

حدیث شرح مع شرح

من یدخل الجنۃ ینعم ولا یباس لا تبلی ثیابہ ولا یفنی شبابہ (ترجمہ بھی بہشت میں داخل ہوگا نعمت پائے گا اور کسی کا محتاج نہ ہوگا نہ اس کے کپڑے پرانے ہوں گے اور نہ ہی اس کی جوانی زائل ہوگی۔)

شرح:۔ ینعم (بفتح الیاء والعین) بمعنی یصیب نعمۃ۔ نعمت پائے گا۔ لا یباس (بفتح الہمزہ بمعنی لا یفتقر۔ یعنی محتاج نہ ہوگا۔ بعض نسخوں میں ہمزہ کا ضمہ ہے بمعنی شدت نہ دیکھے گا۔ لا تبلی (بفتح حرف المضارعۃ واللام:)

تفسیر عالمانہ: الم تر۔ اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہیں دیکھا تم نے یا اسے دیکھنے والے تو نے نہیں دیکھا۔

ان اللہ انزل من السماء ۔ بیشک اللہ تعالٰی نے آسمان سے اتارا ہے یعنی عرش کے نیچے سے ما ۔ کوئی شے یعنی بارش ۔

حدیث شریف مع شرح

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا حبیب کبریا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ میٹھا پانی اور مفید ہوائیں بیت المقدس کے پتھر کے نیچے سے ہیں ۔

شرح :۔ ہر وہ پانی جو زمین پر ہے نہریں ہوں یا چشمیں وہ تمام آسمان کا پانی ہیں جو آسمان سے بادل میں آکر زمین پر پہنچتا ہے پھر اللہ تعالٰی اسے پتھر میں جمع کرا کر تمام مقامات کے لیے تقسیم فرماتا ہے ۔

فسلکہ ۔ حل لغات :۔ اہل عرب کہتے ہیں سلکہ المکان وسلك غیرفیہ واسلکہ وہ مکان پہ چلا اور دوسروں کو بھی اس پر چلایا یعنی خود بھی مکان میں داخل ہوا اور دوسرے کو بھی داخل کیا ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالٰی نے آسمان سے پانی نازل کر کے اسے داخل کیا ۔

ینابیع فی الارض ۔ زمین کے چشموں میں اور یہ زمین کے لیے ایسے ہیں جیسے انسانی جسم میں رگیں ۔

ینابیع بہ نزع الخافض ہے دوسری آیت میں اس کا حرف جارہ ظاہر کیا گیا ہے مثلاً فرمایا اسلك یدك فی جیبك ۔ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں داخل کیجئے ۔

فی الارض ینابیع کا مکان ہے جیسے تم کہتے ہو ادخل الماء فی جدول المبطخۃ فی البستان ۔ پانی ان جاری نالیوں میں داخل کر جو باغ میں ہیں ۔

فائدہ :۔ اس سے معلوم ہوا کہ چشموں کا پانی بھی برسات کا پانی ہے جسے ایک جگہ پر جمع کر کے تھوڑا تھوڑا تقسیم کیا جاتا ہے ۔

حل لغات :۔ ینابیع ینبوع کی جمع ہے بروزن مفعول نبع الماء سے ہے تنبع نبعا ونبوعا ۔ وہ پانی جو چشمے سے نکلے اور ینبوع چشمہ کہ جس سے پانی نکلتا ہے اور ینابیع وہ جگہیں جہاں چشمیں ہیں یا جہاں سے پانی نکلتا ہے ۔

ثم یخرج بہ ۔ پھر اس کے ذریعے سے نکالتا ہے ذرعاً کھیتیاں ۔ یہ مصدر ہے بمعنی انبات مصدر بمعنی مفروع ہے ۔

مختلفا الوانہ ۔ اس کے مختلف رنگ ہیں مثلاً گندم ۔ جو وغیرہ وغیرہ اور مختلف کیفیات ہیں مثلاً

ذالقے وغیرہ۔ کلمۂ ثم تراخی رتبہ کی وجہ سے یا زمانہ کی وجہ سے صیغہ مضارع استحضار الصورۃ کے لیے ہے۔ المفردات میں ہے رنگ کی کئی قسم ہے،

سفید اسود

پھر وہ قسمیں جو ان سے مرکب ہوتی ہیں کہا جاتا ہے "تلوّن" بمعنی ایک رنگ سے دوسرا رنگ بدلا کبھی الوان بول کر اجناس و انواع مراد لیے جاتے ہیں جیسے کہتے ہیں فلان اتی بالوان من الاحادیث۔ فلاں نے مختلف قسم کی باتیں کہیں۔

وتناول لونًا من الطعام۔ کئی قسم کے طعام کھائے۔ ثم یھیج۔ پھر اس کی خشکی مکمل ہو جاتی ہے یعنی اس کے جوش کا وقت پہنچ جاتا ہے۔ ہاج۔ یہیج۔ ہیجانا و ہیاجا بمعنی ثار۔ یعنی جوش کیا۔ وھاج النبت بمعنی خشک ہوئی کھیتی پھر وہ کھیتی خشک ہوئی ہے۔

فتراہ مصفرا۔ پھر تم سبزی کے بعد خشکی سے اسے زرد دیکھتے ہو۔

فائدہ:۔ امام راغب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ صفرت وہ رنگ جو سفیدی و سیاہی کے درمیان ہو لیکن وہ سفیدی کو قریب تر ہوتا ہے اسے لیے اسے کبھی سواد (سیاہی) سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔

ثم یجعلہ۔ پھر اسے اللہ تعالیٰ بناتا ہے۔ حطامًا۔ ٹکڑے ٹکڑے گویا وہ اس سے پہلے یہ کھیتی تھی بھی نہیں۔

حل لغات:۔ اہل عرب کہتے ہیں تحطم العود۔ یہ اُس وقت بولتے ہیں جب شے خشک ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے یعنی یہ حالت دلالت کرتی ہے کہ اس سے پہلے یہ شے قوت والی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے ایک حالت سے دوسری حالت میں بدل دیا۔

ان فی ذلك۔ بیشک مذکور مفصل میں لذکری البتہ نصیحت بڑی ہے۔ تذکیر بمعنی یاد دلانا۔ لاولی الالباب ان عقل والوں کے لیے جو خلل کے شوائب سے پاک ہیں اور ان کے لیے تنبیہ ہے حقیقت حال پر کہ وہ اس سے نصیحت حاصل کرتے ہیں کہ دنیوی زندگی بہت جلد ختم ہو گی ان کو کھیتی سے ہی مشاہدہ ہوتا ہے کہ وہ ہر سال کیسے بارونق حال سے ریزہ ریزہ ہو کر مٹ جاتی ہے اسی لیے یہ لوگ دنیوی زندگی کی رونق اور اس کی بہار سے دھوکہ نہیں کھاتے ؎

بود حال دنیا چوں آں سبزہ زار
کہ پس تازہ بینی بفصلِ بہار

ترجمہ:۔ دنیا کا حال اس سبزہ زار جیسا ہے کہ موسم بہار میں اسے سرسبز اور تازہ دیکھا جاتا ہے۔

چو بروئے وزد تند باد خزاں
یکے برگ سبزے نیابی ازاں

ترجمہ:۔ لیکن جب اس پر بادِ خزاں چلتی ہے تو اس کا ایک پتہ سبز بھی دکھائی نہیں دیتا۔

بدلتے حالات

کشف الاسرار میں ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ انسان بچہ ہوتا ہے پھر جوانی چڑھتا ہے پھر بوڑھا ہو جاتا ہے پھر آخری عمر تک پہنچ کر فنا پاتا ہے مثال مشہور ہے کہ درخت کا پھل نہ ہو تو اس کی کوئی قیمت نہیں ایسے ہی انسان میں نیک عمل نہ ہو تو اس کی کوئی قدر و منزلت نہیں۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ الم تر الخ میں اس فیض روحانی کے پانی کی طرف اشارہ ہے جو آسمان قلب سے اترتا ہے۔ فسلکہ ینابیع تو اس میں حکمت کے چشمے داخل کرتا ہے فی الارض۔ بشریت کی زمین میں ثم یخرج بہ زرعًا۔ پھر اس کے ذریعے سے اعمال بدنیہ نکالتا ہے مختلفًا الوانہ جس کے رنگ مختلف ہیں یعنی نماز۔ زکوٰۃ۔ روزہ۔ حج۔ جہاد۔

ثم یھیج الخ اس میں اشارہ ہے کہ وہ اپنے اعمال جو ریاکار دکھاوے[1] کے طور کرتا ہے تو بظاہر تو دیکھتے ہو کہ وہ سرسبز ہوتے ہیں یعنی شرع کے موافق ہوتے ہیں۔ پھر تعجب و ریاء کی آفت سے خشک ہو جاتے ہیں۔ فتراہ اسے دیکھتے ہو مصفرا۔ بے نور ثم یجعلہ۔ پھر اسے ریاح قہر سے لے جاتا ہے حطامًا بیکار کرکے یعنی انسان سے کچھ حاصل نہیں ہوتا بلکہ الٹا حسرت کے ہاتھ ملتا ہے۔ ان فی ذلک اس میں اشارہ ہے کہ سالک جب عقل و علم کے مطابق عمل کرتا ہے تو اس پر اجتہاد کے آثار کھل جاتے ہیں جب وہ مقام معرفت کی طرف عروج کرتا ہے تو اس کی پچھلی حالت مٹ کر رہ جاتی ہے پھر جب اس پر انوار توحید کا غلبہ ہوتا ہے تو پھر تمام حالات نیست و نابود ہو جاتے ہیں ؎

فلما استبان الصبح ادرج ضوء ۔ بالوزدہ انوار تلک الکواکب

ترجمہ:۔ جب صبح آئی تو تمام روشنیاں اس میں گم ہو گئیں اور ستاروں کے انوار بھی اس میں گم ہو جاتے ہیں۔

خلاصہ سبق:۔ توحید سورج کی طرح ہے جیسے سورج کے سامنے ستاروں کے انوار گم ہو جاتے ہیں ایسے ہی نور توحید میں علوم و معارف کے انوار گم ہو جاتے ہیں بلکہ یہ سب کے سب فانی ہوتے ہیں اس فنا کے بعد بقا نصیب ہوتی ہے۔

---

[1] قاموس ۱۲

أَفَمَنْ شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَىٰ نُورٍ مِّن رَّبِّهِ ۚ
فَوَيْلٌ لِّلْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُم مِّن ذِكْرِ اللَّهِ ۚ أُولَٰئِكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝
اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ
جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ
ذِكْرِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ هُدَى اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَن يَشَاءُ ۚ وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ
فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ۝ أَفَمَن يَتَّقِي بِوَجْهِهِ سُوءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ
وَقِيلَ لِلظَّالِمِينَ ذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْسِبُونَ ۝ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن
قَبْلِهِمْ فَأَتَاهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ۝ فَأَذَاقَهُمُ اللَّهُ
الْخِزْيَ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ ۚ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ۝
وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ مِن كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۝
قُرْآنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ۝ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا
رَّجُلًا فِيهِ شُرَكَاءُ مُتَشَاكِسُونَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ هَلْ يَسْتَوِيَانِ
مَثَلًا ۚ الْحَمْدُ لِلَّهِ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝ إِنَّكَ مَيِّتٌ
وَإِنَّهُم مَّيِّتُونَ ۝ ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِندَ رَبِّهِمْ تَخْتَصِمُونَ ۝

ترجمہ:۔ تو کیا وہ جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا تو وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ہے اس جیسا ہو جائے گا جو سنگدل ہے۔ تو خرابی ہے اُن کی جن کے دل یادِ خدا کی طرف سے سخت ہو گئے ہیں وہ کھلی گمراہی میں ہیں۔ اللہ نے اُتاری سب سے اچھی کتاب کہ اول سے آخر تک ایک سی ہے دوہرے بیان والی۔ اس سے بال کھڑے ہوتے ہیں ان کے بدن پر جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں پھر ان کی کھالیں اور دل نرم پڑتے ہیں یادِ خدا کی طرف رغبت میں۔ یہ اللہ کی ہدایت ہے

راہ دکھائے اسے جسے چاہے اور جسے اللہ گمراہ کرے اسے کوئی راہ دکھانے والا نہیں۔ تو کیا وہ جو قیامت کے دن بڑے عذاب کی ڈھال نہ پائے گا اپنے چہرے کے سوا نجات والے کی طرح ہو جائے گا اور ظالموں سے فرمایا جائے گا اپنا کمایا چکھو۔ ان سے اگلوں نے جھٹلایا تو انھیں عذاب آیا جہاں سے انھیں خبر نہ تھی اور اللہ نے انھیں دنیا کی زندگی میں رسوائی کا مزہ چکھایا اور بے شک آخرت کا عذاب سب سے بڑا۔ کیا اچھا تھا اگر وہ جانتے اور بیشک ہم نے لوگوں کے لیے اس قرآن میں ہر قسم کی کہاوت بیان فرمائی کہ کسی طرح انھیں دھیان ہو۔ عربی زبان کا قرآن جس میں اصلاً کجی نہیں کہ کہیں وہ ڈریں۔ اللہ ایک مثال بیان فرماتا ہے ایک غلام میں کئی بدخو آقا شریک اور ایک نرے ایک مولیٰ کا۔ کیا ان دونوں کا حال ایک سا ہے۔ سب خوبیاں اللہ کو بلکہ ان کے اکثر نہیں جانتے۔ بیشک تمھیں انتقال فرمانا ہے اور ان کو بھی مرنا ہے۔ پھر تم قیامت کے دن اپنے رب کے پاس جھگڑو گے۔

تفسیر عالمانہ

افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام۔

ترکیب:۔ ہمزہ استفہام انکاری کا فا عطف محذوف پر ہے من شرطیہ یا موصولہ اس کی خبر محذوف ہے جس پر ما بعد دلالت کرتا ہے۔

حل لغات:۔ شرح بمعنی گوشت وغیرہ کا کھل جانا مثلاً کہا جاتا ہے شرحت اللحم وشرحتہ اسی سے شرح الصدور یعنی نور الٰہی اور سکینۃ من جہتہ باری تعالیٰ سے سینہ کا کھل جانا۔[۱]

فائدہ:۔ الارشاد میں ہے کہ شرح الصدور للاسلام بمعنی سینہ کی استعداد کی تکمیل اس لیے کہ سینہ قلب کا محل ہے اور قلب اس رُوح کا سرچشمہ ہے جس سے نفس قابلہ للاسلام کا تعلق ہے اس کا انشراح قلب کے اتساع اور اس کے نور ربانی سے روشن ہونے کا داعی ہے۔ یہ شرح قبل اسلام ہوگی بعد اسلام کے تو کچھ اور کمال ہوگا۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ کیا تمام انسان برابر ہو سکتے ہیں تو کیا ہر ایسا شخص کہ جس کا سینہ اللہ تعالیٰ کھول دے یعنی اسلام کی استعداد پر اس کا سینہ فراخ پیدا فرمائے اور وہ اپنی اصل فطرت پر باقی رہے اس پر آنے والے عوارض سے بوجہ کسی عمل کے تغیر نہ آئے۔

فھو۔ تو وہ اس سبب سے ہو علی نورٍ۔ بڑے نور میں ہوگا من ربہ اپنے رب تعالیٰ کی طرف

---

[۱] المفردات ۱۲

سے یہ اللہ تعالیٰ کا اس پر خالص لطف ہے جو اسے آیاتِ تکوینیہ و تنزیلیہ کے مشاہدہ پر نصیب ہوتا ہے جس کی وجہ سے اسے حق کی طرف ہدایت حاصل ہوتی ہے اس جیسا وہ شخص نہیں ہو سکتا جس کا قلب سخت اور سینہ تنگ ہو بسبب فطرت الٰہی کی تبدیلی کے جبکہ اس نے اپنا بُرا اختیار اسی طرف کو کیا اور اس پر گمراہی و ضلالت کی ظلمات چھا گئیں۔ اسی وجہ سے وہ آیات الٰہی سے بالکل روگردان ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اب نہ اسے آیات سے نصیحت ہوتی ہے اور نہ اسے ان سے کچھ فائدہ حاصل ہوتا ہے جیسے کہ فرمایا و من یرد ان یضلہ یجعل صدرہ ضیقا حرجا۔ جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کرتا ہے تو اس کا سینہ تنگ بنا دیتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ جو نور الٰہی پر اس جیسا نہیں جو تاریکی میں ہے۔ یہ دونوں ایسے برابر نہیں جیسے نور و ظلمت یا علم و جہل برابر نہیں ہو سکتے۔

مسئلہ: مسلمان کو نور و سعادت نصیب نہیں ہو سکتی جب تک اسے علم و معرفت نصیب نہ ہو اور اہل ایمان کو علم و معرفت نصیب ہوئی تو وہ مومن ہوا۔ ہاں ان کے علم و معرفت میں مختلف درجات ہوتے ہیں۔

فائدہ: ایمان و معارف انوار ہیں بعض کو تو از جمیع جہات نور ہی نور ہوتا ہے۔ بعض کا نور صرف قدموں سے چمکتا ہے۔ عوام کے ایمان کا نور شمع کی طرح چمکتا ہے ان میں بعض کا چراغ کی روشنی کی طرح ہوتا ہے اور صدیقین کے ایمان کا نور چاند کی طرح۔ بعض کا ستاروں کی طرح چمکتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کے ایمان کا نور سورج کی طرح یا اس سے بڑھ کر روشن ہوتا ہے تو جیسے سورج سے سارا جہان روشن ہوتا ہے ایسے ہی انبیاء علیہم السلام کے نور سے تمام عالم فیض پاتا ہے اور عوام کا ایمان شمع جیسا ہوتا ہے اس لیے اس سے ایک علاقہ بہرہ ور ہوتا ہے ایسے ہی انشراح صدر کو سمجھئے کہ جن سینوں کو معارف زائد نصیب ہوتے ہیں تو ان کے قلوب سے ملک و ملکوت روشن ہوتے ہیں۔

حدیث شریف: قیامت میں اعلان ہوگا کہ دوزخ سے ہر اس شخص کو نکال لو کہ جس کے دل میں مثقال اور نصف مثقال اور جو ذرہ برابر ایمان ہو۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ ایمان کے درجات مختلف ہیں۔ ایمان کی مقدار پر ہی قیامت کے مواقف میں انوار ظاہر ہوں گے بالخصوص پل صراط سے عبور کرتے وقت۔

فویل سخت عذاب ہوگا **للقاسیۃ قلوبھم عن ذکر اللہ**۔ ان دلوں کے لیے جو ذکر الٰہی سے سخت (روگردان) ہیں۔

حل لغات:۔ القسوۃ بمعنی قلب کی سختی۔ یہ حجر قاس (سخت پتھر) سے لیا گیا ہے۔ القاساۃ بمعنی سختی کو عمل میں لانا۔ من اجلیہ وسببیہ ہے۔ مما خطیاتھم اغرقوا۔ میں بھی من سببیہ ہے یعنی ان کی خطاؤں کی وجہ سے غرق کئے گئے۔ آیت کا معنی یہ ہوا کہ مذکورہ لوگوں کا حال یہ ہے کہ ان کے سینے کھلے اور دل مطمئن ہیں اس کے برعکس وہ ہیں جب ان کے سامنے اللہ تعالیٰ اور آیات الٰہی کا ذکر ہوتا ہے تو اس سے ان کے دل سختی میں بڑھ جاتے ہیں جیسے دوسرے مقام پر فرمایا فزادتھم اجسًا۔ تو آیات سے ان کے دل پلیدی میں بڑھ جاتے ہیں اور عن ذکر اللّٰہ بھی پڑھا گیا ہے یعنی خرابی ہے ان کو جن کے قلوب قبول ذکر الٰہی سے سخت ہیں۔

فائدہ:۔ حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سخت سے سخت تر عذاب اُس کو ہے جس کا دل سخت ہو اور جس پر اللہ تعالیٰ کی سخت ناراضگی ہو۔ ان کے دلوں سے رحمت نکال لی جاتی ہے۔

فائدہ:۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مناجات میں موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا دنیا میں تمنائیں مت بڑھاؤ قلب سخت ہو جائے گا۔ جس کا قلب سخت ہو جائے وہ مجھ سے دُور رہے۔ پھٹے پُرانے کپڑے پہنو قلب جدید (تروتازہ) رہے گا۔ زمین والوں سے پوشیدہ رہو آسمان والوں میں شہرت ہو گی۔

حدیث شریف میں ہے تین باتیں قلب میں سختی پیدا کرتی ہیں:۔

۱۔ حب طعام ۲۔ حب منام (نیند) ۳۔ حب راحت یعنی آرام

فائدہ:۔ کشف الاسرار میں ہے قسوۃ قلبی کثرت معصیت سے پیدا ہوتی ہے۔

بدعت سیئہ:۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال شریف کے بعد سب سے پہلی بدعت جو اُمت میں پھیلی ہے وہ ہے کثرتِ طعام یعنی پیٹ بھر کر کھانا۔

فائدہ:۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا ہے نہ مجھ سے گناہ سرزد ہوا ہے۔

فائدہ:۔ حضرت شبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ جب بھی پیٹ از طعام خالی رکھتا ہوں کوئی نہ حکمت دل میں القا کیا جاتا ہوں۔

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک افضل وہ ہے جو زیادہ بھوکا اور بہت زیادہ تفکر و تدبر کرے اور اس کے نزدیک مبغوض ترین وہ ہے جو زیادہ کھائے پیئے سوئے (نیند کرے) کھاؤ پیو لیکن پیٹ نہ بھرو اس لیے کہ نبوت کا ایک جزو ہے۔

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ؎

با اندازۂ خود زاد اگر آدمی
چنیں پُر شکم آدمی یا خمی

ترجمہ:۔ اندازہ سے کھا اگر تم آدمی ہو۔ پیٹ بھر کر کھاتے ہو کیا تم آدمی ہو یا مٹکا (پانی وغیرہ کا)

دروں جائے قوتست و ذکر نفس
تو پنداری از بہر نانست وبس

ترجمہ:۔ پیٹ صرف چند لقموں اور سانس نکالنے کی جگہ ہے تم نے سمجھا ہے کہ یہ صرف کھانے پینے کے لیے ہے۔

ندارند تن پروراں آگہی
کہ پر معدہ باشد ز حکمت تہی

ترجمہ:۔ تن پروروں کو حق سے آگاہی نہیں ہوتی کہ معدہ پُر ہو تو حکمت سے خالی ہو گا۔

اولئك ۔ وہی بعید از حق ہیں یعنی وہ لوگ جن کا ذکر ابھی گزرا قساوۃ قلب والے یعنی غافل اور سنگ دل لوگ فی ضلال ۔ گمراہی یعنی حق سے بعید ہیں۔

مبین ۔ ظاہر اور کھلم کھلا کہ دیکھنے والا دیکھتے ہی کہہ دے کہ یہ لوگ گمراہ ہیں یعنی بالکل معمولی سمجھ والا بھی کہہ سکتا ہے کہ یہ لوگ گمراہ ہیں۔

فائدہ:۔ یہ آیت عام ہے ہر اُس خوش بخت انسان کے لیے جس کا سینہ ایمان کے لیے کھلا ہے یعنی اس کے دل میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کی دولت پیدا فرمائی ہے۔

شانِ نزول:۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ آیات حضرت حمزہ بن عبدالمطلب و حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہما اور ابولہب اور اُس کی اولاد کے حق میں نازل ہوئیں۔ حضرت حمزہ اور حضرت علی تو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا اسلام کے لیے سینہ کھول دیا اور ابولہب اور اس کی اولاد کے دل سخت ہو گئے۔ رحمت ان حضرات کے لیے ہے جن کے سینے اسلام کے لیے کھل گئے اور غضب ان کے لیے جن کے دل سخت ہو گئے۔ (تفسیر از مفسر ربانی) حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس آیت کے نزول کے بعد پوچھا گیا کہ شرح الصدر کا کیا معنیٰ ہے آپ نے فرمایا کہ جب نور کسی قلب میں داخل ہوتا ہے تو وہ دل کھل کر فراخ ہو جاتی ہے۔ عرض کی گئی اس کی کیا علامت ہے آپ نے فرمایا اس کا ہر وقت دار الخلود کی طرف دل لگا رہتا ہے یعنی اس کا ہر وقت آخرت کی طرف دھیان رہتا ہے اور دار الغرور سے دُور رہتا ہے یعنی دنیا کے مشاغل سے پرہیز کرتا

ہے بلکہ وہ موت کے نزول اور ورود سے پہلے ہی تیار رہتا ہے۔
کسی بزرگ نے فرمایا ؎

نشان آن دلے کز فیض ایمانست نورانی
توجہ باشد اول سوئے دارالملک روحانی

ترجمہ:۔ وہ دل جو فیض ایمان سے پُر ہے اس کی نشانی یہ ہے کہ اسے دارالملک یعنی روحانی کی طرف توجہ ہوگی۔

نہ دنیا روئے گردانیدن و فکر اجل کردن
کہ چوں مرگ اندر آید خوش توان مردن بآسانی

ترجمہ:۔ دوسرا دنیا سے روگرداں ہوگا تیسرا اجل کے فکر میں ہوگا کہ ایسے کو موت آسان نظر آتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ:۔ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ ایمان نور ہے اس سے ہی اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کے قلوب کے چراغ روشن فرماتا ہے اور اسلام اسی نور ایمان کی روشنی ہے کہ اس سے اہل ایمان کے قلوب کے طمانچے منور ہو جاتے ہیں۔ در حقیقت جس کے سینے اللہ تعالیٰ نور اسلام کی روشنی سے کھولتا ہے وہی نگاہ عنایت ربانی سے نور پر ہے اس کی علامت یہ ہے کہ ایسے شخص کے صفات ذمیمہ نفسانیہ کی ظلمات کے آثار مٹ جاتے ہیں۔ اس میں حب دنیا اور اس کی زینت و شہوات سب کی سب ختم ہو جاتی ہیں اور اس میں جب آخرت اور اعمال صالحہ اور اخلاق کریمہ حمیدہ آجاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یمحوا اللہ مایشاء و یثبت۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے مٹاتا ہے اور ثابت رکھتا ہے نیز ان کے علامات سے ہے کہ ایسے لوگوں کے دل ذکر الٰہی سے نرم ہوتے ہیں اور ان کے دیدار الٰہی کے لیے شوق میں فراوانی ہوتی ہے اور چاہتے ہیں کہ وہ ہمیشہ جوار الٰہی میں ہوں اسی لیے انھیں دنیا کی محنتوں سے ناگوار ہوتی ہے۔ اوصاف بہیمیہ و سبعیہ و شیطانیہ کا بوجھ اُٹھانے کو تیار نہیں ہوتے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہر وقت رجوع رکھتے اور اس کی صفات کے انوار سے نور حاصل کرنے کی کوشش میں رہتے ہیں۔ نور علم سے نور اللوائح پھر بیان فہم سے نور اللوامع پھر زوائد الیقین سے نور المحاضرہ پھر تجلی صفات سے نور المکاشفہ پھر ظہور ذات سے نور المشاہدہ پھر حقائق توحید سے انوار جلال صمدیہ کا شرف حاصل کرتے ہیں اس وقت نہ اُن کو وجد کا پتہ ہوتا ہے نہ وجود کا اور نہ قصد کا علم ہوتا ہے نہ مقصود کا۔ نہ قرب کو سمجھتے ہیں نہ بعد کو نہ انھیں وصال کی خبر ہوتی ہے نہ فراق کی کیونکہ ہر شے فنا ہو جاتی ہے بلکہ صرف ذات الٰہی واحد قہار کو ہی بقاء ہے اور بس۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

مکن اندیشہ ز نزدیکی و دوری
لا قرب ولا بعد ولا وصل ولا بین؛

ترجمہ: نزدیکی و دوری کا فکر چھوڑ دے کیونکہ قرب و بعد اور وصال و فراق کوئی شے نہیں ہیں۔

فائدہ: حضرت واسطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ نور الشرح ایک عظیم عطیہ ہے یہ صرف انھیں نصیب ہوتا ہے جو عنایت و رعایت سے مؤید ہیں عنایت جوارح و اشباح کی حفاظت کرتی ہے اور رعایت حقائق و ارواح کی نگرانی کرتی ہے۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ دوسرا پردہ قلب ہے وہی نور ایمان کا محل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اولئك كتب فی قلوبهم الایمان۔ وہی لوگ جن کے قلوب پر اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے تیسرا پردہ فواد ہے وہی سراپردہ مشاہدہ حق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ما كذب الفواد ما رآی فواد نے اسے نہ جھٹلایا جسے اس نے دیکھا۔ چوتھا پردہ شغاف ہے وہی عشق کی کرسی کی جگہ ہے چنانچہ فرمایا قد شغفها حبا۔ پروردگار عالم جب چاہتا ہے کہ بھاگے ہوئے بندے کو کمند لطف سے اپنے دین کی راہ میں لگائے تو سب سے پہلے اس کے سینہ کو نگاہ لطف سے نوازتا ہے تاکہ اس کا سینہ خواہشات و بدعات (سیئہ) سے صاف ہو جائے اور اس کا قدم سنت نبویہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) پر اٹھے۔ اس کے بعد اس کے قلب کو نگاہ کرم سے نوازتا ہے تاکہ اس کا قلب آلائش دنیا و اخلاق مذمومہ جیسے عجب و حسد و کبر و ریاء و حرص و عداوت و رعونت سے پاک و صاف ہو کر ورع و پرہیزگاری پر چل سکے۔ پھر اس کے فوائد کو نظر عنایت سے نوازتا ہے اس سے وہ خلائق و علائق سے روگردان ہو جاتا ہے اسے چشمہ علم و حکمت سے پُر کیا جاتا ہے اور نور ہدایت کا اسے تحفہ و ہدیہ بخشا جاتا ہے چنانچہ فرمایا فهو علی نور من ربه (تو وہ اپنے رب کے نور پر ہوتا ہے) پھر اس کے شغاف پر نظر کرم ہوتی ہے اس سے اسے آب و گل سے فارغ کر کے فنا کے کوچے میں لگا دیا جاتا ہے (اور یہی انسان کی آخری منزل ہے۔ خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے گم تھیون مطلب یعنی گم ہونا (فنا) آخری مطلب ہے) اویسی غفرلہٗ۔

فائدہ: نور تین قسم ہے:

۱۔ نور برزبان

۲۔ نور در دل ۔

۳۔ نور در تن ۔

نور زبان توحید و شہادت ہے ۔

نور تن خدمت و طاعت ہے ۔

نور دل شوق و محبت ہے ۔

نور زبان بہشت میں پہنچا تا ہے چنانچہ فرمایا فاثابھم اللہ بما قالوا جنٰت۔ جو کچھ اُنھوں نے زبان سے کہا اس کی جزا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں جنات کے باغات میں پہنچایا۔

نور تن جنت الفردوس میں پہنچا تا ہے چنانچہ فرمایا ان الذین اٰمنوا و عملوا الصلحٰت کانت لھم جنات الفردوس نزلا۔ بیشک وہ جو مومن اور نیک عمل والے ہیں اُن کے لیے فردوس کے باغات بطور مہمانی کے ہیں۔

نور دل دیدار الٰہی سے مشرف فرماتا ہے چنانچہ فرمایا وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربھا ناظرۃ اس دن بعض چہرے بارونق اور اپنے رب کو دیکھنے والے ہوں گے۔

حدیث شریف میں ہے کہ نعمت والوں (اولیاء اللہ) کے کچھ دشمن بھی ہیں ان سے دور رہو۔

شرح الحدیث :۔ بعض محدثین نے فرمایا کہ نعمت والوں سے اسلام کی نعمت والے یعنی اہل ایمان مراد ہیں اور ان کے دشمنوں سے ابلیس مراد ہے۔

سبق :۔ اس نعمت اسلام کی پوری حفاظت کیجئے ایسے ہی دیگر تمام نعمتوں کو بھی اور نسیان اور قسوۃ قلبی اور کفران نعمت سے بچتے رہیئے۔

روحانی نسخہ :۔ حضرت حسین نوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نعمتوں سے قلت کا سخت ہو جانا غریبی و مسکینی سے زیادہ سخت ہے اس لیے کہ نعمت سے صرف سکون پاتا ہے لیکن سختیوں سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے۔

فائدہ :۔ بعض مشائخ نے فرمایا کہ جس نے کسی مباح امر پر عمل کیا (اور سنت و مستحب کو ترک کر دیا) تو اسے تضییع اوقات کی سزا ملتی ہے اور قسوۃ قلبی کا شکار ہو جاتا ہے۔ جس شخص کی قیمتی عمر کے لمحات ضائع ہو گئے وہ اس پر ماتم کرے کہ وہ شرح صدر کے مراتب سے محروم ہو گیا اور قسوۃ قلب والوں میں شامل ہو گیا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے حفظ و عصمت کا سوال کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ: اللہ نزل احسن الحدیث۔ اللہ تعالیٰ نے احسن الحدیث نازل فرمایا احسن الحدیث سے مراد قرآن مجید ہے کیونکہ نہ اس کے حسن کی انتہا ہے اور نہ اس کے جمال نظم کی غایت ہے اور نہ ہی اس کے معانی کی ملاحت تک کسی کو رسائی ہے۔ تمام انبیاء و مرسلین علی نبینا و علیہم السلام پر جو کچھ نازل ہوا ان سب سے یہ احسن و اکمل اور ان کے احکام سے اکثر الاحکام ہے اور اسے احسن الحدیث اس کی فصاحت و بلاغت اور اعجاز کی وجہ سے بھی کہتے ہیں اور اس لیے کہ یہ کلام الٰہی ہے اور وہ قدیم ہے بخلاف دوسروں کی کلام کے کہ وہ مخلوق اور حادث ہے علاوہ ازیں اس کا ہر مضمون مبنی برصدق ہے نیز اس وجہ سے بھی یہ احسن الحدیث ہے کہ اسے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مخلوق کو بیان فرمایا اور جو کچھ آپ پر نازل ہوتا اس کی فوراً خبر دیتے اسے حدیث کے لفظ سے حادث سمجھنا غلط ہے اس لیے کہ ہر کلام و خبر حدیث ہے خواہ وہ قدیم ہو یا حادث ہے۔

فائدہ: المفردات میں ہے ہر وہ کلام جو انسان کو سمع یا وحی کے ذریعے حاصل ہو یا بیداری یا خواب میں وہ حدیث ہے۔

شان نزول: مروی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے غم گین ہو کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی حدثنا حدیثا۔ ہمیں کوئی نئی بات سنائیے۔ لو حدثتنا۔ کاش آپ ہمیں عجیب وغریب بات سناتے یعنی ہمیں وہ بات سناتے جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہو جس سے ہمارے غم ٹل جائیں اور پریشانیاں دور ہوں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ خلاصہ یہ کہ قرآن مجید تمام مخلوق کی گفتگو کی سرتاج ہے۔

کتابا۔ احسن الحدیث سے بدل ہے **متشابھا۔** ایسی کتاب ہے کہ اس کے تمام آیات صحت معانی میں اور احکام میں اور مبنی برحق وصدق میں معاد و معاش کے متعلق منافع خلق میں فصاحت کے لحاظ سے تناسب الفاظ میں اور اعجاز کے اعتبار میں نظم و نسق کے بے نظیر ہونے میں ایک دوسری کے قریب قریب ہیں۔

مثانی۔ یہ کتاب کی دوسری صفت ہے۔

سوال: کتاب واحد اور مثانی جمع ہے۔ موصوف صفت میں مطابقت نہ رہی۔

جواب: کتاب تفصیل کے لحاظ سے گویا جمع ہے جیسے کہا جاتا ہے القرآن سورۃ و آیات۔ اور کہتے ہیں الانسان عروق و عظام و اعصاب۔ مثانی مثنی (بضم المیم و تشدید النون) کی جمع ہے مردود مکرر اس لیے اس میں قصے خبریں۔ احکام۔ اوامر۔ نواہی۔ و عدو وعیدیں۔ مواعظ بار بار لائے گئے ہیں

یا اس لیے کہ اس کی تلاوت بار بار کرنے کے باوجود طبع ملول نہیں ہوتی جیسے اس کی تعریف میں وارد ہے کہ لا یخلق علی کثرۃ الترداد یعنی پڑھنے والوں کی زبانوں پر بار بار پڑھے جانے اور بار بار سُنے جانے کے باوجود اس کی رونق اور لذت قرأت واستماع زائل نہیں ہوتی اور نہ ہی غور وفکر کرنے والے اذہان اس سے اُکتاتے ہیں بخلاف مخلوق کے کلام کے کہ اس سے چند بار پڑھنے سننے کے بعد طبیعت اُکتا جاتی ہے ؎

فلا تعدو لا تحصی عجائبہا
و لا تسام علی الاکثار بالسأم[1]

ترجمہ:۔ اس کے عجائبات شمار نہیں ہیں اور نہ وہ کوئی گن سکتا۔

شرح :۔ قرآن مجید کی آیات کثرت سے پڑھنے سننے کے باوجود ملال پیدا نہیں ہوتی۔

فائدہ :۔ المفردات میں ہے کہ قرآن مجید کو سورتوں کو مثانی اس لیے کہا جاتا ہے کہ زمانوں کے گزرجانے پر بار بار پڑھی جارہی ہیں اور کثرت تلاوت کے باوجود پرانی نہیں ہوتیں اور نہ ہی دوسری اشیاء کی طرح مٹ گئی ہیں۔ ہاں اس کے اوراق پُرانے ہوجائیں اور انھیں ختم کردیا جائے تو اوراق کے مٹنے سے اصل کلام نہیں مٹا چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہا کے متعلق منقول ہے کہ جن پر آپ تلاوت کرتے تھے ان کے پُرانے ہونے پر اور کثرت تلاوت کی وجہ سے آپ نے ان دو مصحفوں کو جلادیا۔

فائدہ :۔ نیز اسے مثانی اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ ہر وقت نیا ہے ہر دور میں اس کے نئے فوائد کا انکشاف ہوا جیسا کہ اس کی تعریف میں ہے لا تنقضی عجائبہ اور اس کے عجائب وغرائب شمار سے باہر ہیں۔ نیز یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ثنا سے ہو اس لیے کہ ہر زمانہ میں اس سے ایسے بہترین عجائبات کا صدور ہوتا ہے جو اس کے لیے تعریف کا موجب بنتے ہیں اور جس کو اس کا مطالعہ کرنے والے اور پڑھنے والے اور اس پر عمل کرنے والے کو عجائبات نصیب ہوتے ہیں۔ اس بناء پر اس کی صفت کریم آئی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا انہ لقراٰن کریم۔ بیشک وہ قرآن کریم ہے اور اس کی صفت مجید بھی ہے کما قال اللہ تعالیٰ بل هو قراٰن مجید۔ بلکہ وہ قرآن مجید بزرگی والا ہے۔

فائدہ :۔ یا مثانی مثنی (بفتح المیم واسکان الثاء بروزن مفعل) تثنیہ سے ہے بمعنی تکرار واعادہ جیسا

---

[1] قصیدہ بردہ شریف ۱۲

کہ قرآن مجید میں ہے ثم ارجع البصر کرتین۔ پھر لوٹاؤ آنکھ کو بار بار۔ یا یہ مُثنیٰ (بضم المیم وسکون الثاء، وفتح النون) بمعنی وہ جس کی ثناء کی جائے یعنی قرآن مجید وہ ہے جس کی بلاغت و اعجاز کی وجہ سے تعریف کی جاتی ہے چنانچہ ایک عربی نے کسی کو کہا تو نے قرآن کی فصاحت پر اسے سجدہ کیوں نہ کیا۔

فائدہ:۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مثانی۔ مثنیٰ (بکسر النون) کی جمع ہے اس لیے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی تعریف ہوتی ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے اعلیٰ و بلند و بالا صفات بیان ہوئے ہیں۔

نکتہ:۔ چونکہ قرآن کلام الٰہی ہے اسی لیے اس کا ہر امر انسان کے کلام سے ممتاز ہے مثلاً انسان کے مجموعہ کلام کا نام دیوان وغیرہ ہوگا اور اس مجموعہ کا نام قرآن ہے اور انسانی مجموعہ کے اجزا ر کا نام قصیدہ۔ خطبہ۔ رسالہ ہوگا لیکن اس کے جزء کا نام سورۃ ہے اس کے ایک مضمون کو بیت اور اسے آیت کہتے ہیں۔ انسان کے ابیات کے اواخر کا نام قوافی لیکن اس کے خواتیم کا نام مثانی ہے (کذا قال ابن بحر)

تفسیر صوفیانہ:۔

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ قرآن کے کتاب متشابہ فی اللفظ اور مثانی فی المعنی کے دو معنی ہیں:۔

(۱)۔ اس کے ہر لفظ کے معانی مختلف ہیں جس کے بعض کا تعلق لغت عرب سے ہے اور بعض کا تعلق اشارات حق سے ہے اور بعض کا تعلق احکام شرع سے ہے جیسے لفظ صلوٰۃ بہ لغت میں بمعنی دعا ہے اور احکام شرع میں ہیئت مخصوصہ وارکان وشرائط وحرکات مخصوصہ کا نام ہے اور اشارہ حق میں بمعنی رجوع الی اللہ اسے یوں سمجھو کہ رُوح اللہ کی طرف سے آیا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مخصوص پھونک سے قالب میں پابند فرمایا ہے اس کے قیام کو سمٰوات سے اور اس کے رکوع کی حالت کو حیوانات سے اور اس کے سجود کی کیفیت کو نباتات سے اور تشہد کی حالت کو معادن سے تعلق ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے نماز کا حکم فرمایا تاکہ روح کو اسی مخصوص طریقہ سے رجوع الی اللہ نصیب ہو۔ اسی لیے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الصلوٰۃ معراج المومنین۔ نماز مومن کی معراج ہے۔

(۲)۔ ایک آیت کو دوسری آیت سے صورت الفاظ کے لحاظ سے مشابہت ہے لیکن ان کے معانی وارشادات واسرار ورموز وحقائق مثانی (بے پایاں) ہیں اسی طرف آیت قل لو کان البحر مدادا الخ[1] میں اشارہ ہے (یعنی فرمایئے کہ اگر دریا سیاہی ہو جائیں اور کلمات الٰہی لکھے جائیں تو یہ دریا ختم ہو جائیں گے لیکن کلماتِ الٰہی ختم نہ ہوں گے۔

---

[1] سورۃ الکہف آخری رکوع:

تفسیر عالمانہ: تشعر منہ جلود الذین یخشون ربھم۔

ربط :- پہلے مضمون میں قرآن پاک کے وہ اوصاف بیان ہوئے جو اس کی ذاتی ہیں۔ اب وہ آثار بیان فرمائے ہیں جو ان اوصاف سے مرتب ہوتے ہیں اور ثابت کرنا ہے کہ یہ کتاب واقعی احسن الحدیث ہے۔ یہ جملہ متانفہ ہے۔

حل لغات :- تقشعر اقشعر جلدہ سے ہے بمعنی اخذتہ۔ قشعریرۃ بمعنی رعدۃ[1] جلد بمعنی بدن انسان کا چمڑہ[2]۔ بعض نے کہا کہ اقشعرار بمعنی تغیر جیسے رعدہ (بیماری) جو انسان کے چمڑے پر ظاہر ہوتی ہے جبکہ اس پر ڈر خوف طاری ہو۔ الارشاد میں ہے الاقشعرار بمعنی التقبض اہل عرب کہتے ہیں اقسعر الجلد یہ اُس وقت بولتے ہیں جب چمڑہ سخت سکڑ جائے بوقت یہ القشع سے ہے بمعنی ادیم یابس (خشک) راء زائد بڑھائی گئی تاکہ زائد معنی پر دلالت کرے مثلاً کہا جاتا ہے اقشعر جلدہ و وقف شعرہ۔ یہ اُس وقت بولتے ہیں جب انسان کو اچانک سخت ناگوار بات عارض ہو اس سے مراد یا تو بطریق تمثیل وتصویر ان کے حد سے زائد خوف طاری ہونے کا بیان ہے یا اس حالت کے حصول کا ذکر ہے جو بطریق تحقیق انسان کو عارض ہوتی ہے۔ یہی معنی ظاہر ہے کیونکہ خوف کے وقت انسان سے یہ حالت محسوس کی جا سکتی ہے۔ یہ تاثر قلبی سے حاصل ہوتی ہے اس کا کسی طرح انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اب معنی یہ ہوا کہ جب وہ قرآن سنتے ہیں اور آیات وعید ان کے کانوں تک پہنچتی ہیں تو ان پر ہیبت وخشیت طاری ہو جاتی ہے اس سے ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یعنی ان کے چمڑوں پر قشعریرہ و رعدہ چڑھ جاتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ ان وعیدوں سے جو قرآن مجید میں ہیں ان کے چمڑے لرزتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ڈر اور خوف سے۔ **ثم تلین جلودھم وقلوبھم الی ذکر اللہ۔** پھر ان کے چمڑے اور قلوب ذکر اللہ کی طرف جھک جاتے ہیں

حل لغات :- اللین خشونت کی ضد ہے اس کا استعمال اجسام میں ہوتا ہے پھر استعارہ خلق وغیرہ از قسم معانی پر مستعمل ہوتی ہے الجلود سے ابدان اور قلوب سے نفوس مراد ہیں[3]۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی عموم مغفرت کا ذکر ہوتا ہے تو ان کے ابدان ونفوس نرم پڑ جاتے ہیں اور وہ خوف وخطرہ اور لرزہ جو اُن پر طاری ہوا تھا زائل ہو جاتا ہے یعنی ان کی خشیت رجاء (اُمید)

---

[1] القاموس ۱۲ [2] المفردات ۱۲

[3] المفردات ۱۲

سے اور ہیبت و خوف و خطرہ رغبت سے تبدیل ہو جاتا ہے یعنی ان کے چمڑے اور دل رحمت و
ومغفرت کے یاد کرنے پر نرم پڑ جاتے اور آرام پاتے ہیں۔

فائدہ:۔ لین کا الیٰ سے متعدی ہونا سکون و اطمینان کے معنی کو متضمن ہے گویا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ان
کے قلوب اللہ تعالیٰ کے ذکر سے مطمئن اور سکون پذیر ہوتے ہیں اسی لیے وہ نرم اور غیر منقبض
اور رحمت سے اُمیدوار اور بے خوف و خطر ہوتے ہیں یا ان کے قلوب سکون پذیر اور اللہ تعالیٰ
کے ذکر سے مطمئن ہوتے ہیں۔ یاد رہے کہ متضمن (بالکسر) متضمن (بالفتح) سے حال واقع ہوا کرتا ہے۔

سوال:۔ تم نے ذکر اللہ سے رحمت مراد لی ہے حالانکہ رحمت و مغفرت کی آیت میں تصریح تو ہے
ہی نہیں۔

جواب:۔ ہے اللہ تعالیٰ کا ذکر ہی رحمت ہے کہ جونہی اس کا نام سُنا۔ اللہ تعالیٰ کا بندہ اس کی رحمت کا اُمیدوار
ہو جاتا ہے۔

سوال:۔ آیت میں پہلے جلود کو تنہا اس کے بعد قلوب کے ساتھ مذکور کیوں۔

جواب:۔ چونکہ خشیت کا ذکر پہلے ہوا ہے اور یہ قلب کے عوارض میں سے ہے گویا اصل عبارت
یوں تھی کہ آیات وعید سے ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور جب ان کے سامنے اللہ
تعالیٰ کا ذکر ہوتا ہے تو اس کا نام سنتے ہی فوراً ان کے دل خوف و خشیت سے لبریز ہو جاتے
ہیں چونکہ اس کا نام رحمت و رافت کی ضمانت ہے اسی لیے وہ خشیت کے بجائے ان کے قلوب
رحمت کی اُمیدوار ہو جاتی ہیں اور رونگٹے کھڑے ہونے کے بجائے ان کے چمڑے نرم ہو
جاتے ہیں۔

فائدہ:۔ دونوں جملے خوف و رجاء یا قبض و بسط یا ہیبت و انس یا تجلی و استتار کا اشارہ کرتے ہیں۔

فائدہ صوفیانہ:۔ حضرت نہرجوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے
سماع المریدین والعارفین کی صفت بیان فرمائی ہے وہ اس طرح کہ مریدین
کا سماع ان کے حال کا اظہار کرتا ہے اور عارفین کا سماع اطمینان و سکون سے ہوتا ہے اقشعرار (رونگٹے
کھڑے ہو جانا) مبتدیوں کے حال کی خبر دیتا ہے اور لین (نرم ہونا) منتہیوں کا حال ہے۔

فائدہ:۔ حضرت شہر بن حوشب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت اُم الدرداء رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ خوف
سالک کے قلب میں ایسے ہے جیسے سعفہ کا احتراق۔ مجھ سے فرمایا کہ تم دل میں اس قسم کی دھڑکن
محسوس کرتے ہو میں نے کہا ہاں۔ فرمایا اب دعا مانگو اس لیے کہ اس وقت دعا مستجاب ہوتی ہے کیونکہ یہی

وقت ہے قلب کے ملکوت و عالم قدس کی طرف کشش اور مقام اُنس میں پہنچنے کا۔
ذلك۔ وہ کتاب جس کا حال ابھی مذکور ہوا۔
ھدی اللہ۔ اللہ کی ہدایت ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی رہبری ہے جو اس کی طرف سے ہوتی ہے۔
یھدی بہ۔ اس کے ذریعے ہدایت دیتا ہے۔ **من یشاء** جسے چاہتا ہے یعنی اہل ایمان متقیوں میں سے جسے چاہتا ہے راہ دکھانا تو اسے راہ دکھاتا ہے۔

سوال:۔ تم نے متقین کی قید کیوں لگائی۔

جواب:۔ دوسرے مقام پہ اس کی تصریح ہے چنانچہ فرمایا **ھدی للمتقین**۔ متقین کی ہدایت ہے یعنی اس کے مقدور کو ہدایت پانے میں صرف کرتا ہے یعنی شواہد خفیہ کے قائل ہیں اس کی تائید اور ایسے دلائل میں اس کی مدد فرماتا ہے جن سے اس کا یقین جم جاتا ہے کہ واقعی یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔
و من یضلل اللہ۔ اور جس میں اللہ تعالیٰ گمراہی پیدا کرے کہ اس کی قدرت کو اس کے مبادی میں پھرنے اور جو چیزیں حق کی طرف راہ دکھانے والی ہیں سے بالکل روگردانی اور اس میں وعدو وعید کے بالکل اثر انداز نہ ہونے کی وجہ سے **فمن لہ من ھاد**۔ تو اس کا کوئی رہبر نہیں ہوتا جو اسے ورطۂ گمراہی سے بچا سکے۔

تفسیر صوفیانہ:۔ تاویلات نجمیہ میں ہے **و من یضلل اللہ** اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کرتا ہے بایں طور کہ اسے اس کے عقل و نفس کی طرف سپرد کرتا ہے اور اسے انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے اور ان کی اتباع سے محروم کرتا ہے **فما لہ من ھاد**۔ تو اس کا کوئی رہبر نہیں ہوتا یعنی نہ اسے فلاسفہ کے براہین کام آتے ہیں اور نہ عقل دلائل۔

حضرت مولانا جامی قدس سرہ نے فرمایا ؎

خواہی بصوت کعبۂ تحقیق رہ روی
پے پردۂ مقلّد گم کردہ رہ مرو

ترجمہ:۔ اگر تم کعبہ تحقیق کا راستہ چاہتے ہو تو مقلّد گم کردہ کا راستہ مت لو۔

منافق کی نشانی

صحابہ میں سے کسی نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا وجہ ہے کہ ہم جب قرآن مجید سنتے ہیں تو اس سے ہمارے چہرے سُرخ ہو جاتے ہیں اور منافقین کے سیاہ آپ نے فرمایا چونکہ قرآن مجید نور

ہے اسی لیے اس سے ہمارے چہرے روشن ہوتے ہیں اور ان کے چاکہ سیاہ ہوتے ہیں ۔
یضل به کثیرا و یهدی به کثیرا ۔ اس کی اس سے بہتوں کو لوگ ہدایت دیتا ہے اور بہتیوں کو گمراہ کرتا ہے ۔
حضرت خجندی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ؎

دل از شنیدن قرآن بگیردت ہمہ وقت
چو باطلاں ز کلام حقت ملولی چیست

ترجمہ :۔ قرآن سننے سے تجھے پریشانی گھیر لیتی ہے ۔ گمراہوں کی طرح تجھے کلام الٰہی سے ملال کیوں ۔

عجائبات آیات

(۱) ۔ قرآن مجید کی احسنیت یعنی اس کے متشابہ و مثانی ہونے کے ذکر کے بعد اہل ایمان کے رونگٹے کھڑے ہونے کے بیان میں اشارہ ہے کہ یہ بات اُس وقت نصیب ہوتی ہے جب انسان اسے بار بار پڑھے اور سُنے کیونکہ انسان کی طبیعت کا خاصہ ہے کہ یہ وعظ و نصیحت کی باتوں سے گھبراتا ہے بلکہ بسا اوقات ان کا انکار کر جاتا ہے ادھر اس کا جی بہت کم لگتا ہے اور اس طرف اس کی طبیعت کا میلان بہت کم ہوتا ہے جب تک اسے پند و نصائح تکرار با تکرار نہ ہوں ۔ یہی وجہ ہے کہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نصیحت کی باتوں کو تین سے سات بار تک دہراتے ۔
(۲) ۔ رونگٹے کھڑے ہو جانا رحمتِ الٰہی کو حاصل کرنے کا ذریعہ ہے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب انسان خوفِ الٰہی سے کانپتا ہے تو اس سے اس کے گناہ جھڑتے ہیں ایسے جیسے درخت کے سوکھے پتے (ہوا سے) نیز فرمایا جب انسان کا جسم خوفِ خداوندی سے کانپتا ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ آتش جہنم حرام فرما دیتا ہے ۔

فائدہ :۔ جب اللہ تعالیٰ نے ابراھیم علیہ السلام کو خلیل بنایا تو ان کے دل میں ایسا خوف ڈال دیا کہ آپ کے دل کی دھڑکن کی آواز دور سے ایسے سنائی دیتی تھی جیسے ہوا میں پرندوں کے پروں کی پھڑپھڑاہٹ سُنی جاتی ہے ۔

نکتہ :۔ حضرت مسروق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ خوف رجاء سے پہلے ہونی چاہیئے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت و نار دونوں کو پیدا فرمایا لیکن جنت میں دوزخ کو عبور کر کے داخل ہونا پڑے گا ۔

(۲) - ان آیات سے معلوم ہوا کہ انسان کی تلاوت کلام سے اقشعرار (رونگٹے کھڑے ہونا) خوف وخشیت واطمینان حاصل ہونا اس کے نیک احوال سے ہے کیونکہ عابدین کا یہی حال ہوتا ہے۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ یہ اولیاء اللہ کے نیک اوصاف ہیں کہ قرآن پڑھنے سننے سے ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور ان کے دلوں کو قرار نصیب ہو جاتے ہیں اور یہ نہیں فرمایا کہ ان کے عقول چلے جاتے ہیں یا ان پر غشی طاری ہو جاتی ہے۔ ایسا ہونا اہل بدعت کی علامت ہے اور یہ شیطانی امر ہے۔

حکایت:- حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی جدہ اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہم سے سوال کیا کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے قرآن مجید پڑھا جاتا تو ان کا کیا حال ہوتا تو انہوں نے فرمایا کہ ان کا وہی حال ہوتا جس کا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہاں بیان فرمایا ہے کہ ان کے آنسو آنکھوں سے جاری اور ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے۔ میں نے عرض کی ہمارے زمانہ میں بعض ایسے بھی ہیں کہ جب قرآن مجید سنتے ہیں تو ان پر غشی طاری ہو جاتی ہے اور وہ قرآن سن کر بیہوش ہو کر گر جاتے ہیں تو آپ نے فرمایا اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم۔ میں شیطان رجیم سے پناہ مانگتی ہوں۔

حکایت:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ایک ایسے شخص عراقی پر گزر ہوا جو بے ہوش پڑا تھا۔ آپ نے پوچھا اسے کیا ہوا ہے۔ عرض کی گئی کہ اس کے سامنے قرآن مجید پڑھا گیا تو بیہوش ہو گیا ہے۔ آپ نے فرمایا ہم بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں لیکن زمین پر گر کر بیہوش نہیں ہو جاتے دراصل بات یہ ہے کہ ایسے لوگوں کے پیٹ میں شیطان داخل ہو جاتا ہے ورنہ یہ کام اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نہیں[1]۔

فائدہ:- یہ ردو قدح اہل ریار کے لیے ہے اور اس کے حق میں جو ایسی حالت کو ضبط کر سکنے کے باوجود پھر بھی بیہوشی ظاہر کرتا ہے۔

عشق کی حدیث شریف

من عشق وعف وکتم ثم مات مات شہیدا۔ جو عشق سے بہرہ ور ہو کر پاکدامن رہا اور اسے چھپایا تو وہ شہید ہو کر مرے گا۔ اس لیے کہ جس پر ایسے حال کا غلبہ ہو اسے چاہیئے کہ وہ ایسی کوئی حرکت

---

[1] کشف الاسرار۔ المعالم۔ الوسیط۔ الکواشی وغیرہا ۱۲ =

کرے جس کی اسے اجازت نہیں یہی ادب ہے۔ ہاں اگر غالب ہوا اور امر واقعی ایسے ہے اور مجنوں سا ہو جاتا ہے تو اس سے شرعی قلم کا حکم ساقط ہے اس وقت جس طرح کی حرکت کرے اُسے معاف ہے اور وہ معذور متصور ہوگا یہ بھی ہے کہ مبتدیوں اور متوسط لوگوں اور منتہیوں کے احوال برابر نہیں ہوتے اس لیے کہ جو منتہی حضرات کر سکتے ہیں وہ مبتدیوں اور متوسط لوگوں کے بس سے باہر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد کو آنے والے ان جیسے حضرات ہر وقت اور ہر حال میں ادب کو مدنظر رکھتے ہیں کیونکہ ان میں قوت برداشت ہوتی ہے بلکہ ان کی تمکین میں شدت تلوین کا غلبہ ہوتا ہے اسی لیے جن میں یہ طاقت نہ ہو ان کا صحابہ کرام پر قیاس نہیں کیا جا سکتا بلکہ انھیں معذور سمجھا جاتا ہے وہ مغلوب الحال و مستور الاختیار ہوتے ہیں۔

سبق:۔ عاقل پر لازم ہے کہ وہ طریق میں خلوص سے جد و جہد کرے اس میں ریا و خالی دعویٰ کو نہ لائے ہر امر میں ادب کو ملحوظ رکھے وہ امر فتویٰ کا ہو یا تقویٰ کا ہر برائی کے ظاہر و باطن سے بچے اور ان امور سے بھی بچے جو اسے عیوب و نقائص کی طرف لے جاتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ:۔ افمن یتقی بوجھہ۔ ہمزہ انکار کا اور فا ر کا محذوف پر عطف ہے اور من شرطیہ اور اس کی خبر محذوف ہے۔ اتقا بمعنی ڈرنا اور خود کو بچانا اہل عرب کہتے ہیں اتقی فلان بکذا۔ اُس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کو اپنے بچانے کے لیے ڈھال بنائے ان الفاظ کی ترکیب کسی شے کا ضرر دوسری شے سے دفع کرنے پر دلالت کرتی ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ کیا تمام لوگ برابر ہیں بعض وہ ہیں یعنی کافر جو اپنے چہرے سے بچالیں گے۔

سوء العذاب۔ برے عذاب سے یعنی دوزخ کی آگ کے شعلہ سے[1]

یوم القیمۃ۔ قیام کے دن میں۔

فائدہ:۔ چہرے سے عذاب کو دفع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس دن ان کے ہاتھ گردن کے ساتھ بندھے ہوں گے اسی لیے دوزخ کے شعلوں اور دیگر تکلیف دینے والی چیزوں سے بچنے کے لیے چہرے کو استعمال کریں گے۔ یہ مومن کس طرح ہو سکتے ہیں کیونکہ مومن کو قیامت میں کسی قسم کی تکلیف نہ ہوگی اس لیے وہ اس سے چہرے کے ساتھ بچنے کی کوئی تدبیر نہ کرے گا۔

تفسیر صوفیانہ:۔ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ افمن یتق تو کیا وہ شخص اپنے چہرے کو پھیرتا ہے اللہ تعالیٰ کے لیے۔

---

[1] تفسیر الناسی للکاشفی ۱۲

سوء العذاب۔ بڑے عذاب سے۔ یوم القیمۃ۔ قیامت کے دن عذاب کو اپنے سے دفع کرے گا اس کی طرح ہو سکتا ہے جو اپنے آپ کو عذاب سے نہیں بچاتا اس لیے کہ وہ اپنے نفس پر ظلم کرتا رہا۔

تفسیر عالمانہ:۔ وقیل للظالمین۔ اور ظالموں کو کہا جائے گا یعنی جن لوگوں نے بجائے ایمان کے کفر کو اختیار کیا اور تصدیق کے بجائے تکذیب کی۔ طاعت کے بجائے معصیت کا ارتکاب کیا۔ اس کا یتقی پر عطف ہے یعنی انھیں دوزخ کے نگرانوں کی طرف سے کہا جائے گا اور ماضی کا صیغہ اس لیے ہے تاکہ تحقیق پر دلالت کرے اور مضمر کے بجائے مظہر لانا ان کے ظلم پر مہر ثبت کرنا اور آنے والے امر کی علت بنانا ہے۔

ذوقوا۔ چکھو ما کنتم تکسبون اس کا وبال جو تم دنیا میں ہمیشہ کے طور عمل میں لاتے تھے یعنی کفر و عصیان و تکذیب وغیرہ۔

تفسیر صوفیانہ:۔ تاویلات نجمیہ میں ہے تم اپنے افعال رویہ اور اخلاق دنیہ کا وبال چکھو یعنی تم دنیا میں بھی عین عذاب میں تھے لیکن غفلت کی وجہ سے تم اس کا ذائقہ محسوس نہیں کرتے تھے جب تم مرو گے تو تمھیں پتہ چل جائے گا۔

تفسیر عالمانہ:۔ کذب الذین: تکذیب کی اُن لوگوں نے جو اُمتیں گزری ہیں من قبلھم کفار مکہ سے پہلے یعنی جیسے جیسے قوم آج آپ کی تکذیب کر رہی ہے پہلی قومیں بھی اسی طرح انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کرتی تھیں۔ فاتاھم العذاب۔ تو ان کے ہاں وہ عذاب آیا جو ان کے لیے مقدر تھا یعنی ان پر عذابِ الٰہی نازل ہوا۔ من حیث لا یشعرون اس جہت سے کہ ان کو اس کا وہم و گمان تک نہ تھا اور نہ ہی ان کے دل میں کبھی تصور آسکتا تھا کہ ایسے عذاب میں وہ مبتلا ہوں گے وہ امن کے ساتھ نہایت آرام اور چین سے وقت بسر کر رہے تھے کہ اچانک ان کی اُمن کی جگہوں میں عذاب آپہنچا۔ اس جہت سے کہ اسے سمجھتے نہیں کہ یونہی وہ عذاب میں مبتلا ہوں گے کیونکہ وہ اُمن میں تھے اور عذاب سے بالکل غافل تھے۔

تفسیر صوفیانہ:۔ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ انھیں صحت و نعمت اور سرور و فرحت کی صورت میں عذاب ملا جسے وہ سمجھ نہ سکا کہ یہ بھی عذاب ہے حالانکہ یہی ان کے لیے عذاب تو تھا جس کی انھیں توقع نہ تھی۔

تفسیر عالمانہ:۔ فاذاقھم اللہ الخزی۔ تو انھیں اللہ تعالیٰ نے رسوائی و خواری چکھائی یعنی وہ اسے ایسے محسوس کرتے تھے جیسے چکھنے والا شے

ذائقہ محسوس کرتا ہے۔

فی الحیوٰۃ الدنیا۔ دنیا کی زندگی میں اُن کی رسوائی کے چکھانے کے مکان کا بیان اور وہ رسوائی مسخ وخسف۔ غرق قتل۔ قید۔ جلا وطنی جیسے عبرت ناک عذاب تھے[1] اور یہ تو اَدنیٰ عذاب ہے۔ ولعذاب الاٰخرۃ۔ اور آخرت کا وہ عذاب جو ان کے لیے تیار ہے۔ اکبر۔ بہت بڑا ہے بہ نسبت دنیا کے عذاب کے اس لیے کہ وہ سخت اور دائمی ہے۔

لو کانوا یعلمون۔ اگر وہ ان کا حال جاننے کے لائق ہوتا تو جانتے اور اس سے عبرت پکڑتے اور پھر کبھی اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نافرمانی نہ کرتے اور خود کو عذاب سے چھڑا لیتے۔

سبق:۔ عاقل پر لازم ہے کہ وہ اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرے تاکہ دنیا و آخرت کے عذاب سے نجات پا سکے۔

حکایت:۔ حضرت شبلی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میں نے چار ہزار احادیث پڑھی ہیں لیکن ان میں سے عمل کے لیے صرف ایک کو اختیار کیا باقی کو چھوڑ دیا اس لیے کہ تامل کرنے پر مجھے اس پر عمل کرنے سے نجات وخلاصی کا یقین ہوا۔ اس میں ہی علم الاولین والآخرین مندرج ہے وہ یہ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک صحابی کو فرمایا کہ دنیا میں اتنا کام کر جتنا تو نے اس میں رہنا ہے اور آخرت کے لیے اتنا عمل کر کہ اس میں تو نے ہمیشہ زندگی بسر کرنی ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے اتنا عمل کر جتنا تجھے اس کی ضرورت ہے اور دوزخ کے لیے عمل کر اگر اس میں ٹھہرنے کی برداشت رکھتا ہے یعنی جب اس میں تیرا ٹھہرنا ناممکن ہے تو پھر اس کے عمل کرنے کا معنیٰ جبکہ تو ایک ضعیف انسان ہے۔ تجھے تو اس سے بچنے اور نجات پانے کی کرنی چاہیئے بلکہ بہشت اور اعلیٰ درجات تک پہنچنے کے اعمال کیجئے۔

حدیث شریف:۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمت کے ابدال صوم وصلوٰۃ اور قیام اللیل کی وجہ سے بہشت میں نہیں جائیں گے بلکہ نفس کے سخا اور

---

[1] نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کی اُمت ایسی رسوائیوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے سے محفوظ ہے کبھی بطور عبرت کسی وقت ہو بھی جاتا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے فقیر کی کتاب "جزاء الاعمال بمسخ الاشکال" (اویسی غفرلہٗ)

سلامت صدر اور اہل اسلام کی خیر خواہی کی وجہ سے جائیں گے۔
فائدہ:۔ تمام نیکیوں کی سرتاج توحید ہے۔

حکایت و روایت

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اُمت کے ایک شخص کو قیامت میں اللہ تعالیٰ کے حضور لایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ملائکہ کرام کو فرمائے گا کہ اس کے عمل نامہ میں دیکھو کیا اس میں کوئی نیکی ہے۔ عرض کریں گے اس کے دل پر لا اللہ الا اللّٰہ کے نقش کے سوا کچھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اسے بہشت میں لے جاؤ (اس کلمے نقش کے صدقہ میں) میں نے اسے بخش دیا۔

سبق:۔ جس کلمۂ توحید کے ظاہری نقش میں نجات ہے بتایئے اس کے باطنی نقش کا کیا حال ہوگا۔ اسی لیے انسان پر لازم ہے کہ وہ نفس کی اصلاح اور تقویۃ الیقین کے لیے بہت زیادہ جدوجہد کرے۔

فائدہ:۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں دینِ اسلام کی دولت سے نوازا۔

حکایت:۔ حضرت ابو علی نسفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی مسلمان کا گدھا گم ہوگیا وہ اسے تلاش کرنے کے لیے گھر سے نکلا تو اسے راستہ میں مجوسی (آتش پرست) مل گیا اسے دیکھ کر مسلمان واپس گھر واپس لوٹ گیا اور عرض کی الٰہی میرا گدھا گم ہے اور یہ غریب (مجوسی) ایمان کی دولت سے محروم ہے۔ میری مصیبت سے اس کی مصیبت بہت بڑی ہے۔ میں تیرا شکر کرتا ہوں کہ تو نے اتنی بڑی مصیبت میں مبتلا نہیں کیا۔

فائدہ:۔ یہ بہ نسبت حال اور وقت کے ہے ورنہ خاتمہ کا کیا پتہ اسی لیے یہی سب سے مشکل ہے کہ انسان کا نامعلوم خاتمہ کیسا ہو۔
مثنوی شریف میں ہے ؎

ہیچ کافر را بخواری منگرید
کہ مسلماں مردنش باشد امید

ترجمہ:۔ کسی کافر کو حقارت سے نہ دیکھ اس لیے کہ اس کی اسلام پر موت کی اُمید ہے۔

چہ خبر داری ز ختم عمر او
تا بگیر دانی از دیگبارہ او

ترجمہ: کیا خبر کہ اس کی عمر کا اختتام کیسا ہے تو پھر اس سے روگردانی کا کیا فائدہ۔
اللہ تعالیٰ سے بہتری کا سوال ہے۔

تفسیر عالمانہ: ولقد ضربنا للناس فی ھذا القراٰن من کل مثل۔ اور بیشک ہم نے لوگوں کے لیے قرآن مجید میں ہر طرح کی وہ کہاوتیں بیان کی ہیں جن کی امور دین میں ان کو ضرورت ہے۔

فائدہ: حضرت سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ قرآن مجید کے مضامین کو کہاوتوں سے تشبیہہ اس لیے دی گئی ہے کہ جیسے کہاوتیں عجیب وغریب ہونے میں ذہنوں پر اثر انداز اور عام مشہور ہوتی ہیں اس کے مضامین بھی ایسے ہی ہیں یعنی ہم نے اس میں عجیب الشان قصے بیان کیے ہیں جیسے گزشتہ قوموں کے قصے اور قیامت میں اٹھنے والوں کے حالات وغیرہ وغیرہ۔

فائدہ: الناس سے یہاں اہل مکہ مراد ہیں[1]۔ اس کی تائید اس قاعدہ سے ہوتی ہے کہ قرآن مجید میں جہاں یا ایھا الناس کا خطاب ہے وہاں اہل مکہ مراد ہیں۔ بہتر ہے کہ اس سے عام لوگ مراد ہیں۔ اہل مکہ ہوں یا بعد کو آنے والے تمام لوگ۔

لعلھم یتذکرون۔ امید ہے وہ اس سے نصیحت پذیر ہوں گے۔

قراٰنا عربیا۔ قرآن عربی یعنی لغت عرب میں ہے۔ یہ ھذا سے حال مؤکدہ ہے اور اس سے وصف مطلوب ہے یعنی بظاہر تاکید اور درحقیقت صفت ہے۔ بعض نے عربیًا کے لیے قرآن کو حال کی تمہید بتایا ہے اور حال موطئہ اسم جامد ہے جو اپنے حال سے موصوف ہے یعنی وہ بظاہر حال ہے درحقیقت اس کی صفت ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ فعل محذوف سے علی طریق علاج منصوب ہے۔ عبارت یوں تھی اریدبھذا القراٰن قراٰنا عربیا۔ اس قرآن سے میری مراد قرآن عربی ہے۔

غیر ذی عوج۔ وہ ٹیڑھا نہیں یعنی اس میں کسی طرح کا بھی اختلاف نہیں نہ کسی قسم کا اس میں تناقض ہے نہ عیب ہے اور نہ خلل ہے۔

فائدہ: عوج (بالفتح وبالکسر) ہر دونوں طرح ہے لیکن استعمال میں فرق ہے۔ ہر وہ شے جو

---

[1] الوسیط ۱۲

منتصب ہو جیسے حائط ۔ جدار ۔ رمح ۔ اس وقت بالفتح ہو گا ۔ اور معانی داعیان غیر منتصبہ میں بالکسر ہو گا ۔

سوال: مستقیم یا غیر معوج کیوں نہیں کہا یہ الفاظ مختصر بھی ہیں ۔

جواب (۱): تاکہ معلوم ہو کہ اس میں کسی طرح کی بھی کمی نہیں جیسا کہ فرمایا ولم یجعل لہ عوجا ۔

جواب (۲): لفظ عوج صرف معانی سے متعلق ہے اعیان سے اس کا کوئی تعلق نہیں معنی کجی ۔

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ غیر ذی عوج بمعنی غیر مخلوق ہے ۔ اس کا زبان سے پڑھا جانا اور اوراق میں لکھا جانا اور کانوں سے سُنا جانا اور سینوں میں محفوظ ہونا اس کے مخلوق ہونے کی دلیل نہیں اس لیے کہ اس سے اصل مراد وہی کلام ہے جو قدیم اور قائم بذاتہ ہے ۔

تفسیر صوفیانہ: حقائق البقلی میں ہے کہ یہ قرآن وہ قدیم کلام الٰہی ہے جو حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فیض ترجمان سے ظاہر ہوا اسے زمانہ کا تغیر متغیر نہیں کرتا اور نہ ہی حوادث کے غبار سے مٹ سکتا ہے اور نہ ہی اس کے حروف ٹیڑھے ہو سکتے ہیں اور نہ ہی کوئی ظرف اسے گھیر سکتی ہے ۔

فائدہ: بحر الحقائق میں ہے یہ وہ سیدھا راستہ ہے جو ہمارے حضور میں پہنچاتا ہے ۔ باطل اس سے کوسوں دُور ہے ۔

تفسیر عالمانہ: لعلھم یتقون ۔ یہ دوسری علت ہے اور پہلی علت پر مترتب ہے اس لیے کہ امثال لانے کی مصلحت یہی ہے کہ ان سے نصیحت حاصل کی جائے اس کے بعد تقویٰ ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ لوگ اہل تقویٰ کا عمل کرتے ہیں کہ قرآن مجید کی بیان کردہ حدود کی پابندی اور اس کی امثال سے عبرت پکڑتے ہیں ۔ خلاصہ یہ کہ شاید یہ بسبب تامل فی المعانی کفر و تکذیب سے بچتے ہیں ۔

ربط: اب ان امثال میں سے ایک مثال بیان فرماتے ہیں وہ یہ ضرب اللہ مثلا رجلا فیہ شرکاء متشاکسون ۔ ضرب المثل سے مراد یہ ہے کہ ایک حالت عجیبہ کو اس جیسی دیگر حالت عجیبہ کے ساتھ مطابق بنانا جیسے سورہ یٰس کے اوائل میں اس کی تحقیق گزر چکی ہے ۔ مثلاً ضرب کا دوسرا مفعول ہے رجلاً مفعول اول ہے ۔

سوال: مفعول اول کو مؤخر کیوں لایا گیا ۔

جواب (۱): تاکہ شوق بڑھے ۔

جواب (۲): تاکہ اس سے ملایا جا سکے جو عمدہ فی التمثیل کا تتمہ ہے ۔ اس جملہ میں خبر مقدم ہے اور مبتدا

یعنی شرکاء الخ مؤخر ہے۔ جملہ منصوب کے حیز میں ہے اس لیے کہ رجلا کی صفت ہے۔

تشاکس بمعنی ایک دوسرے کے ساتھ بدخلقی سے پیش آنا۔ المفردات میں ہے الشکس
حل لغات:۔ بمعنی السیئ الخلق مثال دی ہے جس سے اس کا مذہب واضح ہو جائے وہ اس طرح کہ کئی معبودوں
کی مثال اپنے عبادت گزار کی اس شخص جیسی ہے جس کے کئی مالک ہوں جسے ہر ایک اپنی طرف
کھینچے اور ہر ایک اسے اپنی ضرورت میں استعمال کرے تو جیسے اس شخص کو اس غلامی سے مصیبت
وحسرت ہوگی۔ (ایسے ہی مختلف معبودوں کی پرستش کرنے والے کا حال سمجھیے)

ورجلا اور مثال بیان کی ہے اس موحد مسلمان کی مسلمًا جو خالص ہو لرجل ایک مرد کے لیے۔
یعنی مختلف ہیں اور اپنی سخت عادت پر ایک دوسرے کے ساتھ جھگڑتے ہیں اور قاموس میں ہے
کہ وہ ہمچو نکس ہے بمعنی سخت عادت والا اور ہمچو کتف بمعنی بخیل اور تشاکسون بمعنی مختلف اور سخت
گیر اور تشاکسو بمعنی تخالفو۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے مشرک کے لیے ایسی مثال دی ہے۔
ورجلاً۔ اور مثال بیان کی ہے اس موحد مسلمان کی جو مسلمًا جو خالص ہو لرجل ایک مرد کے
کے لیے جو اس کے ساتھ کوئی دوسرا نہ ہو یعنی کسی دوسرے کا اس پر کوئی حق نہ ہو اس کی تنکیر افراد کی ہے

یعنی کوئی فرد دوسرے فرد کا عبد ہو۔

سلم بفتحتین اور ہمچون قتل وفسق سلم لہ کذا کا مصدر ہے یعنی خالص اسی کا مصدر سے لاکر
حل لغات:۔ معنیٰ وصفیت کا لینا مبالغہ کے لیے ہے جیسے کہا جاتا ہے رجل عدل یا اس میں ذو مضاف
محذوف ہے بمعنی ذو سلامۃ لرجل یعنی شراکت سے خالص للرجل وہ آدمی جو صفر کی حد سے
متجاوز ہو۔

نکتہ:۔ الرجل کو مثال میں اس لیے لایا گیا ہے کہ وہ ضرر پہنچنے پر بول پڑتا ہے بخلاف عورت اور چھوٹے
بچے کے کہ وہ ضرر کے وقت ایسی سمجھداری نہیں رکھتے۔

ھل۔ استفہام انکاری ہے۔

یستویان۔ کیا یہ دو غلام شان میں برابر ہو سکتے ہیں۔

مثلاً۔ مثال میں یعنی از جہت صفت وحال کے اس کا منصوب ہونا علی التمیز ہے۔

سوال:۔ مثلین کہا جاتا مثل کیوں کہا گیا ہے۔

جواب:۔ مثلاً جنس ہے اور جنس عام ہوتی ہے جو تثنیہ جمع سب کو شامل ہوتی ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ کیا ان
دونوں کا حال وصفت برابر ہو سکتا یعنی وہ برابر نہیں ہو سکتے۔ خلاصہ یہ کہ کافر کا حال اس شخص جیسا

ہے جو کئی قسم کے بدخلق مالکوں کا غلام ہو کہ وہ ہمیشہ حیران وسرگرداں ہو کر زندگی بسر کرتا ہے ایسے ہی یہ کہ اس کے کئی معبود ہیں ان سے بھی اسے کوئی خیر و بھلائی نصیب نہیں ہوتی بلکہ ان کی پرستش سے الٹا نچلے درجات میں چلا جارہا ہے بخلاف عبد ثانی کے کہ اس کا مالک ایک ہے اسے کسی قسم کی تنگی و تلخی نہیں ایسے ہی بلاتمثیل اللہ تعالیٰ واحد اور لاشریک کی عبادت کرنے والا کا حال ہے کہ وہ ہمیشہ خیر و بھلائی ہے بلکہ بلندی کی طرف ترقی کرتا رہتا ہے۔ ع

یک یار پسندہ کن چوں یک دل داری

ترجمہ:۔ ایک ہی دوست اختیار کر جبکہ تیرا دل بھی ایک ہی ہے۔

الحمد للہ۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں کہ اس نے اہل اسلام کی امداد کی مقاتل نے ایسے ہی کہا یعنی ان کا جھگڑا ختم کیا اور کفار پر ان کو غلبہ بخشا اور مثال دے کر عدم استوار ثابت کر کے اہل اسلام کی حجت مضبوط کی۔

بل اکثرھم لا یعلمون۔

ربط:۔ عدم الاستوار کے بیان سے اضطراب وانتقال ہے کہ ان کے اکثر لاعلم ہیں۔ ان سے مشرک مراد ہیں کہ وہ ان امثال کو نہیں جانتے باوجودیکہ یہ امثال بہت بڑی واضح ہیں لیکن وہ اسی طرح اپنی جہالت کی وجہ سے شرک و ضلال کے چکر میں ہیں۔

تفسیر صوفیانہ:۔ آیت میں اشارہ ہے کہ عدم الاستوار اس کے لیے ہے جو شغل دنیا و عیال و دیگر امور میں منہمک ہے اور اسے خواطر مختلفہ نے گھیرا ہوا ہے اور وہ جو خالص اللہ کا بندہ ہے اسے مخلوق سے ذرہ برابر بھی تعلق نہیں اور نہ ہی دنیا سے اسے کوئی واسطہ ہے بلکہ وہ آخرت سے بھی بے خبر ہے وہ صرف اللہ تعالیٰ کے قریب اور اسی سے لگاؤ ہے۔ خلاصہ یہ کہ دنیا کے راغب کو دنیا کے مختلف امور مشغول رکھتے ہیں وہ پروردگار عالم کی عبادت کے لیے فرصت ہی نہیں رکھتا اگرچہ وہ عبادت میں بھی ہو تب بھی اس کا دل دنیا میں مشغول ہوتا ہے۔ اور زاہد اگرچہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں ہوتا ہے اور دنیوی امور سے بھی فارغ ہے لیکن اس کی عبادت خوف اور طمع سے ہوتی ہے اور عارف ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کے دیدار کے شوق ہیں دونوں عالم سے فارغ ہو کر عبادت کرتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ طالبین و بطالین اور واصلین و منقطعین میں بہت بڑا فرق ہے۔

الحمد للہ۔ تمام تعریفیں اسی کی ہیں کیونکہ صفات جلال کی وجہ سے وہ اسی کا مستحق ہے بلکہ ان کے اکثر اس کے جمال و کمال سے بے خبر ہیں اور وہ حسن استعداد جو انہیں صفات جمال و جلال سے نصیب ہونی

تھی اس پر مطلع نہ ہو سکے ورنہ وہ جملہ اُمورِ دنیا کو بیکار سمجھتے اور نہ ہی دنیا کو بیکار چھوڑتے جو درحقیقت یہی آخرت کی کھیتی ہے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

استن ایں عالم اے جان غفلتست
ہوشیاری ایں جہاں را آفتست

ترجمہ:۔ اس جہان کی بنیاد اے جانِ من غفلت پر ہے اس جہان میں ہوشیاری بھی آفت ہے۔

ہوشیاری زاں جہانست وچوں آں
غالب آید پست گردد ایں جہان

ترجمہ:۔ ہوشیاری اسی جہان کی چاہیئے کیونکہ جب اس جہان کی بات غلبہ پاتی ہے تو یہ جہان پست ہو جاتا ہے۔

ہوشیاری آفتاب و حرص یخ
ہوشیاری آب و ایں عالم وسخ

ترجمہ:۔ ہوشیاری آفتاب اور حرص برف ہے ہوشیاری پانی ہے اور یہ جہان سالم میل کچیل ہے۔

زاں جہاں اندک ترشح می رسد
تا نلغزد درجہان حرص و حسد

ترجمہ:۔ اس جہاں سے تھوڑا قطرہ پڑتا ہے تاکہ حرص وحسد اس جہان میں رواج نہ پائے۔

گر ترشح بیشتر گردد زغیب
نے ہنر ماند دریں عالم نہ عیب

ترجمہ:۔ اگر اس جہان سے کچھ زائد قطرات پڑ جائیں تو پھر اس جہان میں نہ ہنر رہے نہ عیب۔

سبق:۔ عاقل پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور اس پر عمل کرے جو قرآن میں ہے اور اس کی امثال سے عبرت پکڑے تاکہ ان لوگوں سے ہو جائے جو حقیقت حال کو جانتے ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

ہست قرآن حالہائے انبیاء
ماہیان پاک بحر کبریا

ترجمہ:۔ قرآن انبیاء علیہم السلام کے حالات ہیں وہ حالات بحر کبریا کی مچھلیاں ہیں۔

در بخوانی و نۂ قرآن پذیر
انبیاء و اولیاء را دیدہ گیر

ترجمہ:۔ اگر پڑھتا ہے لیعنی قرآن کو قبول نہیں کرتا انبیاء و اولیاء کو دیکھ لے (وہ کیسے عمل کرتے تھے)۔

در پذیرائی چو بر خوانی قصص
مرغ جانت تنگ آید در قفص

ترجمہ:۔ اگر قبول کرتا ہے تو پھر (دیکھ) قرآن کے قصے کیسے پڑھتا ہے تو تیری جان کا مرغ پنجرے میں تنگ آجائے گا۔

مرغ گو اندر قفص زاند اینست
می بجوید رستن از نادا نیست

ترجمہ:۔ اس مرغ کو کہہ کہ پنجرہ تو قید خانہ ہے جو اس سے نجات نہیں چاہتا وہ نادان ہے۔

روح ہائے کز قفصہا رستہ اند
انبیاء رہبرِ شائستہ اند

ترجمہ:۔ جو ارواح اس پنجرے سے نجات پا گئی ہیں انبیاء علیہم السلام اس کے رہبر ہوئے ہیں۔

حکایت:۔ ایک دفعہ حضرت حسنین کریمین رضی اللہ عنہما حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھیل رہے تھے تو آپ کو ان کا کھیلنا بھلا لگا اُسی وقت جبرئیل علیہ السلام ایک شیشی اور کاغذ لائے شیشی میں خون تھا اور کاغذ میں زہر اور عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو ان دونوں سے پیار ہے تو یاد رکھیے ایک ان میں سے تلوار سے شہید ہوں گے (لیعنی امام حسین رضی اللہ عنہ) دوسرے کو زہر سے شہید کیا جائے گا (لیعنی امام حسن رضی اللہ عنہ) لیجئے تلوار شیشے میں اور زہر کاغذ میں ہے۔

سبق:۔ اولاد سے قطع تعلق کر کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ دل لگانا ضروری ہے جو شخص زبان سے تو کہے اللہ لیکن اس کا دل غیر اللہ سے متنفر ہو کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ متعلق نہ ہو تو اس نے گویا اللہ کہا بھی نہیں بلکہ جب اللہ کا لفظ منہ سے نکلے تو اُس وقت کیفیت یہ ہو کہ روح و قلب گویا ہے ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرمایا قل اللہ ثم ذرھم اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کہو لیکن ان کو بالکل چھوڑ دو۔ لیعنی انہیں چھوڑ کر اللہ کہو۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ان لوگوں سے بنائے جو صرف اسی کے ہیں بلکہ ان کے ہاں ہر وقت حاضر ہیں کیونکہ سوال تو صرف اسی سے ہوتا ہے۔

تفسیر عالمانہ: انك ميّت و انهم ميتون: بیشک تم موت والے مضمون میں کفار کے قیامت میں جھگڑنے کی تمہید ہے اور کفار مکہ رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال (وفات) کے منتظر رہتے تھے ان کے جواب میں فرمایا کہ کفار مکہ کہا کرتے ہیں کہ ہمیں محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی موت کا انتظار ہے وہ فوت ہوں گے تو ہم نجات پائیں گے۔ یہ آنے

ردّ معتزلہ: الموت صفة وجودية خلقت ضد الحياة (روح البیان ص۱۰۵ ج۸) موت وجودی صفت ہے حیات کی ضد (مقابل) میں پیدا کی گئی ہے۔

ردّ وہابیہ: المفردات میں ہے: الموت زوال القوة الحاسية الحيوانيه ذابانة الروح عن الجسد (روح البیان ص۱۰۵ ج۸) موت قوتِ حاسیہ حیوانیہ کے زوال اور رُوح کا جسم سے علیحدہ ہونے کا نام ہے[1]

فائدہ: انك الخ میں تاکید اس لیے لائی گئی ہے گویا مخاطب اس مسئلہ میں متردد ہے اِنّ کی تاکید سے اسے تنبیہہ ہو گئی کہ موت حق ہے اس کے دلائل اتنے واضح ہیں کہ انکار کی گنجائش نہیں ہے اور پھر اس میں نظر و فکر پر برانگیختہ کرنا بھی مطلوب ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا تم سب موت کا شکار ہو گے موت تم سب کے لیے ہے۔ کسی دوسرے کی موت کے انتظار کا کوئی فائدہ نہیں نہ ہی اسے گالی دینا کسی کام کا بلکہ ایسے کام کرنے والا جاہل بلکہ پاگل ہے ؎

مکن شادمانی بر گِ کسے
کہ دہرت نماند پس از وے بسے

ترجمہ: کسی کی موت سے خوشی نہ مناؤ کہ اس کے مرنے کے بعد وقت (تمہارے لیے) ہمیشہ نہ رہے گا۔ آیت کا معنیٰ یوں ہُوا کہ آپ بھی اس دنیا سے کوچ کریں گے اور وہ بھی مر جائیں گے۔ قاعدہ ہے کہ جو شے کسی کو قریب ہو وہ اُسی نام سے موسوم ہوتی ہے اسی لیے لازم ہُوا کہ موت سب کو قریب ہے خواہ کتنا ہی موت زندہ رہے۔ تب بھی موت کا شکار ہو گا۔ اسی لیے اسے قریب سمجھنا لازم ہے۔

---

[1] اس میں وہابیہ کا ردّ ہے کہ وہ سماع موتیٰ اور حیاۃ الانبیاء کے مسئلہ میں موت کا معنیٰ نہ سمجھتے ہوئے عوام کو دھوکہ دیتے ہیں۔ ہم سماع موتیٰ کے متعلق عرض کر دیں کہ جب موت صرف حساسیہ کے زوال وابانۃ روح الخ کا نام ہے تو پھر مردے سے سماع و دیگر صفات کی نفی کیوں۔ (اویسی غفرلہٗ)

لطیفہ: جب حضرت آدم علیہ السلام زمین پر تشریف لائے تو انھیں منجانب اللہ کہا گیا۔ فناد کے لیے پیدا ہو اور ختم ہونے کے لیے تیار ہو۔

فائدہ: بعض قرار نے انك میت و انہم مأتون پڑھا ہے وہ اس لیے کہ بوقت نزول تو موت واقع نہیں ہوئی بلکہ بعد کو واقع ہو گی اسی لیے صیغۂ اسم فاعل زیادہ موزوں ہے۔

شرح: اس کی وجہ یہ ہے کہ مائت وہ صفت حادثہ ہے جو حال و مستقبل دونوں کے لیے آتی ہے جیسے موت کے منہ میں آنے والے زید کے لیے کہتے ہو۔ زید مائت الآن۔ ایسے ہی جو مستقبل میں فوت ہوگا اس کے لیے بھی کہتے ہو۔ زید مائت غدا۔ بخلاف میّت کے کہ یہ ایسی صفت ہے جو شے کو لازم ہے جیسے السیّد وہ شخص جس کی سیادت پیدائشی ہے اور السائد ہر وہ شخص جس کو سیادت بعد کو حاصل ہوئی ہو۔

فائدہ: بعض نے کہا کہ موت کا وہ معنیٰ نہیں جو تم نے کیا کہ روح کا جسم سے علیحدہ ہونا بلکہ موت کا لفظ اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ موت وہ کیفیت ہے جو انسان کو لحظہ بہ لحظہ خلل و نقص طاری ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ انسان جب تک دنیا میں زندہ رہتا ہے وہ لحظہ بہ لحظہ مرتا رہتا ہے۔ اس معنیٰ پر میّت و مائت میں فرق ظاہر ہو گیا اور معلوم ہو گیا۔ مائت وہ ہے جو خلل و عیب والا ہو۔

فائدہ: قاضی علی بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مائت ہماری لغت عرب میں اس معنیٰ پر ہے نہیں جسے اوپر ذکر کیا گیا ہے ہاں موت مائت مستعمل ہوتا ہے جیسے شعر شاعر وسیل سائل۔

تفسیر صوفیانہ:

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ انك میّت الخ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنی موت کے اور مسلمانوں کو ان کی موت سے باخبر رہنے کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اپنی دنیوی باتوں سے بالکل فارغ رہے اور جب اسے معلوم ہے کہ موت سامنے ہے کہ اس کے لیے سوگ منانا ہے اور سوگ تین دن تک روا ہے اور جو اس سے سبق حاصل نہیں کرتا اسے اس حدیث سے کوئی فائدہ نہیں۔ اسے چاہیئے کہ نفس کے خیالات اور کونین کے تصورات سے بالکل فارغ ہو جائے تب کہیں اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر و بھلائی نصیب ہو گی اور یہ اُس وقت ہو گا جب وہ بالکل فانی ہو جائے۔

وحی حضرت داود علیہ السلام

اللہ تعالیٰ نے حضرت داوٗد علیہ السّلام کو وحی بھیجی کہ "اے داوٗد (علیہ السلام) میرا گھر پاک و صاف

رکھو تاکہ میں اس میں قیام کروں۔ عرض کی یا اللہ تو تو قیام سے منزہ ہے تجھے گھر کی کیا ضرورت ہے۔ فرمایا اپنے قلب کو میرے لیے کونین سے فارغ کر دے اور ہمارے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا الم نشرح لك صدرك یعنی ہم نے آپ کا سینہ یعنی قلب نہیں کھولا اور فرمایا و ثیابك فطھر۔ اور اپنے قلب تعلقاتِ کونین کی تلویث سے پاک کیجئے ؎

سالک پاک رو نخوا نندش
آنکہ از ما سوی منزہ نیست

ترجمہ: اسے پاک رو سالک نہیں کہتے جو ماسوی اللہ سے منزہ نہیں۔

حضرت مولانا عارف جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

روز و شب در نظرت موج زنان بحر قدم
حیف باشد کہ بلوث حدث آلودہ شوی

ترجمہ: شب و روز بحر قدیمی تیرے سامنے موج زن۔ افسوس ہے کہ حدث کی غبار سے تا منوز بھرا ہوا ہے۔

تفسیر عالمانہ: ثم انکم۔ بیشک آپ اور وہ۔ یہ دراصل انك و انھم الخ تھا اور صیغۂ غائب صیغۂ مخاطب کی تغلیب ہے اور اِنَّ سے مؤکد کیا گیا ہے بوجہ اُن کی بہت زیادہ غفلت کے۔

یوم القیٰمۃ عند ربکم۔ قیامت میں اپنے پروردگار کے ہاں یعنی اپنے جملہ اُمور کا مالک کے پاس تختصمون تم جھگڑو گے۔ آپ ان پر حجت قائم کریں گے کہ آپ نے انھیں احکام الٰہی پہنچا دیئے اور انھیں خوب نصیحت کی اور دعوتِ حق میں ان کے لیے پوری پوری کوشش کی اور وہ مکابرہ و عناد پر ڈٹ جائیں گے اور لایعنی عذر کریں گے مثلاً کہیں گے کہ ہم اپنے لیڈروں کے کہنے پر دھوکہ کھا گئے یا ہمیں اپنے آباؤ اجداد کی تقلید نے دھوکہ دیا۔

فائدہ: بحر العلوم میں ہے کہ یہاں جھگڑا عام ہے وہ یہ کہ لوگ آپس میں جھگڑیں گے یعنی اہل ایمان کافروں کے ساتھ یوں جھگڑیں گے کہ دنیا میں ہم نے تمھیں توحید کے لیے دلائل سنائے۔

زن و شوہر کا قیامت میں جھگڑا

حدیث شریف میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت میں زن و شوہر کا جھگڑا

یوں ہوگا کہ عورت کہے گی کہ میں نے اپنے شوہر کو کبھی بُرا بھلا نہ کہا اس پر اس کی زبان بند ہو جائے گی۔ اس کے خلاف اس کے ہاتھ پاؤں بول پڑیں گے اس نے جو کچھ مرد کے خلاف کیا ہوگا سب کچھ سنادیں گے۔ ایسے ہی مرد عورت کے لیے کہے گا کہ میں نے اسے دنیا میں کچھ نہ کہا تھا اس پر اس کے ہاتھ پاؤں بول پڑیں گے جتنا اس نے اپنی عورت کو ایذارسانی کی ہوگی ایک ایک کر کے سُنادیں گے۔

حضرت عثمان غنی کی طرف سے نبی علیہ السلام کا جھگڑا

حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے عثمان بن عفان کا جھگڑا پیش کروں گا۔

فائدہ : حضرت ابراہیم النخعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس حدیث شریف پر بہت متفکر تھے کہ ہم عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں ان سے ہمارا کوئی جھگڑا نہیں تو پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح ان کی طرف سے جھگڑیں گے۔ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تب انہیں معلوم ہوا کہ یہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھگڑنا از طرف عثمان غنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بہت بڑے عرصہ کے بعد شہید ہوئے لیکن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پہلے بتانا علم غیب کے جزئیات سے ہے جسے علم ما فی الغد (کل کیا ہوگا) کے دلائل میں ہم اہلسنت پیش کرتے ہیں لیکن وہابی دیوبندی منکر ہیں[۱])

صحابہ کرام کا تحیر: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث شریف کے بعد ہم حیران تھے کہ جب ہمارا رب ایک اور نبی علیہ السلام ایک اور دین ایک اور کتاب ایک تو پھر ہمارا ان سے خصومت کیسی لیکن جب میں نے غزوہ صفین میں دیکھا کہ ہم لوگ ایک دوسرے کے ساتھ برسرِ پیکار تھے۔ تب ہم سمجھے کہ ہاں یہی خصومت مراد ہے۔

قیامت کا نظارہ: حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کسی کے حقوق ادا کرنے ہیں ابھی سے ادا کرے یا معاف کرالے اس دن کے پہلے جہاں نہ درہم ہوں گے نہ دنانیر بلکہ حق والے کو اس کے اعمال صالحہ دیئے جائیں گے اگر نیکیاں نہیں ہوں گی تو حق والے کے گناہ اس کے سر پر رکھے جائیں گے۔

---

[۱] اویسی غفرلہٗ

فائدہ:۔ ممکن ہے وہی اعمال صالحہ کو جسمانی شکل میں بنا کر حق والے کو دیئے جائیں یا یہ کہ ان کے بدلے میں حق والے کو نعمتوں سے سرفراز کیا جائے اور جس نے دینا ہے اسے سزا کے طور پر یہ مسبب بول کر سبب مراد لینے کے قبیل سے ہے۔

فائدہ:۔ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب آیت ثم انکم الخ نازل ہوئی تو میں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بتایئے کیا جھگڑوں کے علاوہ بھی گناہوں کے بارے میں ادائیگی حق بھی درپیش ہوگی۔ آپ نے فرمایا ہاں ضرور ہوگی یہاں تک کہ جب تک حق والے کو حق نہ ملے گا جان نہ چھوٹے گی۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا بہت بڑا سخت وقت ہوگا۔

حدیث شریف:۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت میں خصومت یہاں تک چلے گی کہ روح و جسم بھی آپس میں جھگڑیں گے۔ جسم روح کو کہے گا میں تو ایک زمین پر پڑے ہوئے پتھر کی طرح تھا۔ مجھ میں کوئی طاقت نہ تھی جو کچھ برائیاں ہوئیں تجھ سے سرزد ہوئیں۔ اس کے جواب میں روح کہے گی میں تو ایک ہوا تھی (اس کے باوجود دونوں کو سزا ملے گی) اس کی مثال اندھے اور اپاہج جیسی ہے کہ اندھا اپاہج کو لے جا کر چوری کا مال کھائیں تو اپاہج بتاتا جائے گا۔ اندھا اسے اٹھا کر وہاں پہنچا دے گا (تو اس برے عمل میں دونوں برابر کے شریک ہیں)

حدیث شریف:۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے پوچھا کیا تمہیں معلوم ہے کہ مفلس کون ہے۔ عرض کی جس کے پاس روپیہ پیسہ نہ ہو اور نہ ہی اس کے پاس کوئی پونجی ہو۔ آپ نے فرمایا میری امت کا مفلس وہ ہے جو قیامت میں حاضر ہو لیکن اس کے پاس نہ نماز ہو نہ روزہ اور نہ زکوٰۃ بلکہ اس نے لوگوں کو گالی دی، کسی کو مارا۔ کسی کا حق کھایا۔ کسی کا خون بہایا۔ اب یہ تمام حقوق اس کی نیکیوں سے پورے کیے جائیں گے اگر نیکیوں سے حقوق ادا نہ ہوئے تو حق والے کے گناہ اس کے سر پر رکھ کر اسے جہنم میں پھینکا جائے گا۔

سوال:۔ لا تختصموا لدیّ الخ میرے پاس نہ جھگڑو قرآن میں ہے لیکن اس آیت میں جھگڑنے کا ذکر ہے آیتوں میں تضاد کیسا؟

جواب:۔ قیامت میں مختلف مواقف ہوں گے اور مختلف حالات انسان پر گزریں گے ایک وقت

جھگڑنے کا ہوگا دوسرا وقت جھگڑنے سے رکاوٹ ہو گی مثلاً ایک مقام پہ فرمایا لھم لا یتسألون ایک دوسرے سے نہیں پوچھے جائیں گے۔ دوسری آیت میں ہے وا قبل بعضھم علی بعض یتساؤلون۔ متوجہ ہوکر ایک دوسرے سے سوال کریں گے۔ اس کا بھی یہی جواب ہے کہ کبھی ایک دوسرے سے سوال کریں گے۔ دوسرے وقت سوال نہیں کر سکیں گے۔ ایسے ہی ایک مقام پہ فرمایا فیومئذ لا یسال عن ذنبھم انس ولا جان۔ آج کے دن اس کے گناہوں کے متعلق کسی جن وانس سے نہ پوچھا جائے گا۔ دوسرے مقام پہ فرمایا فوربك لنسألنھم اجمعین تیرے رب کی قسم ہم ان سے سوال کریں گے۔ اس جیسی اور آیات بھی ہیں۔

تفسیر صوفیانہ:۔ اکابر مشائخ فرماتے ہیں کہ قیامت بہت بڑا دن اور بہت بڑا سخت ہے۔ اس میں پہلے اللہ تعالیٰ صفت قہریہ کی تجلی سے متجلی ہوگا۔ یہاں تک کہ انبیاء واولیاء بھی خاموش ہوں گے (شفاعت کبریٰ یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے بعد) پھر اللہ تعالیٰ لطف وکرم کی تجلی سے متجلی ہوگا تو تمام انبیاء واولیاء شفاعت کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں گے۔

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ثم انکم یوم القیمۃ الخ یعنی اپنے حساب وکتاب کی فراغت کے

فائدہ:۔ بعد پھر تم اپنے اقرباء اور اہل وعیال اور دوستوں کی شفاعت کے لیے رجوع کروگے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے عنایت اور لطف وکرم کا سوال کرتے ہیں۔

ھذا آخر مارقم قلم الفقیر القادری محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہ

فالحمد للہ علی ذلك وصلی اللہ علی حبیبہ الکریم وعلیٰ آلہ وآصحابہ اجمعین

بفضلہ تعالیٰ فقیر پارہ ۲۳ کی تفسیر کے ترجمہ سے ۲۸ شوال ۱۴۰۵ھ مطابق ۱۷ جولائی ۱۹۸۵ء کو بارہ بجے دن کو مسجد سیرانی شریف بہاولپور میں فراغت پائی۔

فہرست تفسیر فیوض الرحمٰن پارہ ۲۳

تمت